

فتاویٰ امجدیہ

جلد ۳

تصنیف

صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب غفرلہ قدس سرہ العزیز

بإتمام

قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی خطیب بیومین مسجد بولٹن بارکھٹ کراچی

دارالعتبہ پورہ امجدیہ

مکتبہ رضویہ

آرام باغ روڈ کراچی

العلم خزان ومفاتيحها السؤال

فتاوى امجدية

(جلد سوم)

تصنيف

صدر الشريعة حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صنا اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان

(مصنف بہار شریعت)

تعلیق :- حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صنا اعظمی - ترتیب :- حضرت مولانا عبد المنان صنا اعظمی

باہتمام

قاری رضا المصطفیٰ اعظمی بن حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ

ناشر

آرام باغ روڈ، کراچی ۱

دارالعلوم امجدیہ مکتبہ رضویہ ☆

فون: ۲۶۲۷۸۹۷، ۲۲۱۶۳۶۳

جلد حقوق بحق ناشی محفوظ ہیں

کتاب	فتاویٰ امجدیہ (جلد سوم)
تصنیف	صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی
تعلیق	حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی
ترتیب	حضرت مولانا عبدالمنان کلینی
پروف ریڈنگ	مولوی قمر الہدیٰ
	نور عالم
	مبشر رضا
بار سوم	ماہِ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
	مطابق جولائی ۱۹۰۲ء
تعداد	ایک ہزار
طباعت	سندھ آفسٹ پریس کراچی
ناشر	دارالعلوم امجدیہ، آرام باغ روڈ، کراچی
قیمت	

ملنے کے پتے

- (۱) ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ - لاہور - فون: ۲۲۱۹۵۳
- (۲) شجرہ برادرز، ۴۰ - اردو بازار - لاہور
- (۳) ضیاء القرآن پبلیکیشنز، اردو بازار - کراچی - فون: ۲۶۳۰۳۱۱

بسمہ و حمدہ تعالیٰ

فہرست فتاویٰ امجدیہ سوم

کتاب الوقف

از صفحہ ارتا ۵۲

صفحہ	
۱	مسجد سے متصل اپنی ملکیت کی دیوار گر جائے تو دوبارہ بنوانے میں حرج نہیں
۲	مالک زمین کے وقف کئے بغیر زمین وقف نہیں ہو سکتی
۳	کافر مسجد بنانے کا اہل نہیں
۴	وقف مشاع سے مسجد نہیں بن سکتی
۵	توسیع مسجد کیلئے مسلمانوں کی قبر کھودنا جائز نہیں
۶	وقفی قبرستان میں مسجد کی توسیع ناجائز ہے
۷	سیلاب سے مسجد منہدم ہو جائے تو اس کی اینٹیں وغیرہ دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟
۸	مسجد قیامت تک کے لئے مسجد ہے اس کی مسجدیت باطل نہیں ہو سکتی

- ۱۰ مکان وقف میں کسی قسم کا تصرف کرنا یا اسے نقصان پہونچانا جائز نہیں
 ایک وقف کی خاطر دوسرے وقف کو نقصان پہونچانا درست نہیں
 ۱۱ بہت صحیح و تمام ہو تو موجب لہ اسے وقف کر سکتا ہے
 ۱۲ کیا ایک مدرسہ پر وقف کیا ہوا روپیہ دوسرے مدرسہ میں صرف ہو سکتا ہے
 وقفی قبرستان میں مدرسہ کنواں وغیرہ بنانا جائز نہیں۔ اگر بنا دیے ہوں تو منہدم کر دیا جائے
 ۱۴ توسیع مسجد کے لئے مصالح مسجد کی زمین بدلنا جائز ہے۔
 ۱۸ بلا وجہ جزا وصول کیا ہوا روپیہ مسجد میں نہیں لگایا جاسکتا
 ۱۹ قبرا قبر کے آس پاس مسجد کی دیوار اٹھانا کیسا ہے؟
 عیگہ کیلئے زمین وقف ہونے اور اس پر نماز پڑھ لینے کے بعد بالاتفاق وقف تمام و لازم ہو گیا
 ۱۰ تغیر وقف حرام ہے
 وقفی عید گاہ میں میت دفن کر دے تو کیا حکم ہے؟
 ۲۱ وقفی قبرستان میں اپنے لئے۔ یا قبرستان کیلئے لگائے گئے درختوں کا کیا حکم ہے؟
 ۲۲ مسجد سے وقف کی گئی زمین سے اگر مسجد کو فائدہ نہ ہو تو اسے مصالح مسجد کے لئے
 فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟
 ۲۴ متولی اگر مال وقف میں خیانت کرے تو اسے معزول کرنا لازم ہے۔
 ۲۵ مسجد یا اسکے متعلقہ کار آمد اشیاء کو بیچنا خریدنا جائز نہیں
 مسجد کا بیکار سامان بھی بغیر اذن قاضی فروخت نہیں کیا جاسکتا۔
 وقف کیلئے تحریر ضروری نہیں، شہرت کافی ہے۔
 وقف کی بیع باطل ہے۔

۲۶	مجنوں کا وقف صحیح نہیں
"	فاتر العقل آدمی کی طرف سے اسکے بھائی وقف کریں تو وقف ہوگا یا نہیں؟
"	وقف کی چند شرطوں کا ذکر
۲۸	زمین موقوفہ پر قبضہ مالکانہ حرام ہے۔ اگر متولی ایسا کرے تو اسے معزول کرنا واجب ہے۔
۱۹	جائداد موقوفہ کو دوسری جائداد سے بدلنا کیسا ہے؟
"	متولی وقف میں بعض تصرفات خود کر سکتا ہے
۳۰	وقف میں بیع کی شرط لگانے سے وقف صحیح ہوگا یا نہیں؟
"	مسجد کی اشیاء کو متولی بیچ سکتا ہے
۳۱	وقفی قبرستان کی بیع باطل اور بیچنے والا گنہگار
۳۲	غیر قابل قسمت یا قابل قسمت مشترکہ زمین کو اگر کسی ایک نے شریک وقف کیا تو کیا حکم ہے؟
۳۴	وقفی زمین کو تین سال سے زیادہ کرایہ پر دینا ممنوع ہے
۳۵	متولی کی اجازت کے بغیر مزدور نے مسجد میں گلکاری کا کام کیا تو اجرت کس کے ذمہ ہے؟
"	ناظم تعمیر اگر مسجد میں بلا ضرورت اجرت میں زائد رقم خرچ کرے تو کیا حکم ہے؟
"	وقف علی الاولاد کی صورت میں واقف کی وفات کے وقت اگر غلہ تیار نہ ہو تو حسب شرائط وقف تقسیم کیا جائے گا۔
۳۶	نماز عید کے لئے زمین کا وقفی ہونا ضروری نہیں
"	مسجد کو مکان کے اندر کر لینا کیسا ہے؟
"	مسجد کا ویران کرنا حرام
۳۸	جائداد موقوفہ میں شرائط وقف کے خلاف تصرف کرنا جائز نہیں
"	ایک آدمی نے صرف لڑکوں کی تعلیم کیلئے زمین وقف کی تو اس زمین میں گرل کول کھولنا کیسا؟

صفحہ	وقف
۳۸	مسجد و مسجد کی تعمیر و اخراجات یا کسی دینی و مذہبی ضرورت کیلئے کئے گئے چندے صدقہ نافلہ ہوتے ہیں یا وقف ؟
"	وقف میں اصل کو مٹس کر کے منافع کو کام میں لانا ضروری ہے۔ اصل کو خرچ نہیں کیا جاتا
"	جو چندہ جس مقصد کے لئے وصول کیا گیا ہے اس کے غیر میں صرف کرنا جائز نہیں
"	بچا ہوا چندہ چندہ دہندگان کو واپس کیا جائے یا وہ جس امر کی اجازت دیں اسی میں خرچ کریں
"	در اہم و دناہ کو وقف کیا تو اس کی کیا صورت ہوگی ؟
۳۹	چاندی کے روپے کی بیع چاندی کے روپے سے کمی بیشی کے ساتھ حرام ہے (بیع)
"	دین کے روپے کو بیچنا کیسا ہے ؟
۴۰	چندہ دہندگان نے روپے جس مقصد کے لئے دیئے ہوں اسی مقصد میں خرچ کیا جائے
"	چندہ دہندگان نے اگر متولی کو اختیار دیدیا تو خرچ کرنے میں متولی مختار ہوگا۔
۴۵	منظلمین اگر وقف کے کام میں مستحق کریں یا اصحاب رائے نہ ہوں یا ان کی وجہ سے وقف کو نقصان پہونچے تو انھیں معزول کرنا واجب ہے
"	کثرت رائے مدار تولیت و انتظام نہیں بلکہ وقف کا بھی خواہ ہونا ہے
"	وارثوں کو وراثت سے محروم کرنے کی نیت سے وقف کرنا برا ہے مگر وقف صحیح ہو جائیگا
"	وقف میں نیت سن ہو تو وقف ثواب اخروی کا مستحق ہوگا
۴۶	مسجد کی چیزوں کو اپنے ذاتی کام میں لانا خیانت ہے۔ ایسے متولی کو معزول کرنا واجب ہے
"	کافر اگر اپنی زمین مسجد بنانے کو دے تو مسجد بنانے کی کیا صورت ہوگی۔
۴۹	وژناہ کو جائداد سے محروم کرنے کی نیت سے وقف کرنا گناہ ہے۔ لیکن قصد و ارادہ کا تعلق دل سے ہے لہذا جو جائداد وقف کی جائے وہ جائز و نافذ ہوگی

۴۹ اشیا پر غیر منقولہ میں سے جس کے وقف کا رواج و تعامل ہو اس کا وقف درست ہے ورنہ نہیں

۵۰ وقف منقول غیر مروج وقف نہیں ہے۔ اس میں وراثت جاری ہوگی

تجارت سرمہ کی آمدنی کو وقف کرنا لغو و بے معنی ہے

وقف کی صحت کیلئے شئی موقوفہ اور ملک میں ہونا شرط ہے

وقف نامہ کی تکمیل کے بعد واقع کو اس میں ترمیم و تسبیح کا حق نہیں۔ ہاں اپنی

مراہ کی وضاحت کر سکتا ہے۔

وقف از خود کرے یا کسی کے کہنے سے وقف صحیح مانا جائے گا

۵۱ واقف یا متولی کے ناجائز تصرف سے وقف باطل نہیں ہوتا

وقف کی صحت کیلئے اشیائے موقوفہ کی قیمت بیان کرنا ضروری نہیں

۵۲ واقف نے عدم استبدال کی شرط کر دی ہو تو استبدال درست نہیں

علامہ شامی کی بیان کردہ استبدال کی تین صورتیں

۵۳ وقف کا متولی کیسا شخص ہونا چاہئے

رسالہ قاع الواہیات من جامع الجزئیات از ص ۵۳ تا ص ۱۰۹

باب المسجد از ص ۱ تا ص ۱۵

۱۱۰ مسجد کی چیز بیکار ہو اور مسجد کے کام نہ آئے تو کیا کرے

۱۱۱ اگر امام صالح امامت نہ ہو یا فاسق ہو تو اسے معزول کرنا واجب ہے

فاسق امام کی معزول کرنے کی طاقت نہ ہو تو نمازی کیا کرے

مسجد کا سرمایہ بیکار ہو جائے اور مسجد میں صرف کرنے کی صورت نہ ہو تو کیا کرے	۱۱۱
سینوں کی مسجد کی متولیہ رافضیہ نہیں ہو سکتی	۱۱۲
رافضی تبرائی علی العموم کافر و مرتد ہیں	۱۱۳
مسجد کیلئے خریدی ہوئی چیز کو فروخت کر کے دوسری بہتر چیز خریدنا جائز ہے	۱۱۴
مسجد کیلئے کافر و ہندو کی دی ہوئی زمین پر مسجد ہو سکتی ہے یا نہیں ؟	"
حربی کی زمین پر بلا اجازت نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے ؟	"
رد افہن کو مسجد میں آنے سے روکا جائے	۱۱۵
جو مسجد مسجد جامع ہے مشہور ہو اور اس میں جمعہ ہوتا ہو تو شرعاً مسجد جامع ہی ہوگی	۱۱۶
وہابی مسجد کا منتظم ہو سکتا ہے یا نہیں ؟	"
درتبہ حوض مسجد یافتن استخوان ریم دلیل قبر نیست	۱۱۷
برائے ثبوت قبرستان کدام امور با ضرور است ؟	"
چندہ جمع کر کے وعظ کرانا شیرینی تقسیم کرانا جائز ہے	۱۲۱
مبارک راتوں میں جہاں کثرت روشنی کا رواج ہو روشنی کرنا کیسا ہے ؟	"
وقت وقف واقف کی لگائی گئی شرط کے مطابق آمدنی خرچ کی جائے گی	۱۲۲
واقف کی شرط کا علم نہ ہو یا اس نے کوئی شرط نہ لگائی ہو تو آمدنی کس میں صرف کرے	"
مسجد پر وقف کی ہوئی جائیداد کا مصرف کیا ہے	"
مسجد کو مسجد کر دینے کے بعد اپنی ملک قرار دینا صحیح نہیں	۱۲۳
ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بھی مسجد ہے	"
مٹی کا تیل پاک مگر بدبو کی وجہ سے مسجد میں جلانا ممنوع	"

مسجد

صفحات

مٹی کے تیل کی بو اگر رائل کر دی جائے تو مسجد میں جلانا منوع نہیں	۱۲۳
مسجد کے لئے کافر کا دیا ہوا تیل مسجد میں جلانا منوع نہیں	۱۲۴
معین مسجد مسجد ہی ہے۔ بعد تمام مسجدیت اس میں حوض نہیں بنایا جاسکتا	۱۲۵
جو تے امارنے کی جگہ حوض یا غسل خانہ وغیرہ بنا سکتے ہیں	"
معین مسجد میں قبر بنانا جائز نہیں	"
معین مسجد (مسجد بنی) میں نماز جنازہ مکروہ ہے	۱۲۶
معین مسجد میں منی و حائفہ کو جانا جائز نہیں	"
بوقت بنائے مسجد قبل تمام مسجدیت حوض بنانا خارج مسجد ہے	"
"فنائے مسجد" خارج مسجد ہے۔ اس میں نماز جنازہ جائز ہے	"
جو حصہ داخل مسجد نہ ہو تو ضرورت مسجد کے لئے دکان بنانا جائز ہے	۱۲۷
معین مسجد میں غسل کرنا منوع	۱۲۸
مسجد میں کسی کی ملک نہ اس پر وراثت جاری ہو سکتی ہے	"
مسجد کو اپنے ذاتی مکان کی طرح تصرف میں لایا والے کو تولیت سے جدا کرنا واجب ہے	"
مسجد اول کے بعد دوسری مسجد اگر بنیت خیر بنایا تو بنانے والا ثواب کا مستحق	۱۲۹
نئی مسجد بنانے میں اگر پہلی مسجد کو نقصان پہنچانا مقصود ہو تو بنانا جائز نہیں	"
مسجد ہونے کیلئے وقف کرنا شرط ہے	"
شرائط جمعہ پائے جائیں تو نئی مسجد میں جمعہ وعیدین درست ہیں۔	"
مسجد میں شور و غل لوٹ مار کرنا جائز ہے	"
چوترا بنوا کر عام لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دینے و عمارت مسجد بنوانے مسجد ہو جائیگی	۱۳۱

۱۲۱	مسجد سے نماز کیلئے مسلمانوں کو روکنا ظلم شدید ہے
"	مسجدیت ثابت ہو جانے کے بعد ابطال کا حق کسی کو نہیں رہتا
"	مسجد ہونے کیلئے لفظ وقف زبان سے کہنا یا وقف نامہ تحریر کرنا ضروری نہیں
۱۲۲	معین مسجد کے پتھر کو گٹی اور چوڑے کافر شس بنانا کیسا ہے ؟
"	پتھر جب تک زمین میں نصب ہوں بیع نہیں ہو سکتی (بیع)
۱۲۳	مسجد کا پتھر خریدنا جائز ہے مگر اسکے ساتھ بے احتیاطی ممنوع ہے
"	مسجد پر کوئی چیز وقف کرنے کے بعد کہے میری ہے تو کیا حکم ہے
۱۲۴	صرف زبان سے میں نے مسجد کہا " کہا تو مسجد ہو گئی - نماز پڑھنا ضروری نہیں
"	مسجد کی مسجدیت ہمیشہ کیلئے ہوتی ہے کسی کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہوتی -
"	مسجد کے لئے مشاع کا وقف بالاتفاق ناجائز ہے
"	مشترک زمین میں بعض شرکار مسجد کیلئے دینے سے انکار کریں تو کیا حکم ہے
۱۲۵	ضروریات مسجد کیلئے وقف کی ہوئی جائداد کو بجلی کی روشنی میں صرف کرنا کیسا ہے ؟
"	مصالح مسجد کیلئے دیئے گئے روپیوں کو فی زمانہ بجلی کی روشنی میں صرف کر سکتے ہیں
۱۲۶	بجلی کی روشنی لینا عقد بیع کی قسم بیع تعاطی ہے (بیع)
۱۲۷	مسجد ہمیشہ کے لئے مسجد ہوتی ہے خواہ عمارت باقی رہے یا منہدم ہو جائے
"	مسجد کے کسی جز کو راستہ میں شامل کر لینا حرام اور مسجد کی توہین ہے
۱۲۸	مسجد بنانا واجب اپنی ملک سے خارج ذکر دے مسجد نہ ہوگی
"	فاسق و فاجر کو متولی بنانا جائز نہیں
"	جو شخص تولیت کا خواہش مند ہو اس کو متولی نہ بنایا جائے

- ۱۴۴ مسجد تحت الشریعہ سے عرش تک ہوتی ہے
- ۱۴۵ مسجد کے کسی حصہ کو کرایہ پر دینا جائز نہیں
- قبل تمام مسجدیت کسی حصہ کو دوکان مسجد کیلئے بنانا کیسا ہے؟
- اوپر مسجد بنانے کے بعد بیچے دوکان نہیں بنائی جاسکتی
- ۱۴۶ مولوی ابراہیم صاحب کے ایک فتویٰ کا رد
- ۱۴۷ مولوی عبدالرشید صاحب کے ایک سوال کا جواب
- ۱۴۸ امام مقرر کرنے کا حق متولی مسجد کو ہے یا مصلیان مسجد کو ہے؟
- ۱۴۹ مسجد اگر غیر آباد جگہ میں ہو اور مسجد کو نقصان پہنچنے کا شدید خطرہ ہو تو کیا حکم ہے؟

کتاب البیوع از ص ۱۵۸ تا ص ۱۹۸

- ۱۵۱ گراں نرخ حاصل کرنے کی غرض غلہ خرید کر رکھنا جائز ہے
- احکام رکھنا جائز ہے
- تالاب میں پھلیوں کی خرید و فروخت ناجائز ہے
- جو پھلیاں گڑھے سے بغیر حیلہ پکڑی جاسکیں ان کی بیع جائز ہے
- ۱۵۲ بینک اگر فاصلہ کافروں کا ہو تو روپیہ جمع کر کے زائد رقم لینا سود نہیں
- سود پر روپیہ دینے والے بینک کی امداد و اعانت حرام ہے
- ۱۵۳ کافر حرلی کا مال عقد فاسد کے ذریعہ سے لینا جائز ہے
- نوٹ کوئی بیشی کے ساتھ نوٹ کے بدلے اودھار بیچے تو کیا حکم ہے؟
- ۱۵۴ نوٹ قرض دے کر زیادہ لینا مقرر کر لیا تو سود و حرام ہے

۱۵۵	نوٹ کو کم و بیش پر نقد و ادھار دونوں طرح بیچنا جائز ہے
"	دھلی رہن ناجائز ہے
"	مکان مرہون کر ایہ پر دینا ناجائز ہے
۱۵۶	جب تک کسی مال کی نسبت بعینہ حرام ہوتا معلوم نہ ہو اس کا لینا جائز ہے
"	مال حرام سے مخلوط یا مشتبہ مال کا حکم
۱۵۷	کافر حربی کا مال اس کی خوشی سے لینا جائز۔ خواہ وہ اس مال کو سود یا حرام سمجھے
"	اگر فاسق، فاجر بعینہ مال اجرت میں دے تو لینا ناجائز ورنہ جائز
"	مال حرام پر عقد و نقد جمع ہوں تو خریدی ہوئی شئی حرام ہے
"	مال حرام پر عقد و نقد جمع ہونے نہ ہونے کی صورت
۱۵۹	احکام قطعیہ منصوصہ میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ ہاں بعض احکام ظنیہ میں مصلحت یا ضرورت یا عموم بلوی وغیرہ سے تبدیلی ہوتی ہے
۱۶۰	تبدیل زمان سے تغیر احکام کی چند مثالیں
"	۱۱، عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکنے کا مسئلہ
۱۶۱	۲، جمعہ میں اقامہ اذان کا مسئلہ
۱۶۲	۳، مساجد کی آرائش اور اس کی دیوار و در کے نقش و نگار کا مسئلہ
"	۴، مساجد کیلئے کنگرے بنانے کا مسئلہ (۵) تعلیم علم دین و امامت و اذان پر اجرت لینے کا مسئلہ
۱۶۳	اسباب تہ (ضرور، حاجت وغیرہ) کے باعث بعض احکام میں تغیر صورت ہوتا ہے حقیقتہً نہیں (اصول)
۱۶۴	سود حرام قطعی ہے وہ ہمیشہ حرام رہے گا
۱۶۵	سود کی حرمت و شناعیت پر ۱۹ حدیثوں کا ذکر

بعض جگہ صورتہ رہا ہوتا ہے حقیقتہً نہیں یہ جائز ہے	۱۴۰
رہا ہونے کیلئے مال کا معصوم ہونا شرط ہے	"
حربی کا مال اس کی رضامندی سے جس طرح لے لینا جائز ہے	۱۴۲
حربی سے اخذ مال کیلئے ایسے اسباب اختیار کئے جاسکتے ہیں جو مابین مسلمین نا جائز ہیں	"
ہندوستان کے کفار حربی ہیں	۱۴۳
مسلمان سے سود میں لیا ہوا روپیہ حرام ہے اسے واپس کرنا واجب اگر وہ نہ ہو	۱۴۴
اور وارث بھی نہ ہو تو ایسا مال حق نفع قرار ہے	"
عقود میں لفظ کا اعتبار اس وقت ہے جبکہ اپنے محل میں ہو (اصول)	"
حیلہ جائز ہے جس کا مقصد ناجائز طریقہ کو چھوڑ کر جائز طریقہ اختیار کرنا ہوتا ہے	"
حیلہ کی چند واضح مثالیں	"
گیہوں - جو کے بھس کی تجارت جائز ہے	۱۴۶
نوٹ کی بیع نوٹ سے کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے اور ادھار بھی	۱۴۷
سوکھے حلال گوشت کی بیع جائز ہے	"
پاٹ، دھان وغیرہ میں قبل فصل بھاؤ طے کر کے روپیہ پیشگی لے لینا بیع سلم ہے -	۱۴۸
اگر اسکے تمام شرائط پائے جائیں تو جائز ورنہ نہیں	"
بیع سلم کے تمام شرائط کا ذکر	"
باندی، غلام کا رکھنا، خریدنا، بیچنا شرعاً جائز ہے	۱۴۹
آزاد کی بیع حرام و باطل	"
بلا اجازت دوسرے کے چارہ اٹھاس سے چرے ہوئے جانور کا دودھ پینا حرام نہیں -	۱۵۰

- ۱۸۰ بیع سلم کی تعریف
- ۱۸۱ بیع میں کثمن کی تعین ضروری ہے
- ” بائع اپنی چیز کی بیشی جس طرح چاہے بیع سکتا ہے
- ” نقد و ادھار میں سے ایک صورت معین کر کے بیع ضروری ہے مگر رکھنے کی صورت میں بیع فاسد ہو
- ۱۸۲ درخت میں جب تک پھل نہ آئے ہوں بیع نہیں ہو سکتی
- ” درخت کے ناقابل انتفاع پھل کی بیع جائز ہے۔ مگر چھوڑے رکھنے کی شرط فاسد ہے
- ” ایسے بیع کے جواز کی ایک صورت
- ” افیون کی بیع جائز ہے مگر ایسے شخص سے ممنوع جو ناجائز طور پر کھائے
- ۱۸۳ کتے کی بیع جائز ہے مگر اسکا پانا موانع ضرورت کے علاوہ ممنوع ہے
- ۱۸۴ درخت پر جب تک پھل نہ آجائیں بیع باطل ہے
- ” درخت پر پھل آئے مگر ناجائز ہیں تو بیع جائز مگر درخت پر لگے رہنے کی شرط مفسد بیع ہے
- ۱۸۵ اختلاف جنس کی صورت میں کسی بیشی جائز ہے۔ مگر اتحاد جنس کی صورت میں ادھار سود و حرام
- ۱۸۶ ایسی شرط جو تقاضائے عقد کے خلاف ہو مفسد بیع ہے
- ۱۸۷ جو آپ تم دیں گے منظور ہے ” سے بیع نہیں ہو سکتی۔ کہ ثمن جہول ہے
- ” بیع سلم میں مدت مقرر نہ ہو تو بیع صحیح نہیں
- ۱۸۸ روپیہ قرض دیا۔ تو روپیہ ہی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ دیون اگر دائن کی رضامندی سے
- ” غلہ لینا چاہے تو وقت ادا کا نرخ معتبر ہوگا
- ” عقد کو معلق بالشرط کرنے سے عقد سلم نہیں ہو سکتا
- ۱۹۰ زمین میں نام داماد کا درج ہے مگر خسر زمین کی ملکیت کا مدعی ہے تو ثبوت گواہوں سے ہوگا

- ۱۹۰ کافر اگر جانور جھٹکا کرے تو مسلمان کو اسے فروخت کرنا حرام
- ۱۹۱ جانور کی کھال پکانے سے قبل بیچنا خریدنا حرام
- ۱۹۲ مضاربت جائز ہے مگر شریک پر نقصان ڈالنے کی شرط کر لینا مفسد مضاربت ہے
- " عقد بیع تام ہو جانے کے بعد منیع کو دوپیرے کے ہاتھ بیچنا حرام
- ۱۹۳ ترکہ میں ملے ہوئے مکان کو ایک شریک نے تقسیم شری کے قبل اپنی کے ہاتھ فروخت کر دینے تو کیا حکم ہے۔ ایسی صورتیں دوسرے شریک کو حق شفعہ حاصل رہے گا یا نہیں ؟
- ۱۹۴ بیع بالوفاء کا حکم
- " حیوان میں بیع سلم ناجائز ہے اور بھیل میں جائز ہے
- ۱۹۷ زندہ بھیل میں سلم سے متعلق فتح القدیر کی ایک عبارت کی توضیح
- ۱۹۸ نقد اور ادھار میں سے ہر ایک کی قیمت بتا کر بیع کرے اور صورت متعین نہ کرے تو بیع ناجائز ہے
- " طوائف کے مال حرام پر عقد و نقد جمع ہوں تو لینا ناجائز
- " روپیوں کو پیسوں کے بدلے کسی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے

باب القرض

- ۱۹۹ مقرض زندہ نہ ہو اس کا کوئی وارث بھی نہ ہو تو مستقرض مال قرض کو کیا کرے ؟
- ۲۰۰ بیمہ کمپنی میں جمع کیا ہوا روپیہ قرض ہے
- " بیمہ زندگی کا تفصیلی حکم
- ۲۰۳ ایک شخص نے دوسرے کے پاس روپیہ جمع رکھا اور خرچ کرنے کی اجازت دیدی تو یہ صورت قرض ہے

۲۰۳ شی مرہون کو اگر کسی نے بلا اجازت راہن چھڑایا تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے

باب الرباء

از ص ۲۰۴ تا ۲۰۹

۲۰۴ سود لینا دینا حرام ہے، ہاں کافر حربی کا مال بلا غدر لے سکتا ہے

۲۰۵ قرض سے حاصل کیا ہوا زویہ سود ہے

۲۰۶ کافر غریزی سے جو مال بلا غدر لے دے سود نہیں

۲۰۷ بینک کو غنٹ جو روپے سود کہہ کر دیتی ہے وہ سود نہیں مگر لینے والا سود کچھ کرنے لے

۲۰۸ سود کیلئے عقد میں مشروط ہونا ضروری ہے گو غنٹ کے یہاں کٹ رہی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

۲۰۸ نوٹ ٹمن عفی ہے اس میں زکوٰۃ واجب

۲۰۸ سادات کرام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

۲۰۹ نوٹ کنیشی کیساتھ بیچنا جائز ہے

۲۱۰ ہاں قرض دیگر زائد لینا سود ہے

۲۱۰ سود لینا اشہد حرام ہے لینے والے پر تو یہ فرض

۲۱۰ بلا ضرورت شرعیہ سود پر روپیہ یا غلہ لینا حرام ہے

۲۱۰ کافر حربی کا مال مباح ہے جبکہ بدعہدی نہ ہو

۲۱۰ سودی لین دین سے بچتے ہوئے دائن

۲۱۰ کے لئے نفع اٹھانے کی صورت

۲۱۱ شادی غمی کی بیجا رسوں کیلئے سود لینا جائز نہیں

۲۱۲ قرض دیگر ادائیگی قرض تک کام کر کے شرط سود ہے

۲۱۲ سود کیلئے ضروری ہے کہ بذوقت عقد قرض پر

۲۱۲ زائد لینا مشروط ہو بلا شرط تو ہی زائد لینا سودی

۲۱۳ سود کی تعریف

۲۱۴ کافر حربی کو قرض دیگر زیادہ لینا ٹھہر لیا تو یہ

۲۱۴ سود نہیں

۲۱۴ ہندوستان کا دارالاسلام ہونا صحیح و مختار ہے

۲۱۵ دارالحرب ہو یا دارالاسلام مسلم اور کافر حربی

۲۱۵ کے مابین کوئی عقد ربا نہیں

۲۱۵ ہندوستان کے کفار زیدی ہیں نہ مستامن

۲۱۵ بلکہ حربی ہیں

صفحات	ردیف	صفحہ	ردیف
۲۱۹	سود کے لئے عصمت بدین شرط ہے	۲۲۸	کافروں کو روپے قرض دیکر زائد لینے کا حکم
۲۲۰	سود مطلقاً حرام ہے۔ ہاں کافر جہلی اور مسلمان کے درمیان سود کا تحقق نہیں	۲۲۹	ہندوستان دارالاسلام ہے
۲۲۲	سود خور کے یہاں کھانے پینے کا حکم	۲۳۰	ہندوستان کے کفار سے بذریعہ عقود فاسدہ ان کے اموال لینا جائز
۲۲۳	ہندوستانی بینک میں جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود نہیں۔ اسے مدارس و یتیم خانہ میں صرف کر سکتے ہیں	۲۳۱	قرض دیکر زائد لینا مشروط ہو تو زائد رقم سود ہے مسلمانوں کے بینک سے ملنے والی زائد رقم سود ہے
۲۲۴	کافر غیری سے جو مال بلا غدر حاصل ہو اس کا لینا جائز	۲۳۲	ہندوستان دارالاسلام ہے
"	پراویڈنٹ کا حکم	"	دارالاسلام کے دارالحرب ہونیکے شرائط کفار کے اقسام
۲۲۵	کافروں کی بینک میں جمع کردہ رقم پر زائد رقم لینا جائز۔ مگر نیت سود لینے کی نہ ہو	۲۳۳	حدیث میں دارالحرب کی قیادت فاقی ہے
۲۲۶	ڈاکخانہ سے دستیاب ہونے والی زائد رقم سود نہیں	۲۳۵	بیمہ کروانے کا حکم
"	نوٹ کی بیج چاندی کے روپے سے کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے اس میں تقابض بدین بھی ضروری نہیں	۲۳۶	ہندوستان دارالاسلام ہے
۲۲۷	بینک اور ڈاکخانہ سے ملنے والی زائد رقم سود نہیں	۲۳۷	دارالاسلام کے دارالحرب ہونیکے صورتیں
"	حدیث میں دارالحرب کی قید کے اتفاقی ہونے کی وجہ	۲۳۸	زندگی بیمہ کا حکم
		۲۳۹	بیمہ کرانے میں اگر ہر طرح مسلمان کا فائدہ ہو تو جائز ہے
		"	لاٹری کا حکم

صفحہ	تفص	آثار دعویٰ اقرار
	باب القضاء از ص ۲۳۰ تا ۲۳۸	نکاح خوانی پر اجرت لینا جائز ہے قاضی سے نکاح پڑھوانا ضروری نہیں
۲۳۰	مسلمانوں کو شریعت کی اتباع لازم ہے اور حکام پر شرع کے مطابق فیصلہ کرنا فرض	باب الافتاء از ص ۲۳۹ تا ص ۲۵۱
۲۳۱	علم نہ رکھنے والے کو فیصلہ کرنا جائز نہیں	کسی مسئلے میں امام شافعی کا مذہب معلوم کرنے کیلئے مفتیان شافعیہ طریقت رجوع چاہئے
"	موافق شرع فیصلہ کرنے والے عالم کو بکبر وہ بانتے والے کا حکم	کتاب صلوة مسعودی کے متعلق سوال و جواب و بابوں سے مسئلہ پوچھنا اشذ حرام
۲۳۲	قرآن کریم کے حکم کے خلاف قانون بنوانے کی کوشش کرنا حرام	۲۵۱
۲۳۳	شریعت کے حکم پر راضی نہ ہونا اور خود ساختہ قانون کو ترجیح دینا کفر ہے	۲۵۲
۲۳۴	خلاف شرع حکم پر عمل کرنے کو انوکھے کا حکم لڑکیوں کو ان کا حصہ نہ دینا رسم کفار ہے	"
۲۳۵	مسلمانوں پر احکام شرعیہ پر عمل لازم احکام شرعیہ کو نہ بانتے والے کا حکم	"
۲۳۶	کفار کے پاس فیصلہ لے جانا ممنوع ہے	۲۵۳
۲۳۷	قاضی کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کیا جائیگا	ہونے کا اقرار کیا تو مکان زوجہ کی ملک ہوگی بکاغذ میں قرضی نام کا اعتبار نہیں
۲۳۸	قاضی کے کہتے ہیں	

صفحہ	اقرار و ہبہ	صفحہ	ہبہ
۲۵۳	کسی وارث کو پورا مال دیدے - دوسرے	۲۶۰	ہبہ بعد قبضہ تام ہو جاتا ہے
	کو نہ دے تو کیا حکم ہے ؟	۲۶۱	ہبہ مشاع ناجائز و فاسد ہے
۲۵۵	اقرار کی صحت کیلئے رضا شرط ہے - جبر و تعدی	۲۶۲	ہبہ فاسد ہو اور شیوع کے ساتھ مہسوب لم
	کے ساتھ اقرار حقیقہ اقرار نہیں		نے قبضہ کیا تو مفید ملک نہیں ، درختا رہے مسئلہ
۲۵۶	دعویٰ اقرار بالا کراہ دعویٰ اقرار کاذب نہیں		کی تائید اور نظام الروایہ کے صحیح و مختار ہو سکی تصریح
۲۵۷	اقرار بالا کراہ میں مقرر کا بیٹہ مقبول ہے	۲۶۳	ہبہ مشاع میں مہسوب لم اگر باہم تقسیم کر کے
	فتاویٰ اسعدیہ سے مسئلہ کی تائید		اپنے نام کا داخل خارج کر لیں جب بھی مفید
۲۵۸	اقرار کاذب و اقرار مکرہ کافرق		ملک نہیں
"	کذب کا دعویٰ امام ابو یوسف کے نزدیک		کسی کام کیلئے چندہ لیا گیا اور اس سے کچھ
	مسموع ہے جبکہ امام اعظم کے نزدیک نامسموع		بچ رہا تو کیا حکم ہے
	کتاب الہبہ	۲۶۴	زندگی میں جو کچھ اولاد کو دینا چاہے لڑکی
	از ص ۲۵۹ تا ص ۲۶۸		اور لڑکے سب کو برابر دے
۲۵۹	اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں جائیداد تقسیم	۲۶۵	ہبہ کر کے قبضہ دلادیا تو ہبہ تام ہو گیا
	کرنا چاہے تو لڑکے لڑکیوں سب کو برابر دے	"	ذی رحم ہوتا مانع رجوع فی الہبہ ہے
"	منگنی کے بعد لڑکی کو جو سامان لڑکے والوں	"	موت مہسوب لم مانع رجوع فی الہبہ ہے
	کی طرف سے ملا اسکا کیا حکم ہے ؟	۲۶۶	زندگی میں جائیداد اپنی اولاد کو دینا چاہے
"	عائدین میں سے کوئی مر جائے تو ہبہ		تو سب کو برابر دے
	واپس نہیں ہو سکتا	۲۶۷	زندگی میں ہر شخص کو اپنے مال کا اختیار ہے

صفحہ	ہبہ و اجارہ	صفحات	اجارہ
	چاہے خرچ کرے یا باقی رکھے	۲۷۰	کس قسم کی ملازمت جائز ہے؟
۲۷۷	ورثہ کو میراث سے محروم کرنے کیلئے غیر ورثہ	"	کھیت کی مقررہ مالکداری سے زائد لینا حرام ہے
	کو دینا ناجائز و حرام	۲۷۱	جس ہوٹل میں خنزیر کا گوشت پکھا ہوا اس
	چند آدمی کو مکان ہر ایک کا حصہ متنازع	"	میں ملازمت کا حکم
۲۷۸	کر کے ہبہ کیا اور قبضہ دلادیا تو ہبہ صحیح تمام و نافذ ہے	"	مدیر تالبنائیں عیسائی عورتوں کا انتہا کیلئے آنا کیسا
"	چند آدمی کو مکان ہبہ کرنے میں ہر ایک کا	۲۷۲	بیرو میں قرآن مجید و مسائل شرع کی تعلیم کے
	حصہ متنازع کیا تو ہبہ تام و نافذ نہ ہوا	"	لئے عورتوں کو بھیجنا جائز
"	ہبہ مشاع میں اگر بعض موبوب لے نا بالغ ہو	"	تصویر کھینچنے والے کو دوکان کرایہ پر دینے کا حکم
	تو بالاتفاق ہبہ درست نہیں	"	قرآن مجید کی تلاوت پر اجرت لینا ناجائز ہے
	کتاب الاجارہ	۲۷۳	بکری یا کوئی جانور اس طرح چرانے کو دینا
	۲۷۹ تا ۲۸۴	"	کونچے نصف نصف تقسیم ہوں گے ناجائز ہے
		"	ماہوار یا سالانہ چرائی مقرر کر کے جانور چرانے
		"	کو دینا جائز ہے
۲۷۹	درزی نے کپڑا سینے میں لٹا سیدھا کر دیا تو	"	مستثنیات کے علاوہ طاعت پر اجارہ جائز نہیں
	اجرت کا مستحق ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ	"	موانع خوشی میں خدام کو بطور انعام کچھ دینے میں
	میں قاعدہ کلیہ	"	خرج نہیں
	رنگ ریز نے خراب رنگ دیا اگر فاحش	"	تخواہ دار امام جن وقتوں کی نماز نہ پڑھائے
	خرابی ہو تو تاوان لیا جائے گا۔	۲۷۴	ان وقتوں کی تخواہ کا مستحق نہیں
	درزی نے کپڑا سینے میں لمبائی یا چوڑائی	"	اجیز خاص جب تک سلیم نفس کرے مستحق اجر نہیں
	کم کر دی تو کیا حکم ہے	"	

صفحہ	اجارہ	صفحہ	اجارہ
۲۷۴	تعلیم پر اجرت جائز ہے	۲۷۸	تلاوت قرآن کریم پر اجرت لینا دینا ناجائز
"	ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھوانے	"	البتہ بطور احسان دے تو یہ جائز ہے
"	پر اجرت ناجائز	۲۸۰	ملازم کو میوہ پٹلی کے بھوسہ دانہ میں تصرف
"	ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم پڑھوانے	"	کرنے ناجائز نہیں
۲۷۶	پر اجرت دینا معروف ہو تو کیا حکم ہے ؟	"	ملازم کو کام کیلئے دی گئی چیزیں، ملازم کے
"	ککاح خواں کو اجرت نکاح لینا جائز ہے	"	پاس امانت ہوتی ہیں
"	ککاح خواں نکاح پڑھانے کے بعد اجرت	"	ملازم، ملازمت سے متعلق تمام امور کا
"	کا مستحق ہے	"	پابند عہد ہوتا ہے
"	صدقہ فطر کا مصرف وہ ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے	"	کافر حربی کے مال کا این اس کے مال
۲۷۷	چرم قربانی امام کو دے سکتے ہیں	"	میں خیانت نہیں کر سکتا
"	صدقہ فطر میں ایک سے چند فقیروں کو دینا جائز ہے	"	اجیر کے پاس رکھی گئی چیز امانت ہے
"	امام کو ملازم رکھا اگر اجرت مجبوں رکھی تو۔	"	امانت میں ضمان کی شرط باطل ہے
"	اجارہ فاسد ہے، اگر امام نماز پڑھائے تو	۲۸۱	جس نوکری کا لازم سودی گواہی ہو حرام ہے
"	اجرت مثل دینی ہوگی	۲۸۲	جانور کو اس طرح چرائی پر دینا کہ چرانے والا
۲۷۸	چرم قربانی اجرت میں نہیں دے سکتے	"	نصف کا حق دار ہوگا۔ بچہ و جوہ
"	تخوہ میں صدقہ فطر اور چرم قربانی دینے کا حکم	"	فاسد و ناجائز ہے
"	امام کی تخوہ پیشتر مسین کر لینا جائز ہے	"	چرانے والے کے یہاں جانور کے جو
"	مسجد کی آمدنی سے امام کو تخوہ دیا جاسکتی ہے	"	بچے پیدا ہوئے۔ انکا مالک بکری والا ہی ہے
"	امام کو ککاح خوانی کی اجرت لینا جائز	"	

صفحہ	اجارہ و غصب	صفحات	ضمان، ردہ، فدیہ، شفعہ
۲۸۳	جانور کو نصف پر چرائی کے لئے دینا ناجائز ہے۔ ایسے اجیر کو اجرت مثل ملے گی	۲۸۹	باب الضمان اہل ہندو مساجد کو نقصان پہونچائیں تو ان سے تاوان لیا جائیگا
۲۸۴	معین بطور چرس پیسے کا حرام ہونا معلوم ہو	"	اہل ہندو سے تاوان لینے کے تعلق سے ایک شبہ کا جواب
"	اس کا اجرت میں لینا ناجائز ہے جس ملازمت میں حرام روپیہ لینا پڑے اسکے کم فروخت کنندہ اپنے کام کی اجرت بائع یا مشتری سے لے سکتا ہے	"	باب الردہ عالم کے بیان کردہ حکم شرع کو نہ ماننا شرع کی توہین ہے
"	کتاب الغصب از ص ۲۸۵ تا ص ۲۸۸	۲۹۰	مالی جرماء منسوخ ہے
۲۸۶	حقیقۃً اگر غاصب ہو تو ملک خبیث نہیں نہ تصدق واجب	"	فلاں شخص جوارادہ کرتا ہے کر ہی ڈالتا ہے " کہنا کیسا ہے
۲۸۷	یتیم کا مال کھانا سخت حرام ہے	"	باب الفدیہ
۲۸۸	جن لوگوں نے مسجد کے روپے مار لئے وہ سخت مجرم و غاصب ہیں	۲۹۱	میت کے روزہ و نماز کا فدیہ صفت شریف ہو سکتا ہے یا نہیں ؟
"	پرایا مال اپنے مال میں اس طرح ملا لینا کہ امتیاز جاتا رہے تو کیا حکم ہے	"	کتاب الشفعہ از ص ۲۹۲ تا ۲۹۳
"	قرض کی ادائیگی ضروری ہے	۲۹۳	مکان فروخت ہونے کے بعد شفعہ کو حق شفعہ حاصل ہوگا

صفحہ	شفعہ و ذبايح	صفحہ	ذبايح
۲۹۳	زید و بکر دونوں جا رلا متفق ہوں تو دونوں شفیعہ کر سکتے ہیں	۲۹۵	پھل ذبح کرنے کی چیز نہیں
"	جا رلا متفق میں سے ایک نے زمین خریدی تو دوسرا شفیعہ کر سکتا ہے	۲۹۶	معین ذابح پر تسمیہ واجب ہے
"	قبل بیع شفیعہ نہیں	"	معین ذابح سے مراد
"	زمین مشفوعہ کی بیع کا علم ہوتے ہی طلب مواثبت ضروری ہے	۲۹۷	حرام مغز تک چھری کو پیرنا مکروہ ہے
"	بیع کی خبر سن کر خاموش رہا تو حق شفیعہ جاتا رہا	۲۹۸	خشک گوشت یا پھل کا کھانا جائز ہے
	کتاب الذبايح	"	گوشت بشر کے پاس رہا اور نظر مسلم سے غائب ہو گیا تو حرام ہے
	از ص ۲۹۳ تا ۳۰۱	۲۹۹	تلی اور بھیڑا حلال ہیں
۲۹۴	جانور ذبح ہونے کیلئے پھری میں دستہ ہونا ضروری نہیں	"	جھینکا کے پھل ہونے میں اختلاف ہے
"	ذبیحہ کی ملت کیلئے قاضی کا مقرر کیا ہوا آدمی ہونا ضروری نہیں	۳۰۰	ذبح فوق التقہ میں تین رگیں کٹ جائیں تو ذبیحہ حلال ہے
۲۹۵	ذبح کی صحت کے لئے موضع ذبح کی کم از کم تین رگوں کا کٹنا ضروری ہے	"	جننی آدمی کا ذبیحہ درست ہے
"	گائے کی قربانی حدیث سے ثابت ہے	"	نابالغ کے ذبیحہ کا حکم
		"	بت کے سامنے تسمیہ کی بکری جانور ذبح کرے تو حلال ہے
		"	یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کا حکم
		۳۰۱	بوقت ذبح بسم اللہ کہنا بھول گیا تو ذبیحہ حلال ہے
		"	ذابح کا تسمیہ کہنا شرط ہے
		"	مسلمان کا ذبیحہ اگر کافر فروخت کرے تو کیا حکم ہے

صفحہ	اصحیہ	صفحہ	اصحیہ
۳۰۷	کتاب الاصحیہ از ص ۳۰۲ تا ص ۳۳۵	۳۰۷	چرم قربانی یا اس کی قیمت مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے
۳۰۸	قربانی میں عقیقہ کی شرکت جائز ہے	۳۰۸	چرم قربانی کو بعیضہ اپنے صرف میں لا سکتا ہے
۳۰۹	عقیقہ کا گوشت والدین بھی کھا سکتے ہیں	۳۰۹	قربانی کی کھال اپنے مصرف کیلئے بیچا تو قیمت کا تصدق واجب
۳۱۰	جس جانور کے کان بالکل نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں	۳۱۰	قربانی میں شرکت کے لئے نیت تقریب شرط ہے
۳۱۱	جس جانور کی دم نہ ہو اس کی قربانی ناجائز	۳۱۱	ہرن وغیرہ وحشی جانور کی قربانی نہیں ہو سکتی
۳۱۲	خصی کی قربانی غیر خصی سے افضل ہے	۳۱۲	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام قربانی کرنے کی مثال
۳۱۳	چرم قربانی کا صدقہ کرنا واجب نہیں	۳۱۳	چرم قربانی کا ڈول پنہ صرف میں لا سکتا ہے
۳۱۴	پوست قربانی کو ہرن نیک کام میں نہ کر کیا جاسکتا ہے	۳۱۴	چرم قربانی یا اس کی قیمت مسجد میں دینا جائز
۳۱۵	جن جانور کی قربانی درست ہے ان کا عقیقہ بھی درست	۳۱۵	قربانی میں اراقت دم ضروری ہے
۳۱۶	ایک گائے میں زندہ اور مردہ دونوں شریک ہو سکتے ہیں	۳۱۶	قربانی میں روپے تصدق کرنے سے واجب ادا نہ ہوگا
۳۱۷	قربانی میں شرکت کے لئے تمام صدقہ داروں کی نیت قربت ضروری ہے	۳۱۷	چرم قربانی سے متعلق چند مسائل کا ذکر
۳۱۸	قربانی کی کھال ہرن نیک کام میں صرف کر سکتے ہیں	۳۱۸	چرم قربانی کو اجرت میں نہیں دے سکتے
		۳۱۹	گائے اونٹ میں سات شخص شریک ہو سکتے ہیں
		۳۲۰	خصی کی قربانی غیر خصی سے بہتر ہے

صفحہ	اضحیہ	صفحہ	اضحیہ و عقیقہ
۳۱۵	جس پر قربانی واجب اگر وہ اپنے نام کے بجائے دوسرے کے نام قربانی کرے۔ تو۔	۳۲۶	ہو تو قربانی درست ہے
	واجب ذمہ سے ساقط نہ ہو گا	۳۲۷	چرم قربانی کو کاغذ میں صرت کرنا جائز ہے
	قربانی واجب ہو اور روپے نہ ہوں تو	۳۲۸	قربانی کے جانور کا قربانی کرنے والے کی ملک ہونا ضروری ہے
	قرض لے کر قربانی کرے		تحفہ میں ملے ہوئے بکرا پر قبضہ کر لیا۔ تو۔
	قربانی کی کھال مسجد میں دے سکتے ہیں		اس کی قربانی کر سکتا ہے
۳۱۶	اپنی مالدار کی لئے قربانی کی کھال بیچنے کا حکم	۳۲۸	قربانی کی کھال اپنے تمول کیلئے بچی تو
	مصرف و نوائے مصراور دیہات میں	۳۲۸	قیمت کا فقرار پر تصدق واجب
	قربانی کا وقت	۳۲۸	گا بھن جانور کی قربانی جائز ہے
۳۱۷	مذکورہ معلم کی اعانت کیلئے چرم قربانی دینا جائز	۳۲۹	اہل ہنود کے شورچانے سے قربانی بند کرنا جائز نہیں
۳۱۸	کفار کو قربانی کا گوشت دینے کا حکم	۳۳۱	ضرورت طبعہ کی وجہ سے ایام نحر میں قربانی نہ کر سکا تو کیا حکم ہے؟
۳۱۹	ایام نحر سے پہلے قربانی کی نیت سے خریدا ہوا جانور نذر نہیں۔ اس سلسلے میں تفصیلی سوال اور مصنف علیہ الرحمہ کا واضح جواب	۳۳۲	فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو کیا کرے؟
	چرم قربانی واجب التصدیق نہیں	۳۳۵	قربانی و عقیقہ کا چمڑا مسی کو دینا جائز ہے
۳۲۵	چھ ماہ کی بھیڑ ایک سال والی سے مشابہ	۳۳۶	عقیقہ ساتویں روز کرنا مستحب ہے
۳۲۶			مردے کا عقیقہ نہیں ہو سکتا

باب العقیقہ

صفحہ	رہن	صفحہ	رہن و وصایا
	کتاب الرهن از ص ۳۳۷ تا ص ۳۴۳	۳۴۳	مالک زمین اپنی زمین رہن میں نے تو رہن صبح نہیں دغلی رہن ناجائز و حرام ہے
۳۳۷	رہن میں شئی مرہون پر مرہن کا قبضہ شرط ہے کھیت مرہون میں اگر راہن کچھ بوزے تو مرہن کا اس میں کچھ حصہ نہیں	۳۴۴	ہندو کا مکان رہن میں ہو تو اس سے انتفاع جائز ہے کاشتکار زمین کا مالک نہیں
۳۳۸	بعد عقد رہن قبل قبضہ عقد اجارہ ہو جائے تو عقد رہن ختم	۳۴۵	چور اگر مال مسروق مالک کو دیدے تو گناہ سے پاک ہوگا - توبہ ضروری ہے
۳۳۹	مرہن کا راہن کو کرایہ پر دینا باطل ہے قرض دیگر زائد لینے کا حیلہ شرعی		کتاب الوصایا از ص ۳۴۶ تا ص ۳۵۲
۳۴۰	شئی مرہون کو مرہن نے راہن یا غیر راہن کو کرایہ پر دیا تو کیا حکم ہے ؟ مانگداری ادا کرنے کی شرط پر زمین	۳۴۶	ایک عورت کو حج کیلئے روپیہ چندہ کر کے دیا گیا - راستہ میں وہ فوت ہو گئی - قبل فوت اپنے کل مال کو راہ خدا میں صرف کرنے کی وصیت کی - تو کیا حکم ہے ؟
۳۴۱	رہن کی تعریف	۳۴۷	دارث کے لئے وصیت بغیر اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں
۳۴۲	رہن رکھ کر اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں زمین کا مالک کاشتکار ہے - زمین کو رہن دے سکتا ہے	۳۴۸	تہائی سے زیادہ مال کی وصیت اجازت دہر ہو تو

صفحات	وصایا-موالات	صفحات	شہید-فرائض
۳۴۸	نابلغ اجازت دینے کا اہل نہیں		شہید
۳۵۰	عورت نے اپنے مرض الموت میں مہر معاف کیا۔ تو معاف نہ ہوا	۳۵۵	مشرکین کے ہاتھوں جو مسلمان نکلا مارے گئے وہ شہید ہیں
۳۵۱	عورت کے علاج کے مصارف شوہر کے ذمہ نہیں		کتاب الفرائض
	شوہر کے یہاں سے چڑھا دے میں ملے زیورات کا حکم	۳۵۶	از ص ۳۵۶ تا ص ۳۸۹
۳۵۲	ایک ثلث مال سے زائد میں نفاذ وصیت کیلئے اجازت و رثہ ضروری ہے		زید متوفی کی بیوی نکاح کرے جب بھی وارث ہے
۳۵۳	کوئی شخص مر گیا اور نماز و روزہ اس کے ذمہ رہ گئے تھے تو اس کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے؟	۳۵۷	بیوی اور دو بیٹوں میں وراثت کی تقسیم
		۳۵۸	زید کا انتقال ہوا۔ اس کا کوئی وارث زندہ نہیں اور اس نے کوئی وصیت بھی نہیں کی۔ تو اس کا مال کیا کیا جائے؟
		۳۵۹	عورت نے اپنا مہر معاف کر دیا تو معاف ہو گیا۔ اسے مطالبہ کا حق نہیں
۳۵۴	موالات ہر کافر سے ناجائز و حرام ہے	۳۶۰	لڑکے موجود ہوں تو بہن کو حصہ نہ ملے گا
"	ترک معاملات میں اگر مسلمان کا فائدہ ہو تو بہتر ہے	۳۶۱	عورت کا لڑکا موجود ہو تو بھائی و وارث نہیں ہو سکتا
۳۵۵	کافر حربی کو مالی مدد پہنچانے کا حکم	۳۶۲	عورت مر جائے اس کا والد و شوہر زندہ ہو تو بہر کا حصہ نصف نصف ملے گا

صفحہ	قرائن	صفحہ	قرائن
۳۶۳	لڑکے، شوہر اور حمیرہ کے درمیان تقسیم ترکہ کی صورت	۳۷۲	لڑکے لڑکیاں موجود ہوں تو شوہر کا حق صرف چوتھائی ہے
۳۶۴	پیری و شیخت کوئی مال و ترکہ نہیں	۳۷۳	میکے سے ملے ہوئے جہیز کی مالک عورت ہی ہے
"	خلافت کا جواہل ہوا سے خلیفہ بنایا جائے	"	چند شرکار کی اجازت سے مکان بنے
"	لڑکے لڑکیاں اور بیوی میں تقسیم ترکہ	"	تو کرایہ کا مستحق حصہ کے مطابق بشریکت
۳۶۵	لڑکیوں کا حصہ نفس قطعی سے ثابت ہے	۳۷۴	محرم الوراثت کا جبر حصہ لینا درست نہیں
"	متبہی بنانا ممنوع نہیں۔ مگر متبہی حقیقی	۳۷۵	مناسخہ کے تعلق سے ایک فتویٰ کا رد
"	لڑکا نہیں	۳۷۶	والدین کے یہاں سے عورت کو جو جہیز ملے اس کی مالک عورت ہے
۳۶۶	دو بیوی اور ایک یعنی بھائی کے درمیان تقسیم ترکہ کی صورت	۳۸۰	دارث کو وراثت سے محروم کرنے کے ارادہ سے غیر دارث کو دینا گناہ ہے
۳۶۷	ایک بیٹی ایک لڑکا اور شوہر کے درمیان تقسیم ترکہ	۳۸۱	دو لڑکے اور ایک لڑکی کے درمیان تقسیم ترکہ کی صورت
۳۶۸	حصہ الگ الگ کر کے مکان ہبہ کیا اور تبعہ دلا دیا تو ہبہ تام ہے	"	دو بیویاں تین لڑکے میں تقسیم ترکہ
"	باقا بل تقسیم مکان میں شیوع مانع نہیں	"	مفقود الجہز کے ترکہ کا حکم
۳۷۱	عاق کرنے کے معنی	۳۸۳	ہبہ صحیح نہ ہو تو مال حق وراثت ہے
"	عاق کرنے سے دارث وراثت	۳۸۴	مال مشترک کی بیع جائز ہے
"	سے محروم نہ ہوگا	۳۸۵	حق شفیعہ ثابت ہونے کے شرائط
"	دادا کی زندگی میں باپ مر گیا تو پوتا محروم ہوگا		

صفحات	فرائض
۳۸۶	کاروبار میں بڑا لڑکا یا دوسرے لڑکے بھی شریک ہوں تو تقسیم نفع کی کیا صورت ہوگی۔
۳۸۷	فی زمانہ ناز و جن پر رد صحیح ہے۔
۳۸۸	متوفی قبر پختہ کرنے کی وصیت کرے تو کیا حکم ہے۔
"	علماء و مشائخ کی قبر کو پختہ کرنا جائز ہے۔
۳۸۹	ایک بیوی، ماں، اور باپ اور بھائی ہوں تو تقسیم ترکہ کی کیا صورت ہوگی۔
ختم شد	

نوٹ

فقیر نے فہرست کی ترتیب میں جملہ مسائل کے احاطہ کی کوشش کی ہے۔ اگر کوئی اہم مسئلہ فہرست میں شامل ہونے سے رہ گیا ہو تو براہ کرم آپ مجھے مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے ایڈیشن میں اسے شامل اشاعت کیا جائے گا۔

آل مصطفیٰ مصباحی

پیشکش:- نبیرہ صدر الشریعہ حافظ قاری مصطفیٰ سرور اعظمی

ہم اپنی اس عظیم اشاعتی خدمت کو بطور

نذرانہ عقیدت

اس ذات گرامی کی بارگاہ اقدس میں پیش کرنی سعاد حاصل کرتے ہیں جنکو دنیا علم و سنیت

عقدا المتکامین ممتاز الفقہار محدث کبیر فاتح افریقہ جانشین حضور صدر الشریعہ حضرت علامہ
مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری مدظلہ العالی مہتمم جامعہ مجددیہ رضویہ
مدینۃ العلمار گھوسی، ضلع منو (یوپی) الہند (۲۰۵۳-۲۰۵۴) کی حیثیت سے یاد
کرتی ہے۔ اور جن کے فیوض و برکات سے آج ہزاروں تشنگان علم سیراب ہو رہے
ہیں اور اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہیں۔

گر قبول افتدز ہے عز و شرف

علامہ المصطفیٰ قادری ————— آلِ مصطفیٰ مصباحی



مُحَمَّدٌ وَنَعْمَتِي عَلَى حَبِيبِي

هَيْمَرُ الدِّينِ الْحَبِيبِ الْخَمِينِ

تقریظ جلیل

حدث کبیر ممتاز الفقہار علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری بانی جامعہ

و شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور

”قداوی رضویہ“ کے بعد ”قداوی امجدیہ“ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بالعموم قداوی کی کتابیں ’مقدمتوں و شروح کے بعد شمار میں آتی ہیں۔ لیکن قداوی رضویہ“ کے بارے میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شروح مقدمہ میں شمار ہونے کی امید ظاہر فرمائی اور ویسا ہی ہوا اسی طرح دریائے رضویہ سے جاری ہونے والی ایک عظیم نہر قداوی امجدیہ“ کیلئے یہی اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سوالات مستفی کے جوابات ہونے کی بنا پر ”قداوی رضویہ“ وغیرہ کو قداوی کہا جاتا ہے ورنہ اباحت اور تنقیح و ترجیح کے عمل کے پیش نظر شروح ہی کے زمرہ میں ان کا شمار ہونا ضروری ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت کے عہد مبارک میں افتار کا کام بحسن و خوبی انجام دیتے تھے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے انھیں تفقہ کی امتیازی سند عطا فرمائی اور منصب قضا پر فائز کیا۔ مگر حضرت صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت کے عہد مبارک کے اپنے قداوی کی نقول جمع فرمائے کیلئے آپ کے کمال ادب کی بنا پر اعراض فرمایا۔ اعلیٰ حضرت کی وفات شریف کے بعد، رجب الاول ۱۲۴۲ھ سے آپ نے اپنے قداوی کے جمع کرنے کا اہتمام برتا نقول قداوی کی ایک جلد آپ کی حیات ہی میں کہیں ضائع ہو گئی تھی، اگر آج وہ قداوی جن پر اعلیٰ حضرت نے تصدیق یا نظر ثانی فرمائی تھی۔ اور ضائع شدہ جلد کے مواد موجود ہوتے تو آج قداوی امجدیہ کی ایک اور شان ہوتی۔

صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ تدریس کا کام بہت ہی اخلاص و دیانت اور کامل توجہ سے انجام دیتے تھے۔ علمائے راغبین کی صفیں پیدا کرنا آپ ہی کا خاصہ تھا اور معتد علمائے راغبین کی نوج آپ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ راہ عمل اس قدر سنگلاخ اور حوصلہ شکن ہے کہ آج کل ہزاروں درسگاہوں کے ہوتے ہوئے بھی صدر الشریعہ کے حاشیہ بردار کی ایک نظیر بھی پیدا نہ ہو سکی

ساتھ ہی ساتھ المحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معتد خاص اور صاحب فکر و تدبیر ہونے کی وجہ سے آپ پر امور مہمہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ جملہ معاصرین سے زائد تھا۔ اس کے باوجود بھی آپ کے علمی معمولات میں فرق نہ پڑتا۔ اسی لئے حضرت مولانا اجدر رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ صدر الشریعہ کاموں کے مشین ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ اپنے معمولات میں ذکر و فکر نیز اشغال ارباب طریقت کو بھی شامل رکھتے تھے اصلاً عوام کی طرف بھی متوجہ رہتے تھے مسائل شرعیہ پر عمل یا تبلیغ کرنے میں کبھی کسی خطہ کی پرواہ نہ کرتے جس کی وجہ عوام خواص سب پر آپ کی بہت طاری رہی۔ آپ کی سادگی سے رعشا ہی جھلکتا تھا۔ اعلیٰ حق کے بعد جملہ معاصرین میں آپ کی عبقری شخصیت کو مرکزیت حاصل تھی۔

آپ تندرست طبع عاقل صاحب دست شفا تھے۔ مختصر عرصہ تک مطب کیا پھر دینی امور کے بوم کے سبب مطب چھوڑ دیا۔ گھر کے مریضوں کی تشخیص کا موقع بھی نہ ملتا تھا۔ مگر جب کوئی مریض علاج کو تنگ آجاتا تو زبانی طور پر دوا دینا پیسوں سے تیار نہ ہوا نسخہ بتا دیتے اور بفضلہ تعالیٰ اسی سے شفا سو جاتی۔ میں جب یہ سوچتا ہوں کہ گونا گونا گویا ذمہ داریوں اور کثرت مشاغل کے بعد آپ کو عمومی نویسی کا موقع ہی کب ملتا ہو گا اور قنناوی اجدیہ کا مطالعہ کرنے کے بعد میری حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ اس قدر لائق خیر، بصیرت انگیز، فتاویٰ، بدت العرمحت و جانفشانی کے بعد بھی آسانی سے نہیں لکھے جاسکتے۔ اس لئے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کی صلاحیتیں خدا داد تھیں۔ اور دینی خدمات میں بے مثال کامیابی بھی ایک عطیہ الہی تھا۔ پھر المحضرت کی توجہ خواص نے آپ کو آپ کے معاصرین میں علم و فضل کا گومر نکھتا بنا دیا۔

اس وقت بحمدہ تعالیٰ قنادی اجدیہ کی جلد ثالث آپ کے ہاتھوں میں پہنچنے والی ہے۔ ہمیں اس پر بے پناہ مسرت ہے۔ اپنے عنفوان شباب میں قنادی اجدیہ اور حواشی طحاوی شریف پر کام شروع کیا تھا نین دس گاہی ذمہ داریوں اور مجلسوں کی کثرت کی وجہ سے تسلسل نہ رہا۔ اور جو کچھ کیا تھا وہ بھی ضائع ہو گیا۔ انخطاط عمر کے ساتھ اب سفر کی مقدار بھی بڑھتی جا رہی ہے، اس لئے یہ ذمہ داری فاضل نوجوان مولانا آل مصطفیٰ صاحب کو سونپ دی گئی۔ بفضلہ تعالیٰ پوری عرق ریزی کے ساتھ انھوں نے اپنی ذمہ داری نبھائی۔ رب تقدیر انھیں سعادت دارین سے نوازے۔

کتاب کی تصحیح و تہذیب میں پوری احتیاط برتی گئی ہے پھر بھی اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو اسے ہماری کوتاہی قرار دیں حضور اللہ ربیعہ کی شخصیت اس سے پاک ہے۔

ضیاء المصطفیٰ قادری عفی عنہ
۴ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پیغام

فقیہ عمر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی
سرپرست مجلس شرعی و صدر شعبہ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور

المحمد لولیدہ والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ

قادی امجدیہ کی دو جلدیں اس سے پہلے شائع ہو چکی ہیں پہلی جلد جولائی ۱۹۷۹ء میں
چھپی اور دوسری جلد تین سال نو مہینے کے بعد اپریل ۱۹۸۲ء میں چھپی۔ اشرف کا شکر ہے کہ دونوں جلدیں
چھپتے ہی ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ بلکہ یہ دونوں جلدیں پاکستان میں بھی چھپیں اور ہاتھوں ہاتھ نکل
گئیں یہ دونوں جلدیں جناب مولانا مفتی عبد المنان صاحب کلیمی زید مجدہ مفتی شہر مراد آباد کی خواہش
پر میری نظر ثانی اور تعلیق کے ساتھ چھپیں پہلی جلد کی طباعت و اشاعت کا سہرا بھی مفتی صاحب
موصوف ہی کے سر ہے۔ البتہ دوسری جلد کی طباعت جناب مولانا علامہ المصطفیٰ صاحب ناظم
جامعہ امجدیہ گھوسی کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے اور اب بارہ سال آٹھ مہینے کے بعد تیسری جلد
پریس جا رہی ہے اس تاخیر کا سبب بڑا سبب یہ تھا کہ مسودہ پر نظر ثانی کرنے والا کوئی نہیں ملتا
تھا میں نزہۃ القاری کی تالیف میں چھپس گیا تھا لیکن ادھر آکر جناب مولانا مفتی آل مصطفیٰ
صاحب مفتی و مدرس جامعہ امجدیہ گھوسی کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس پر نظر ثانی کریں اور جہاں مناسب
سمجھیں حواشی لکھ دیں ان حواشی میں سے کچھ کو میں نے سن لیا ہے اور کچھ کو محدث کبیر چتر علامہ
منیار المصطفیٰ صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے دیکھ لیا ہے۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح

تیسری جلد پریس جا رہی ہے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے مختصر مگر جامع احوال پہلی جلد کے شروع میں درج ہیں اور اب اسال ماہنامہ اشرفیہ نے حضرت پر بہت ضخیم غبر شائع کر دیا ہے جس میں حضرت سے متعلق بہت سی اہم باتیں آچکی ہیں اگرچہ ابھی بہت کچھ باقی ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ کی شخصیت ایسی جامع تھی کہ اس پر جتنا بھی لکھا جائے پھر بھی باقی ہی رہ جائے گا

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد
مجھے پیئے دے پیئے دے کہ تیرے عالم عین میں ہے ابھی کچھ اور ہے کچھ اور ہے کچھ اور کچھ باقی
مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے بلا واسطہ اکتساب فیض کرنے والوں میں حضرت صدر الشریعہ
کا درجہ سب سے آگے ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جب یہ ضرورت محسوس
کہ پورے ہندوستان کا کوئی قاضی مقرر کیا جائے۔ تو نظر انتخاب حضرت صدر الشریعہ پر پڑی اور
انھیں کو پورے ملک کا قاضی بنایا۔ علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت نے خود آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔
"آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے نہ مولوی احمد علی خاں سے زیادہ پائے گئے۔
نیز اہم موقعوں پر آپ کو مخالفین سے مناظرہ کرنے کیلئے بھیجا کرتے تھے۔ رنگون سے اطلاع آئی
کہ دیوبندی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی رنگون آئے ہوئے ہیں ان کی
تقریریں ہو رہی ہیں۔ استدعا کی گئی تھی کہ ان سے مناظرہ کرنے کیلئے کسی کو بھیجئے۔ اعلیٰ حضرت
قدس سرہ نے صدر الشریعہ کو بھیجا۔ آپ کا علمی رعب تھانوی صاحب پر اتنا تھا کہ حضرت
صدر الشریعہ کی آمد کی خبر سننے ہی تھانوی صاحب رنگون سے کلکتہ چلے آئے اور جب حضرت
صدر الشریعہ رنگون سے کلکتہ آئے تو یہ اپنے وطن تھا نہ کہوں واپس ہو گئے کفیلہ اللہ المینر القتال۔
ہندوستان میں جب خلافت کمیٹی کا بھوت ہر مسلمان پر سوار تھا اور خلافت کمیٹی کے
تمام لیڈر مسٹر گاندھی کے بندہ بے دام بنے ہوئے تھے۔ خلافت کمیٹی کے لیڈر اتنے اندھے

بہرے ہو گئے تھے کہ گاندھی کو مذکر من اللہ اور نبی بالقوہ تک کہہ دیا حتیٰ کہ فرنگی محل کے بقیۃ السلف
جناب مولانا عبدالباری صاحب نے گاندھی کے بارے میں کہہ دیا کہ میرا حال تو اس شعر کے مطابق
عرے کہ آیات و احادیث گدشت رفتی و نثار بت پرستی کردی
صرف ایک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات تھی جو ان فتنوں پر دار و گیر کر رہی تھی۔
خلافت کمیٹی کے ارباب حل و عقد نے بریلی میں خلافت کمیٹی کا بہت بڑا جلسہ رکھا اور حضرت
مولانا سید سلیمان اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر و فیروز دینیات علی گڑھ یونیورسٹی کو بھی مدعو کیا حضرت
مولانا سید سلیمان اشرف صاحب پہلے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جلسہ
میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ضرور جائیے اور ساتھ میں مولوی
امجد علی صاحب و مولوی نعیم الدین اور مولوی برہان الحق وغیرہ کو بھی لیتے جائیے۔ اس
موقع پر صدر الشریعہ نے ستر سوالات مرتب فرماتے تھے۔ ان سوالات کو دیکھنے کے بعد اندازہ
ہوتا ہے کہ دینی بصیرت تامہ رکھنے کے ساتھ ساتھ سیاسی معلومات بھی کم نہیں تھیں۔
آپ بھی ایک سوال سن لیجئے۔

مطربوا الکلام آزاد سے پوچھا گیا تھا کہ اگر آپ لوگوں کو سوراخ مل جائے گا
تو آپ تنہا اپنی حکومت بنائیں گے؟ یا اپنے ہندو بھائیوں کو لیکر بنائیں گے؟ تنہا آپ کی
حکومت آپ کے ہندو بھائی کب گوارہ کریں گے؟ لاغالبہ حکومت مخلوط ہوگی اور فیصلہ ووٹ پر
ہوگا اکثریت ان کی ہے لہذا وہ جو چاہیں گے کریں گے، احکام کفر کا نفاذ کریں گے اور آپ
کچھ ذکر پائیں گے یا یہ کہ آپ ایسا کریں گے کہ ہندوستان کا بٹوارہ کرائیں گے اقل قلیل پکا
اور اکثر حصہ ان کا۔ جو اقل قلیل آپ کا ہوگا اس کے بارے میں میں ابھی کچھ نہیں کہتا۔ وقت
آئے گا تو آپ بھی دیکھیں گے دنیا بھی دیکھ گی۔ اور جو اکثر ان کا ہوگا وہاں احکام کفر آپ کی مرضی
سے جاری کئے جائیں گے۔ کیونکہ آپ نے اپنی مرضی سے ان کو دیا ہے۔ پھر وہاں مسلمانوں کا کیا
حال ہوگا؟ اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟

ناظرین غور کریں۔ آج ہندوستان پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس متن کی شرح نہیں ہے؟ یہ سوالات جب سٹر ابو الکلام کو دیتے گئے تو ان کے ہوش گم ہو گئے ان کو پڑھنے کے بعد جاتے جاتے یہ کہہ گئے کہ ہم ایسی غلطی کیوں کرتے ہیں جس پر اعتراض کا موقع ملے۔

پھلی بازار کانپور کی مسجد کا ہنگامہ رونما ہوا مسٹن روڈ کو سیدھی اور وسیع کرنے کے لئے مندر کو ہٹا کر مسجد کو ڈھلنے کا حکم حکومت نے دیدیا۔ مسلمانوں نے مزاحمت کی تو ان پر گولیاں برس کر منتشر کر دیا گیا۔ لیکن جب پورے ملک کے مسلمان کفن بردوش ہو کر میدان میں آنے کیلئے تیار ہو گئے تو حکومت نے معاملہ ثالث کے سپرد کیا مولانا عبدالباری صاحب لکھنؤی ثالث بنائے گئے انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نیچے سڑک رہے اور گورنمنٹ اوپر چھت ڈال دے۔ اس پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے آبانۃ التواری فی مصالحتہ عبدالباری لکھا جس میں دلائل شرعیہ سے ثابت فرمایا کہ یہ فیصلہ شریعت کے خلاف ہے جو جگہ مسجد ہو گئی تحت الثری سے لیکر بیت المعمور تک مسجد ہے۔ اور حضرت صدر الشریعہ نے ان کی مصالحت کے رد میں "قامع الواہیات جامع الجریا" تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ اس حصہ میں مطبوع ہے۔ ناظرین مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کتنی دقیق اور معلومات کتنی وسیع اور گرفت کتنی سخت ہے۔ اس وقت سوانح لکھنا مقصود نہیں۔ حضرت صدر الشریعہ کے تجربہ علمی کا تھوڑا سا جلوہ دکھانا مقصود ہے۔ فتاویٰ کی جلدیں آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ پڑھ کر آپ خود میرے حرفِ حروف کی تصدیق کریں گے۔ مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ میرے مرشد برحق حضرت صدر الشریعہ کے فتاویٰ کی تیسری جلد شائع ہو رہی ہے حضرت کے جتنے فتاویٰ رجسٹر میں درج تھے سب میں نے حرف بہ حرف پڑھ کر حضرت کو سنایا ہے اور حضرت کے فرمان کے مطابق مسئلہ پر کتاب و باب لکھ دیا تھا۔ اب اسے بڑی عرق ریزی سے اور جانفشانی سے جناب

مولانا مفتی آل مصطفیٰ سلمہ چھپوارہ ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ عزیز سعید جناب مولانا علامہ المصطفیٰ صاحبناظم اعلیٰ جامعہ اجدیہ کے لئے بھی دعاگو ہوں کہ اصل میں یہ سب کچھ انھیں کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ میری دعا ہے کہ مولانا عزوجل ان دونوں عزیزوں کو دارین میں اسکا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

ضروری تصحیح

۱۔ فتاویٰ اجدیہ کے صفحہ ۴ پر تعلیق میں مکوک کی مقدار فتاویٰ رضویہ جلد اول کے حوالے سے دیرہ صاع لکھی ہوئی ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ایک قول یہی ہے اور یہی پہلے ہے مگر چند سطر بعد یہ ہے کہ رائج یہ ہے کہ یہاں مکوک سے مراد ہے۔ جیسا کہ خود انھیں کی دیگر روایات میں تصریح ہے۔ اور مذہب تھائی صاع کو کہتے ہیں جیسا کہ خود فتاویٰ رضویہ میں اس مسئلہ کے شروع میں ہے۔ "صاع ایک پیانہ ہے چار مد کا"۔ ناظرین اس کی تصحیح کر لیں۔

۲۔ فتاویٰ اجدیہ جلد اول صفحہ ۸ پر یہ مسئلہ مذکور ہے۔ "عورتوں کو بھی سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں لگانا چاہئے" اس حکم میں عورتوں کا استثناء میری نظر سے نہیں گذرا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ صراحۃً عورتوں کا استثناء کہیں مذکور نہیں۔ لیکن عورتوں کے سجدہ کی جو خصوصیتیں ذکر کی گئی ہیں ان سے ان کا استثناء ظاہر ہے۔ بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۸۳ پر ہے۔ "عورت سمٹ کر سجدہ کرے یعنی بازو کو ٹوٹوں سے ملائے اور پیٹ، ران سے اور ران پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے" عالمگیری وغیرہ۔

جب عورت کیلئے ضروری ہوا۔ کہ سجدے میں پنڈلیاں زمین سے ملائے تو پھر یہ ممکن نہیں کہ اس کے انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگیں اور ان کا رخ قبلہ کی جانب ہو۔ کیونکہ اس کے ضروری ہوگا کہ دونوں پاؤں کھڑا کرے۔ اور دونوں پاؤں کھڑا کرنے کے بعد پنڈلیاں زمین سے لگی ہوئی نہیں رہیں گی۔ اس لئے اس مسئلہ سے ظاہر ہو گیا کہ عورتیں حکم مذکور سے مستثنیٰ ہیں۔

محمد شرف الحق اجدی

۱۲ جنوری ۱۹۹۵ء

تقدیم

حضرت مولانا آل مصطفیٰ صاحب مصباحی

استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

باسمہ تعالیٰ وحک

چودھویں صدی ہجری کے نصف اخیر کے بعد ارباب فکر و فن اور اصحاب علم و قلم نے جب بھی مدینۃ العلماء گھوسی کی علمی و فنی قدروں کا جائزہ لیا ہے۔ تو فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ایک متبحر عالم ادب و علم الشال فقیہ کی حیثیت سے ضرور ابھر کر سامنے آئی ہے۔ یوں۔ تو ان کے صحیفہ حیات کے تمام تر ابواب تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔ لیکن۔ ان کا باب تفقہ تاریخی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر ایسی غیر معمولی کشش اور ندرت رکھتا ہے جسے دیکھ کر ارباب علم و نظر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں اور انھیں یقین کرنا پڑتا ہے کہ وہ یقیناً "فقیہ اعظم ہند"۔ اور۔ "صدر الشریعہ" تھے۔

ماضی قریب میں دبستان فقہ کے جن اساطین نے فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت میں گرانقدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ بلکہ یوں کہہ لیجئے۔ کہ۔ پر صغیر میں تفرقہ کے در و دیوار کو قائم و مستحکم رکھنے میں جن شخصیتوں نے اہم رول ادا کیا ہے۔ ان میں مجدد دین و ملت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد انھیں کی بارگاہ علم و فن کے تربیت یافتہ فقیہ اعظم ہند "علامہ حکیم امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ نہ صرف بر صغیر ہند و پاک بلکہ تقریباً پورے عالم اسلام میں ان کی ناقابل فراموش فقہی یادگار

کو تحسین کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور پورے اعتماد کے ساتھ اسے پڑھا جاتا اور اس سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ کی فقہیت کو سمجھنے کے لئے اس بات کی وضاحت مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ فقہ کس چیز کا نام ہے؟ اور ایک فقیہہ کے لئے کس اتقان و استحضار علمی و فنی استعداد و نہارت۔ اور وسیع النظری و ژرف نگاہی کے ضرورت پڑتی ہے۔ تاکہ اس کی روشنی میں حضرت صدر الشریعہ کی فقہیت کو سمجھا جاسکے اس تعلیق سے اپنوں اور غیروں کے مسلم فقیہہ مجددین و ملت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے الفاظ میں فقہ کی جامع تشریح ملاحظہ فرمائیے: آپ اپنے رسالہ "ابانۃ التواری فی مصالحتہ علیہ الباری" میں رقم فرماتے ہیں:-

”فقہ یہ نہیں کہ کسی چیز کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر عربی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصول مقررہ و ضوابط محررہ و وجوہ تکلم و طرق تفہیم و تنفیج مناط و لحاظ انضباط و مواضع یسر و احتیاط و تجنب تفریط و انطراط و فرق روایات ظاہرہ و نادارہ و تمیز درایات غامضہ و ظاہرہ و منطوق و مفہوم و صریح و محمل و قول بعض و جمہور و مرسل و معلل و وزن الفاظ مفتین و سیر مراتب ناقلین و عرف عام و خاص و عادات بلاد و اشخاص و حال زمان و مکان و احوال رعایا و سلطان و حفظ مصالح دین و دفع مفسد مفسدین و علم وجوہ تخریج و اسباب ترجیح و منابج توفیق و مدارک تطبیق و مسالک تخصیص و مناسک تقیید و مشارع قیود و شوارع مقصود و جمع کلام و نقد مرام و فہم مراد کا نام ہے کہ تطلع تام و اطلاع عام و نظر دقیق و فکر عینیت و طول خدمت علم و ممارست فن و تنقیظ وانی و ذہن صافی و معیار تحقیق و مؤید توفیق کا کام ہے اور حقیقتاً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عز و جل مجھض کرم اپنے بندہ کے

قلب میں لقا فرماتا ہے وما یلقھا الا الذین صبروا وما یلقھا الا الذین حفظوا عظیم" لے

فقہ و افتاء کے اصول کی روشنی میں اگر مذکورہ بالا اقتباس کی توضیح و تشریح کی جائے تو ایک طویل مقالہ تیار ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ علم فقہ اپنے اندر بے پناہ گہرائی و گہرائی اور وسعت و جامعیت رکھتا ہے۔ ہر کس و نا کس کا کام نہیں کہ وہ فقیہ بن جائے۔ فقیہ ہونے کے لئے مذکورہ بالا تین بنیادی امور سے کما حقہ واقفیت ضروری ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ یہ اشعر و جل کے فضل و کرم سے ہے۔ اشعر و جل جس بندہ پر اپنا خاص فضل فرماتا ہے، اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا۔ من یرد اللہ بہا خیرا یرفقہ فی الدین جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا اہادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔

ایک طرف امام اہلسنت کا مذکورہ بالا اقتباس سامنے رکھتے۔ دوسری طرف حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی فقہیت کے تعلق سے مجدد موصوف کا یہ ارشاد و تائیدی خط لکھتے ہیں

آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی انجلی میں زیادہ پائیے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفادہ سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں، بکھتے ہیں۔ طبیعت آغاز ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔" لے

نکتہ رس اہل علم اگر فقہی و اصولی رخ سے ان دونوں اقتباسات پر غور و فکر فرمائیں تو حضرت صدر الشریعہ کی فقہی بصیرت کا بھرپور اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہیں تک محدود نہیں۔ بلکہ۔ مجدد اعظم کا موصوف کو منصب قضا پر نامور فرماتا اور آپ کے فیصلے کو ایک قاضی اسلام کے فیصلے کی حیثیت دینا اس پر ستراد ہے۔ ہزار ہا دینی مشغولیات، کے باوجود سترہ جلدوں پر مشتمل (فقہی انسائیکلو پیڈیا) بہار شریعت، کم و بیش ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل مجموعہ فتاویٰ

”فتاویٰ اجدیہ“۔ مسجد کانپور سے متعلق عربی رسالہ ”جامع الواہیات من جامع الجزئیات“ تحریک خلافت اور ترک موالات کے موضوع پر ”اتمام حجت تامہ“ وغیرہ کتب و رسائل ان کے تبحر علمی و وسعت نظری اور فقیہی مہارت و مہارت پر شاہد عدل ہیں۔

موصوف کے دیگر علمی و دینی کارنامے بھی بڑی تفصیل کے طالب ہیں۔ اختصار کے ساتھ یوں سمجھئے۔ کہ۔ علم و فن کے اس تاجدار نے اپنی پوری زندگی علوم اسلامیہ کی ترویج میں صرف کر دی ہے۔ اور سیکڑوں افراد و اشخاص کو علم و یقین سے آراستہ کر کے خدمت دین جیسے پاکیزہ کاریں مصروف فرما دیا ہے۔ فقہ و قانون کی روشنی میں فتاویٰ صادر کرنا اور مسند تدریس پر جلوہ گر ہو کر تلامذہ کو دین و شریعت سے آشنا کرنا ان کی زندگی کا ایک حصہ تھا۔ ان کے علاوہ ایسے گرانقدر کارنامے بھی موصوف کے زندگی میں ملتے ہیں جو ایک عامی یا سرسری نظر رکھنے والوں کی نگاہ میں بھلے ہی غیر اہم ہوں لیکن درحقیقت تصنیف و تالیف جیسی اہم خدمات سے وہ کم نہیں۔ حضور صد الشریعہ نے اپنی تمام تر مصروفیتوں کے باوجود بہت سے ایسے گرانقدر دینی و علمی رسائل اپنے اہتمام میں شائع کئے ہیں جو قوم و ملت کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں خصوصاً مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے کتب و رسائل کی اشاعت کا آپ کے اندر غیر معمولی جذبہ و دلولہ تھا۔ خود فقر کی نظر سے تیس ایسے کتب و رسائل گزرے ہیں جن کو حضور صد الشریعہ نے اپنے اہتمام میں شائع کیا ہے۔ میرا خیال یہ کہ اگر موصوف کی نظر اس بنیادی کام کی طرف نہ گئی ہوتی تو امام اہلسنت کے بعض دیگر رسائل کی طرح یہ رسائل بھی یا تو دیمک کی نذر ہو چکے ہوتے۔ یا پھر خزاں کا دست تم انھیں اپنے شکنجہ میں بے چکا ہوتا۔

ان اہم مصروفیات و مشغولیات کے باوجود فتاویٰ کب تحریر فرماتے؟ کہنا مشکل ہے۔ ہاں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جب اشعر و جل کسی بندہ سے کام لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے وقت میں برکت کے ساتھ ساتھ اسباب و وسائل بھی پیدا فرمادیتا ہے۔

ان زندہ جاوید کارناموں اور ناقابل فراموش یادگاروں کی وجہ سے مجھے یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں۔ کہ۔ اگر مستقبل میں کسی مورخ نے برصغیر کے خادمانِ فقہ و حدیث کی کوئی تاریخ مرتب کی۔ تو۔ حضرت صدر الشریعہ سے صرف نظر کر کے وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے گا۔ بصورت دیگر اس کی تاریخ مکمل نہیں کہی جاسکے گی۔ حضرت مددِ ح کے فتاویٰ کی صحیح تعداد کیا ہے؟ آپ کے کتنے فتاویٰ تحریر فرمائے؟ اس کے اجمالی جواب کے لئے موصوف کے جانشین 'استاذِ گرامی محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی کا یہ بیان پڑھئے۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ العزیز کے فتاویٰ کی صحیح تعداد کیا ہے کسی کو معلوم نہیں۔ زیادہ تر آپ کی فرصت کے اوقات بھی علمی سوال و جواب اور دینی تربیت ہی میں صرف ہوتے، روزانہ زبانی طور پر پانچاسوں مسائل عوام و خواص معلوم کرتے تھے لیکن کسی نے ان کو قلمبند کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ورنہ ہمارے پاس دینی معلومات کا شاندار ذخیرہ ہوتا۔ تحریری فتاویٰ کا حال بھی تقریباً ایسا ہی ہے کیونکہ ہمارے پاس آپ کے فتاویٰ کی جو نقول ہیں وہ ۷۰۰ رجب الاول ۱۳۳۸ھ سے شروع ہوتی ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے دور میں آپ نے منصب افتاء پر جو کچھ کارنامے انجام دیئے ان کا کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں رکھا گیا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران جب کاغذ ناپید ہو رہا تھا اس دور میں بھی کاغذ نہ ہونے کی بنا پر بیشتر فتاویٰ کی نقول تیار نہ ہو سکیں۔ یعنی ہمارے پاس "فتاویٰ امجدیہ" کی جو نقول ہیں انھیں حضرت صدر الشریعہ کے تمام فتاویٰ کا مجموعہ کسی طرح نہیں قرار دیا جاسکتا۔"

اس ناقابل تردید انکشاف کے بعد افسوس اور مایوسی کے لئے جلیبِ جذبات کے ساتھ دل کی یہ حسرت زبان پر آ ہی جاتی ہے۔ اے کاش! فقہ و افتاء کے اس

ماہر اور علوم و معارف کے اس حامل و امین کے تمام فتاویٰ کا ریکارڈ محفوظ کیا گیا ہوتا ہے۔ تو یقیناً اہل علم خصوصاً ارباب اقتدار کے لئے عظیم سرمایہ ہوتا ہے۔ پھر۔۔۔ بھی آپ کے فتاویٰ کا وہ حصہ جو دست برد زمانہ سے محفوظ رہ سکا تھا۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۷۹ء اور دوسری جلد ۱۹۸۳ء میں منظر عام پر آچکی ہے۔ اور۔۔۔ اب تقریباً تیرہ سال اس کی تیسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

فتاویٰ امجدیہ سوم کی ترتیب و تعلق فتاویٰ کی ترتیب و تعلق کا کام بظاہر سنا

معلوم ہوتا ہے۔ لیکن۔۔۔ درحقیقت یہ کتنا مشکل کام ہے؟ اور کتنی محنت و کاوش کا طالب ہے؟ کچھ وہی محسوس کر سکتے ہیں جو اس راہ کے آشنا ہیں۔ یہ میری خوش قسمتی اور روزمندی ہے کہ استاد گرامی محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دامت فیوضہم نے یہ کام میرے سپرد فرمایا۔ اپنی علمی کم مائیگی کی بنا پر اس عظیم کام کی عہدہ دہی میں اپنے اندر نہیں پاتا تھا۔ لیکن۔۔۔ حضرت صدر الشریعہ کے علمی فیوض کا ایک ادنیٰ خوش چین ہونے کے ناطے مجھے یہ اطمینان ضرور تھا۔ کہ۔۔۔ جو ذات اپنی ظاہری باطنی زندگی میں ہزاروں افراد کو اپنے فیوض و برکات اور علم و یقین کے چشمے سے سیراب کرتی رہی۔ وہ۔۔۔ اپنے در کے ایک غلام اور عقیدت کیش کو اپنے علمی و روحانی فیض سے کیوں کر محروم کرے گی؟ اسی غیر متزلزل یقین نے مجھے حوصلہ بخشا۔ اور میں نے کام شروع کر دیا۔ بظاہر مصروفیات بہت تھیں، درس و تدریس کی ذمہ داری، دارالافتاء میں آنے والے استفتوں کے جوابات، فقہی و غیر فقہی سیمیناروں میں مقالوں کے ساتھ شرکت اور دیگر خارجی امور۔ انھیں مصروفیتوں سے وقت نکال کر فتاویٰ امجدیہ کا کام کرتا۔ مگر حضرت مولانا عبد المنان صاحب کلیمی نے چون کہ اس کا مہینہ کر دیا تھا۔ اسلئے بہت حد تک آسانی پیدا ہو گئی۔ سب سے پہلے مہینہ کا اصل مسودہ سے مقابلہ کیا۔ پھر۔۔۔ فقہی عبارتوں اور حدیثوں کی تخریج کا کام شروع کیا۔ جس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ عبارتوں اور حدیثوں کا اصل کتاب سے مقابلہ کر لیا جائے۔ تاکہ۔۔۔ نقل میں جو خامی یا غلطی رہ گئی ہے وہ دور ہو جائے۔ چند ابواب تک یہ کام پابندی سے ہوا۔ لیکن بے وقت کی

قلب و امن گیر تھی۔ اور۔ تخریج میں وقت کا صرفہ زیادہ۔ اس لئے بعد کے ابواب میں صرف ضروری حد تک حوالہ جات پر اکتفا کیا۔ جہاں جہاں مناسب سمجھا ماشیہ لکھا۔ اور اپنے دو کرم فرما استاد (فقیدہ عصر علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قلم اجدی) اور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری مدظلہا العالی سے ان کی قطعی صحت اور اصلاح کا کام لیا۔ فتاویٰ کی مستقل کتابت کے لئے کاتب تلاش کیا گیا۔ مگر۔ گھوسی کے قرب و جوار کا کوئی کاتب تیار نہ ہوا۔ دیو ریا کے ایک کاتب سے مستقل کتابت کے لئے بات چیت کی۔ مگر صرف "کتاب الوقف" کی کتابت کر کے وہ ایک ہفتہ کی فرصت لے کر گھر گیا۔ تو سال بھر سے زائد کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی آج کلک وہ لاپتہ ہی رہا۔ کچھ دنوں تک کتابت کا کام بند رہا۔ پھر۔ اور ی کے رہنے والے ایک دوست نے آموز کاتب سے مستقل کتابت کے لئے معاملہ طے ہوا۔ کام تو اس نے تسلسل کے ساتھ کیا۔ مگر اپنی فکری و اعتقادی عصیت کی بنا پر ان فتاویٰ کی کتابت کا کام روک دیا۔ جو دیوبند و بابی مکتب فکر سے متعلق تھے، پھر اور ی ہی کے ایک سنی کاتب سے رابطہ کر کے ان فتاویٰ کی کتابت مکمل کروائی۔ بالآخر گونا گوں دشواریوں کے بعد سال رواں وسط شعبان تک فتاویٰ کی کتابت کا کام مکمل ہو گیا۔ پروف ریڈنگ بھی خود ہی کرنی پڑی۔ کتابت میں کافی غلطیاں تھیں۔ جن کی تصحیح میں خاصہ وقت صرف ہوا۔ بہر صورت کتاب رمضان ہی میں پسین بھجی تھی۔ مگر۔ فہرست کا کام باقی رہ گیا تھا۔ ادھر رمضان کی تعطیل ہو گئی۔ ارادہ تھا کہ تعطیل کلاں میں کچھ دنوں مدرسہ رہ کر کام مکمل کر دوں لیکن کچھ اہم ضرورتوں اور مجبوریوں کے تحت تمام کاغذات لے کر گھر آ گیا۔ خداوند کریم کے فضل سے کام تو پورا ہو گیا۔ مگر دشواری زیادہ ہوتی۔ کیونکہ میرا گھر کٹیہار کے ایک ایسے دیہی علاقے میں واقع ہے، جہاں بجلی کا کوئی نظم نہیں۔ اور دیگر سہولیات بھی کم میسر۔ ابواب کی ترتیب فقہی لحاظ رکھا گیا ہے۔ البتہ کتابت کی غلطی سے بعض کم مسائل والے ابواب میں ترتیب قدرے بدل گئی ہے۔ دشواری کی وجہ سے اسے اپنی حالت پر باقی رکھا گیا ہے۔ بہر حال ان دشوار مراحل سے گزر کر

کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ غلطیوں کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ پھر بھی اگر کہیں کوئی غامی یا غلطی رہ گئی ہو۔ تو۔ وہ یا تو کتابت کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ یا میری علمی کم مائیگی کا۔ حضرت صدر الشریعہ کا دامن اس سے بے غبار ہے۔ غلطی نظر آئے تو آپ مجھے مطلع فرمائیں۔ میں آپ کا ممنون ہوں گا۔

سجلد میں کتاب الوقت" سے لیکر کتاب الفرائض" تک چھوٹے بڑے چوبیس ابواب ہیں۔ جو تین سو نو اسی صفحات پر مشتمل ہیں۔ کتاب الوقت" کے ساتھ رسالہ قانع الوابتیا من جامع البحرینات" بھی شامل اشاعت ہے۔ یہ رسالہ "ابانۃ المتواری فی مصالحتہ علی الباری" کے ساتھ ۱۳۲۱ھ میں طبع ہو چکا تھا۔ ارادہ تھا کہ رسالہ کا اردو ترجمہ یا خلاصہ تحریر کر دیا جائے مگر وقت کی کمی کی وجہ سے یہ کام ناجمل رہا۔ ہر باب سے متعلق فتاویٰ آپ پڑھتے جائیے اور فقیہ اعظم ہند کی جودت فکر و نظر، تحقیق و تدقیق اور فقیہوں کا نظارہ کرتے جائیے۔ طوالت سے بچتے ہوئے ذیل میں صرف ایک نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مولوی عبدالغظیم صاحب نے ۱۲۵۰ھ میں ایک استفتاء حضرت صدر الشریعہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ جس میں موصوف نے فقہی عبارتوں کی روشنی میں "قربانی" کے تعلق سے ایک اشکال کا حل دریافت کیا تھا۔ اشکال بظاہر اہم ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رد المحتار میں علامہ شامی اور بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی علیہم الرحمہ کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ۔ ایام نحر سے پہلے جانور کو بہ نیت قربانی خرید لینے، یا قربانی کی نیت سے جانور خرید کر پالنے، یا خانہ زاد جانور میں مہینوں پیشتر قربانی کی نیت کر لینے سے نذر کا تحقق ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ۔ ان صورتوں میں قربانی کی نیت کر کے جانور معین کر لیا گیا۔ چنانچہ۔ علامہ شامی نے بدائع الصنائع کی عبارت۔ "أو قال جعلت هذه الشاة أضحية۔ کے متعلق فرمایا ہے۔ وقد استفید منہ أن الجعل المدن کو مدنڈ۔ لہذا۔ لازم کہ مذکورہ بالا صورتوں میں مالداروں پر یا ان غریبوں پر جو ایام نحر میں مالدار ہو گئے بہ سبب غنی دوسری قربانی بھی واجب ہو جائے۔

ایسی صورت میں شاید ہی کوئی شخص فریضہ اُضحیہ سے سبکدوش ہو سکے گا۔ کیوں کہ۔
 عموماً جانور پہلے ہی خرید کر معین کر دیتے ہیں۔ اور اگر معین نہ کریں یا ایام نحر سے پہلے نہ خریدیں
 جب بھی سخت مشکل ہے کہ آخر ذبح یا نحر سے پہلے ضرور ہے کہ جانور کو معین کرے گا کہ یہ
 جانور قربانی کروں گا؟۔

حضرت فقیہ اعظم نے مذکورہ استفادہ کا قدرے تفصیل سے جواب دیا ہے۔
 اختصار کے ساتھ جواب پڑھئے اور فقہ میں ان کی وقت نظر کا اندازہ کیجئے۔ آپ ارشاد
 فرماتے ہیں۔

عبارت بدائع و علامہ شامی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کی نذر درست ہے۔ لہذا اگر
 کسی نے قربانی کی منت مانی، تو اس منت کی بنا پر اس پر قربانی واجب ہو جائیگی
 پھر اگر یہ منت ایام نحر میں ہے اور وہ شخص فقیر ہے تو فقط یہی نذر والی قربانی واجب
 ہوگی۔ اور غنی ہے تو اس کے علاوہ ایک دوسری قربانی بھی جو ایجاب شرع و واجب
 نہیں، واجب ہوگی، اور اگر ایام نحر میں صیغہ نذر بولا اور نیت خبر ہے تو نذر نہیں اور نیت
 نذر ہے یا کچھ نیت نہ ہو تو نذر ہے، اور اگر ایام نحر سے پہلے ایسا صیغہ بولا یا وقت تلفظ
 فقیر تھا پھر مالدار ہو گیا تو نذر ہی ہے کہ ان صورتوں میں خبر کی نیت کرے بھی تو صحیح نہیں،
 بدائع الصنائع کا یہ قول کہ جعلت هذه الشاة اضحیہ صیغہ نذر ہے۔ اس کے یہ
 معنی ہیں کہ میں نے اس کو اضحیہ کر دیا، اور یہ کہ قربانی کر دیا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے
 جب بعد قربانی یہ الفاظ بولے جائیں اور جب قربانی سے پہلے تلفظ کیا تو خبر یا صحیح ہوا
 لہذا اگر یہ لفظ غنی نے ایام نحر میں کہے اور نیت اس واجب سے خبر دینے کی ہے
 جو جانب شرع سے ہے تو نیت صحیح ہے اور صیغہ نذر نہ ہوگا اور اگر ایام نحر سے قبل
 کہے یا فقیر نے یہ لفظ کہے تو ایجاب شرع موجود نہیں لہذا ایجاب عدم مراد ہوگا۔“

پھر مزید اپنی تحقیق پیش فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ختم قول یہ تقریر اس بنا پر ہے کہ تمام الفاظ نذر کے لئے علامہ شامی و صاحب بدائع کا ایک ہی حکم ہو کہ ایام نحر میں اخبار کی نیت صحیح ہے اور غیر ایام نحر میں نذر کیلئے متعین ہیں یعنی جعلت هذه الشاة اضحية تا بھی اسی حکم میں داخل ہو۔ مگر۔ اس فقیر کا خیال ہے کہ جعلت هذه الشاة اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور دیگر الفاظ نذر مثلاً للہ ان اضحیٰ۔ وغیرہ جو ایجاب شرع سے اخبار کا احتمال رکھتے ہیں، ان کا یہ حکم ہے۔ اور جعلت اخبار عن ایجاب الشرع کا محتمل نہیں کہ اس جمل کو مستحکم اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔ پھر ایجاب شرع سے یہ کیوں کر اخبار ہو گا؟

اس تمہید کے بعد سوال کا واضح جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں:-

ان الفاظ سے جو سوال میں ہیں کہ قربانی کے لئے خریدا ہے یا رکھا ہے یا اس کی قربانی کروں گا یا اس قسم کے دیگر الفاظ سے نذر نہیں ہوگی۔ اور ان لوگوں پر دوسری قربانی واجب نہ ہوگی کہ یہ الفاظ جعلت هذه الشاة اضحية کے معنی میں نہیں۔ ان الفاظ سے یہ خبر دیتا ہے کہ ایام نحر میں اس کی قربانی کروں گا اس ارادہ کا اظہار ہے یا خریدنے کی غایت و مقصد کا بیان ہے نہ یہ کہ اپنے ذمہ واجب کرنے سے اخبار یا انشاء میں نے اس کو اضحیٰ کر دیا انشاء ہے اور اس سے نذر ہو جائیگی۔ اور قربانی کروں گا ارادہ کی خبر ہے یہ نذر نہیں۔

اسی ایک مسئلہ میں موصوف کے استدلال و استناد، تحقیق و تدقیق اور فقہی بصیرت کے بشمار جلوے دیکھے جاسکتے ہیں۔ تفصیل کے لئے کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ نقادوں کی پڑھتے

وقت آپ کو خود ہی احساس ہوگا۔ کہ۔ حضرت ممدوح کو فقہ کے اصول و مبادی، اسالیب و اصطلاحات اور نکات و مصمرات پر کتنی دسترس حاصل تھی۔

۲۲ ذی قعدہ ۱۳۲۶ء کو عظیم و فن کا یہ تاجدار ہماری ظاہری نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔

سُخ آسماں ان کی لحد پر گوہر انشائی کرے

کتاب کی ترتیب و تعلیق اور اس کی اشاعت میں ہمارے جن اساتذہ کرام نے بہری فرمائی ہے ہم ان کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ فقہیہ عصرِ علامہ مفتی محمد شریف امجدی و محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری اور ایشیہ ہیر علامہ محمد احمد مصباحی دامت فیہم کے جن کے مفید مشورے فقیر کے دینی کاموں کی تکمیل کا اہم ذریعہ ہوتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ہمارے ان اساتذہ کرام کا سایہ عاطفت دراز فرمائے۔ آمین

تلامذہ میں مولوی قمر الہدیٰ، صغیر احمد، نثار احمد، نور عالم اور میر رضا سلیم کیلئے دعا گو ہوں جن لوگوں نے فتاویٰ امجدیہ کے کام کی تکمیل میں میرا ساتھ دیا ہے۔ اللہ عز و جل ان کو ان کے اخلاص و محبت کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔ فتاویٰ کی ترتیب و تعلیق سے فقیر کا مقصود صرف یہ ہے۔ کہ۔ فقہی معلومات میں اضافہ ہو اور یہ کتاب میرے لئے نجات آخرت کا باعث بنے۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ التحیۃ و الثناء کے صدقہ و طفیل ہمارے حوصلوں میں بلندی بخشیگی اور عزائم میں استحکام و ثبات عطا فرمائے۔

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے رحلہ شوق نہ ہو طے

فلک پائے بزرگاں
آل مصطفیٰ امصیا

خادم تدریس و افتاء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

۲۴ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

۲۵ جنوری ۱۹۹۶ء

باسمہ تعالیٰ وحدہ

احوال واقعی

حضرت مولانا علامہ المصطفیٰ قادری

ہیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ فتاویٰ امجدیہ کی پہلی اور دوسری جلد کے بعد تیسری اور چوتھی جلد کو بہت پہلے منظر عام پر آجانا چاہئے تھا۔ لیکن اس غیر معمولی تاخیر میں ہماری کوتاہیوں سے زیادہ فتاویٰ کی ترتیب و تعلیق اور طباعت و اشاعت جیسے دشوار گزار مراحل کا دخل ہے، صرف طباعت و اشاعت کا مرحلہ ہوتا تو یقیناً کسی نہ کسی طرح کتاب منظر عام پر آچکی ہوتی۔ لیکن اس میں خاصا کام باقی رہ گیا تھا۔ محب مکرم حضرت مولانا عبد المنان صاحب کلیمی نے مبیفہ کر دیا تھا۔ اسلئے بہت حد تک کام میں آسانی پیدا ہو گئی۔ لیکن فتاویٰ کی از سر نو ترتیب فقہی عبارتوں کا اصل کتاب سے مقابلہ، اور پھر ضروری حواشی وغیرہ یہ ایسے دشوار گزار امور تھے۔ جن کیلئے مولانا موصوف کے چلے جانے کے بعد کسی ایسے محنتی شخص کی ضرورت تھی۔ جو ان کو پوری لگن کے ساتھ انجام دے۔ ادھر کوئی دو سال قبل والد گرامی قدر محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ نے محبتی مولانا آل المصطفیٰ مصباحی استاذ و مفتی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی کو اس کام کیلئے منتخب فرمایا۔ مجددہ تعالیٰ موصوف نے کس عرق ریزی اور محنت و جانفشانی سے کام انجام دیا ہے یہ سب آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔

فتاویٰ امجدیہ جلد سوم کے تاخیر کے ساتھ منظر عام پر آنے کی وجہ سے ہمیں انتہائی افسوس و اندامت ہے لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ تاخیر ہی سے سہی لیکن آج ہم فقہ حنفی کی ایک جامع و مستند کتاب فتاویٰ امجدیہ جلد سوم کی زیارت اور مطالعہ سے مستفید ہو رہے ہیں۔ فتاویٰ امجدیہ کی جامعیت اور اس کی معنوی خوبیوں

اور فقہی محاسن کے تعلق سے ہمیں کچھ کہنے اور لکھنے کی ضرورت نہیں، جس نے بھی امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کی کتاب فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کیا ہو گا وہ "فتاویٰ امجدیہ" کے پڑھنے کے بعد بلاشبہ یہی رائے قائم فرمائیں گے کہ فتاویٰ امجدیہ دلائل و مسائل کے اعتبار سے فتاویٰ رضویہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

ہمارے پاس ہندوپاک کے مختلف مقامات سے فتاویٰ امجدیہ کیلئے بے شمار خطوط آتے رہے۔ لیکن دشواری یہ رہی کہ جلد اول اور جلد دوم پہلی بار طبع ہو کر ختم ہو چکی تھی۔

الحمد للہ اب تیسری جلد کیساتھ جلد اول کی طباعت کا بھی اہتمام کیا جا چکا ہے۔ ہم ارباب علم و فضل سے اتنی گزارش ضرور کریں گے کہ خود کتاب خریدیے پڑھئے اور اپنے دوستوں کو بھی اسکی ترغیب دیجئے تاکہ دائرۃ المعارف الامجدیہ کے پاس سرمایہ اکٹھا ہوا اور اس طرح کی نادر کتابوں کی طباعت و اشاعت کا سلسلہ جاری رہے۔ اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمیں بے پناہ خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ۲۰ اپریل ۱۹۷۷ء کو فقہ عظیم ہند

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ والرضوان پر جو کامیاب علمی و ادبی سیمینار منعقد ہوا تھا اور جس میں ارباب علم و فضل کے گراں قدر مقالات موصول ہوئے تھے۔ سال گذشتہ ماہ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں باہنامہ اشرفیہ نے صدر الشریعہ نمبر نکال کر ان مقالات کو شائع کر دیا ہے۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ہمہ جہت شخصیت کے تعارف کیلئے اگرچہ مزید پائیدار کام کرنے کی ضرورت ہے تاہم یہ مقالے موصوف کی سوانح حیات پر تحقیقی کام کرنے کیلئے راہ نما خطوط ہیں۔

انشاء اللہ فتاویٰ امجدیہ جلد چہارم کے بعد رجحان امجدیہ کی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا جائے گا اور حاشیہ طحاوی شریف کی تصحیح و تکمیل کا بھی۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عزم و استقلال کی دولت لازوال سے سرفراز فرمائے، ہم سے دین کی خدمت نے، غیب سے ہماری مدد فرمائے اور ہمارے مخلصین و معاونین کو جزا بخیر دے۔ محب مکرم مولانا آل مصطفیٰ صاحب مصباحی کا یں شکر گذار ہوں جن کی مساعی جلیلہ کے نتیجہ میں علم فقہ کا یہ حسین گلدستہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد جلد چہارم جلد ہی منظر عام پر آجائے گی۔ ہم آپ حضرات کی توجہ خاص کے محتاج ہیں۔

علامہ المصطفیٰ قادری مدیر جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَامِلِ

کتاب الوقف

وقف کا بیان

مسئلہ :- مسئلہ مختار احمد صاحب . محلہ ذخیرہ ۵ . ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۴۰ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید کی اراضی ملکیت میں عمارت کی دیوار پشت مسجد سے ملی ہوئی تھی وہ مہدم ہو گئی لیکن اس دیوار کی قدیمی بنیادیں قائم تھیں ۔ اب زید انھیں بنیادوں پر بغرض بندش دیرہ دیوار بنانا چاہتا ہے ۔ لہذا اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- اہل محلہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ ستر یہاں دیوار تھی جو مسجد سے ملی ہوئی تھی اور اب گر گئی ہے دوبارہ اسے بنونا چاہتے ہیں لہذا اسکی مانعت کی کوئی وجہ نہیں ۔ سائل اس دیوار کو پھر بنوا سکتا ہے ۔ واللہ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ جناب عبدالعزیز صاحب ممبر رضائے مصطفیٰ فتحپور ۔ ڈاکخانہ سببہ ضلع بھاکپور

۱۵ جمادی الآخرہ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ایسی اراضی پر جبکہ مالک اراضی سے بند و نیست بوجہ ادا سے مالک اراضی کے سالانہ کے بیگیا ہو مگر بعد میں منتقلین مدد اس اراضی کو

بلارضامندی مالک کے وقف قرار دینا چاہتے ہوں تو ایسا وقف شرعاً ہو سکتا۔ بنے یا نہیں وقف میں مالک کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟

مسئلہ (۲): اگر متظہین مدرسہ اراغی مذکورہ بالا کو بالاحیاء منظورری مالک کے وقف قرار دیں تو ایسا

وقف شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب (۲): جب تک مالک زمین وقف نہ کرے وقف نہیں ہو سکتا اور اسکو وقف قرار دینا شرعاً

باطل ہے والامر جلی لمن لا اذنیہ ما رستہ فی العلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: ازبنگالہ۔ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ

ایک مسجد تقریباً چالیس برس سے بنی ہے اور اس میں اہل ملہ اتفاق سے نماز جمعا داکرتے آ رہے ہیں اس مسجد کی احاطہ کی زمین طولاً باون ہاتھ اور عرضاً ۲۲ ہاتھ اتنی جگہ کو ان کے مالکوں نے جریب دیکر مسجد کے واسطے لاکھ خرچ کر دی اور اس زمین کے مالک تین شخص ہیں دو ہندو اور ایک مسلمان اور زمین کے حصے کا ایک نصف دو ہندو کا اور ایک نصف مسلمان کا تھا اب بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اس آدمی زمین کے مالک ہندو ہیں۔ ہندو ہندو کا وقف درست نہیں۔ اس واسطے وہ مسجد شرعی نہ ہوئی۔ اسکو توڑنا یا دوسری جگہ نقل کرنا سب جائز ہے۔ اب اس صورت ما تقدم سے حکم شرعی کیا ہے؟

الجواب: جب وہ زمین مشترک ہے اور مشترک میں بعض کفار بھی ہیں تو مسجد ودی کر کا فر مسجد بنا نہ سکتا

اہل نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ولو جعل ذمی داراً مسجداً للمسلمین وبنی کما بنی المسلمون واذن لهم بالصلاة فیه فمنازاعہ فیہ ثم مات یصیر میراثاً لورثتہ وهذا قول الکمل کذا فی جواهر الاخلاطی

کیونکہ صحت وقف کیلئے ملک شرط ہے (رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۳ میں ہے)۔ «الوقف لابد ان یکون

مالکہ وقت الوقف مدکاً یا ثابلاً ویسبب فاسد۔ اور صورت مسؤل میں مدرسہ کے زمین کے مالک مدرسہ

کے متظہین نہیں تو متظہین کا وقف کرنا درست نہ ہوا۔ لہذا پیرلی ہوئی زمین کی حیثیت کراپ پیرلی ہوئی زمین کی

ہے۔ اس کا مالک زمیندار ہی ہوتا ہے۔ اور زمین لینے والے صرف اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ واللہ

تعالیٰ اعلم۔ مصباحی

توجب اس کا فرما مسجد کے لئے وقف صحیح نہ ہوا تو مسلمان کا وقف وقف مشاع ہوا اور وقف مشاع اگر چہ جائز ہے مگر مسجد میں بالانفاق ناجائز عالمگیری میں ہے۔ واتفقاً علی عدم جعل المشاع مسجداً اذ مقبرۃ مطافاً سواء کان مما لا یختل القسمۃ اویختلھا ہلک انی فتتح القدییر بحرا المرائق میں ہے۔ والعامل ان المسجد مضاف لمطلق الوقف عند الكل اما عند الاول فلا یشترط القضاء ولا التعلیق واما عند الثانی فلا یشترط القضاء۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسئلہ اہل محلہ بہاری پور۔ بریلی۔ ۲ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ

محلہ بہاری پور میں تکیہ کے قریب ایک ٹٹی مسجد کی بنی ہوئی عرصہ سے تھی وہ منہدم ہو گئی اب وہ چوترا پڑا ہوا ہے جس کی تعمیر کی اجازت بھی موجود ہے اب سکناے محلہ اسکی تعمیر کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اس وجہ سے اب تک پڑی ہے کہ کچھ آدمی یہ کہتے ہیں کہ دو مسجدیں قریب ہیں اسلئے اس کی تعمیر کی ضرورت نہیں ہے اور اب جو مسجد جس جگہ تعمیر ہوگی اس سے ایک مسجد سماران سے فاصلہ دو سو پانچ فٹ کا ہے اور دوسری مسجد جو تکیہ میں ہے اس سے فاصلہ دو سو ساٹھ فٹ کا ہے جس کا ملاحظہ بعض حضرات مولانا مولوی محمد حامد رضا خاں صاحب نے بھی عرصہ ہوا فرما کر اجازت دیدی تھی اب سکناے محلہ یہ وقت عثمانیہ تکیہ کی مسجد میں بوجہ اندیشہ گھاس ہونے و کثیرا کیوجہ سے نہیں آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسکی تعمیر کرا لیں کیونکہ وہ مسجد تھی اور عرصہ تک اس میں نماز ہوئی مگر اب وہ چوترا پڑا ہوا ہے۔ اسلئے اب حضور والا سے دوبارہ دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ بوجہ حکم شرع شریف جو حکم ہو مطلع فرمائیں تاکہ جاہل اشخاص کا اعتراض جاتا رہے۔ اور وہ تمسیر ہو جائے اور اگر حضور والا ملاحظہ فرمائیں تو بہتر ہے کیونکہ عرصہ ہوا کہ موقعہ کا ملاحظہ فرمایا تھا۔ اب شاید خیال شریفید سے فراموش ہو گیا ہو؟

الجواب :- جو جگہ مسجد ہو چکی وہ مسجد ہی رہے گی دیواروں وغیرہ کے گر جانے سے اسکی مسجدیت باطل نہ ہوگی۔ مسلمان کو شمش کریں اور اس کو پھر سے تعمیر کریں اور اس کو آباد کریں اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اِنَّمَا يَعْمرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ الایتہ۔ مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور پیکر

دن پر ایمان لائے۔ حدیث میں ارشاد فرماتا ہے۔ من بنی الله مسجداً بنی الله له بیتاً فی الجنة۔ جو اللہ کے لئے کوئی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ مولوی محمد امین اللہ قادری رضوی امام نیچے بستی مسجد کو کریم ضلع مولویین برہما۔ ۱۷ محرم ۱۳۸۵ھ۔

۱۔ کیا فرمانے علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مدت سے ایک مسجد غام قائم ہے جس میں نماز جمعہ و عیدین و پنجگانہ ہوتی رہیں۔ فی الحال نمازی مسجد میں سہا نہیں سکتے۔ اور مسجد بڑی کرنے کی ضرورت ہے مگر دابے بائیں متصل مسجد کثرت سے قبریں ہیں۔ اس صورت میں قبروں کو شہید کر کے وہاں پر مسجد بنوانا جائز ہے یا نہیں ؟

۲۔ ایک ندی پیشتر مسجد سے دور تھی اور اب نزدیک آتی جاتی ہے کہ احتمال ہے کہ مسجد شہید ہو جائے اور برسات میں مسجد میں آنے کے راستے پر اور صحن مسجد پر سات آٹھ روز تک زراؤں تک پانی رہتا ہے۔ یہاں تک کہ نماز پنجگانہ کی جماعت نہیں ہوتی۔ لہذا سب لوگوں نے مل کر حسب موقع مسجد کے نام سے ایک ہزار کی روپے کی زمین خرید کر کے وقف کر دی اور اس زمین میں بچی مسجد بنوانے کی ایٹیشن اور سرخی اور چھڑا سب رکھے۔ اب اس صورت میں خریدی ہوئی زمین میں کی مسجد بنوانا جائز ہو گا یا نہیں اور پرانی مسجد کو کیا کریں

الجواب :- (۱) مسلمان کی قبر بلا وجہ شرعی کھود کر برابر کر دینا حرام ہے۔ فتاویٰ خیرہ میں ہے۔ وقد صرح جل جلالہ فیہ بحرمۃ الخشب بغير ضرورة۔ رد المحتار میں ہے۔ الخشب حرام۔ اور مسجد بڑھانا قبر کھود ڈالنے کے لئے ضرورت شرعیہ نہیں۔ رد المحتار میں ہے۔ ولا یخرج منه بعد اہالۃ التراب الا لحق آدمی رد المحتار میں فرمایا۔ احتراز عن حق اللہ تعالیٰ کما اذا دفن بلا غسل او صلاة او وضع علی غیرہ

فتاویٰ خیرہ میں ہے۔

سلفہ رواہ مسلم عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ج ۱ ص ۲۰۱ باب فضل بناء المساجد۔ بخاری ج ۱ ص ۶۴ باب من بنی مسجداً۔ ۱۲ مباحی سلفہ فتاویٰ خیرہ ج ۱ ص ۱۵ باب الجنائز۔ سلفہ ضرورت شرعیہ اس وقت ہوتی جب میت سے حق البدن متعلق ہونا اور یہاں کسی آدمی کا حق متعلق نہیں تو ضرورت شرعیہ نہ ہو جیسا کہ رد المحتار کی عبارت سے ظاہر ہے تو

یمینہ ادا فی غیر القبلة فانہ لا ینبش علیہ بعد اہالۃ التراب الخ فعلم من ہذا ان النش
لتوسیع المسجد لایجوز لعدم تعلق حق الادعی بالمیت۔ اور قبر کو جب برابر کر کے اسے مسجد میں شامل
کر بیٹے تو اس پر چلنا پھرنا پاؤں رکھنا بھی ہوگا۔ اور قبر پر چلنا، پاؤں رکھنا حرام۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لان امشی علی جمرۃ اوسیف احب الی من ان امشی علی قبر مسلم۔ ^۱ انکار
یا تنوار پر چلنا مسلم کی قبر پر چلنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔ ردالہ ابن ملجمہ عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ، کہ اس سے میت کو ایذا ہوگی۔ اور ایذا کے مسلم حرام۔ حدیث میں ہے۔ المیت یؤذیہ فی قبرہ
ما یؤذیہ فی بیتیہ۔ میت کو قبر میں ان چیزوں سے ایذا ہوتی ہے جس سے زندگی میں ایذا ہوتی ہے۔ علامہ
مناوی شرح میں فرماتے ہیں۔ افاد ان حرمة المؤمن بعد موتہ باقیۃ۔ یعنی اس سے یہ فائدہ حاصل
ہوا کہ مؤمن کی حرمت مرنے کے بعد باقی رہتی ہے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ اذی
المؤمن فی موتہ کاذا فی حیاتہ۔ مؤمن کو مرنے کے بعد تکلیف پہنچانے کا وہی حکم ہے جو اس کی زندگی
میں تکلیف پہنچانے کا ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ المیت یتساوی بہ الحی۔ بیان تک کہ علماء تصریح فرما
ہیں کہ قبرستان میں جو نیارا راستہ نکالا گیا ہے اس پر چلنا جائز نہیں۔ طحاوی میں ہے۔ نصوا علی ان المروء
فی سئۃ حادثۃ ینہا حرام۔ نہ بند قبر، حق میت ہے۔ اور کسی کا حق باطل کرنا ناجائز۔ قنیہ میں ہے۔
یاثم یوطأ القبور لان سقف القبر حق المیت۔ اور سوال کے یہ لفظ متصل مسجد کثرت سے قبریں ہیں اس
سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین غالباً وقتی قبرستان ہے۔ اگر واقعہ یہی ہے کہ مسلمانوں کے قبور کے لئے
وقف ہے۔ جب تو اگرچہ اتنے ٹکڑے میں قبریں نہ بھی ہوتیں جب بھی مسجد کی توسیع ناجائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری
میں ہے۔ لایجوز تغیر الوقف عن ہیئاتہ فلا یجعل الدار لیستانا ولا الخان حماما ولا
الرباط۔ دکانا الا اذا جعل الوقف الی الناظر ما یرئ فیہ مصلحتۃ الوقف۔ ^۲

۱۔ درمختار و رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۲ باب مملوۃ الجنائز۔ ^۲ ابن ماجہ ص ۱۱۲ باب ما جاء فی النہی عن المشی
علی القبور و الدخول علیہا۔ ۱۲۔ ^۳ عالمگیری ج ۲ ص ۳۵۴ الباب الرابع عشر فی المہتفرقات۔ مباحی

فتح القدير میں ہے۔ الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ۔ نیز وقف کرنے کیلئے ملک شرط ہے۔ اور جب قبرستان کے لئے وقف ہو چکی تو ملک نہ رہی۔ تو اب مسجد کے لئے کیسے وہ زمین وقف ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر وہ زمین قبرستان کیلئے وقف نہ ہو اور ان قبروں کو بدستور باقی رکھ کر قبروں کے آس پاس سے ستون قائم کر کے اوپر چھت قائم کر دیں کہ نیچے کے درج میں قبریں ہوں اور چھت کو تو وسیع مسجد کے کام میں لائیں تو جائز ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب

(۲) یہ زمین کہ مسجد بنانے کیلئے خریدی گئی اس میں مسجد بنانا جائز ہے اور مسجد قدیم کو بدستور باقی رکھیں۔ رد المحتار میں فتح سے ہے۔ الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ۔ ہاں اگر سیلاب سے مسجد منہدم ہو جائے یا منہدم ہونے کا غالب گمان ہو تو ایسی صورت میں اسکی آئینیں وغیرہ دوسری مسجد میں صرف کر دیں۔
رد المحتار میں ہے۔ قال السيد الامام ابو شجاع المسجد اذا خرب واستغنى عنه اهل القرية فرفع ذلك الى القاضي فباع الخشب وصرف الثمن الى معبد آخر جاز ونقل في الذخيرة عن شمس الائمة الحلواني انه سئل عن مسجد ارحوض خرب ولا يحتاج اليه لتقرق الناس عنه هل للقاضي ان يصرف اوقافه الى مسجد ارحوض آخر فقال نعم ومثله في البحر عن القنية والذي ينبغي متابعة المشائخ المذکورين في جواز النقل بلا فرق بين مسجد ارحوض كما اُفتي به الامام ابو شجاع والامام الحلواني وكفي بهما قدوة ولا سيما في زماننا فان المسجد وغيره من رباط ارحوض اذا لم ينقل ياخذ القاضيه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد وكذا اذا قافه یا كلها انتظارا وغيرهم ویلزم من عدم النقل ضراب المسجد الاخر المحتاج الى النقل اليه وتد وقعت حادثة سئلت عنہا فی امیر اراد ان ينقل بعض احجار مسجد خراب فی سفح قاسیون بدمشق لیبلط بها صحن الجامع الاموی فافقت بعدہم الجواز متابعة للشمس نبلا فی ثم یلغنی ان بعض المتغلبین اخذتلك الاحجار ونصبہ

فبخدمت علي ما افتتحيه تدليمت الآن في الذخيرة قال في فتاوى النبي في سئل شيخ الإسلام
 عن اهل قرية رحا وارتدوا عن مسجد ما الى الخراب وبعض المتغلبين يتولون على خشيته
 وينقاونته الى درهم من لوبه لاهل المحلة ان يبني الخشب بامر القاضي وبيد
 الثمن ليصرفه الى بعض المساجد والى هذا المسجد قال نعم وحكي انه وتم مثله في زمن
 سيدنا الامام الاجل في رباط في بعض الطرق ضروب ولا يفتنهم المارة به وله اوقاف عامرة
 فسل هل يجوز نقلها الى رباط آخر يفتن الناس به قال نه ملات الواقف غرضه انتفاع
 المارة ويحصل ذلك بالثاني ^{له} ان يذهب ملتقطا فتاوى خيريه ميب ^{هـ}. وفي الواقفات للصد
 الشهيذ المسجد اذ خرب وهو عتيق لا يعمر بانيه وبني اهل المسجد مسجدا آخر فباع
 اهل المسجد المسجد الارل واستعانوا بتمنه في بناء المسجد الثاني على قول من يرى لجواز
 هذا البيع وان كنا لانفتي بجواز وفي الخلاصة بالبرازية عن الحلواني اذ خرب مسجد
 وتفرق الناس عنه تصرفت اوقافه الى مسجد آخر وفي النوازل وكثير من اللتب انه لا باس
 به وهذا كله على قول محمد رحمه الله تعالى فتحرر من هذا التقرير ان المسألة اجتهدية
 والاختلاف فيها مجال للاجتهاد فيها مساع فاذا التورت شروط الحلم على قول الامام الثالث
 الذي رويت موافقته فيقول الامام الاعظم بعد النظر في المصلحة للمصلين والاعانة
 للمتعبدين فلا شك في صحته ونفاذه وارتفاع الخلل فيه فانظر الى قوله في الواقفات
 وان كنا لانفتي به جاز وماذا لك الا انه تدنكون المصاحبة فيه متعينة فاذا علم الله
 وسبحانه تعالى خالص النية وسقاء الطوية وقصم الدار الآخرة والاجور الواضحة و
 ولا جديمه ليس وطرح ما هو عسر نهو خير محض ونفع صرف فان الدين كله يسر وان
 خشي عافية سوء واقبال موضوع فالعمل بما عاياه الفتوى اولى والا موبقاصدها ولهم

من شئ احدیكون طاعة بالنیة الخیریه ویكون معصیة بالنیة الشریة واللہ اعلم۔
 مگر جتنی الوسع اس مسجد قدیم کی حفاظت میں پوری کوشش کریں اگر پختہ وغیرہ ہوانے سے حفاظت ہو سکے
 تو یہی کریں کہ مذہب امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہے اور یہی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی قول
 ہے کہ مسجد کی مسجدیت باطل نہیں ہو سکتی، وہ قیامت تک کیلئے مسجد ہے اور جب اس قول پر عمل نامکن ہو کہ دیا
 مسجد کو منہدم کر دیا جائے جس نقصان ہوگا تو امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر مجبوری عمل کریں پھر بھی اتنی جگہ
 جس میں مسجد تھی اس کا احترام بدستور باقی رکھیں کہ اسکے لئے کوئی عذر نہیں پھر اس امر میں قول مفتی یہ سے عدول کی
 کوئی وجہ نہیں۔ درختار میں ہے۔ ولو خرب ما حوله واستغنى عنه یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدال
 الی قیام الساعة وہ یفتی حادی القدسی۔ ردالمحتار میں ہے۔ فلا یعود میراثا ولا یجوز نقلہ
 ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کا فوا یصلون فیہ اولادہو الفتوی حادی القدسی والثر الشانخ
 علیہ مجتبیٰ وهو الوجه فتح ۵۱ بحر واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسئلہ سردار ولی خان صاحب۔ ساکن بریلی محلہ سوداگران۔ ۱۲ صفر ۱۳۴۰ھ۔
 کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں۔

سوال اول :- خالد نے اپنی اخت حقیقہ ہندہ کو ایک قطہ آراضی مع ایک مکان کے بحالت صحت
 نفس وثبات عقل برضا و رغبت ہبہ کیا اور مویوب بہا ہندہ کا اس پر قبضہ بھی کر دیا چنانچہ ہندہ نے اسکی
 عمارت قدیمہ کو منہدم کر کے تعمیر جدید مع اس قطہ آراضی کے جیات واہب میں اپنے رویہ سے کرائی اور تصرفات
 مالکادہ میں کرتی رہی۔ اور تاحیات اپنی اسمیں سکونت پذیر رہی ہندہ نے وہ قطہ مکان ملوکہ مقبوضہ منمرہ اپنا
 بحالت صحت نفس وثبات عقل بطیب خاطر بوجہ اللہ الیکم وقف کیا اور شرعاً ذالوفا وقف کی تکمیل کر دی بکبر اور
 حقیقی خالد ہندہ نے مکان مذکور پر اب چند تصرفات جن کی تفصیل حسب ذیل ہے مکان موقوف مذکور میں
 کیے اولاد وازدہ آمد و رفت کی چھت پر بقدر ایک گز چوڑی دروازہ پھرائی دیوار کڑیوں پر بنالی۔ ثانیاً

ثانیاً۔ زمین مکان موقوفہ کا جو مکان مسکونہ بکر سے ملحق ہے اس پر قبضہ کرنے کیلئے اپنے مکان میں سے دروازہ جدید زمین پر قائم کر کے سپردھیاں جدید اپنی چھت تک ملا کر بنالیں۔ اب اس زمین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین شامل مکان موقوفہ نہیں ہے بلکہ مکان بکر کا زمین ہے۔ ثالثاً۔ بکر نے زمین کی چند سپردھیوں کے نیچے بخاری جدید بنالی۔ لیکن یہ تصرف قبل وقف ہندہ بکر نے کیا مگر بلا اجازت و رضا ہندہ کیا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ تصرفات شرعاً اللہ کے مال وقف میں بکر کو حلال ہے یا حرام؟ اور بخاری بنانا بلا اجازت مالک حق العبد میں گرفتار ہونا اور غضب مال مسلم کرنا ہے یا نہیں۔ یہ تصرفات مالکاً اپنی ذات کیلئے ہوں یا دوسرے مکان وقف کیلئے ہر طرح ناجائز ہیں یا نہیں جو عبادات شرع میں مال وقف و مال غیر میں تصرف ناجائز پر وارد ہیں ارشاد ہو۔ بینوا تو حرد۔

سوال دوم۔ بکر کہتا ہے کہ واقعہ کو میسر بھائی خالد نے مکان زمین حین حیات ہیہ کیا تھا اور اس پر علم بنائیکی اجازت دیدی تھی چنانچہ اس نے عمل بنایا اور تا حین حیات اس میں رہی۔ حالانکہ یہ صریح غلط ہے خود مادر بکر ہندہ بحلف شرعی بیان کرتی ہے کہ مکان وقفہ زمین مستقل طور پر خالد نے بطیب خاطر ملک دہندہ کر دی تھی بقول بکر بغرض غلط اگر یہ صحیح بھی ہو تو شرعاً ہیہ قبضہ صحیح و تام ہوا یا نہیں۔ اور وقف صحیح و لازم ہوا یا نہیں۔ بینوا تو حرد۔

سوال سوم۔ بکر کہتا ہے کہ میسر یہ تصرفات اس بنا پر ہیں کہ مکان واقعہ کا کاؤر مکان ملحق کوٹ بکر پر رکھا گیا ہے اور اس کی دیوار کاٹ کر دروازہ آمد و رفت میں زمین ملائی گئی ہے اسی قدر پر میں نے دیوار چھت پر بنائی ہے اولاً تو یہ صریح غلط ہے دروازہ کی دیوار شرقی ہندہ نے اپنی زمین میں اٹھائی ہاں۔ کوئی دیوار مکان ملحق بکر کی نہ تھی بلکہ بہت زمین واقعہ نے اپنی جانب شرق چھوڑی تھی جواب بکر نے شامل مکان ملحق کر لی۔ ثانیاً۔ مکان موقوفہ ہندہ فقیر کے وقت مکان ملحق بکر وقف نہ تھا۔ بلکہ ملوکہ مادر ہندہ تھا مادر ہندہ نے جو بخشی ان تصرفات کو جائز رکھا اور تا اس دم اس پر راضی ہے خود بکر نے کاؤر دیوار ملحق پر رکھوایا اور دیوار دروازہ بلکہ کل مکان اپنی نگرانی میں بنوایا۔ بالفرض اگر کوئی دیوار کاٹ کر بنائی جب بھی جبکہ مادر ہندہ مالک مکان ملحق اس پر رضامند تھی اور ہے تو شرعاً یہ تصرفات ہندہ جائز ہوئی یا نہیں اور بکر کے یہ خیال شرعاً

تال سماعت ہیں یا نہیں۔ مینوا تو جزوا۔

سوال چہارم :- ہندہ جب بیات خالد مکان مذکور پر قابض اور تصرف رہی اور عمر بھر اپنی حسب منشاء تصرفات مالکانہ اس میں کرتی رہی۔ اور خالد نے باوجود علم و اطلاع اپنی زندگی میں کہ مدت مدید تک زندہ رہا۔ اس زمانہ دراز میں کچھ تصرف نہ کیا بلکہ اس پر راضی رہا۔ اور نیز اور ہندہ اور خود بکر راضی ہے۔ تو اس صورت میں شرفا کوئی دعویٰ بکر وغیرہ بلکہ خود وارثہ خالد کا مسموع ہوگا۔ یا عند الشرح ایسی صورت میں تملک عارض ہوگی خصوصاً بمقابلہ وقف؟ مینوا تو جزو۔

سوال پنجم :- قطعاً مسموع جب خالد برادر بکر کی ملک تھے۔ اور اولاد زمینہ خالد کی موجود ہے تو شرعاً کوئی حق مکان موقوف میں بکر کو بھی پہنچ سکتا ہے۔ جس کی بنا پر اس کو تصرف کا مجاز ہو یا اس کے یہ تصرفات غضب و حرام۔ موجب اتنا م باعث غضب رب تبار و ناراض حضور سیدار علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یا نہیں۔ مینوا تو جزو

الجواب :- صورت مستفرد میں اس مکان وقف میں بکر کو کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں۔ اس کے زمینہ پر قبضہ کر سکتا ہے نہ دروازہ کی چھت پر دیوار بنا سکتا ہے اور کڑیوں پر دیوار بنانے میں قطع نظر تصرف فی الوقف کے وقف میں ایک نقصان کا بھی اندیشہ ہے کہ دیوار کے بوجھ سے کڑیاں ٹوٹ جائیں اور چھت گر پڑے حدیث میں ارشاد فرمایا ان رجالاً یتخوضون فی مال اللہ بغیر حق لہم الماز یوم القیامۃ رواہ البخاری عن خولۃ الانصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ زمینہ جب ہندہ نے اپنی زمین میں بنایا ہے تو بکر کو بلا اجازت ہندہ اس کے نیچے بناری بنانے میں صحیح بخاری کی اس حدیث سے ڈرنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من اخذ من الارض شیئاً بغیر حقہ خسف بہ یوم النیامۃ الی سنہ ارضین۔ جو ناحق زمین سے کچھ بھی لے گا وہ روز قیامت ساتوں زمین لگ دھساویا جائے گا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من اخذ من الارض بغیر حقہ کلف ان یحمل نزاریہا المحشش۔ جو شخص ناحق زمین لے گا اسے اسکی تکلیف دی جائیگی

۱۔ رواہ البخاری عن سالم عن امیہ ج ۱ ص ۳۳۲ اب انہ من ظلم شیئاً من الارض۔ ۱۲۔ مصباحی

۳۔ مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۰۰

کہ اسکی بٹی اپنے اوپر لا کر میدان حشر میں پہنچائے۔ رواہ الامام احمد عن یعلیٰ ابن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اما احمد
کی دوسری روایت انھیں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایما رجل ظلم شبرا من الارض
كلفه الله عز وجل ان يحفره حتى يبعث آخر سبع ارضين ثم يطوقه الى يوم القيامة حتى ينفق
بين الناس۔ جو شخص ایک باشت زمین ظلم سے لیگا اللہ عز وجل اسے اسکی تکلیف دے گا کہ ساتویں زمین تک
کھودے پھر وہ قیامت تک مثل طوق اس کے گلے میں ڈال دیجائیگی یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان نبصلہ ہو جائے
اور فرمایا۔ من اخذ شبرا من الارض اظلم اذاته بطوقه يوم القيامة من سبع ارضين۔ جو شخص ایک
باشت زمین ظلم لے گا روز قیامت ساتویں زمینوں کا اتنا ٹکڑا اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔ رواہ الشیخان
عن سعید ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایسی سخت و شدید وعیدیں سننے کے بعد کبھی دوسرے کی زمین لینے کی جرات
نہ ہونی چاہئے۔ بکر پر لازم کہ وقف میں تصرف کرنے سے بچے۔ اپنی دیوار نوراً ٹھٹھے اور زینہ سے اپنا قبضہ اٹھا
ٹھٹھا کرنا غیر میر ہے۔ مسئل فی رجل بنی فی الوقف بغیر مسوغ شرعی فما حکمہ اجاب ان کان البانی ہو
المتولی فان کان من مال الوقف فهو وقف وان کان من مالہ لا وقف او اطلق فهو وقف وان لنفسه
فهو له ویكون متعديا فی وضعه فیجب رفعہ لولم یضر فان اضر فهو المضمیع لماله لانه لا یملك
رفعہ لما نیه من ضرر الوقف ولا الانتفاع لما نیه من التصرف معه یا راض الوقف فقد ضیع مالہ
وفی هذه الصورة یفسق المتولی ویستحق العزل لتعديیه بهذا التصرف واقتنی بحسب ما یتمسک
للووقف باقل القیمتین منزوعاً وغیر منزع بما ل الوقف فی صورة الضرر وان کان البانی غیر المتولی
فان کان باذن المتولی لیرجم فهو وقف وان لم یکن باذن المتولی فان بنی للوقف فهو وقف۔
وان لنفسه او اطلق رفعہ لولم یضر یا راض الوقف فان اضر لانه لم یتمسک ما تقدم ذكره فقد علمت الاحکام
كلها فی هذه المسئلة۔ واللہ اعلم۔ میرا سی ہے۔ مسئل فی جماعة وضعت احاطا علی بناء الوقف
تعديا اهل یومرون بهدمه اجاب نعم یومرون برفعہ ان لم یضر بالوقف فان اضر فهو المضمیع

لما له فليتبصر الى زواله وقد اتفق علما، ناعا على انه يفتى بكل ما هو انفع للوقف وافتى علماؤنا
 المتأخرون باجوبة المثل في منافع الوقف اذا غضب فيقف بهما في هذه المسئلة. والله اعلم. اور یہ
 تمہرات بکمر کے اپنے لئے ہوں یا دوسرے وقف کے لئے دونوں ناجائز ہیں کہ ایک وقف سے دوسرے وقف کو
 نقصان نہیں پہونچایا جاسکتا۔ فتاویٰ امام نمراناشی میر ہے۔ سئل عن ارض زعم رجل متولى على وقف انهما
 من جملة الوقف وأجرهما لأخر إجارة صحيحة شرعية بناء على انهما من جملة الوقف وجبة المستاجر
 بناء ثم تتبين بعد ذلك بطريق شرعي انهما ملك لشخص ولم تكن وقفانه ليعمل بذلك شرعاً
 ويومر المستاجر المذكور برفع البناء حيث لم يجر مالهما الا إجارة اجاب نعم يعمل بما ذكر من
 الحكم بالملك للمستحق بعد ثبوت ذلك على الاسلوب الشرعي وللمالك مطالبة المستاجر المذكور
 برفع بنائه ويومر بذلك شرعاً وللمالك ان يجر له قيمة البناء وقيمة الفرس مقلوعاً اذا
 كانت الارض تنقص بالقلع ويرضى بنزكه ا يكون البناء والفرس لهذا والارض لهذا. والله اعلم.
الجواب :- جو چیز عمر بکمر کو دی گئی وہ ہبہ ہو گئی اور بعد قبضہ ہبہ نام ہو گیا حدیث میں ہے حضور اقدس
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من اعمد عمداً فمضى للذى اعمد هلياً دميماً ودلعيه سے رواہ مسلم
 عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیحین ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم نے فرمایا۔ العمري جائزۃ اور صحیح مسلم میں بروایت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ العمري ميراث لاهلہما جو چیز کسی کو تاحین حیات دی گئی وہ اس کے وارثوں کے میراث ہے
 دینے والی کی طرف عود نہ کرے گی ہر ایسے میں ہے۔ تنعقد الہبۃ بقولہ اعمد تک هذا الشئ وكذا اذا قال
 جعلت هذا الدار لك عمری کسی شئی کو تاحین حیات دینے کے معنی ہوتے ہیں کہ اس وقت تو میں نے مالک
 کر دیا مگر تیرے مرنے کے بعد لے لوں گا اگر یا یہ ہبہ میں ایک شرط فاسد لگائی اور ایسی شرط سے ہبہ میں کوئی نقصان
 نہیں آتا۔ طوطا وی علی الدرب ہے۔ ومعنی العمري التملک فی الحال والرجوع فی الشئ بعد موت المعمر

لہ نصبح التملیک و بطل شرط الرجوع لان الهبة لا تبطل بالشروط الفاسدة انتهى زکلی۔ لہذا صورت
مستفسرہ میں جبکہ بہرہ صحیح و نام ہو گیا اور ہندہ اس مکان کی مالک ہو گئی تو اسے وقف بھی کر سکتی ہے۔ اور یہ بہرہ صرف
نام ہی نہیں بلکہ قابل رجوع بھی نہیں۔ اولاً ہندہ نے اس اراضی کو بہرہ پر مکان بنایا اور یہ ایسی زیادت ہے جو مانع
رجوع ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویمنع الرجوع فیہا الزیادۃ المتصلۃ کبناء وغیرہ ثانیاً۔ واہب کا حیا
ہندہ میں انتقال ہو گیا اور موت احد العاقلین مانع رجوع ہے۔ ثالثاً۔ اگر خالد زندہ بھی ہوتا تو رجوع نہ کر سکتا کہ ہندہ
اسکی حقیقی بہن ہے اور باعتبار نسب ذی رحم محرم ہونا مانع رجوع ہے۔ رابعاً۔ موہب لہا نے وقف کر دیا تو اب اس
کی ملک میں نہ رہا اور خروج عن الملك بھی مانع رجوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب۔ جب مکان ہندہ زیر نگرانی و باہتمام بکر بنا تو بکر کا یہ کہنا کہ میرے مکان کی کچھ زمین اس کے
دروازہ میں شامل کر لی گئی ہے مسموع نہیں۔ درمختار میں ہے۔ من سعی فی نقض ما تم من جہتہ فسیعہ
مردود علیہ۔ اور گاؤں بھی خود بکر نے رکھوائے تو اگر وہ مکان بکر تھا تو رکھنا ہی اجازت ہے۔ پھر اب اسے
کیا اعتراض اور اگر وہ مکان مادر ہندہ کا تھا تو مالک کو اختیار ہے کہ نصف اس کی ملک میں ہے اور جب پہلے بھی وہ
رضا مند تھی اور اب بھی ہے تو بکر کو کوئی حق اعتراض نہیں کہ جس کی ملک تھی اس نے جائز کر دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب۔ ہندہ کا مدت دراز تک نصف مالکانہ کرنا اور خالد کا باوجود علم و اطلاع نصف نہ کرنا بلکہ راضی رہنا
دعویٰ کو سابق کرتا ہے خود خالد بھی دعویٰ کرتا تو مسموع نہ ہوتا۔ اب بعد انتقال خالد اس کے ورثہ کا دعویٰ بھی مسموع
ہوگا عقود الدریہ میں ہے۔ رجل تصرف زماناً فی ارض و رجل آخر رای الارض و التصرف ولم یخ ع و ما
على ذلك لم تقسم بعد ذلك دعویٰ فلدہ اھو ولم یقید وہ بمدة کما نزل و ما یمنع صحۃ۔

لہ طحاوی علی الدرر کتاب الہبۃ ج ۳ ص ۳۹۳۔ لہ درمختار باب الرجوع فی الہبۃ ج ۲ ص ۵۴۳۔ لہ درمختار میں ہے۔ ویمنع

الرجوع فیہا موت احد العاقلین بعد التسليم۔ لہ تزیل البصار و درمختار میں ہے۔ ولو هب لذی رحم محرم منہ

نسباً لا يرجع۔ طحاوی وی ہے۔ واما لا يرجع فیہا القولہ علیہ السلام اذا كانت الهبة لذی رحم محرم لم يرجع فیہا

ولان المقصود منها صلة الرحم وقد حصل وفي الرجوع قطعية الرجوع ج ۳ ص ۲۰۵۔ لہ درمختار میں ہے۔ ویمنع الرجوع فیہا خروج
الہبۃ عن ملک الموهوب لہ ج ۲ ص ۵۴۸۔ ۱۲۔ مباحثی

دعوى المورث يمنع صحة دعوى الوارث كما يجب. سئل في رجل يريد الدعوى على
 ليد بميراث امه المتوفاة اكثر من خمسة عشر سنة وزيد يجحد ومفت هذه
 المدة من بلوغه ريثما يدعى بذلك ولا منعه مانع شرعى وهما مقيمان في
 بلدة واحدة فهل تكون دعواه بذلك غير مسموعة للمنع السلطان الجواب نعم و
 القضاء يجوز تخصيصه بالزمان والمكان واستثناء بعض الخصومات كما في الخلاصة
 فتاوى خيرى. سئل في رجل اشترى من آخر ستة اذرع من ارض بيد البائع وبني
 بها بناء وتصرف فيه ثم بعدة ادعى رجل على الباى المذكوران له ثلاثة قراريط و
 نصف قيراط في المبيع المذكور ارثا عن امه يريد هدمه والحال ان امه تنتظره
 يتصرف بالبناء والانتفاع المذكورين هل له ذلك ام لا وهل تسمع دعواه مع تصرف المشتري وروية
 امه له والملاحمها على الشراء المذكور والتصرف المذبور مدة مديدة ام لا اجاب لا تسمع دعواه
 لان علمائنا اختلفوا في متونهم وشر دهم وفتا دهم ان تصرف المشتري في المبيع مع اطلاع الخصم
 ولو كان اجنبيا بنحو البناء والغرس والزرع يذمه من سماع الدعوى قال صاحب المنظومة
 اتفق اساتيدنا على انه لا تسمع دعواه ويجعل سكوت رضاء للمبيع قطعاً للترزير والاطماع والميل
 والتلبس وجعل الحضور وترك المنازعة اقراراً بانه ملك البائع وقال في جامع الفتاوى وذكر
 في منية الفقهاء رأى غيره يبيع عروضا فقبضها المشتري وهو ساكت وترث منازعته فهو
 اقرار منه بانه ملك البائع انتهى فعلم بذلك ان الامر لو كانت حية ثم ادعت بعد ذلك
 لا تسمع دعواها وما منع المورث في مثله منع الوارث بالاولى وذلك كله لاجل الدفع
 والقطع لمادة التزير والتلبس والحاسم لطريقة الاحتياط وقطع شافعة الاطماع بالتلبس
 في زمان غلب على اهل ارتكاب الباطل وتعالى العاقل لينال من الدنيا الدنية نوع
 نائل فتزى الواحد منهم على خصمه كالسبع الصائل نحسوا سماع مادة مثل هذه الدعوى
 لساروا من فساد اهل الزمان بارتكابهم باطل العدوان والميل للدنيا البقية عبا مثل

الشیطن فیجب منع ذالک اذا القاعدة التي اجتمعت على صحتها اهل المذهب دعوا المقاسمہ
 ادلی من جلب المصالح یدخل هذه الوسیة فیما اشتملت علیه من المفسر ذات فیجب لعل
 بهما فی دفع الظاهر الذی ینصرتغیر الزمان وضاد اهل الذی لقطت الاحادیث بشرهم وقبح
 حاله اکثرهم والله اعلم۔ فتاویٰ امام غزلی تراشی میں ہے۔ سئل عن رجل اشترى درهما من رجل و
 واستمر جارياني ملكه مدة تزيد على عشرين سنة ثم بعد ذلك ادعى رجل وهرجاء المشتري
 ملائق بكونه بنصف الكرم المزبور والمحال ان المدعى مقيم في هذه البدة عالم بان الكرم
 المذكور جاري ملك المشتري وهو ساكت لم ينزع في ذالك اصلا في المدة المذكورة ولم يمنعه من
 الدعوى مانع شرعي وقد استعمل المشتري المدعى المذكور في الكرم باجرة معلومة مرارا متعددة
 فمن تسم هذه الدعوى۔ اجاب لا تسمع هذه الدعوى قال في الكنز باع عقارا وبعض اقاربه
 حاضر يعلم البيع ثم ادعى لا تسمع دعواه انتهى وفي البرازية باع شيئا وزوجته وبعض اقاربه
 حاضر سألته ثم ادعاه لا تسمع واختار القاضي في رد ادعاه انه يسمع في الزوجة لاني غير هاد اختار
 ائمة خوارزم ما ذكرناه بخلاف الاجنبى فان سكوتهم دقت البيع والتسليم ولو جارا لا يكون رضاء
 بخلاف سكوت الجار وقت البيع والتسليم ونعرف المشتري فيه زرع ابناء حيث تسقط
 دعواه على ما عليه الفتوى قطع الاطماع الفاسدة۔ والله تعالى اعلم

الجواب :- جب خالد میرہ کرچکا ہے تو خود خالد کو بھی کوئی حق نہ رہا۔ جیسا جواب سوال دوم میں مذکور ہو
 چکا۔ نہ کہ اولاد خالد اور صورت مذکورہ میں بکر تو وارث بھی نہیں اسے تصرف کا حق کیا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۔ فتاویٰ خیرہ۔ کتاب الدعوی۔ ج ۲ ص ۸۷۔ ۱۲ مصباحی

۲۔ فتاویٰ امام غزلی ص ۲۱۲۔ کتاب الدعوی والاقرار۔ ۱۲ مصباحی۔ ۳۔ کیونکہ خالد کی اولاد ذکر ہو چکے۔ (جو بیچے

درجہ کا عصبہ میں) تو ان کی موجودگی میں خالد کا سہلی بکر (جو تیسرے درجہ کا عصبہ ہے) وارث نہ ہوگا۔ درختی میں ہے۔ ولیسقط

بنو الاعیان وھم الاخوة والاخوات لا ب واما ثلاثہ بالابن وبالاب والجد۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مصباحی

مسئلہ :- مرسلہ مولوی عبدالکریم صاحب از چنور گڑھ علانہ اودے پور۔ میواڑ۔ ۵ جمادی الآخر ۱۲۸۶ھ
ایک مدرسہ کاروپہ جو واقف نے خاص ایک مدرسہ کے لئے دیا ہے۔ دوسرے مدرسہ میں صرف ہو سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب :- جب واقف نے روپیہ خاص اس مدرسہ میں صرف کرنے کے لئے دیا تو یہ دوسرے مدرسہ میں کیونکر
صرف کر سکتا ہے درغنا رہا ہے وان اختلف احدھما بان بنی رجب لان مسجدین اور جل مسجداً و مدرسۃ
ووقف علیہما اتفاقاً لایجوز لہ ذلک ای الصرف من غلۃ احدھما علی الآخر۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ حکیم احمد حسین صاحب و محمد حسین صاحب۔ از سکندر پور ضلع لمبا۔ ۵ جمادی الآخر ۱۲۸۶ھ
(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں مدرسہ بنانا یا تعمیر مکان بغرض قرآن خوانی یا کنواں
بغرض آبپاشی گل پھول و درختان قبرستان جائز ہے یا نہیں؟
(۲) اور اگر پہلے سے اس میں مدرسہ لا علمی سے بنوا دیا ہو یا مکان قرآن خوانی کے لئے تیار کر دیا یا کنواں کھودا دیا ہو تو اب
ایسی حالت میں ان چیزوں کا قائم رکھنا بہتر ہے یا منہدم کر دینا؟
(۳) وہ حصہ زمیں قبرستان کی جو محدود احاطہ قبرستان ہے مگر وہاں اس پاس قبریں نہیں ہیں اسکو تصرف میں اپنے
لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مکان مسکونہ اپنے لئے بنا سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب :- دفنی قبرستان میں ان چیزوں کا بنانا جائز نہیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ و لایجوز تغیر
الوقف عن ہیئتہ فلا یجعل الدارستاناً و لا الخان حماماً و لا الرباط و کانت فتح القدیر و رد المحتار
و شرح الاشباہ للعلامة البیری میں ہے۔ الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ دون زیادۃ۔
بلکہ اگرچہ قبریں نیست و نابود ہو گئی ہوں جبکہ ایسے قبرستان میں مدرسہ وغیرہ بنانا جائز کہ اب بھی وہ مقبرہ ہے
عالمگیری میں ہے۔ سئل الامام شمس الائمة محمود الاول و جندی عنی المقبرة اذا اذ رست ولم یبق
فیہا اثر الموتی الا العظم و لا غیرہ هل یجوز زرعہا و استغلالہا قالا لا و لا ہا حکم المقبرة کذا فی المحيط
واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۔ درمختار ج ۳ ص ۸۸ کتاب الوقف۔ ۲۔ مصباحی۔ ۳۔ عالمگیری کتاب الوقف، الباب الرابع عشری التفرقات، ج ۲ ص ۲۵۲
۴۔ فتح القدیر کتاب الوقف، ج ۵ ص ۳۴۲۔ ۵۔ عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الثانی عشری للرباطات و المقابر ج ۲ ص ۳۵۱۔ مصباحی۔

الجواب :- ان کو مہندم کر دیا جائے کہ یہ تصرفات ناجائز ہیں۔ اور وقف کا اپنے حال پر باقی رکھنا واجبہ
واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب :- قبرستان وقفی خالی زمین پر کبھی کوئی اپنا مکان بنا سکتا ہے دانے اپنے تصرف میں لاسکتا
ہے۔ کماثر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسودہ منشی محمد ظہور صاحب ولد گندہ نالہ۔ بریلی۔ ۲۱ رجادی الآخر ۱۳۴۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا اندرونی حصہ تنگ ہے کثرت نمازیان
کی وجہ سے دقت ہوتی لہذا یہ تجویز کی جاتی ہے کہ وسیع کیا جاوے مگر موقع کو دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہوتی کہ قریب
تین طرف کے راستے حائل ہے۔ اور عرب کی طرف کو ایک شخص کی عمارت حائل ہے۔ صرف پاکشاہی کی جانب اس
کی رگدڑ ہے تو یہ خیال ہو کہ اس کی رگدڑیں سے اڑھائی گز مربع زمین تخمیناً جاوے اور تخمیناً ساڑھے تین گریس
ارضی حجرہ مسجد میں سے بموادہ اسکو دی جاوے۔ واسطے رگدڑ اس کے جس پر کہ وہ رضامند ہے۔ تو اس صورت
میں اراضی کا تبادلہ جائز ہے یا نہیں اور بجائے دو گز کے تین گز دینا جائز ہے یا نہیں۔ یا زائد ارضی حجرہ کی قیمت اس
سے لیکر صرف مسجد میں شامل کیا جاوے اور اس حجرہ میں نماز کبھی نہیں پڑھی گئی جو بیانات و نیز ملاحظہ نقشہ سے
بخوبی ظاہر ہو جاوے گا۔ بینوا تو جروا۔

الجواب :- جبکہ وہ حجرہ کی زمین مسجد کی زمین نہیں بلکہ مصالح مسجد کے لئے ہے اور اب مسجد کو وسیع
کرنے کی ضرورت ہے۔ اور بغیر استبدال تو وسیع نہیں ہوتی تو اتنی زمین دیکر اس کے بدلہ میں دوسری زمین لیکر مسجد
میں شامل کر سکتے ہیں۔ مگر بلا وجہ تین گز دے کر ۲ گز لینے کی کوئی وجہ نہیں اس میں مسجد کا نقصان ہے ہاں اگر
وہ ساڑھے تین گز سے کم لینے پر راضی نہیں ہوتا تو زائد جو کچھ چاہے اس کے بدلے کاروبار مسجد میں صرف کریں اور
بیان سائل سے معلوم ہو کہ اس کے بدلے کی زمین جو شخص دے رہا ہے وہ ساڑھے تین گز زمین نہیں دے سکتا
ہاں اگر ایک گز زیادہ کاروبار دے سکتا ہے تو اس صورت میں وہاں کے دیندار مسلمانوں کے مشورہ سے یہ تبدیل
ہو سکتی ہے۔ رد الخاریس۔ فتاویٰ سراجیہ سے ہے۔ دان کان للوقف دیعہ دلکن یرغب شخص فی استبدالہ

ان اعطی مکانہ بدلا اکثر ریعامہ فی صقع احسن من صقع الوقف جاز عند الی یوسف والعل علیہ

علیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسئلہ زائد علی۔ شہر کبند۔ بریلی ۲۴ رشتبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ مسلمانان محلہ نے اجماعی بالاتفاق بنا بر مرمت شکستہ و ریختہ
ذیلی وغیرہ مسجد کچھ چندے سے روپیہ جمع کیا روپیہ مذکور کو یہ رضا مندی جمیع ایک شخص کو سپرد کیا تا کہ مسجد کا کام کرانے
شخص مذکور نے مشقت و جان فشانی سے اس کام کو انجام دیا۔ کچھ کام باقی رہ گیا۔ اور کچھ روپیہ سببی باقی رہ گیا شخص
مذکور بیمار ہو گیا۔ مسلمانوں نے حساب اور روپیہ طلب کیا۔ شخص مذکور نے تحویل باقی ماندہ کا حساب کر کے مسلمانوں
کے سپرد کیا۔ مسلمانوں نے اس کام کو سب اور سیرے تخمینہ کر یا تخمینہ سے سب اور سیر کے کچھ بیشی روپیہ شخص مذکور
سے اور نکلا وہ روپیہ اس سے جبریہ وصول کیا گیا۔ وہ روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ وہ روپیہ کس کا
حق ہے اور کس کو دینا چاہئے؟

الجواب :- سب اور سیر کا تخمینہ کوئی شئی نہیں ہے۔ تخمینہ میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔ ہاں اگر شہادت
سے ثابت ہو کہ فلاں روز اتنے راج اور مزدوروں نے کام کیا اور اس نے فرد حساب میں زیادہ تعداد لکھی
یا راج مزدوروں کو روزانہ جتنا دیا جاتا تھا، اس سے زیادہ حساب میں درج کی تو بے شک خائن ہے۔ اور وہ
رقم جو زیادہ لکھی اس سے وصول کیا جائے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بلا وجہ شرعی سپرد گمانی کر کے جبراً اس سے
وصول کیا گیا ہو تو اسے واپس کریں مسجد میں اس کا صرف جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسئلہ ناراجہاں۔ از نصیبہ افضل گذرہ ضلع بجنور تحصیل بکینہ۔ ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷

الجواب :- قبر پر مسجد کی دیواریں اٹھانا جائز نہیں حدیث میں ہے دلائلی علیہ اور قبر کو دفن مسجد میں داخل کر سکتے ہیں مگر اس طرح کہ قبے کے راس پاس سے دیوار اٹھا لیں اتنی کہ دیواریں قبر سے اونچی ہو جائیں پھر چھت پاٹ لیں کہ قبر جیسے نہ خانہ میں رہے اور یہ چھت مسجد کے کام میں آئے اور یہ بھی اس وقت کر سکتے ہیں کہ جب وہ وقتی قبرستان میں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسطور منشی محمد ظہور صاحب بریلی گندہ نالہ۔ ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد اعلیٰ واقع ناز بریلی کی بجہت پیر صاحب مکان عقب مسجد نے دیوار پرودہ اپنے آرام و آسائش کے لئے اپنے صرند سے تیار کر اگر مسجد کے نام رتف کر دی تھی مسجد مذکور کا کوئی نفع اس دیوار سے نہ تھا۔ اب حال میں مسجد دیوار مذکور شبہ رکرا کر اندر مسجد تیار ہوئی کچھ پرودہ مذکور ایام برسات میں گر گیا تھا جس کے باعث سے صاحب خانہ کو زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا بقیہ دیوار مذکور کے گرانے میں مسجد کے روپیہ سے صرند دیا گیا سابق میں مسجد مذکور کی اونچائی پونے تین گز تھی اب دس گزہ کرسی اونچی کی گئی اور بارہ گزہ اندر کی جگہ اونچی ہوئی بجائے پونے تین گزہ کے ساگر ہوئی اور چار گزہ کی منڈیر اب اونچائی پرودہ سابق سے دو چھت مسجد کی اونچائی سے چار گزہ کی ہے۔ صاحب خانہ کہتے ہیں کہ مسجد مذکورہ پر پرودہ مسجد کے صرند سے قدم آدم تیار کرنا چاہئے۔ ایسی حالت میں دریافت طلب ہے کہ پرودہ مذکور مسجد اپنے صرند سے تیار کر سکتی ہے یا صاحب خانہ مذکور اپنے صرند سے اور کس شکل پر تیار کر سکتا ہے؟

بینوا تو جروا۔

الجواب :- پردے کی دیوار مسجد کے روپے سے بنانے کی کوئی وجہ نہیں کہ بیان سائل معلوم ہوا کہ یہ پردگی مسجد کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے مکانات جو مسجد سے قریب ہیں ان سے بے پردگی ہوتی ہے اور مسجد کی دیوار جب بلند ہو جائے گی تو ان مکانات سے بے پردگی نہ ہوگی ہاں اگر مالک مکان اپنے روپے سے بقدر ضرورت پرودہ کی دیوار بنا کر مسجد کے نام وقف کر دے تو ہو سکتا ہے جبکہ مسجد کو اس دیوار سے کچھ ضرر نہ

بہوئے اور جب چار گز سے پردہ ہو جائے گا تو قند آدم کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسؤل مولوی آفتاب الدین محلہ ذخیرہ مسجد نیاریان بریلی ۳۰ محرم ۱۳۴۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شریعہ اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ زمین عید گاہ بنانے کیلئے وقف کیا تھا۔ حتیٰ کہ عید گاہ بنادی گئی۔ اور برسوں سے عید کی نماز ہوتی رہی لیکن زید کیا کرتا ہے کہ اپنے اولاد میں کسی کا انتقال ہو تو اسی عید گاہ میں جانب شمال دفن کرنا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس ارض موقوفہ پر زید کی ملکیت باقی ہے یا نہیں اور اس میں میت دفن کر سکتا ہے یا نہیں اور ایسے عید گاہ میں نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر دفن کرنا ناجائز ہو تو جو دفن کیا گیا اسکے بارے میں کیا حکم ہے بحوالہ کتب۔ بیہوا تو جبروا۔

الجواب :- جب اس قطعوں زمین کو عید گاہ بنایا اور وقف کر دیا بلکہ اس جگہ برسوں عید کی نماز بھی ہو چکی تو اب یہ وقف تام و لازم ہو گیا اور زید کی ملک سے خارج ہو گیا کہ اب وہ اختلاف بھی باقی نہ رہا جو امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما میں ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ وعند ابی یوسف یزول ملکہ بالوقوف کما هو اصلہ وعند محمد اذا استقی الناس من السقایۃ و سکنا الخان و الرباط و دفنوا فی المقبرۃ زال الملک و یکتفی بالواحد لتعذر فعل الجنس علیہ۔ اور اس عید گاہ میں واقع کو مردے دفن کرنا جائز نہیں کہ یہ تغیر وقف ہے اور تغیر وقف حرام۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لایجوز تغیر الوقف عن ہدیۃ فلا یجعل الدار یستانا ولا الخان حماما ولا الرباط کانا فتح القدیر۔ پھر روایتیں ہیں کہ واجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ اور زید نے جو مردے دفن کر دیئے ہیں زید انہیں کھود کر دوسری جگہ لیجائے یا زمین برابر کر دی جائے قبور کا نشان مٹا دیا جائے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولاینبغی اخراج المیت من القبر بعد ما دفن الا اذا كانت الارض مغصوبۃ و اخذت بشفعۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۔ عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر ج ۲ ص ۳۵۰ ۲۔ ج ۲ ص ۳۵۲۔ ۳۔ فتح القدیر ج ۵ ص ۴۴۰

۴۔ عالمگیری، کتاب المصلوات، الفصل السادس ج ۱ ص ۸۵۔ مصباحی۔

مسئلہ :- از موضع ہر ہر پورہ پرگنا ثواب گنج ضلع یلی۔ ۹، محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ موضع ہر ہر پورہ میں ایک قبرستان ہے اس میں جو درخت ہیں وہ درخت اہل گاؤں کے بزرگوں کے لگائے ہوئے ہیں اب ان درختوں کو زمیندار نے فروخت کر دیا ہے اور ان درختوں کو ایک شخص مسلمان نے خرید لیا ہے ان درختوں کے فروخت کر دینا سب گاؤں کے مسلمانوں کو درد ہے کیونکہ ان درختوں کی لکڑی سے تختے وغیرہ میٹ کے کام میں لائے جاتے ہیں زمیندار کو ان درختوں کو فروخت کرنا چاہئے یا نہیں اور جو شخص مسلمان خریدے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب :- یہ درخت کہ گاؤں والوں نے قبرستان میں لگائے اگر قبرستان وقف ہے اور درخت قبرستان کیلئے لگائے تو درخت بھی وقف ہیں اور ایسا نہیں تو درخت لگانے والوں کی ملک میں بہر حال زمین دار ان درختوں کو فروخت نہیں کر سکتا۔ فتاویٰ خیرہ میں ہے۔ ان کان الیائی غیر المتولی فان کان باذن المتولی لیرجع فهو وقف وان لم یکن باذن المتولی فان بیعہ للوقف فهو وقف وان لنفسه واطلق رفعہ لولہ یضرب بارض الوقف فان اضل الحکم ما تقدم ذکرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۱) :- مسرور جناب حاجی نعمت علی صاحب ضلع مظفر پورہ ڈاکخانہ رائے پورہ ساکن پنڈول۔ ۳۲، ۱۳ صفر۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں کہ مسجد و مزار اولیاء و مدد و کنواں و پوکھرویل ان سبھوں میں سب سے زیادہ ثواب کس کے بنانے میں؟

مسئلہ (۲) :- مسجد کے نام یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام یا سید کے نام یا مزار اولیاء کے نام ان میں سے کس کے نام پر وقف کرنا زیادہ ثواب ہے درجہ بدرجہ خلاصہ بیان فرمایا جاوے؟

الجواب :- جس کی زیادہ ضرورت ہو اس میں زیادہ ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسرور امیر احمد صاحب محلہ ذخیرہ۔ ۲۳، جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ متین کا حصہ ایک افتادہ زمین میں ٹوٹے ہوئے مکان مشترکہ ایک ثلث ہے جس کا تخمینہ ۵۳ گز ۳ گز ۵ آرہنی ہے جو اس کو حق پداری سے پہونچا ہے زمین مذکور کو ایک مسجد کے نام قریب تین سال گزرتے ہیں کہ وقف کر دیا اور ایک وقف ناغیر جبری شدہ تحریر کر دیا اور اہل برادری کو اختیار النظام و بیع تک دیدیا اہل برادری نے اس کا منظم ایک شخص محلہ دار کو کر دیا۔ چونکہ اس شخص نے برادری سے چار آنے ماہ وار در صورت کرایہ کیے وعدہ کیا تھا مگر تا دم تحریر ایک پیسہ اس کی آمدنی کا مسجد کو نہیں لگایا اور نہ متولی مسجد کو دیا۔ اور نہ برادران چودھری یاں کو دیا اب مسماۃ مذکورہ درخواست کرتی ہے کہ چونکہ میں نے مسجد کے نام وقف کیا تھا اس سے کوئی فیض بھی نہیں پہونچا۔ لہذا میں چاہتی ہوں کہ حصہ موقوفہ کو بیع کر کے زندگی ہی میں مسجد کو لگا دیا جاوے تاکہ مجھ کو اطمینان ہو۔

مشورہ کیا گیا کہ حصہ موقوفہ کی زمین جو صرف ۵۳ گز ۳ گز ۵ آرہنی ہے اور وہ بھی مشترکہ ہے اگر کسی حصہ دار کو دے دی گئی اس نے اس میں کچھ عمارت تیار کر لے اور چار ماہوار کچھ دنوں تک دینار ہا بعد کو نہ دیئے۔ جیسا کہ منظم شخص نے کیا کہ ایک حصہ دار کو دیدی اور اس نے اس کو تیسرے بھی کرایا مگر خدائی النظام یہ ہو کہ بارش میں سب برابر ہو گیا جس نے اس مدت تک بھی ایک پیسہ مسجد کو کرایہ کا نہ دیا۔ لہذا کوئی صورت ایسی معلوم نہیں ہوتی کہ جس سے محض زمین کی حالت موجودہ سے مسجد کو فائدہ پہونچے لہذا اس مسماۃ نے دیگر صاحبان سے یہ مشورہ دیا کہ دکان مسجد کو جس کا کرایہ اب عنہ ایک روپیہ ماہوار ہے۔ اگر دکان مسجد کی چھت اونچی کر کے کیواڑ لگوا دی جائے تو عہدہ دار کو کرایہ کی دکان ہو جاوے گی بجائے چار ماہوار کے حساب سے ۷ سالانہ ہوتے ہیں اس صورت سے بارہ روپیہ سالانہ کی آمدنی مسجد کو ہو جائے گی اور زمین جو اس وقت تک مسجد کی بیکار ہے کار آمد ہو جاوے گی اور مسماۃ نے دل پر جو خیال ہے کہ زمین کو کوئی حصہ دار نہ دے صاف ہو جاوے گی اور مسجد کو کافی نفع اور فائدہ پہونچے گا اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ لہذا در صورت زمین موقوفہ کی بیع جائز ہے کہ نہیں؟ خریدار خرید سکتا ہے کہ نہیں اور جو صاحبان اس کام میں شریک ہوں گے وہ گنہگار نہ ہوں گے؟

الجواب :- اس زمین کو فروخت کر کے کوئی دوسری جائیداد خریدی جاسکتی ہے جس کی آمدنی مسجد میں صرف ہوتی ترسے اور یہ جائز نہیں کہ اس روپیہ کو مرمت دکان میں صرف کیا جائے کہ یہ ابطال وقف ہوگا۔

اور البطل وقف ناجائز در مختار میں ہے۔ وجاز شرط الاستبدال بہ ارضا آخری حیثیت اوشی طبعہ ویشتری
بثمنہ ارضا آخری اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیۃ کالاولیٰ ۱۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسئلہ قادری بخش محمد بخش صاحبان، ناگور، علائقہ جود پور، ماڈل وارڈ، ۱۳ رجب ۱۳۲۵ھ
ایک مسجد قدیم جس کا صحن وسیع کر ایکی ضرورت ہے۔ اور اس کا کچھ حصہ منہدم بھی کیا جا کر پتھر وغیرہ جو نکلیں گے اس
لگا دیئے جاویں گے۔ اور اگر کچھ پتھر بالکڑی وغیرہ بچ رہی تو اس کو فروخت کر کے اسکی قیمت اس میں صرف کر دی جاوے گی
لہذا اس میں کیا حکم ہوتا ہے؟

الجواب :- جو چیزیں مسجد کے کام میں نہ آسکیں بیکار ہو جائیں انھیں بیچ کر قیمت مسجد میں صرف کیا جائے
مگر خریدار کو چاہئے کہ وہ چیزیں بے ادبی کی جگہ میں نہ لگائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسئلہ عبدالکیم صاحب شہر کانپور۔ محلہ مصری بازار، مسجد محمد تقی۔ ۳ رجب ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں مورث زید نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور جائیداد اس شرط کے ساتھ وقف
کیا کہ درج بدرجہ اپنے خاندان میں جو بڑا ہو متولی ہو اور مرمت مسجد تعین مؤذن اور جارب کش کا حق اس طریقہ پر
دیا کہ اگر جارب کشی مؤذن گبری خود متولی کرے تو مشاہرہ خود لے سکتا ہے ورنہ خود انجام نہ دے سکے تو دوسرے
کو مقرر کرے اور خرچ جائز و ناجائز کے حساب و کتاب سمجھنے کا حق کسی دوسرے مسلمان کو نہیں دیا ایسی حالت میں یہ وقف
نامہ بمنز حفظت جائیداد سمجھا جائے گا یا جو عام طریقہ سے وقف نامہ مرد بج ہے وہ سمجھا جائے گا؟

الجواب :- وقف نامہ میں ایسی شرط ذکر کرنا کہ متولی کو جائز و ناجائز جو چاہے خرچ کرے اختیار ہے کوئی
اس سے حساب بھی نہ لے سکے یہ شرط باطل ہے متولی تو متولی خود واقف بھی اگر دیانت کے خلاف کام کرے معزول کر دیا
جائے گا اگرچہ یہ شرط ہو کہ معزول نہ کیا جائے کہ یہ شرط مصلح وقف کے خلاف اور حکم شرع کے مخالف ہے در مختار
میں ہے۔ یتنزع وجوباً بآزایہ لو الواقف در دفعہ بالاولیٰ غیر مامون وان شرط عدم نزعہ اوان لا یتنزع
قاص ولا سلطان لمخالفتہ لحکمہ الشرع فیہ بطلان۔ نیز اسی میں معروضات علامہ مفتی ابوالسود سے ہے۔ لوشروط الواقف

۱۔ در مختار ج ۳ ص ۲۲۳۔ کتاب الوقف۔ ۱۳۔ مصباحی۔ ۵۲۔ در مختار ج ۳ ص ۳۲۱، کتاب الوقف مخلص۔

العزل والنصب و سائر التصرفات لمن يتولى من اولاد ولايد اخلهم احد من القضاة والا مراد ان داخلهم تعليمهم لعنة الله هل يمكن مداخلتهم فاجاب بانه في سنة اربع واربعين قسم مائة قد حشرت هذه الوقفيات المشروطة هكذا للمتولون من الامراء يعرضون للدولة العلية على مقتضى الشرع ومن دونهم رتبة يعرض بأراضيهم مع قضاة البلاد على مقتضى المشروعة من المواد لا يخالف القضاة المتولين ولا المتولون القضاة بهذا ورد الامر الشاريف بالواقفون لوارثي اي مناصد صدر ويصدر و اذا داخلهم القضاة والا مراد فعليهم العنة - فهم الملعونون لما تقر ان الشرط المخالفة للشرع جميعا لغو وباطل . رد المحتار عليه . حاصله ان الواقفين اذا شرطوا هذا الشرط ولعنوا من يدخل الناصر من الامراء والقضاة كانوا هم الملعونين لانهم ارادوا بهذا الشرط انهم صدموا من الناصر من الفساد لا يعارضه احد وهذا شرط مخالف للشرع وفيه تقويت المصلحة للموقوف عليهم وتعطيل الوقف فلا يقبل . سلاطين پر لازم ہے کہ حساب سمجھیں اگر خیات پائیں متولی کو معزول کر دیں ایسی شرط کا کچھ اثر نہیں . دائرہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ :- ابوہریران پوری سی پی سرسہ ڈی عبدالرحیم سوداگر جرم ۔ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ

علامے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں مسئلہ وقف ایک شخص نے مسجد اور چھ دکانیں بنوا کر وقف کر دی ان دکانوں میں قوم بواہر کرایہ سے تھے اور دکانوں کا کرایہ نامہ آج تک یعنی ۳۵ و ۵۵ سال سے نہیں لکھا یا گیا ہے اور سالہا سال ماہ رمضان المبارک کی ۲ تاریخ کو کرایہ وصول ہوتا رہا مگر دو سال سے قوم بواہر جو کہ کرایہ دار ہے کرایہ سے انکار ہے اور کہتے ہیں کہ دکان کو خرید لیا ہے اور یہ خرید و فروخت آپس میں کر اڈاروں نے کی ہے ۔ ایسی صورت میں خرید و فروخت مال وقف کی جائز ہے کہ نہیں ۔ اور کرایہ دار ۳۵ و ۵۵ سال سے ہیں اور مال وقف کی کوئی تحریر وغیرہ نہیں ہے مگر سرکاری نقشہ میں مسجد اور دکانوں کا حوالہ ہے ۔ امید ہے کہ اس مسئلہ پر بہت جلد غور فرما کر مطلع فرما دیں گے ؟

الجواب :- جب اس شخص نے دکانیں وقف کر دی ہیں تو اس کے بچے کا خود بھی حق نہیں رکھتا دوسرا کوئی شخص کب ان کی بیع کر سکتا ہے کہ مسجد یا ملک الہی ہیں قرآن مجید میں ارشاد ہوا اِنَّ الْمَسَاجِدَ بِمِثْرِ مَسْجِدِ الْاَسْکَنْتِ کوئی بیع نہیں کر سکتا ہے نہ خرید سکتا ہے یہ تو کار آمد چیزیں ہیں کہ ان کی آمدنی مسجد پر صرف ہوتی ہے یا ہوگی مسجد کا بیکار سامان بھی بغیر اذن قاضی فروخت نہیں کیا جاسکتا تو وہی عالم گیری میں ہے۔ اہل المسجد لو باعوا غلۃ المسجد او نقض المسجد بغیر اذن القاضی الاصح انہ لا یجوز کذا فی السراجیۃ۔ کرایہ داروں کا یہ کہنا کہ ہم نے خرید لیا ہے باطل محض ہرگز مسوع نہیں ہو سکتا، بلکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ پوری کوشش کر کے اجائے وقف کریں اور ان کرایہ داروں سے دکانوں کو فانی کرالیں اگر بالفرض کسی نے ان کے ہاتھ بیع کر دیا ہے جب بھی اس کا کچھ اثر نہیں کیسیج باطل ہے قاضی ایسی بیع کے جواز کا حکم نہیں دے سکتا بلکہ اگر قاضی فیصلہ کر دے تو فیصلہ باطل ہوگا۔ رد المحتار میں ہے۔ ولو قضی الحنفی بصحة بیعہ فحکمہ باطل لانہ لا یصح الا بالصحیح المقتی بہ۔ وقف کے متعلق تحریر کی کوئی حاجت نہیں نہ مسلمانوں میں مساجد کے متعلق وقف نامہ لکھنے کا رواج ہے وقف کے لئے شہرت کافی ہے اور بر بنائے شہرت وقف کی شہادت جائز و معتبر، عالمگیری میں ہے۔ الشہادۃ علی الوقف بالشہرۃ تجوز۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ حاجی محمد لیلین عقی عنہ بردوکان ایس۔ ایم۔ قاسم برادر میں مشن دود کا پورہ۔ ۲۰ محرم ۱۳۲۸ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید فائز العقل ہے اس کے شرعی برادر حقیقی اکبر اور دیگر ورثاء پد زید نے ایک اقرار نامہ بذیل مضمون لکھ دیا کہ زید چونکہ فائز العقل ہے۔ اور کوئی وجہ معاش اس کے امکان میں نہیں ہے۔ اس لئے زید کو جو کچھ ورثہ اس کے پد رکا پہونچتا ہے۔ اس کے بابت فلاں نمبری مکان مودوکان ہم جملہ ورثاء باہم رضامندی سے اسکو لکھ دیتے ہیں کہ وہ تاجیات خود اس کے کرایہ سے منتفع ہوتا رہے۔ اور اس کی وفات کے بعد مکان مع دکان مذکورہ بحق مدر فلاں بصیۃ تعلیم قرآن شریف حینا للہ وقف متصور ہو کر ذیر اہتمام مہتمم موجودہ وقف مدر کو دیدیا جاوے۔ کسی وارث خواہ مہتمم نہ کر کہ اس میں حق دست اندازی

سہ عالمگیری، ج ۲ ص ۲۹۹ کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد۔ سہ رد المحتار عن البحر، ج ۳ ص ۳۱

کتاب الوقف۔ سہ ج ۲ کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الشہادۃ۔ ۱۲۔ مصباحی۔

حاصل نہ ہوگا۔ اگر کوئی دعویٰ کرے تو باطل و ناجائز ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ وقف صحیح ہے یا نہیں بجز کتاب
جواب سے مطلع فرمایا جاوے۔ بیڑا تو جزا۔

الجواب :- وقف مذکور صحیح نہیں اور اس کی چند وجوہیں

اول یہ کہ وقف کا مالک ہونا

شرط وقف ہے۔ اور یہاں وقف کنندہ مالک نہیں کہ یہ جائیداد زید کی ملک ہے اور وقف کرنے والے دوسرے لوگ ہیں۔
ثانی عالمگیری شرائط وقف میں ہے۔ منها الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضا فوقها ثم اشتراها من مالها
ودفع الثمن اليه او صالح على مال دفعه اليه لا تكون وقفاً كذا في البحر الرائق^۱ رد المحتار میں ہے۔ الواقع
لا بد ان يكون مالكة وقت الوقف ملكاً تاماً ولو بسبب فاسد^۲۔ دوم یہ کہ وقف کے لئے جائز ہونا شرط ہے
وقف مطلق وقف نہیں اور یہاں زید کے مرنے پر وقف کیا جاتا ہے۔ تنویر الابصار میں ہے۔ بشرطه شرط مسائل التبرعات
وان يكون منجراً^۳ عالمگیری میں ہے۔ ومنها ان يكون منجراً غير معلق۔ نیز اسی میں ہے۔ رجل قال ان مت من
مرضی هذا فقد وقف ارضی هذا لا يصح بزی اومات وان قال ان مت من مرضی هذا فاجعلوا ارضی
وقفاً جاز والفرق ان هذا تعلیق والتوصیل بالشروط وذلك يجوز كذا في الجوهرۃ الفیرۃ^۴۔ یہ امر آخر
ہے کہ اس صورت میں اگر اپنی ملک کو موت پر مطلق کر کے وقف کرے تو اسے وصیت قرار دیں گے۔ اور ثلث میں اس کا نفاذ
لازم ہوگا۔ مگر صحیح مذہب پر وقف کے احکام اس کے لئے نہ ہوں گے۔ رد مختار میں ہے۔ اذا مت فقد وقف داری علی
كذا فالصحيح انه كوصية تلزم من الثلث بالموت لا قبل^۵ رد المحتار میں ہے۔ ا مافی تعلیقہ بالموت
فالصحيح انه لا يزول ملكه الا انه تصدق بمنافعه مؤبداً فيصير بمنزلة الوصية بالمنافع۔

مؤبداً فيلزمه والحاصل انه اذا علقه بموتهم فالصحيح انه وصيته لازمة

۱ عالمگیری ج ۲ کتاب الوقف، الباب الاول، رد المحتار کتاب الوقف ج ۳ ص ۳۹۸۔ ۲ تنویر الابصار

ج ۳ ص ۳۹۳۔ ۳ عالمگیری ج ۲ کتاب الوقف الباب الاول فی الشرط۔ ۴ رد مختار و رد المحتار ج ۳ ص ۳۹۷

کتاب الوقف، رد مختار ج ۳ ص ۳۹۸۔ ۵ عالمگیری ج ۲ کتاب الوقف، الباب الاول۔ ۶ فتح القدیر ج ۵

ص کتاب الوقف، ۱۲، مصحح

لکن لہ یخرج عن مملکۃ الجہنم۔ یہ کہ اگر خود زبردست وقف کنندہ بننا تو بوجہ جنون اس کا وقت صحیح نہ ہوتا اگر ناترا نقل
بمعنی مجنون ہو کہ واقف کا مکلف ہونا شرط ہے در مختار میں ہے۔ وشرطہ شترطساثر التبرعات کحریۃ و تکلیف^۱
عالمی و بیہ۔ فلا یصح الوقف من المصی و المجنون۔ اور اگر زید سقیہ ہو اور وقف کی یہ صورت ہو کہ وہ منافع
اپنی زندگی بھر خود اپنی ذات پر خرچ کر دے گا۔ اور بعد موت امور خیر میں صرف ہونگے۔ تو حسب تصریح امام ابن ہمام رحمۃ
اللہ تعالیٰ جائز ہے جب کہ ناصی نے اس کے جواز کا حکم دیدیا ہو۔ فتح القدیر میں ہے۔ وینتی اذا وقفہا
المحجور لفسدہ علی نفسه ثم علی جہتہ لا تنقطع ان یمسح علی قول الی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وھو الصحیح
عند المحققین و عند کل اذا حلّم بہ حاکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- کیا زمانے میں علماء دین و مفتیان شرع متین اس سلسلہ میں ایک اراغی ہے تھوڑی عمارت
کے قدیم سے وقف تھی اور اس میں تمام افراد خاندان واقف کے پڑھتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے، جاگتے تھے
علاوہ افراد خاندانی مثل محلہ کبھی اوقات خاص میں منتفع ہوتے ہیں۔ اب چند برسوں سے ایک صاحب نے اپنی طرز عمل
و حکمت علمی سے تمام افراد خاندانی کو بے دخل کر کے علاحدہ کر دیا۔ اور خود عمارت کو توڑ کر اپنے روپیہ سے اور حسب
مرغی خود بنایا۔ اور محض اپنے اور اپنے خواص کے دو سکے افراد خاندانی سے الگ کر کے مخصوص کر لیا۔ اور بعض
عمارت کو نامزد کر کے مقفل کر دیا کہ کوئی شخص جو جماعت خاص کا ممبر ہو یا مخالف گروہ کا ہو جو تمام کے تمام افراد
خاندانی ہیں منتفع نہ ہو سکے اور محض روایات زبانی ایسی سنی جاتی ہیں کہ مخصوص لوگوں نے جب کہا کہ عمارت میں اس قدر
روپیہ کا خرچ کرنا اور اراغی موقوف ہونا یہ صحیح و ٹھیک نہیں تو واقف کار لوگوں سے تو گریز کیا اور اپنی مخصوص جماعت
میں کہا کہ میرے اپنا مکان زمانہ نشست گاہ بنارہا ہوں کون ہے جو مجھے نکالے گا کہ باوقف اور کسی کا وقف اگرچہ اس وقت
نیک ناکشتی طور پر اس عمارت جدید کے ایک حصہ میں مدرسہ بھی جاری ہے جس میں طلبہ تعلیم پاتے رہتے ہیں باقی
عمارت و مخصوص نامزد و مقفل ہیں ایسی صورت میں جبکہ کمزبری عمر کے لوگ جو واقف حال و حاضر باش خدمت اکابر
پر تو ہی ختم ہو چکے ہیں یہ احتمال قوی ہے کہ وقف مناسب پر علی الاعلان دعویٰ ملکیت کیا جاوے گا۔ اور ثبوت میں اپنا
قبضہ مخالفانہ مدت کا اور اس پر اپنے روپیہ سے عمارت کا بنانا اور کسی کا معترض نہ ہونا بطور دلیل و برہان بیان کر کے
عدالتہاے قانونی سے سبکدوش و حق گو حضرات کو خاموش کرنے کا موقع پیش کیا جاوے گا۔ دران حالیکہ نہ کوئی وقف

نامہ تحریر پر درجہ شدہ موجود ہے نہ کوئی تولیت نامہ مہدقہ رجسٹری ہو تو وہ ہے۔ نہ کاغذات بند و بست ہیں وقف ہونا درج ہے اور نہ اب تک رجسٹر اوقاف موجودہ دفتر رجسٹری میں اس کا اندراج ہے حالانکہ قانون وقف کو جاری ہوئے اور رجسٹری اوقاف کو مرتب ہوئے کئی سال گذر گئے ہیں۔ ان تمام صورتوں کے ہوتے ہوئے زید مذکور کو اراضی وقف پر اپنے روپے سے تیر جدید کرنا اور ان کے بعض حصص کو منتقل کر دینا یا نامزد کر دینا اور دوسرے تمام افراد خاندانی کو خلاف تعامل الگ کر دینا اور رجسٹر وقف موجودہ بھی میں اندراج نہ کرنا عند الشرح کیا حکم رکھتا ہے؟ اور افراد خاندانی کو خصوصاً و عموماً اہل محلہ و شہر پر جو واقف حال وقف تعامل قدیم میں کیا کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ان کو اب کیا کرنا چاہئے؟ جس سے تامل قدیم و حفاظت وقف کا حصہ ہو جاوے؟

الجواب :- جب وہ زمین موقوفہ ہے اور عمل درآمد قدیم سے اس کا وقف ہونا ثابت ہے تو اس پر قبضہ مالکا نہ کرنا ناجائز و حرام ہے۔ اور اپنے شخص کو اس کی تولیت سے بھی علیحدہ کر دینا ضروری ہے جسکی نسبت اختلاف قوی ہے کہ وقف کا ابطال کرنا چاہتا ہے۔ درختار میں ہے۔ وینزع وجوباً و لوالواقف فخیرو یا لا ولی غیر ما ہو۔
 وہاں کے مسلمانوں پر وقف کی حمایت کرنا ضروری ہے۔ اور اس کا اندراج حکومت کے کاغذات میں کر دینا ضروری ہے ورنہ ایسی حالت میں کہ بعض لوگ اپنی ملک کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ بہت اندیشہ ہے کہ وقف پر مالکا نہ قبضہ ہو جاوے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- ازگول بازار۔ راجپور۔ سی۔ پی۔ برسلہ جناب مرزا ولی اللہ بیگ صاحب۔ ۱۶ شعبان ۱۳۰۹
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں۔

(الف) کیا وقف شدہ جائداد جو کہ کسی بھی مسجد میں واسطے ایصال ثواب کے واقف نے وقف کی ہو چک سکتی ہے یا نہیں اور کسی بھی متولی کو کبھی اس اوقاف کے بیچنے یا بیع کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

(ب) چونکہ مسجدیں تمام یہاں کے مسلمانوں کے چندہ سے بنی ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ متولی بھی تمام جماعت مل کر منتخب کرتی ہے۔ لہذا متولی مسجد نے چندہ یا ادا بنی جماعت کے مشورہ کے فروخت کر دیں تو کیا اس قسم کا متولی مذکور بالا کو اوقاف کے بیچنے یا بیع کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟

(ج) جب کہ واقف نے اوقاف کو اس طرح وقف کیا ہو کہ اگر متولی مسجد اس بات کی ضرورت محسوس کرے کہ یہ جائداد

بچ کر اصراف مسجد لائے تو متولی مسجد کو اختیار ہے کہ بیچ دے اس حالت میں کیا حکم ہے؟

(د) اور حالات برعکس ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ مسجد میں اب کسی کام یا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اور ہے تو مسلمانوں سے مدد طلب کرنے پر مسجد کا کام جیسا کہ آج تک ہوا ہے ہو سکتا ہے اور مسجد کے جلا اخراجات میں جاعت پورا کرتی ہے اور تمام مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ان جائدادوں کو جو کہ فروخت ہو چکی ہیں واپس لیکر اور اسے اچھی حالت میں کر کے کرایہ پر چلائیں اور اسکے مسجد کو فائدہ پہونچائیں اور یہ جائدادیں خراب نہ ہوں تمام مسلمانوں کو اس پر اتفاق ہے کہ واقف نے کسی صورت سے وقف کیا ہو۔ اوقات بلا ضرورت نہیں ہک سکتے اور متولی مسجد (فروخت کنندہ) کہتے ہیں مجھے اختیار ہے واقف کے وقف کے مطابق اوقات کو فروخت کر سکتا ہوں اور فروخت کرنے کے پہلے مسلمانوں سے مشورہ لیا اور نہ کسی مسلمان کو خبر ہوئی لہذا اسے آیات قرآنی و احادیث صحیحہ سے عام فہم جواب دیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب الف)۔ جائداد موقوفہ کی بیع نہیں ہو سکتی البتہ جائداد موقوفہ کو دوسری جائداد سے بدل سکتے ہیں جبکہ واقف نے وقف میں استبدال کی شرط ذکر کر دی ہو۔ اور استبدال کیلئے چند شرطیں ہیں مثلاً ایک شرط یہ ہے کہ جائداد غیر منقولہ سے استبدال ہو یا وقف نامہ میں یہ شرط ہو کہ اسے بیچ کر اس کے ثمن سے دوسری زمین خرید لی جائے عالمگیری میں ہے۔ فیلزم ولا یباع ولا یوہب ولا یؤثکذا فی الہدایۃ۔ درمختار میں ہے۔ فاذا تم ولزم لا یمکن ولا یمکن۔ رولختار میں ہے۔ ای لایکون مملوکاً لصاحبه ولا یمکن ای لا یمکن لغیره یا لایح وجوہ الاستحالة تعلیل الخارج عن ملکہ ویستثنی من عدم تعلیل مالواشترط الواقف استبدالہ۔ واللہ تعالی اعلم۔

(ب) وقف میں بعض تصرفات خود متولی کر سکتا ہے اور بعض کے لئے قاضی سے اجازت کی ضرورت ہے اگر وقف نامہ میں ایسی شرط تھی اور اس شرط کے موافق کیا ہے مثلاً اس کے بدلے میں دوسری جائداد خرید لی یا جائداد

سہ عالمگیری ج ۲ کتاب الوقف، الباب الاول۔ سہ درمختار ج ۲ ص ۲۴۲ کتاب الوقف۔ سہ رولختار ایضاً۔ ۱۲ مصباحی۔

غیر منقولہ سے بدل کیا اور متولی کو واقف نے ایسا اختیار دیا ہے تو ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ج ۲) اگر وقف نامہ کے یہ الفاظ ہیں جو سوال میں لکھے گئے تو اس شرط کی وجہ سے وقف بھی جائز رہا۔ کیونکہ یہ شرط خود وقف کے منافی ہے۔ وقف میں یہ ہوتا ہے کہ متولی کو باقی رکھتے ہوئے اس کی آمدنی اپنے اوپر یا کسی کار خیر میں صرف ہوتی ہے۔ اور یہی کی شرط سے اس چیز کے لئے بنانا نہ رہی۔ اور تاہم وقف کی صحت کے لئے شرط ہے۔ لہذا یہ وقف کہ اس نے کیا باطل ہے۔ درمختار میں وقف کے شرائط میں یہ ہے ولا ذکوۃ اشتراط بیعہ و صرف ثمنہ لحاجتہ فان ذکرہ بطل وقفہ^۱ البتہ استبدال۔ درست ہے جبکہ اس کی شرط واقف نے کر دی ہو اور استبدال میں دوسری جائیداد پہلی کے قائم مقام ہوگی۔ اور بدستور باقی رہے گا۔ درمختار میں ہے۔ وجاز شرط الاستبدال بہ او شرط بیعہ ویشتری بثمانہ۔ ارضیا اخری اذ انشاء فاذا فعل صارت التامیۃ کالاولیٰ۔ اور واقف نے اگر ان لفظوں سے وقف کیا ہے تو اس سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود اسی جائیداد کی قیمت مسجد پر صرف کی جائے۔ نہ کہ اس کی آمدنی صرف ہو اور چیز باقی رہے اور یہ مسجد نام ہبہ یا تصدق ہوگا۔ کہ متولی کے قبضہ کر لینے پر تمام ہوگا۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ رجل تصدق بدارۃ علی المسجد او علی طریق المسلمین تکلموا فیہ والفتویٰ علی انہ یجوز^۲۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لو قال وھبت داری للمسجد او اعطیتھا لہ صح ویکون تملیکھا فی شرط التسلیم۔ تو اگر اس صورت میں داخل کر کے اسے بجائے وقف ہبہ تصور کیا جائے تو اب یہ مسجد کی ایک چیز ہوگی۔ داہب کی شرط وغیرہ کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ حقیقۃً اگر مسجد کو ضرورت ہے تو متولی دیگر مسلمانوں سے رائے بیکر مسجد پر صرف کر لے اپنے آپ بغیر مشورہ مسجد کی اشیاء کو نہیں بیچنا چاہئے مسجد کی چیزیں فروخت کرنے کے لئے اذن قاضی کی ضرورت ہے مگر چونکہ یہاں قاضی موجود نہیں اہل الرائے اور

۱۔ درمختار ج ۲ ص ۳۹۴ شرائط الوقف۔ ۲۔ درمختار ج ۳ ص ۲۲۴ کتاب الوقف۔ ۳۔ قاضی خان نیز عالمگیری

ج ۲ ص ۳۲۹ میں ہے۔ اذ ان تصدق بدارۃ علی مسجد او علی طریق المسلمین تکلموا فیہ والمختار

انہ یجوز کالوقف کذا فی الذخیرۃ۔ ۴۔ عالمگیری ج ۲ کتاب الوقف، الفصل الثانی فی الوقف علی

سمجھدار اور قابل اطمینان متدین مسلمانوں سے رائے لیکر ایسا کرنا، امید ہے کہ کافی ہو اور اس کے مواخذہ سے بچ جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- ان مقام غی پور۔ ضلع بھر دپچ۔ مرسلہ جناب اسماعیل دلی بھائی صاحب۔

کیا فرمانے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کسی وقف قبرستان کا متولی ہو اور وہ شہر کا قاضی بھی کہلاتا ہو وہ قاضی اس وقف قبرستان کو جس میں سیکڑوں قبریں فی الحال موجود ہیں کسی بیوی باری کے ہاتھ بیچ دے اور اس وقف شدہ قبرستان میں کوڑا پڑتا ہو نہ نام لوگ پائخانہ پھرتے ہوں قبروں پر جلانے کی لکڑی اور مکان بنانے کی لکڑیاں قبروں پر ڈالے جاتے ہوں چوٹی کی کھٹی لگا جاتی ہو۔ اینٹ چوٹے پکائے جاتے ہوں ہندو لوگ جو وہاں رہتے ہوں وہ مذکور قبرستان میں قبروں پر پیشاب پائخانہ کرتے ہوں ایسی بے حرمتی قبرستان کی ہوتی ہو اس کیلئے کیا حکم ہے اور ایسے متولی قاضی جس نے یہ قبرستان فروخت کیا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب :- قبرستان کو بیع کرنا باطل ہے اور یہ بیچنے والا گنہگار ہے تمام کتب فقہ میں مذکور ہے۔ قلا بیع ولا یوہب یعنی وقف کو بیع نہیں کئے۔ عالمگیری و رد المحتار وغیرہا میں ہے کہ وقف کی باطل ہے۔ اور ایسے کو تولیت سے علیحدہ کر دینا واجب۔ تنویر الابصار میں ہے۔ وینزع وجوبا بالوقف غیر مامون مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے خاں کے ہاتھ سے وقف جائیداد کو فوراً نکال لیں اور کسی امین دیانت دار کارگر اگر کو متولی مقرر کریں۔ قبر پر چلنے اور اس پر بیٹھنے اور پائخانہ پھرنے کے متعلق بکثرت احادیث موجود ہیں تفصیل دیکھنا چاہیں تو رسالہ اہلک النواہین کا مطالعہ کریں مسلمانوں کے قبرستان میں آگ جلانا اور چوٹے بھٹی لگانا تو بہت اشد ناجائز ہے قبرستان میں آگ لے جانے کی اجازت نہیں مذکور قبروں پر بھٹی لگانا جس نے اس قبرستان کو دوسروں کے قبضہ میں دیکر اموات مسلمین کی سخت توہین کی۔ وہ فاسق ہے گنہگار ہے سختی عذاب نار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از غازی پور، محلہ برہمنہ، مرسلہ جناب محمد رفیق صاحب محمد مولوی غلام محمد الدین وکیل سر صفحہ المعظم شہ۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک ٹکڑا زمین کی متعدد مالکان ہیں ان میں سے ایک نے یا چند نے اس زمین کو بلا اجازت و علم دیگر شرکار اگر وقف کیا تو کیا ایسا وقف جائز ہے؟

اگر وقف ناجائز ہے تو ان لوگوں کے حصہ کی بابت جہنوں نے وقف کیا ہے وہ وقف ناجائز ہوتا ہے یا نہیں؟ از حد عنایت ہوگی اگر جواب مع حوالہ کتاب و صفحہ وغیرہ دیا جائے؟

الجواب: اگر وہ زمین جسکو بعض نے وقف کیا ہے غیر قابل قسمت ہے جب یہ وقف تو بالانفاق صحیح ہے اگر قابل قسمت ہے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ وقف بھی صحیح ہے۔ اور اسی قول کو متاخرین نے اختیار کیا۔ اور اس پر فتویٰ دیا عالمگیری جلد ۲ ص ۳۶۳ میں ہے۔ الشیوخ حبیباً لا یحتمل القسمۃ لایمنع صحة الوقف بلا خلاف و وقف المتناع المحتمل للقسمۃ لایجوز عندہ مد رحمہ اللہ تعالیٰ و بہ اخذ مثلاً بخاری و علیہ الفتویٰ کما فی السراجیۃ و المتأخرون انقول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ یجوز و هو المختار کما فی خزائنة المفتیین۔ درمنا میں ہے۔ و لختلف التزمین۔ والاخذ بقول اثنا فی احوط و اسهل بحرو فی الدرر و صدر الشریعۃ و بہ یفتی و اقروہ المصنف رد المحتار جلد ۳ ص ۳۶۳ میں ہے لکن فی الفتح ان قول ابی یوسف اوجہ عند المحققین۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ: از پوزیر محمد سید باڑہ۔ سر صاحب شمس العالم صاحب ۱۵ رجب ۱۳۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف مسائل ذیل میں کہ زید نے اپنے بھائی کی لاش ایسے مزد و عارامی وقف میں جو کسی مقدس آستانہ اور مسجد کی خدمت کے لئے وقف ہے زید بن موتی کیلئے اور نہ کبھی کسی کی لاش اس میں دفن کی گئی تھی بغیر علم و اجازت اور خلاف مرضی جناب متولی وقف مذکور دفن کی لہذا یہ چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں؟

(۱) کیا حقوق تولیت سے باہر ہے کہ زید اس کارروائی کو قبول کر لیں۔ یا سکوت اختیار فرمائیں؟

(۲) سکوت یا قبول اختیار کرنے کی تقدیر پر قیود کو رکھا احترام مثل احترام دیگر قبور مؤمنین مثلاً عدم جواز قیام و

قعود علی القبر اس پر یا اسکی طرف نماز و زراعت کی ممانعت وغیرہ واجب ہوگا یا نہیں؟

(۳) حاکم ضلع کے اجلاس میں تخلیہ ارض یا تسویہ قبر کا استثناء زید پر کرنا تولیت پر واجب ہے یا نہیں؟

(۴) اگر تخلیہ یا تسویہ میں افسادین المسلمین کا خطرہ غالب ہو تو اس پر کونسی ایسی صورت اختیار کی جائے جس میں تولیت

کے لئے عند اللہ بہتری ہو؟

(۵) تسویہ کی صورت معین ہونے کی تقدیر پر اگر سر دست دفع فساد کے خیال سے اعراض کیا جائے پھر بعد چند

مناسب وقت میں ہموار کر کے مثل آراضی غیر قبر اس زمین سے نفع حاصل کیا جائے تو جائز ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :- جب وہ زمین وقف ہے تو جس کام کے لئے وقف ہے وہی کام اس سے لیا جاسکتا ہے دوسرا کام اس سے لینا ناجائز ہے۔ متولی یہ ہرگز اختیار نہیں کہ ایسی زمین میں مردہ دفن کرنے کی اجازت دے بلکہ اگر اجازت دے گا تو یہ خود اس کی خیانت ہوگی فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ سئل القاضي الامام شمس الانعمۃ محبوب الدار جندی عن مسجد لم یبق لہم قوم و خرب ما حولہ و استغنی الناس عنہ هل یجوز جعلہ مقبرۃ قال لا و سئل هو ایضاً من المقبرۃ فی القری اذا اندرست لم یبق فیہا اثر الموتی الا العظم ولا غیرہ هل یجوز زرعہا و استغلا لہا قال لا ولہا حکم المقبرۃ کذا فی الحیط^۱ نیز اس میں ہے۔ ارض وقف علی مسجد صارت یحال لا تزرع و فیجعلہا رجل حوضاً للعمامة لا یجوز للمسلمین انتفاع بملک العوض کذا فی القنیۃ۔ جب باوجود ناقابل زراعت ہونے کے اس میں ایسا تصرف جو عامہ مسلمین کیلئے مفید ہونا جائز ہے۔ تو قابل زراعت ہونے کی صورت میں تصرف کرنا اور وہ بھی ایسا تصرف جو عامہ مسلمین کے نفع کیلئے نہ ہو بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ لہذا اس صورت میں متولی کو فرض ہے کہ وقف کی حفاظت کرے ایسی کارروائی کو قبول کرنا یا اس پر سکوت کرنا متولی کو ناجائز ہے۔ بلکہ متولی پر لازم ہے کہ زمین موقوفہ کو خالی کرے۔ اور اگر متولی کے کہنے سے تحلیل نہ کرے تو قافلاً کارروائی کر کے اس زمین کو نکالنا ضروری ہے۔ زمین چونکہ مزدومہ ہے اور اس لئے ہے کہ آمدنی مسجد وغیرہ پر صرف ہوگی لہذا اس میں اگر مردہ دفن کیا گیا تو میت کے گھر والوں کو حکم دیا جائے گا کہ یہاں سے اپنا مردہ نکال لے جائیں اور نہ نکالیں تو زمین کو ہموار کر کے اس پر زراعت کی جائے اور اس صورت میں میت کی جو کچھ بے حرمتی ہوگی اس کا وبال دفن کرنے والوں پر ہے۔ کہ انھوں نے ایسی جگہ پر کیوں دفن کیا جہاں دفن کرنے کا ان کو حق نہ تھا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اذا دفن المیت فی ارض غیرہ بغير اذن مالکھا قال مالک ۱۰ بالخیار ان شاء امر یا خراج المیت وان شاء سوی الارض و زرع فیہا کذا فی التجنیس^۲ متولی پر

۱۔ عالمگیری ج ۲ ص ۳۵۱، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر۔ ۲۔ عالمگیری ج ۱ ص ۸۵، کتاب الصلوٰۃ

الفصل السادس فی القبر والدفن۔ ۱۲، مصباحی

چونکہ وقف کی حفاظت لازم ہے اور جو لوگ وقف کو نقصان پہونچانا چاہتے ہیں۔ متولی کو ان کی مراعات کیوجہ سے وقف میں نقصان پہونچانا ہرگز جائز نہیں ورنہ متولی بھی گنہگار ہوگا اور یہ خیال کہ اس وقت سکوت کیا جائے بعد کو قبر برابر کودی جائے گی۔ درست نہیں کہ زیادہ زمانہ گزرنے پر ان لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ اگر دفن کرنا جائز نہ تھا تو متولی نے اب تک سکوت کیوں کیا اور وقف میں ایسے اہل م کی بھی مراعات کی جاتی ہے اسلئے وقفی زمین کو کئی سال سے زیادہ تک کرایہ پر دینا فقہار منع کرتے ہیں کہ امتداد زمانہ کے بعد کرایہ دار ملک کا دعویٰ نہ کر بیٹھے اور وقف کو نقصان نہ پہونچے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۔ مرسلہ حمید الشرفاں، محلہ ہاری پور۔ بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بطور ایک مستری کے تعمیر مسجد کا حسب ہدایات متولی مسجد کے کر رہا تھا۔ متولی نے زید کو کام کرنے کی ایک حد مقرر کر دی تھی۔ لیکن جب زید کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک اور مستری ہی اس میں کام کرنے کے واسطے آدے گا۔ (کہ جس نے بہت پیشتر سے دیوم بلا اجرت کام کرنے کا وعدہ کر لیا تھا) تو زید نے اس کی سخت مخالفت کی کہ وہ میری موجودگی میں کام نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ کرے گا تو میرا ان کا جھگڑا ہو جائیگا بعدہ زید نے بلا اجازت متولی کے محض اپنی رائے سے اس حد مقررہ سے کہ جس کو متولی نے مقرر کیا تھا باہر ہو کر اپنی قابلیت کا اظہار کرنے کی غرض سے ایک اور جدید آدمی کو اپنی امداد کے واسطے لگا کر کام کو بڑھا دیا۔ متولی مسجد کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ ان لوگوں کے آپس کی بحث ہے، مستری کو کام کرنے سے نہیں روکا۔ لیکن ناظم تعمیر نے یہ کہہ دیا کہ اس اضافہ کام کی اجرت ہمارے ذمہ نہ ہوگی۔ چنانچہ جب وقت حساب کا آیا تو اس دن کی مزدوری نہ دینے پر زید نے سخت اظہار ناراضگی کیا۔ حتیٰ کہ اس اضافہ کام کو گرا دینے کا عزم مصمم کر لیا۔ اور ایک روپیہ چندہ تعمیر مسجد اور ایک یوم بلا اجرت کام کرنے کا جو وعدہ تھا اس کے پورا کرنے سے انحراف کیا۔ صورت اول کو دوسرا متحنا ہوں کے سمجھنے سے منہدم کرنے سے باز رہا۔

اس واقعہ کی اطلاع جب طالب علم صاحب مدرسہ مرزائی مسجد کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی اجرت دے دینا، چاہئے۔ ورنہ مسجد میں کسی کی ناز نہ ہوگی۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کو زید کو اجرت قطعی طور پر ادا کر دی گئی۔ یہاں انتہا عرض کرنا اور وہ گیا کہ زید نے جو جدید آدمی اپنی اظہار قابلیت کے واسطے لگا لیا تھا اس کی اجرت عرصہ یومیہ دلائی

حالانکہ ناظم تعمیر کو اس قابلیت کے آدمی کی قطعی ضرورت نہ تھی۔ وہ اپنا کام ۱۲ یومیہ کے آدمی سے چلا سکتا تھا لیکن زید کے کہنے سے یہ نقصان بھی برداشت کرنا پڑا۔ ایسی صورت میں ناظم تعمیر یا تنولی مسجد پر شری حیثیت سے قوم کے پیسے کا بجا صرف کا، اور کوئی الزام تو عائد نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا ہوتا براؤ مہربانی اس کے دفعیہ کی تدبیر سے مطلع فرمایا جاوے۔ بیٹھا تو جردا۔

الجواب :- بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ کام جو زید نے تنولی کے بتانے سے نہایا کیا اور دوسرے کاریگر سے کرایا۔ وہ گلکاری کا کام تھا ایسے کام کے لئے مسجد کا پیسہ صرف نہیں کیا جاسکتا۔ جس نے کیا یا کرایا وہ اس کا ذمہ دار ہے وہ رقم مزدوری اپنے پاس سے دے یو ہیں جو کام ۱۲ یومیہ پر ہو سکتا تھا اس کی اجرت ایک روپیہ مسجد سے نہیں دی جاسکتی۔ طالب علم نے مسئلہ غلط بتایا۔ یہ رقم جو بجا صرف کی گئی ہے بیٹا ناظم سے وصول کی جائے گی۔ واشترط علم **مسئلہ :-** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندو نے ایک موضع وقف علی الاولاد کیا اور تاحیات خود قابض و منتصرف رہی اور اس موضع مذکور میں ہندو خود کاشت بھی کرائی تھی حسب دستور سابق جس سال ہند کا انتقال ہوا اس سال بھی خود کاشت کی۔ ہندو کی وفات کے وقت کاشت لائق قطع نہ تھی۔ چونکہ ہنوز بانی بھی نہیں آئی تھی۔ لہذا ایسی صورت میں کاشت مذکور کے غلہ کو شرائط وقف پر تقسیم کیا جاوے یا وہ منرو کہ ہے کہ صرف اس کے وارث مالک ہوں گے۔

الجواب :- جب وہ زراعت یوقت وفات ہندو طیار نہ تھی اور ایسی بھی نہ تھی کہ دلنے پڑ گئے ہوں، تو وہ غلہ وقف کے شرائط کے موافق تقسیم کیا جائیگا کہ بنا بر قول ہلال رحمہ اللہ استحقاق آمدنی وقف میں یوم حدوث غلہ کا اعتبار ہے اور امام خصاص کے نزدیک یوم القسیر کا اعتبار ہے لہذا دونوں اقوال کے رو سے نہ ہند اسکی مستحق ہے نہ وہ ہندو کا منرو کہ ہے ردالمحتار میں ہے۔ لو وقف علی اولادہ فاستحقاق الغلۃ یعتبر یوم حدوث الغلۃ علی قول عامۃ المشائخ لا یوم الوقف فالوجود منہم یوم الوقف والمولود بعدۃ سواء اذا کان موجوداً یوم حدوث الغلۃ وکذا لو وقف علی فقراء قرابتہ من کان فقیراً یوم حدوث الغلۃ من کان فقیراً یعطى لہ ولو استغنی بعدۃ او کان غنیاً قبلہ ۱۵ و فی التتارخانیۃ المستحق للغلۃ من کان فقیراً یوم تبجی الغلۃ عند ہلال وہبہ ناخذ فی الخاصیۃ وعلیہ الفتویٰ ثم ذکر بعدۃ ان الخصاص

يعتبر يوم القسمة - لا يوم طلوع الفلّة - اور يوم طلوع و حدوث غلبے مراد کمیتی میں دانے پڑ جاتا ہے۔
ردالمآثر میں ہے۔ قال فی الفتح و خروج الفلّة التي هي المناط وقت انعقاد الزرع حثّاً وقال بعضهم يوم
يصير الزرع مقوماً ذكره في الخانية. واللّٰه تعالى اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ عمر عظیم اللہ حملہ چڑی بیٹی۔ ضلع دینا چور۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علما و دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔ عید گاہ کا وقف ہونا ضروری ہے یا نہیں؟
یعنی بغیر وقف زمین عیدین کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید کے مکان کے دروازہ پر پورب رخ سو سال سے ایک مسجد تھی اس مسجد کے پورب رخ یہیں ایک
نیا مکان بنا کر مسجد کو اندر مکان کے کر لیا اور مسجد گھاس بھوس کی تھی جس کو اجاڑ کر زمین کو بانس سے گھیر دیا
اور ایک دوسری مسجد مکان کے پورب رخ بنوا دیا تو مسجد قدیم کو دنیاوی عرض سے نقل کرنا اور مسجد جدید میں
نماز جمعہ وغیرہ جائز ہوگی یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب :- عید گاہ جس کو کہتے ہیں وہ تو وقف ہی ہوتی ہے مگر جس جگہ عید کی نماز پڑھی جائے
اس کا وقف ہونا ضروری نہیں مالک زمین کی اجازت سے نماز پڑھنا وہاں پر درست ہے۔ صحرا و میدان میں
بہ نسبت مسجد کے عید کی نماز بہتر ہے۔ واللّٰه تعالیٰ اعلم۔

الجواب :- مسجد وقف ہوتی ہے عام مسلمانوں کو اس میں آنے اور نماز پڑھنے کا حق ہوتا ہے اس
کو مکان کے اندر کر لینا کہ عام طور پر لوگ اس میں نہ جاسکیں اس کا کسی کو حق نہیں ہے اور مسجد کو اجاڑ دینا بھی حق
جیکہ بنانے کا ارادہ سے نہ ہو یہ بھی حرام ہے اگرچہ زید نے اسے بانس سے گھیر رکھا ہے مگر جب مسجدیت کی اس
میں علامت باقی نہ رہی اور اس میں نماز بھی نہیں ہوتی تو کیا جب کچھ دنوں میں اس جگہ کو تصرف میں لایا جائے
زید نے اگرچہ دوسری مسجد بنادی ہے مگر پہلی مسجد کا ویران کر دینا حرام اور سخت حرام ہے مسجد جدید میں اگرچہ

جمہ ہو سکتا ہے مگر مسلمانوں پر لازم ہے کہ پہلی مسجد کو زید سے خالی کر میں اور اس کے تصرف سے نکالیں۔ واللہ اعلم
مسئلہ ۴۔ مدرسہ نظرفین۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ سکرٹری اہل سنت والجماعت گھاس منڈی جھڑپور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شہر جھڑپور میں ایک مدرسہ مسلمانان اہلسنت
 والجماعت حنفیہ کا محلہ چوہدرار میں چالیس بیچاس سال بھاری ہے۔ ۱۹۱۶ء میں اس مکان کو حنفیوں نے اپنے
 چندہ سے مبلغ سولہ سو ایک روپے دیکر خرید لیا۔ اور بیٹہ یعنی قبائلی کی درخواست سرکار میں تمام سنت
 و جماعت کے نام سے کر دی بعد ازاں کرنے ضوابط و قانون پر۔ ۳۱ مئی ۱۹۲۵ء کو حکم نمبری ۱۳۷۴ بدین
 مضمون صادر ہوا کہ مدرسہ والوں سے یہ تحریر لکھائی جائے کہ دو سرکار میں اس مکان یعنی مدرسہ کو لائیں یا
 رہن رکھ دیں۔ یا بیچ دیں تو مکان ضبط کر لیا جائے گا۔ حالی چھڑپور۔ اور جو زمین زیادہ بڑھائی اس کی قیمت موٹو
 جائداد ہونے کے لحاظ سے معاف کر دی۔ ۱۹۲۵ء میں سرکار نے حنفی مسلمانوں کی درخواست پر ایک ہزار نقد ادا کھٹ
 سو کا فریضہ عطا کیا۔ انجمن اہلسنت والجماعت نے آٹا فٹ کا چودہ سو کچھ روپیہ اور ہزار کے قریب مزید دوبارہ چندہ
 کر کے تین دکانیں اور تین کمرے طلبہ کی تعلیم کے لئے بنوائے اور جو تکبیر مسجد اور مدرسہ میں حائل تھا اسکو شامل کر کے
 مسجد کو اور مدرسہ کو ملا دیا۔ اور آنے جانے کے واسطے دروازہ قائم کر دیا۔ لہذا زمین کے بارے میں ہامی جھگڑا ہو گیا تو
 عارضی طور پر مدرسہ کو مسجد گول تکبیر میں منتقل کر دیا مگر ایک مدرسہ ہمیشہ مدرسہ میں پڑھا رہا۔ اور ہندوستان کے جو علماء
 آئے ان کی قیام گاہ یہ مدرسہ ہی رہا۔ اب چند دفعہ پیر داڑا احناف نے اپنی ذاتی عناد کی بنا پر غیر منصفانہ کے بہکائے میں آکر
 گرل اسکول کے لئے اس مذہبی مدرسہ کو خلاف حکم حکام بالادست و سرپرست قبائلی کر دیئے کے بہانہ سے سرکاری قبضہ
 میں دلانا چاہا، اور ہمارے تالوں پر تلے لگا کر آمادہ فساد ہو گئے۔ تو اہل سنت و جماعت جو دھپور کا ایک وفد
 مع مفصل درخواست کے سرکار میں پیش ہوا جس پر چیف منسٹر صاحب اور وزیر اعظم راج ماٹواڑ نے ڈائریکٹر
 شری تعلیم کو حکم بھیجا کہ تا حکم ثانی مدرسہ اسلامیہ حنفیہ اہلسنت والجماعت میں گرل اسکول نہ کھولا جائے چونکہ یہ مدرسہ
 خاص سنت جماعت کا ہے اس میں کل روپیہ حنفیوں کا لگا ہے۔ وہ دینی تعلیم کو ترقی دینے کیلئے اس مدرسہ کو ترقی
 دینا اور مسائل شریعیہ سے احناف کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو جو لوگ مدرسہ کو روکتے ہیں اور گرل اسکول کرنے کے
 بہانہ سے سرکاری قبضہ میں دینا چاہتے ہیں اور فساد کرتے ہیں کیا شرعاً جائز ہے۔۔ بینوا تو جرو۔

(نوٹ اور پٹہ میں سوائے لڑکوں کے پڑھانے کے دوسرے کام میں لانے کی ممانعت ہے۔)

الجواب :- جب وہ عمارت لڑکوں کے پڑھانے کے لئے وقف کر دی گئی ہے تو اسی کام میں لائی جاسکتی ہے۔ دوسرے کام میں اسکو نہیں لاسکتے اگرچہ دوسرے کام میں لانے کی ممانعت کاغذ میں تحریر نہ ہوئی اور یہاں اس امر کی تصریح بھی موجود ہے کہ دوسرے کام میں لانے کی ممانعت ہے باوجود اس تصریح کے اس کو دوسرے کام میں لانا اور وہ عمارت حکومت کو دیدینا اور اس میں لڑکیوں کا اسکول قائم کرنا ہرگز جائز نہیں۔ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں۔ شرط الوقف کنص الشارع۔ جائداد و توقفہ میں خلاف شرائط وقف تصرف کرنا درست نہیں جو لوگ ایسی کوشش کرتے ہیں کہ اسے حکومت کے قبضے میں دیدیا جائے یا لڑکیوں کا اسکول اس میں قائم کیا جائے وہ گنہگار اور مستحق مواخذہ و آخر دی و عذاب نار ہیں کہ اولاً تو خود وقف کو خلاف شرط دوسرے کام میں لانا ہی جائز نہیں دوسرے لڑکیوں کے اسکول میں جو کچھ برے نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ اہل بصیرت پر مخفی نہیں، تبصرے علم دین کے خلاف جدوجہد کرنا خود شدید جرم و حرام ہے کہ اس فریضہ دینی میں رکاوٹ پیدا کرنا اور علم دین سے لوگوں کو محروم کر دینا نہایت سخت حرام اور اس کا عظیم دیال ہے۔ اور مسلمانوں میں فساد پیدا کرنا بھی حرام ہے قرآن مجید میں اس کی مذمت بکثرت مواقع پر مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ مولوی عبدالغلام صاحب۔ سلسلہ اگر لکھنؤ ضلع چوہیس پرگنہ۔ ۲۰ محرم ۱۳۵۵ھ

مسجدوں، مدرسوں، کی تعمیر و اخراجات کے لئے یا کسی اور مذہبی و دینی ضرورت کے لئے جو چندے وصول ہوتے ہیں یہ محض صدقہ ہیں یا وقف بھی کہے جاسکتے ہیں۔ اگر صدقہ ہی ہوں تو جس خاص غرض کے لئے وصول کئے گئے ہیں اس کے علاوہ دوسرے کار خیر میں خرچ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ ہندوستان میں عموماً تو بہن مسجد وغیرہ یا منع قربانی کیوجہ سے مسلمانوں اور ہندوؤں میں فسادات ہو جاتے ہیں اور پھر مقدمہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ایسے مقدموں میں چندہ دینا کار خیر ہے یا نہیں باعث اجر ہے یا نہیں؟

فحاصل کی وجہ سے فقہائے ہند و دنا نیر کے وقف کو صحیح فرمایا ہے ہمارے ملک میں اس زمانہ میں اس کی کیا صورت ہوگی۔ پھر جس کام کے لئے دراہم و دنا نیر صدقہ یا وقف کئے گئے اگر اس کے انجام پانے کی ضرورت نہ ہوتی اور وہ روپے یا دھن رہ گئے تو اب کیا کئے جائیں گے؟

الجواب :- عموماً یہ چندے صدقہ نافذ ہوتے ہیں ان کو وقف نہیں کیا جاسکتا کہ وقف کے لئے یہ ضرور

ہے کہ اصل جس کر کے اس کے منافع کام میں صرف کئے جائیں۔ جس کے لئے وقف ہو نہ یہ کہ خود اصل ہی کو خرچ کر دیا جائے۔ یہ چندے جس خاص غرض کے لئے کئے گئے ہیں اس کے غیر میں صرف نہیں کئے جاسکتے۔ اگر وہ غرض پوری ہو چکی ہو تو جس نے دیئے ہیں اس کو واپس کئے جائیں۔ یا اس کی اجازت سے دوسرے کام میں خرچ کریں۔ بغیر اجازت خرچ کرنا ناجائز ہے۔ ہندو مسلم مسادات کے سلسلے میں خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو بے شک خرچ کرنا کارِ خیر ہے کہ مسلم اور اسلام کی اعانت اعلیٰ رکھنے والے ہیں اس میں جو کچھ امداد کیجا سکے کا ثواب ہے اور کرنے والا مستحقِ اجر ہے۔

درہم و دنانیر کو وقف کیا ہو تو ان سے کوئی چیز خرید کر یا ان کو غیر جس سے بدل کر جو منافع حاصل کریں ان کو جہت موقوف مہیا میں خرچ کریں۔ اور اگر اس کام کے انجام پانے کی صورت باقی نہ رہے تو واقف نے جو کام بتایا ہے اس کے بعد اس میں صرف ہو اور نہ بتایا ہو تو فقراء و مسکین پر صرف کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مسئلہ:۔ رسد سید شمس العلام شاہی۔ پورنیہ، سید باڑہ، مورخ یکم رجب ۱۲۵۵ھ

کیا فرمانے میں علامہ دین اس مسد میں کہ زید ایک وقف کا متولی ہے اور عمرو وظیفہ خوار زید کے ذمہ متولی وقف ہونے کی حیثیت سے عمر کے پانچ ہزار روپے چاہئے۔

عمرو برابر تعاقب کرتا ہے زید ٹال مٹول کرتا رہتا ہے لہذا اب نالاش کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر اس رقم کے وصول کی کوئی صورت نہیں نکلی تو عمر کا دس پانچ ہزار کے علاوہ اور ایک سو ستر روپے ماہانہ کا نقصان ہوگا مگر عمرو کے پاس اتنی رقم نہیں کہ وہ نالاش کر سکے۔ سودی روپیہ ملتا ہے مگر عمر ولینا نہیں چاہتا کہ حرام ہے اس لئے عمر اس پانچ ہزار روپیہ کو چار ہزار یا ساڑھے تین ہزار میں فروخت کرنا چاہتا ہے۔ عمر بدرجہ مجبوری یہ شرط بھی منظور کرنے کو طیار ہے کہ فی الحال مشتری چھ سات سو روپے دے باقی وصول ہونے پر ادا کرے لہذا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو شرائط اس کے جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا تو جو۔

الجواب:۔ یہ بیع ناجائز و حرام ہے کہ روپے کی بیع روپے سے ہو تو مسادات شرط صحت ہے۔

س۔ روپے سے رواد چاندی کا روپیہ ہے۔ جس میں مسادات شرط صحت ہے۔ نوٹ کی بیع نوٹ سے کرنے میں مسادات شرط نہیں۔ کی بیشی بھی جائز ہے۔ ۱۲ مرتبہ

کی بیش قیمت حرام دوسو ہے۔ اور قطع نظر اس سے دین کی بیع حرام ہے۔ اس کے لئے دست بدست یعنی تقابض بدین شرط ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو دیکن واجیر روپیہ وصول کرنے کے لئے کیا چاوے وہ جب وصول کر لے اسکی طے شدہ اجرت دے دی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: اذ مسیح الدین۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین صورت ذیل میں کہ ۱۹۱۹ء میں پرانے قبرستان کو گوڈنٹ کے بند کر دینے کے بعد جناب محمد ابراہیم ملا صاحب نے ایک فطدار اضمی تقریباً ۱۷ ایکڑ خرید کیا اور اس میں سے ۲۰ فٹ مربع (نٹ ۲۰ x ۲۰ فٹ مسجد اور مدرسا اور حوض اور کنواں وغیرہ بنائے۔ اور بقیہ اضمی قبروں کیلئے رکھی گئی اور اس کا ایک وقف نامہ ملا صاحب موصوف نے اپنے والدین کے ایصال ثواب کی غرض سے لکھ دیا یہ وقف نامہ انگریزی زبان میں رجسٹرڈ کیا گیا جس کا ترجمہ بزبان اردو اس سوال کے ساتھ منسلک ہے۔ اس وقف کے نظم و نسق کے لئے تیرہ متولیوں کا ایک بورڈ جن میں ایک ملا صاحب موصوف واقف بھی شامل ہیں۔ مقرر کیا گیا۔ اور مذکورہ جائداد وقف ۱۹۳۱ء میں تمام و کمال ان کے قبضے میں دے دی گئی اور اب وہی متولی اس کا انتظام کر رہے ہیں چونکہ اضمی موقوفہ کے انتظام و قیام و محافظت کے لئے کوئی نقد رقم نہیں تھی اور نہ واقف نے کوئی آمدنی کی۔ جائداد عطا فرمائی تھی اس لئے متولیوں نے یہ طے کیا کہ اس نئے قبرستان وغیرہ کا انتظام اسی طریق پر کریں جس طرح پرانے قبرستان کا کیا گیا تھا۔ یعنی (الف) جو ان میت کی قبور کھودنے کے لئے فی قبر تین روپیہ بارہ آنہ اور بچے کے لئے فی قبر دو روپیہ چار آنہ تجویز فرما دیئے اور اس کے علاوہ متولیوں نے دوسری ضروریات (یعنی قبروں کے لئے) لکڑی کے صندوق اور لکڑی کے تختے اور پائس اور چٹائیاں وغیرہ قبرستان میں مہیا کر دیئے اور (خواہش مندوں کے ہاتھوں) فروخت کرنے کے لئے ان کی قیمتیں مقرر کر دیں۔ (ب) چونکہ یہ نیا قبرستان شہر سے بہت دور تھا اس لئے جناب سیٹھ محمد اسماعیل عارف صاحب نے ایک موٹر بار۔ برادری جنازہ لانے کے لئے عطا فرمایا جیسا کہ رنگون کی دوسری جانٹوں میں کیا جاتا ہے۔ اس موٹر کا کرایہ فی جنازہ مبلغ سات روپیہ لیا جاتا ہے۔ لیکن غریبوں اور لاوارثوں کے جنازے اس موٹر پر مفت لائے جاتے ہیں، مذکورہ بالا اصول سے حاصل کی ہوئی آمدنی بطور ذیل صرف کی جاتی ہے۔ (۱) گورکنوں کی اجرت۔ (۲) موٹر ڈرائیور کی تنخواہ وغیرہ مثلاً مرمت۔ (۳) پٹرول اور موٹر اوئیل۔

(۱) روغن برائے موٹر) کی خرید۔ (۳) قبر کے لئے پیمان (صندوق) تیار کرانے کے مصارف۔ (۵) قبر کے لئے لکڑی کے تختے اور بانس اور چٹائیاں خریدنے میں۔ ان مفصلہ بالا مصارف کے بعد بچی ہوئی رقم مصارف ذیل میں خاص طور پر خرچ کی جاتی ہے۔

- (۱) عربیہ اولاد وارث مسلمیت کو لانا اور باقاعدہ صحیح طریقہ پر ان کی تجہیز و تکفین یہ لاوارث زیادہ مزا سبتال کے ہوتے ہیں۔ (۲) قبرستان مذکورہ میں جہاں پر ضرورت ہو آرامی کی درستی۔ (۳) قبرستان کی دیکھ بھال رکھنے والے ملازمین اور ان لوگوں کی اجرت جو عربیہ اولاد وارث میت کو غسل دیتے ہیں، اور ایلیوں اور مدرسین مدرسہ کی تنخواہیں۔ (۴) مدرسہ ملازمین کے رہنے کے لئے مکان، غسل خانے، طہارت خانے، کنواں، اور پانی کا پمپ تعمیر کروانے اور انکی حفاظت رکھنے میں اور کنویں سے پانی نکالنے کے لئے الٹروک کا خرچ۔ (۵) متعلقہ قبرستان کھلے ہوئے مقام کاتاروں وغیرہ سے احاطہ۔ (۶) اس آراضی ملحقہ کی قیمت جو کہ خرید کر کہ قبرستان کے ساتھ شامل کی گئی اور بعض معتبر کمپنیوں کے شہر میں (حصص) خریدے گئے۔ جملہ مصارف مذکورہ کے بعد جو کچھ فاضل رہتا ہے اس کو قبرستان خد کے حتماً میں جمع رکھا جاتا ہے اس غرض سے کہ جس وقت اس قدر رقم ہو جائے جو کہ وقف نامہ کے دفعات ۱۰ اور ۱۱ کے مطابق وقف کے لئے کوئی دوسری جائیداد خریدنے کے لئے کافی ہو جائے تو متولیوں اس سے ایسی جائیداد خرید سکیں۔ مذکورہ وقف نامہ منسلک صفحہ ۲، سطر ۱۲، دو سو فٹ طویل اور دو سو فٹ عریض قطعو زمین پر بعض دین دار اہل خیر حضرات نے ایک مسجد اور نماز جنازہ کیلئے ایک جماعت خانہ اور کنواں اور وضو کے لئے حوض اور دیواریں تعمیر کیں اور مذکورہ بالا طریقہ پر آمدنی سے متولیوں نے مدرسہ اور ملازمین کے لئے مکانات اور غسل خانے اور طہارت خانے تعمیر کئے ہیں۔ اور ان کی مرمت کرتے رہتے ہیں۔ اور دیکھ بھال رکھتے ہیں۔ پس سوال یہ ہے کہ آیا وقف نامہ اور شریعت مقدسہ کے مطابق متولیوں کو مذکورہ بالا انتظامات کرنا۔ آمدنی مذکور سے تعمیر مدرسہ میں روپیہ خرچ کرنا، ملازمین کے لئے مکانات بنانا۔ غسل خانے تعمیر کرنا، مدرسین کی تنخواہ اور کنویں پر پانی نکالنے کیلئے پمپ کی قیمت ادا کرنا، اور مذکورہ بالا تمام چیزوں کی مرمت اور قائم رکھنے میں آمدنی مذکور خرچ کرنا جائز اور درست ہے؟
- اصل مقصد کے لئے وقف نامہ منسلک کی تفصیل صفحہ ۲، سطر ۱۲ اور دفعہ ۱۰ اور ۱۱ کی جانب اور بیان کئے ہوئے وقف کے تمام امور کے لئے دفعہ ۱۱ کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائیں۔ بینوا تو جبروا۔

(نوٹ) وقف نامہ مطبوعہ منسلکہ استفتار کو واپس نہ بھیجیں بلکہ اپنے پاس رکھیں۔ اس لئے کہ واپسی میں ڈاک کا خرچ بڑھ جائے گا۔

الجواب :- وقف نامہ اور سوال کی اس تخریر کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ محمد ابراہیم ملانے یہ زمین قبرستان کے لئے اور اس زمین کے ایک مخصوص حصہ کو مسجد و مدرّہ و وضو خانہ وغیرہ کے لئے وقف کیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے متعلق کوئی جائیداد دوسری وقف نہیں کی جس کی آمدنی اس پر خرچ کی جائے بلکہ وقف نامہ کے دفعہ ۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آمدنی اور اخراجات کا مدار عطیہ اور چندہ پر رکھا ہے۔ چونکہ یہ قبرستان وقف ہے۔ قبر کی زمین کسی معاوضہ پر نہیں دی جاسکتی کہ آمدنی کا یہ ذریعہ قرار پائے۔ جب عطیہ و چندہ پر آمدنی کا دار و مدار ہے تو دینے والے جس مقصد کے لئے چندہ دیں یا کوئی اہل خیر جس مقصد کے متعلق اپنی جائیداد وقف کرے اسی مقصد میں وہ رقم یا آمدنی صرف کی جاسکتی ہے۔ دوسرے میں صرف کرنا جائز نہیں مثلاً اگر مدرّہ کے لئے ہوں تو مدرّہ پر صرف کی جائے اور مسجد کے لئے ہوں تو مسجد پر اور قبرستان کی حد بندی کے لئے ہوں تو اس پر اور اگر دینے والے نے اس کا صرف کرنا متولیوں کی رائے پر رکھا ہو تو یہ اپنی رائے سے جس میں مناسب سمجھیں صرف کر سکتے ہیں قبر کو دینے کی اجرت جو کچھ لیا جاتی ہے۔ چونکہ اس اجرت لینے کا تعلق خاص متولیوں سے ہے۔ گو رکھنے کے دینے کے بعد جو کچھ بچے یہ اپنی رائے سے صرف کر سکتے ہیں۔ یا جو چیزیں فروخت کی جاتی ہیں ان میں جو کچھ نفع ہو وہ بھی اور موٹر لاری کا کرایہ یہ سب متولیوں کی رائے پر ہے کہ وہی اس آمدنی کو حاصل کرنے والے ہیں۔ اپنی رائے سے جس میں چاہیں صرف کر سکتے ہیں جبکہ موٹر لاری دینے والے نے اسکو یوں دیا ہو کہ اس آمدنی کے خرچ کرنے کی کوئی جہت مخصوص نہ کی ہو بلکہ متولیان کی رائے پر چھوڑا ہو کہ وہ مسجد یا مدرّہ یا قبرستان جس پر چاہیں صرف کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مستول جناب علی محمد حیات خان صاحب دہلوی۔ ازاگرہ کو چچ کلیان، حیات مندر۔
ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید بخلمہ ۵ رکنوں کا ایک رکن (ممبر کیسی منتظم اذنان کا ہے جس کے زیر انتظام بشمول جامع مسجد دیگر مساجد اور درگاہیں اور مدارس عربیہ و مکتب متعلقہ ہیں۔ اخراجات کی کفیل صرف وہ آمدنی ہے جو جائیداد کے متعلقہ اذنان مقبوضہ کمیٹی کے کرایہ سے وصول ہوتی ہے کمیٹی کا انتظام اور اس کے احکام کا

عمل درآمد بصورت اختلاف کثرت رائے مبران پر ہوتا ہے۔ زید تقریباً دس برس تک خدمت اوقاف بحیثیت ممبر کارکن (سکریٹری کمیٹی) کے انجام دیتا رہا اور اس زمانے میں کمیٹی کی بہت کچھ اصلاح ہوئی۔ لہذا قواعد بعض عمل درآمد جو پہلے ممکن نہ تھے مدون کئے گئے اور کمیٹی کو شعبہ جات ششہرہ تعلیم اوقاف مال تعمیر میں منظم کیا گیا جس سے بہت بے پھلی باتریاں دور ہو گئیں اور ہر صیغہ کا کام اور اس کی جانچ روزانہ اچھی طرح انجام پانے لگے۔ بہت سے نیک کاموں کا اجرا ہوا اکثر مساجد کی مرمت ہوئی اور جو شکستہ اور پوسیدہ اس قابل تھیں ان کو ایسر فو تعمیر کرایا گیا۔ دو برس سے کچھ زائد زمانہ گزرا کہ ایک ذی اثر صاحب الرائے ماہر فن تعمیر ممبر کمیٹی (جنہوں نے تعمیری خدمات اوقاف نہایت نیک نیتی سے انجام دی تھیں جو زید کے ہم خیال تھے) بعض سازشوں کا شکار ہو کر مستعفی ہو گئے۔ ان کی جگہ پر کر لی گئی۔ اور جب ہی سے زید کے خلاف دیگر ممبروں نے اپنی منہجہ قوت سے کمیٹی کے منظم کا نقشہ اور صورت بدل دی اور ہر کام میں ایک عام بے اصولی اپنی کثرت رائے کے زعم پر جاری کر دی۔ جس کا نہایت محقر خاکہ یہ ہے کہ ہفتہ وار مقررہ جلسہ کمیٹی جو اسلامی وفد کی دستور کے موافق بعد نماز مسجد جامع میں منعقد ہوتا تھا۔ اب چونکہ کثرت رائے سے متروک کر دیا گیا۔ جلسہ کمیٹی مدقوں منعقد نہیں ہوتا۔ حتیٰ وجہ سے علاوہ بہت سی انہیوں کے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہو گئی، مسجد جامع کے صدر دروازہ کے سامنے زمین کا ایک بڑا حصہ جس سے مقبول آمدنی منتفی سڑک میں شامل ہو گیا۔ مگر کثرت رائے خاموش ہے۔ مسجد جامع میں سے فرش و شامیانہ کی سخت ضرورت ہے بعض مساجد اس درجہ مرمت طلب ہیں کہ بے توجہی سے بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔ مگر کثرت رائے پر واہ ہے۔ بعض مساجد میں زید کے زمانہ کارکردگی میں ان کے متعلقہ زمینوں پر عمارت بضرع اضافہ آمدنی بنائے جانے کی تجویز تھی بل کر ایہ دہروں سے خرید لیے گئے تھے بعض لوگوں سے چندہ دینے کا وعدہ بھی لے لیا گیا تھا۔ مگر اب کثرت رائے کچھ نہیں کرتی۔ منظور شدہ روپیہ بے منفعت پڑا ہوا ہے۔ چندہ وصول نہیں کیا گیا۔ مدرسے بلا وجہ درجہ تجدید جس کی مقامی سخت ضرورت تھی توڑ دیا گیا۔ حساب کتاب کی یہ حالت ہے کہ سال گذشتہ کے مصارف رمضان المبارک اس سال کے ماہ مبارک اختتام پر درج نہیں ہوئے ایک کرایہ دار کی نسبت معلوم ہوا کہ سات ماہ کا کرایہ اس پر باقی ہے۔ مگر اس کا نام تک درج فہرست کرایہ داران نہیں۔ ایک مسجد جو ایک بڑے بار و لوق بازار میں واقع ہونے کی وجہ سے مقبول آمدنی کی جائداد اپنے تخت میں رکھتی ہے۔ اور اسی

سے اس کے کرایہ کا انتظام ایک مستقل مفاد اور آئندہ پیش آنے والی دقتوں پر لحاظ کر کے کیا جاتا تھا موجودہ کثرت رائے نے ایک نائنٹی منظر کے ساتھ بالقصد اس انتظام کو توڑ کر بجائے تین سو روپیہ ماہوار کے چھ سو روپیہ ماہوار پر ٹھیکہ دیا۔ جو بظاہر وقف کے لئے مفید تھا۔ مگر جب تعمیل کا وقت آیا اور شکست ٹھیکہ مجبور کیا تو یہ بے عمل حیلہ پیدا کر کے بجلا اجازت حج صاحب کمیٹی کو ایک سال سے زیادہ ٹھیکہ دینے کا منصب نہیں ہے۔ (حالانکہ ساٹھ برس سے زیادہ سے کمیٹی قائم ہے اور کبھی حج صاحب کے اجازت لینے کا ثبوت نہیں تقریباً ایک سال کے بعد زیر حجام مجتہدہ واپس کر کے ٹھیکہ کو توڑ دیا۔ اور نہ صرف اس دوران بلکہ اب تک اس کا کرایہ جھگڑوں میں ڈال رکھا ہے۔ اس بنا پر یہ روئے خواب تین سال میں جس قدر جزوی کرایہ داروں سے وصول ہو سکے گا۔ اس کو منہا کر کے تقریباً نصف عرصے کا وقف کر کے ایک حصہ کو نقصان پہنچا دیئے ہیں۔ اور باوجودیکہ اس کا خراب اثر دوسرے ٹھیکہ داروں اور کرایہ داروں پر پڑ رہا ہے۔ مگر انسداد پر کثرت رائے کچھ پرواہ نہیں کرتی۔ چنانچہ آمدنیاں بہت گھٹ رہی ہیں آمدنی و خرچ پر کوئی غور نہیں کیا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تقریباً ۲۹ ہزار روپیہ میں سے جو باوجود مسلسل اخراجات تعمیر وغیرہ جاری رہنے کے زائد کے زمانہ کار کر دی گئی وہ سالہ کا مجتہد سرمایہ تھا۔ اس دورے اہولی میں جسے ابھی دو ہی برس گزرے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اکثر میں اضافہ ہوتا صرف ۱۵ یا ۱۶ ہزار باقی رہ گیا ہے۔ اور باوجود زید کے مسلسل پیسے و پکار کے کبھی اس کے اسباب و علل پر توجہ تک نہیں کی گئی جس سے اندیشہ ہے کہ اگر یہی پس و نہار اور یہی حالات جاری رہے تو شاید آئندہ مقننوں نے عرصہ کے بعد یہ بھی نہ ختم ہو جائے زید نے حکومتی اصلاح کمیٹی ان ممبروں کے ساتھ، اتحاد عمل کرتے ہوئے دو برس سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔ مجبور ہو کر علاوہ اپنی اس روزمرہ تحریکوں کے جن کے ذریعہ سے وہ ہر فطری و لغزش پر ہوشیار کرتا رہا ہے۔ ایک ماہ سے زائد گذرا کہ ایک مفصل و مشروح تحریر ممبر ہر ممبر کے نام ان جملہ امور کے بارے میں ایک تحریر لکھی اور دو ہفتے میں جواب چاہا۔ مگر کچھ التفات نہیں بلکہ اصرار ہے لہذا ان متحدہ ممبران کثرت رائے کے واسطے کیا حکم شرعی ہے اور زید واحد ممبر کی رائے بمقابلہ کثرت رائے متذکرہ بالا مغلوب کیا یا باوجود متوازن غلطیوں اور لغزشوں نقصانات اوقات دیکھنے کے ان ممبروں کے ساتھ اتحاد عمل جاری رکھیں اور احکام و اختیار کثرت رائے کو واجب التعمیل اور ناظرین سمجھتا رہے یا خود کو علیحدہ کر لے حالانکہ بنظر غالب اس کی علاحدگی سے حالات بد سے بدتر ہو جانے کا قوی احتمال ہے؟ بینوا تو حروا۔

الجواب :- ایسے متقین کو جو وقف کے کام میں مستی کرتے ہوں یا اصحابِ رائے نہ ہوں یا ان کی بے توجہی سے وقف کو نقصان پہنچا کرتا ہو معزول کرنا واجب اور ان کی جگہ پر متدین ہو بشمار ذی رائے کام کرنے والے کو مقرر کریں۔

در مختار میں ہے۔ ویمنع وجوباً بزازیہ لوالواقف دہر فغیرہ بالاولیٰ غیر مامون الاعجازا۔ رد المختار میں ہے قال فی الاسعاف والایویٰ امیرہ قادر بنفسہ اذ بنائبہ لان الولاية مقیدة بشرط النظر وليس من النظر تولیة الخائن لانه یخل بالمقصود وكذا قولیة العاجزان المقصود لا یحصل بلع۔ اور ایسے لوگوں کی کثرت رائے کوئی شئی نہیں جو نہ صاحبِ رائے ہیں نہ وقف کے ہمدرد بلکہ اپنی ذاتی منفعت یا آپس میں میل کی وجہ سے یا کسی اور عرض قاسد سے دوسرے کی ہاں میں ہاں ملائے اور جان بوجھ کر وقف کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ذالیسے احکام زید کے لئے قابلِ عمل ہیں زید جو وقف کا کبھی خواہ ہے اور جس کی علیحدگی میں وقف کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے ہرگز اپنے کو علیحدہ نہ کرے بلکہ کوشش کرے کہ یہ بیکار پیدا ہو جائیں اور ان کی جگہ کو کارآمد لوگوں سے پر کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- میرزا حامی گھوٹون خاں معرفت امیر الشہ ولد حاجی عبدالرحیم صاحب حسن پورہ بنارس۔

مورخہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علما و دین مسند ذیل میں کہ ایک شخص بجات تندرستی اپنی جائداد کو وقف فی سبیل اللہ کرنا چاہتا ہے۔ بیوی اور اپنے لڑکے کو کچھ نہیں دیتا چاہتا ہے۔ بیوی کے گذر بسر کے لئے اسی وقف میں ایک رقم مقرر کرنا چاہتا ہے۔ لڑکا اپنے سے علیحدہ رہتا ہے۔ اور باپ کی کچھ خبر گیری نہیں کرتا۔ اور لڑکے نے مال کا نقصان بہت کچھ کیا ہے۔ لہذا اس ناراضگی کی وجہ سے فقہ آخرت کے خیال سے پوری جائداد وقف فی سبیل اللہ کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں ؟ دلیل شرعی سے مطلع فرمائیے ؟۔

الجواب :- واقف کی نیت اگر اچھی ہے تو صرف جائز ہی نہیں بلکہ ثواب اخروی کا مستحق ہوگا۔ تنویر الایضاً در مختار میں ہے۔ و سببہ ارادة محبوب النفس فی الدنيا و بیو الاحباب و فی الآخرة بالثواب۔ ہاں اگر اگر وقف سے مقصد ہی صرف یہ ہے کہ داروں کو میراث سے محروم کر دے تو یہ نیت بری ہے۔ اور ایسا کرنا ناجائز ہے۔

اگرچہ وقف اس صورت میں بھی ہو جائے گا۔ اور اگر بڑا بدلہ ملے ہے کہ باپ کی جائیداد کو برباد و ضائع کر ڈالے گا تو وقف کر دینا بہتر ہے۔ کثرت وارث کو محروم کرنا نہیں بلکہ اپنی کمائی کو ناجائز چیزوں میں صرف کرنے سے بچانا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۸۔ عبدالرحمن۔ از خانقاہ سراجیہ برکت آباد، محلہ برکت پورہ مقام مایگاؤں، ضلع ناسک۔

۱۸ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ

(۱) متولی مسجد کو شرعاً کیا حق پہلے کیا سیاہ، سفید اپنی رائے سے جو کچھ بھی چاہے کر سکتا ہے۔ مسجد کی کوئی چیز اپنے خرچ میں لاسکتا ہے۔ مثلاً مسجد کی جوفی قبیل، مصلیٰ یعنی جائے نماز، لکڑی، چونا، پتھر، لوہا، اینٹ، پھل، وغیرہ وغیرہ اور مسجد کی آمدنی کا روپیہ کہا جانا، یا ان روپیوں کو لپٹے کاروبار میں لگانا، اور اپنا کام چلانا، اس کا جو منافع ہو، خود کھانا یا ان روپیوں میں سے خود قرض کے طور پر لینا، ان روپیوں کو دوسرے کو قرض دینا، اور لوگوں کو حساب نہ بنانا، اگر کسی نے حساب کے متعلق کبھی کچھ پوچھنا یا جاننا تو کچھ ہاں، ہوں غلط شپ باتیں کر کے موقوفہ کو کسی بہانے سے ٹال دینا، یا لڑائی پرتل جانا اپنا پورا قبضہ کر لینا اور کہہ دینا، کہ ہم کھا گئے۔ اب ہمارے پاس کچھ رقم نہیں ہے یا ہے مگر خرچ میں میرے خرچ ہو گیا۔ اس وقت موجود نہیں جب ہوگا مختوراً مختوراً جس طرح ہوگا دیا جائے گا۔ مانگنے پر بہانا کرنا، مقصود دینا نہیں؟

(۲) ایک گاؤں میں ایک ہندو اپنی زمین میں اپنے پیسے سے مسجد بنوا کر مسلمانوں کو لوگوں کو دیدیا کہ یہ مسجد میں نے دیدیا۔ اب تم لوگ اس میں اپنا نماز پڑھو اور میں اس سے لادعویٰ ہو گیا۔ میرا ہمیشہ کے لئے کوئی دعویٰ نہیں ایسا لادعویٰ لکھ بھی دیا یا اس مسجد میں نماز پڑھنا مسلمانوں کو بلا کر اہستہ درست ہے یا نہیں یا کراہت ہے؟

الجواب: متولی کا کام مسجد کی ضروریات کا انتظام کرنا ہے مسجد کی چیزوں کو اپنے ذاتی صرف میں نہیں لاسکتا، مسجد کی رقم کو صرف کر لینا خیانت میں داخل ہے ایسے متولی کو معزول کرنا واجب ہے کذا فی الدر المختار وغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اس میں نماز بہر صورت جائز ہے کیونکہ جو از نماز کے لئے مسجد شرط نہیں وہ زمین اور عمارت مسجد اس وقت ہوگی کہ کافر نے مسلمان کو دے دی اور مالک کر دیا۔ پھر اس کو مسلمان نے وقف کر دیا کیونکہ وقف مسجد نہیں ہوتی اور خود کافر کا یہ وقف صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

درختہ میں ہے۔
۳۹۵
ملہ دیبوع دجیالہ الواقف فغیرہ بالادنی غیرہ ہون او عاجز۔ ج ۳ ص ۳۲۱۔ معافی۔ ملہ درختہ میں ہے۔ لایصح وقف جوفی اور یہ مسجد شرعاً مسجد نہیں کہ کافر نے بے نیکی مسلم اپنی ملک میں مسجد بنوائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ معافی۔

مسئلہ - ازیرلی، مملکتہ نادر، مسد حافظ محمد یلین صاحب مسد فروش - یکم جمادی الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں۔ زید نے اپنی کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ و اثاث البیت و زر نقد و آمدنی دکان تجارت سرسہ کو وقف علی الاولاد کیا۔ اور لوجہ التزم صارت غیر کے لئے وقف کر دیا۔ اور اپنی کل جائیداد موقوفہ مذکورہ کا متولی حاجیات خود اپنے آپ کو کر وانا، اور اپنے بعد اپنی زوجہ منکوحہ کو حق تولیت دیا۔ اور اس کے بعد اپنے برادر زادہ حقیقی مسیحی بیکو، اور اس کے بعد اولاد بیکو کو متولی قرار دیا۔ اور بیکو کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں اپنے دیگر برادر زادگان حقیقی اور ان کی اولاد در اولاد کو متولی تسلیم کیا۔ اور حسب وقف نامہ تاحین حیات خود جائیداد موقوفہ مذکورہ کا متولی اور اس میں ہر طرح متصرف رہا۔ یعنی وقف کرنے کے بعد بھی ان تمام جائیداد موقوفہ مذکورہ میں زید (واقف) اسی طرح تصرف کرتا رہا۔ اور اپنی ذاتی ملکیت سمجھتا رہا۔ جیسا کہ وقف کرنے سے پہلے اس کا تصرف تھا۔ حتیٰ کہ جائیداد موقوفہ سے ایک دکان موقوفہ کو ہی فروخت کر ڈالا جو شرائط وقف نامہ کے بالکل خلاف ہے۔ اور بموجب شرائط وقف نامہ جائیداد موقوفہ یا اسکی آمدنی سے مصارف خیر میں بھی کچھ صرف نہ کیا۔ بنا بریں بمیزات ذیل قابل استفسار ہیں؟

(۱) کیا از روئے شرح شریف زید کو یا کسی اور واقف کو یہ حق حاصل ہے؟ کہ اپنی کل جائیداد و اثاث البیت وغیرہ کو وقف علی الاولاد یا وقت فی سبیل اللہ کر دے۔ اور اس طرح بقیہ مستحقین و زائر کو محروم الفت کر دے اگر زید کا یہ عمل شرعاً درست نہیں تو پھر ایسے وقف و واقف کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) زید نے اپنی کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ و اثاث البیت و آمدنی دکان تجارت سرسہ کو وقف علی الاولاد کر دیا اور فی سبیل اللہ اس میں سے مصارف خیر بھی تعین کر دیا اور وقف نامہ لکھ کر قانوناً و اصولاً ہر طرح وقف نامہ مکمل کر دیا۔ اس کے چند روز کے بعد دوسری تحریر متعلق وقف نامہ سابقہ بطور تہتم لکھا۔ جس میں وقف نامہ اول کے شرائط کے خلاف دیگر تشریحات و توضیحات ہیں۔ مثلاً ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو وقف نامہ اول تحریر کیا اور ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو دوسری تحریر بطور تہتم لکھا۔

حالانکہ وقف نامہ اول میں کسی قسم کے رد و بدل اور ترمیم و تغیر کا استحقاق نہیں چھوڑا تھا۔ تو ایسی صورت میں تحریر تہتمی جو بطور تہتم ہے۔ معتبر ہوگی یا نہیں؟ اور شرعاً اس پر عذر آمد درست ہوگا کہ نہیں؟ یا وقف نامہ اول ہی کی تحریر قابل عمل و لائق تسلیم ہوگی؟

(۳) یہ بھی واضح رہے کہ زید (واقف) نے جب وقف نامہ اول مرتب و مکمل کر دیا تو بکر موصوف نے زوجہ واقف پر ناجائز و باوثرات ڈال کر طرح طرح سے مجبور کر کے خوشامد درآمد تعلق و چالپوسی سے کام لے کر پوشیدہ طور پر پاں کے ذریعہ زید (واقف) سے تتمہ مذکورہ لکھایا۔ اور عرض کیا کہ اس کو پوشیدہ ہی رکھا جاتی کہ بعد وفات زوجہ واقف کو گوں کو اس تتمہ کا علم ہوا۔ دریں صورت یہ تتمہ واجب العمل و قابل تسلیم ہو گا۔ یا نہیں؟

(۴) علاوہ ازیں بعض وہ جائیداد جو وقف نامہ اول میں شامل نہ کی گئی تھی اور زید (واقف) نے اس کو مستحقاً بکر موصوف کے نام سے خرید لی تھی۔ اس کو واقف نے محض اس ارادے سے اپنے نام منتقل کر لیا کہ انہم مستحقین و درکار کو اس میں مطابق مخرج شریف حصہ پہنچے اور بے کیونکہ واقف موصوف بکر کے علاوہ دیگر برادر زادگان حقیقی و مستحقان حصہ اس کو محروم اہتمت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور واقف کی نیت خیر تھی۔ مگر بکر موصوف کو واقف کا یہ فعل ہی ناگوار گذرا اور باطن طالع و رنجیدگی خاطر ہوا۔

چنانچہ درپردہ مسلسل کوشش اور عنایت ہوشیاری و چالاکی، خوشامد و چالپوسی سے بکر نے اسی طرح اس بقیہ جائیداد کو زید (واقف) سے وقف کر دیا۔ جس طرح تتمہ لکھانے میں ہوشیاری و چالاکی اور زوجہ واقف کی ذات سے کام لیا گیا۔

چنانچہ ۱۹۳۷ء میں اس بقیہ جائیداد کو بھی واقف موصوف نے بکر کے کہنے سننے اور اپنی زوجہ کے اثرات سے متاثر ہو کر وقف کر دیا۔ اور تاریخ مذکور میں وقف نامہ بھی لکھ دیا یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ واقف کی نیت ابتداءً خیر تھی یعنی وہ بکر کے علاوہ اپنے دیگر برادر زادگان حقیقی کو بھی چاہتے تھے اور کسی طرح کی حق تلفی گوارہ نہ تھی۔ لیکن چونکہ بکر کے اثرات زوجہ واقف پر تھے۔ لہذا اس ذریعہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بکر نے واقف کے خیالات کو بدل دیا۔ اور اپنے اثرات سے کام لے کر اس بقیہ جائیداد کو بھی وقف کر دیا۔ جیسا کہ واقف کے اس عمل سے بھی ظاہر ہے کہ بقیہ جائیداد جو اولاً غیر موقوفہ ہیں اس کو بکر کے نام سے اپنے نام منتقل کر لیا؟

(۵) زید واقف کے بعد زید کی زوجہ منکوحہ جائیداد موقوفہ مذکورہ کی متولیہ رہی اور اس میں حسب سابق متصرف بھی رہی اور اس کے بعد زید کا برادر زادہ حقیقی مسمی بکر متولی ہوا اور ہے۔ لیکن نہ کبھی واقف و متولی اول نے شرائط وقف نامہ کے مطابق عمل کیا۔ اور نہ آج تک شرائط وقف نامہ مندرجہ وقف نامہ اول پر عملدرآمد ہوا بلکہ ہمیشہ جائیداد موقوفہ مذکورہ کو

متولیٰ موصوف اور متولیہ موصوف نے اپنی جائداد اور ملکیت ذاتی کے مثل سمجھا اور اسی طرح اس میں جائز و ناجائز تصرف بھی کرتے رہے۔ ایسی صورت میں وقف نامہ قابل تسلیم و عمل سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اور جائداد متوفیہ میں اس قسم کا تصرف شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور بصورت عدم جواز ایسے متولی و واقف اور ایسے وقف کیلئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۶) جو جائداد و اثاث البیت وغیرہ زید (واقف) نے وقف کیا اس کی حیثیت وقف کرنے وقت تقریباً ڈیڑھ لاکھ یا سو لاکھ روپے کے کم کی نہ تھی۔ مگر واقف (زید) نے کل جائداد و اثاث البیت وغیرہ کو وقف نامہ میں بیس ہزار کی مالیت لکھا ہے۔ جو سراسر خلاف حقیقت و اصلیت ہے۔ ایسی صورت میں زید (واقف) کی تحریر شرعاً معتبر ہوگی یا جائداد موقوفہ کی حیثیت کا اعتبار ہوگا؟

(۷) وہ زرقہ موقوفہ جس کو واقف و متولی اول نے وقف کیا اس سے متولی ثالث نے متولی اول (واقف) کی وفات کے بعد ہی فوراً بذریعہ بیع نامہ جات و زرقہ جات و رہن نامہ جات دیگر جائداد حاصل کر لی، ایسی صورت میں اس جائداد میں بھی کل مستحقین دور تا رہتی قسمت ہوں گے یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل تو جروا۔

الجواب :- واقف کا مقصد اگر وقف کرنے سے محض یہ ہو کہ ورثہ کو جائداد اور میراث سے محروم کر دے تو یہ ناجائز و گناہ ہے، حدیث میں ارشاد ہوا۔ **من قطع میراث وارثہ قطع الله میراثہ من الجنة**۔ مگر قصہ و راوی کا دل سے تعلق ہے۔ کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا ارادہ وارثوں کو محروم کرنے ہی کا تھا، ہو سکتا ہے اس نے ثواب کے لئے اپنی جائداد وقف کی ہو لہذا وقف ہر صورت جائز و نافذ ہی ہوگا۔ اور اس کا کیا ارادہ تھا۔ اور کیا تھا اسکو نہیں دیکھا جائے گا۔ اگر اس کی نیت غیر تقویٰ ثواب کا مستحق ہوگا۔ زید نے اپنی جائداد غیر منقولہ کو وقف کیا اس کی صحت میں کلام نہیں مگر شئے غیر منقولہ کا وقف جب ہی درست ہے کہ اس کے وقف کا رواج و تعلق ہوا و رجن چیزوں کے وقف کا رواج مسلمانوں میں نہ ہوا کہ وقف درست نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **واما وقف المنقول مقصود افان کان کرا عا و سلا حاً بیجوز فیما سوا ذالک ان کان شئاً لم یجوز التعارف بوقفہ کالتیاب والحيوان لا بیجوز عندنا وان کان متعارفاً کالتیاب والقندوم والجنارۃ و ثیابھا وما یتحتاج الیہ من الاوالی والقدر فی غسل الموتی والمصاحف بمقرآن القرآن**۔ قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ **انہ لا بیجوز** وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بیجوز والیہ ذہب عامۃ المتاشع رحمہ اللہ تعالیٰ منهم الامام الشیخ کذا فی الخلاصۃ وهو المختار و الفتویٰ علی قول

محمد رحمہ اللہ تعالیٰ قال کذا شمس الانثمة العلوانی کذا فی مختار الفتاویٰ^۱۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ واقف نے جو جائیداد منقولہ وقف کی ہے اور اس کے وقف کا عرف و رواج نہیں ہے وہ وقف نہیں ہے۔ اس میں وراثت جاری ہوگی۔ اور وراثت پر تقسیم ہوگی۔ اسی طرح آمدنی تجارت سرمہ کو وقف کرنا بھی لغو اور بے معنی ہے، اولاً، وہ بوقت وقف موجود نہیں ہے۔ اور وقف اسی چیز کو کر سکتا ہے۔ جو بوقت وقف موجود ہو۔ اور واقف کی ملک میں ہو۔ ثانیاً عالمگیری میں بشرائط وقف میں یہ لکھا ہے۔ ومنہا الملك وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقها ثم اشتراها من مالکها و دفع الثمن اليه او ماله على مال دفعه اليه لا تكون وقفا کذا فی البحر الرائق^۲۔ ثانیاً۔ وقف کے معنی ہیں۔ جس العین، والتصدق بالمنقعه کذا فی الدر المختار۔ جب خود آمدنی ہی کو وقف کر دیا تو موقوف علیہم پر کیا بجز خرچ کی جائے گی۔ لہذا وقف نامہ کا یہ جز ہی صحیح نہیں ہے۔ اور جو کچھ آمدنی واقف کی زندگی میں ہوئی اس میں سے مرنے کے وقت جو کچھ بچی ہے وہ وراثت پر تقسیم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جنینہ واقف، وقف نامہ کی تکمیل کر چکا تو اب اس کو اس میں ترمیم، تہیج کا کوئی حق باقی نہ رہا البتہ اگر وقف نامہ کی کچھ عبارت ایسی ہو جس سے اس کے مقصد کے خلاف کوئی دوسرا مطلب نہیں لیا جاسکتا ہو تو اس کی وضاحت کر سکتا ہے۔ بیان کر سکتا ہے کہ میری مراد اس عبارت سے یہ ہے۔ لہذا وقف نامہ اول کے خلاف جو اس نے تتمہ لکھا ہے۔ وہ قابل اعتبار نہیں۔ وقف کو انہیں شرائط پر لکھا جائے گا۔ جو وقف نامہ اول میں درج ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) تتمہ کو پوشیدہ رکھا ہو یا ظاہر کیا ہو جبکہ وہ اصل وقف نامہ کے خلاف ہے تو معتبر نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) جب زید نے بقیہ جائیداد کو ہی وقف کر دیا تو اس وقف کو صحیح مانا جائے گا۔ اس کو توڑنے اور باطل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے خواہ اس بقیہ جائیداد کا وقف اس نے خود اپنی ہی خواہش سے کیا ہو یا کسی کے کہنے سننے سے ایسا عمل کیا۔ مگر اگر زید سے کہا اور اس کے کہنے سے زید نے وقف کر دیا، اس کی وجہ سے وقف پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۔ عالمگیری ج ۲ ص ۳۱۸، کتاب الوقف الباب الثانی۔ فیما يجوز وقفه وما لا يجوز۔ ۲۔ عالمگیری ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب الوقف، الباب الاول شرائط الوقف۔ ۱۲۔ مصباحی۔ ۳۔ مختار ج ۳ ص ۳۹۱ کتاب الوقف۔ ۱۲۔ مصباحی۔

(۵) واقف یا متولی کے ناجائز تصرف کرنے سے وقف باطل نہیں ہوتا۔ وہ وقف بدستور وقف رہے گا۔ اور یہ ناجائز تصرف کرنے والا ترکب حرام و فاسق و گنہگار ہوگا۔ اور ایسے واقف یا متولی کو وقف سے جدا کر دینا اور اس کے قبضہ و تصرف سے وقف کو نکالنا واجب ہے۔ درمختار میں ہے۔ و میزید وجوباً بذاذیہ لوالواقف و سرر غیرہ بالاولیٰ غیر مامون او عاجز۔ رد المحتار میں ہے۔ قال فی البحر و استنفید منه ان للفاقی عزل المتولی الخائن غیر الواقف بالاولیٰ۔ نیز اسی میں ہے۔ قال فی الاسعاف و لایولی الامین قادم بنفسه او بنائبه لان الولاية مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لانه یخل بالمقصود و کذا تولیة العاجز لان المقصود لا یحصل به لیستوی فیہ الذکر و الاثنیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶) جب واقف نے اشیاء موقوفہ کی تحدید و تعیین کر دی ہے تو وقف صحیح ہے اگرچہ اسکی مالیت اور قیمت وقف نامہ میں کم و کثا ہو کیونکہ وقف کی صحت کے لئے موقوفہ کی قیمت بیان کرنا ضروری چیز نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۷) واقف کے انتقال کے بعد جو کچھ زر نقد موجود تھا، اس کی تقسیم حسب شرائط فرائض تمام و رشا و پر ہوگی۔ متولے ثالث نے جو کچھ جائیدادیں اس سے حاصل کی ہیں ان کے تمام و رشا مستحق ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ جائیداد موقوفہ فی سبیل اللہ تعالیٰ یا موقوفہ علی الاولاد ایسی ہو کہ اس کی آمدنی قلیل اور وصولیابی میں مشکلات کثیر ہوں تو ایسی صورت میں اس کو بیع کر کے کوئی دوسری جائیداد خرید لی جائے جس میں سہولتیں ہوں۔ اور آمدنی زائد ہونے کا گمان غالب ہو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایک صورت یہ کہ متولی وقف علی الاولاد کی غیر موقوفہ کوئی زمین ہو اس میں موقوفہ جائیداد کو فروخت کر کے کوئی عمارت بنادی جائے۔ اور متولی اس زمین کو بھی اس کے ساتھ وقف کر دے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۳) کیا متولی کو وہ زمین ملو کہ وقف کرنا ضروری یا ایسا بھی کر سکتا ہے کہ زمین اپنی ملکیت پر باقی رکھے اور موقوفہ جائیداد کی قیمت سے مکان تعمیر کر دے؟

(۴) اگر کوئی وقف نامہ علی الاولاد اس صورت سے ہو کہ اس میں جائیدادیں وقف ہیں ان میں سے ایک قلیل ہر اسکی

آمدنی کے بارے میں واقف نہ یہ نکھا ہے کہ متولی سے اہل حرمین شریفین پر صرف کرے۔ اور ایک زائد آمدنی کی جائداد ہے اسے واقف نے متولی کی ذات و اہل و عیال وغیرہ پر صرف کرنا بتایا ہے۔ دولوں جائدادیں دونوں صورتوں میں تو یکساں متولی ایسا کر سکتا ہے۔ کہ ان دولوں جائدادوں کو فروخت کر لے جن کا وقف نامہ ایک ہی ہے۔ اور سو قوفہ علی اہل حرمین شریفین کی آمدنی جو وقت وقف میں تھی یا جو وقت بیع میں ہے۔ اس کثیر خالص وقف علی الاولاد کی آمدنی سے اہل حرمین شریفین پر خرچ کرنا اپنے اوپر لازم کرے اس لئے کہ وہ اتنی قلیل ہے کہ اس کے انتظام میں خرچہ اور وقت زائد ہوتی ہے؟

(۵) وقف نامہ میں واقف نے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں، لہذا یہ تمہیک نامہ بطور دستاویز وقف علی الاولاد لکھ دیا، تو یہ جائداد وقف ہوئی یا تمہیک۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ واقف کا مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ جائداد تلف نہ ہو اور قلیل آمدنی والی کی اہل حرمین پر بھی صرف ہوا کرے؟

الجواب :- (۱) وقف نامہ کے آخر میں شرط سوم میں واقف نے یہ تصریح کر دی ہے کہ کسی قسم کے انتقال کا استحقاق نہ ہوگا۔ واقف کی یہ شرط ہوتے ہوئے وقف کو فروخت کر کے دوسری جائداد اس کے بدلے میں کیونکر خریدی جاسکتی ہے۔ علامہ شامی نے استدلال کی تین صورتیں تحریر فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ واقف نے اپنے لئے یا دوسرے کیلئے اس کی شرط کر دی ہو۔ اس میں جائز۔ دوسری اور تیسری صورت یہ ہیں۔ انشائی ان لا یشرط سواء بشرط عدمہ او سکت لکن صادر بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ یا ان لا یحصل منہ شیء اصلاً او لا یقتضی یؤنثہ فہو ایضاً جائز علی الاصح اذ کان باذن القاضی و رأیہ المصلحۃ فیہ۔ والثالث بان لا یشرط ایضاً و لکن فیہ نقص فی الجملة و بدلہ خیر منہ دیعاً و نفعاً و لهذا لا یجوز استبدالہ علی الاصح المختار۔

سوال میں جو صورت مندرج ہے وہ قسم سوم میں داخل ہے۔ اور اس میں استبدال جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم باقی نمبروں کی بنا تبادلاً کے جواز پر تھی جب تبادلاً ہی ناجائز ہے۔ تو ان نمبروں کے جواب کی حاجت نہ رہی۔ واللہ اعلم (۵) یہ تحریر وقف نامہ ہی ہے تمہیک کا مطلب یہ ہے کہ متولی آمدنی کا مالک ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۔ رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۲ میں ہے۔ الاول ان لا یشرطہ الواقف لنفسہ او لغيرہ او لنفسہ و لغيرہ، فالاستبدال فیہ جائز علی الصحیح ۲۔ ایضاً ۱۲۔ نمبر آجی۔

مسئلہ :- مرسلہ عبداللطیف خاں دکاندار، روڈ ڈٹال، رحیم خاں صاحب، محلہ چیرہتی آبادہ۔ ۸ سوال مسئلہ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں۔ مساجد و عید گاہ کا متولی کیسا ہونا چاہئے۔ اگر شہر والوں نے کسی دنیاوی
 عرض کی وجہ سے کسی غیر پابند مذہب اور تارک صوم و صلوٰۃ کو متولی بنا دیا تھا۔ تو اب اسکو معزول کر سکتے ہیں یا نہیں؟
 جبکہ تولیت کے قابل بہترین ہستیاں جو اس کی اہل بھی ہیں۔ موجود ہیں؟ بینذ التوجروا۔
الجواب :- متولی ایسے شخص کو مقرر کیا جائے۔ جو کار تولیت کو بخوبی انجام دے سکے۔ دین دار اور متذہب
 ہو، خائن نہ ہو، اگر اسکی خیانت ثابت ہو اور تولیت کا کام اچھی طرح انجام نہ دیتا ہو تو اسے معزول کر کے دوسرا شخص
 متولی کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتاویٰ امجدیہ جلد چہام

کتابت کے مرحلہ سے گذر رہی ہے اور بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے۔
 ارباب علم اور دینی ذوق رکھنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ
 خود بھی مطالعہ کریں۔ اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

تيسيل من بالاسم التاريخي
قامع الواهي من جامع الجربيا
 بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي خص نفسه المساجد فلم يرضها الا للذكر واسجد والصلاة والسلام على من امر بتزبيها
 تحقيقا وحرم ان يرضيها نجس او يتخذ طريقا واتي بالوعد الجليل لمن عمر بابا وابها وبابو عيده الشديدي على من سعى
 في خرابها صلى وسلم وبارك عليه الواجد الماجد وعلى آله وصحبه وابنه وحزبه الاكارم الامجد **وبعد**
 فنده تقييدات لطيفة وتنقيدات شريفة على دريقات للفاضل المولوي عبد الباري الكنوسي
 الفرنگي على جمع فيما بينه جزئيات من كتب الفقه في جواز هدم المسجد وجعله طريقا لكل كافر وعلى جملة لا يتصور
 ماصدر منه في مسجد كالفور صيغت عن الشرور آذهم بعض حكام النصارى شتق صامنة بلا حاجة وادخلته في
 الطريق الواسع من قبل فوق الحاجة لتحسينه وتزيينه كما نظروا وادار المسلمون اعادة بنائه فقتلوا واسروا
 ثم جاء نائب السلطنة دارا جبر خاطر المسلمين ودخل انه يحفظ في هذا احكام شريعة المؤمنين فاشارة الفاضل
 المذكور الى ان تبقى ارض المسجد طريقا للعامة كما فعل المادمون وبنوا ظلة فوقه بدل مسجدهم ليؤذن هو
 ثم أعلن في العوام ان الذي فعلته هو حكم الاسلام وفيه له الاحترام التام وآلف لبيان ذلك هذه الوردية
 والقاضى بيننا وبينه صداقة ومن حق المسلم على المسلم لا سيما الصديق على الصديق ان يريده عن الباطل ويرى
 سره والطيني فالتفت هذه الكلمات فعا لما وقع في الوردية من الاغلاط والواهيات وسميته
قامع الواهيات من جامع الجزئيات وما قصدى بهذا الحمد الاصون المساجد عن مولد كل مبطل
 صائل وان يميز الله الخبيث من الطيب ويسحق الحق ويبطل الباطل لا اني خشيت على من لا يعرف
 ولم يلق تلك المواقف ان تنزل قدم بعدي ثوبها او يتحمل حرمة المساجد من لم يكن من اهل النسي وما
 توفيقي الابانة عليه لو كنت واليه انيب ويوحى ونعم الوكيل والحمد لله القريب المجيب لما روى على

حضرة شيخنا محمد المائنة الجافرة مؤيد الملة الطاهرة ادام الله تعالى لنا بركاته وتمتع المسلمين بطول حياته
في فتواه اباة المتواري في مصالحة عبد الباري بخسين دلائل قاهرة وكتابي نذارة
فبنت عليه النمرة فاقول وبحول الله اصول

(٥١) قال الفضل المغربي على سده الله والى حفظ حرات الدين ارشده الله الاض بعد

صيرورة مسجد الايجوز استبداله بشي مخصوص يرجع نفعه الى شخص بعينه يريد ان يحول كل ما شئت

به الزبر المذمومة ودوا دين الاسلام الحديثية والفقهية بل القرآن العظيم نفسه من خلوص الساجد

لله عز وجل وتبنيها عن حقوق العباد قاطبة وحفظ اديانها وتحريم السعي في خرابها وتحريم ان تجعل لشئ

لم تحرم له وتحريم ان تصرف فيها بالعرضها للامانة الى غير ذلك ماشاع وذاع وطلا الاسماع وبقا

الى استبدالها بارجح نفعه الى شخص بعينه اما الاستبدال بالاختصاص نفعه لخاص معين فليست فيه

ملك النصوص القاهرة القطعية الاجماعية الايمانية الايقانية وملك كلمة مؤقلا ما انزل الله بها

من سلطان وقد قال في رد المحتار تحت قول الدر عن البرازية لا يجوز اخذ الاجرة منه ولا ان يجعل شيا

منه مستقلا ولا سكنى بالنصف وهذا علم حرمته احداث الخلوات في المساجد كالتي في رواق المسجد الاموي

قال ورايت تاليفا مستقلا في منع ذلك ام وطول الخلوات في المساجد لا ينبغي لشخص بعينه

(٥٢) بل نص العلماء قاطبة ان الوقف لا يحول الى غير ما هو وقف عليه وان نص الواقف كنص

الشرايع في وجوب الاتباع وان غرض الواقفين واجب اللحاظ قال في الجوهرة النيرة صفة الوقف

ان يستعملها في غير ما وقف له اهما فاذا كان هذا في عامة الاوقاف فكيف في المساجد وهل يجوز ان يقول

مسلم ان المسجدين هو مسجد كل جعله فانا ادا باطا واصطبل الدواب الفخرا ادا ادا واما نفع

به العامة حاش الله ان يتفوه به مسلم فضلا عن عالم

(٥٣) سيقف ما جئنا الفاضل في هذا التاليف نفسه آخره ان محل جواز ان يجعل تحت

سرداب لمصالح وغير ذلك ما هو نافع للعامة واهل المسجد كالطرب والحمام وموضع الوضوء وانما هو

قبل ان يصير مسجد الا بعده كما صرح به الفقهاء وانت تعلم ان قبل المسجد يلبس بمسجد فاين الاستبدال

مسجد الزينة

وهذا احد قولنا ان المسجدين هوسجدة

(٥٣) قال فلا يجوز ان يبنى فوق سطحه الامام بيتا ارايت لو بنى لكل من يؤم فانه لا يكون اذن لنفع
شخص بعينه فان قلت لا بد من التعين عند السكنة قلت لا يتأتى شيء من الاستعمالات الا من
معين فان الهدية لا انفكاك عنها للوجود لعيني فلا يتطرق الا لتطرق الاممين فان قلت هم كثيرون
بجلاف الامام قلت فليجربنا بسبب اللأمة اذا كثروا كآئمة المسجد الحرام ثم لم يحب ان لا يجوز له
ويجوز لكثيرين فان العلة الاستتماء وهي في الأكثر اكثر فان قلت اريد الاستبداد وادام وجوده وان
جاز التعاقب قلت فالمازستبد يوضع عمره مادام بالاستتماء التداخل في الاجناس وبالجملية فائدية
الهدية ليست للامام ايضا اذا بنى لمن يؤم كما هو المعتاد لا الزيد والرحمة لا بد منها لما ايضا فطاح
الفرق فانهم -

(٥٥) قال ولا تحموا نيت وان كان لمصالح المسجد والايقات عليه نقول منزل فان لمصالح
المسجد ليست ما يرجع نفعه الى شخص بعينه

(٥٤) قال اجعل المسجد ما ينتفع به العامة كالطريق ففيمذا سبب الاول لا يجوز جعل كل طريق
الثاني عكس الاول وهو جعل كل طريقا الثالث لا يجوز ان يجعل شيئا منه طريقا الرابع عكس الثالث
وهو ان يجعل بعض طريقا واما الاخر من خاص وهو الخلف في الطريق وعده الى العام جعل الناح
مثلا للعام فعمل الذائب الرابع في جعل المسجد كله او بعضه اصطفا للفرقة او مراعاة للمسافرين او حاما
للخاص والغضا وادام المسلمين ان من استتم من قال يجوز جعل المسجد كله بيتا خلا للعامة وان منهم
من قال يجوز ان يجعل بعضه للبول والغائط ويبقى بعضه للمسجد ويؤم المسلمين هل يستتم بشئ في الاسلام
ام يأتونكم من الاحاديث المسموعة انتم ولا آباؤكم -

(٥٤) المذهب الثاني من محترمة ليس في كلمات العلماء عمن ولا اثره مستعرف به بالاخر ولا
مسلم يقيمونه الحكم ان جعل المسجد كله طريقا وادامه الا تحريمه ومنع الصلاة فيه فانما ممنوعة في الطريق وقسم
ربه تعالى يقول ومن اظلم ممن منع مسجد الله ان يذكريها اسمه وسعى في خرابها

لعمري ان
المراد بالذئب
منع من يبيع
الحق في بيع
الحق

اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين لهم في الدنيا خزي ولهم في الآخرة عذاب عظيم فلا يتأقنوا من يؤمن بالقرآن العظيم ونسبته اليهم في بلا مرتبة عند ذي العرش سليم.

(٥٨) مع قطع النظر عن ذلك في ترتيب المذاهب خبط بدليج فان القائل الاول ان يجوز جعل بعض طريقا نظرا الى المفهوم المخالف كان عين الرابع وان لم يجوز كان عين الثالث ولو نظر المؤلف الى المحرر اعقل انه لم يجوز جعل كل طريقا ام لا وعلى الثاني لم يجوز جعل بعض ام لا العلم ان لا امكان هنا الرابع الا لبا لم تذكره ولا يتوهمه الاممون وهو جاز جعل لكل دون لبعض على طريقة المؤلف الفاضل يجوز التوهم الكثير دون التعليل كما اشار اليه وسيأتي النص منه عليه فاذا كان عليه ان يجعل الرابع هذا الباطل الحلي ولكن النظر يخطئ ويترك وما ذكرنا ظاهره من ان لا ترجيح ولا تفضيل لان الشق الاول لا يتفوه به سلم فما ثم الا قولان ولم يذكر في الكتب الاثنان ولكن حول عين العقل يجعل الاثنين اربعة.

(٥٩) استند المذهب الاول بقول الدرياز جعل الامام الطريق مسجدا لا عكسه يجوز الصلاة في الطريق لا المرد في المسجد واستشعر وجود جواز ان المراد بالعكس عموم السلب لا عموم فيرجع الى الثالث فقال صح الشايع بان المراد هنا الكل بقوله وفي ذرع مائة لما تقدم (اي من قول المتن جعل شيء من الطريق مسجدا لا عكسه) الا بالنظر لبعض الكل اقول اولاً فاذا نرجع الى الرابع فابن المحيص وثانياً المحتش لم يصرح بهذا بل نقله عن الشربلالي ثم عدل عنه الى اختلاف الرواية حتى ان يبعد فان التعليل قاض بارادة عموم السلب قد اشار اليه المحتش بقوله بقرينة التعليل المذكور يستعمل كل ذلك ولكن لفهم بعض السامعين يشاؤ.

(٦٠) ثم ايد به الارادة الفاسدة بالنقل الشامي في الطريق عن الشربلالي ايضا ان في نوع هذا ترك بما تقدم الا ان يقال ذلك في اتجا بعض الطريق مسجدا وهذا في اتجا جميعها ولم يدر ان القرآن في الذكر لا يوجب القرآن في الحكم كيف والتعليل ناطق بفساد ذلك المراد هنا.

(٦١) قال قال صاحب رد المحتار اما جعل كل مسجدا طريقا فظاهر انه لا يجوز قوله فاصلا لا ادرى

اراد به
على خلاف
ما عليه عليه
العلماء

بافائدة ايراده في المذهب الاول غير القضاء على نفسه بان نسبة المذهب الثاني الى العلماء من باب
الافتراء بلا امتراء -

(٢٢) قال في بيان ما اختاره من المذهب الثاني لم اقتصر من ذهب اليه احد فمن اين ابتدعت
(الا ان يعمن كلام بعض الفقهاء) حاش لله ولا من كلام واحد قط (قال صاحب رد المحتار لا يخفى
ان المتبادر انها قولان في جعل المسجد طريقا) بل قال مثلك اربعة (بقريته لتقليل المذكور) فلم تمسك

بمن يقضي عليك (تم قال) اى صاحب رد المحتار (انه لا يجوز قول واحد) اصاب واخطأت

(٢٣) ثم نقل عن العلامة الشامي الاستئناس له بما في التاتارخانية عن ابي القاسم من جواز جعل

المسجد رحبة والرحبة مسجد قال الشامي ورحبة المسجد ساحة يا سبحان الله اذا كانت الرحبة محض المسجد

فمسجد قطع العبر عنه بالمسجد الخارج والمسجد لصيفي وعن الدخيل بالمسجد الدخيل والمسجد يشترى تؤم

بعض اصحاب سنة الف وثلثمائة وسبع ان ليس بمسجد وكتب في ذلك فتوى فتد العلماء الكبار عليه

ورجع الامر الى شيخنا العلامة مجدد المائة الحاضرة حفظه الله تعالى فكتب فيه رساله سماها بالتبصير المتجربان

محض المسجد مسجدين فيما المطلوب بعشرة دلائل فاهية ثم ختمها بنص الحلية ان المسجد الخارج محض المسجد

فانقطع الرجل ولم يأت تشبي ومن الدليل الخاص باهنا ما فاد شيخنا المجدد حفظه الله تعالى في جرد المحتار

تعليقاته الشريفة على رد المحتار حيث نقل نفس المسئلة عن الحانية وخراتنه المفتين وغيرهما بلفظ المسجد

الخارج مكان الرحبة كما سيأتى واذا كان المحض مسجدا فامسح المساس لهذا ما نحن فيه ليس فيه جعل المسجد

غير المسجد بخلاف جعله طريقا فلهذا في اكل لم يدل على جواز جعله طريقا لبعض ولا في بعض لبعض

فقطا عن اكل فاين الاستئناس به اعلى ما حاولت فقلت انا ارا والعلامة الشامي فبري ما بدلت

كما سيأتى عن جرد المحتار شيخنا المجدد حفظه الله تعالى

(٢٤) من محقق العلماء من لم يقم على هذا ايضا قال المحقق حيث طعن في افترج لعم جعل الرحبة مسجدا وقلبه

كذا في الخلاصة الا ان قوله على القلب ليقضي جعل المسجد رحبة وفيه نظرا وفي تشبهي على اكثر ثم الطحاوي

على الدر قوله على القلب ليقضي جعل المسجد رحبة وفيه نظرا فاذا لم ير هذا فانه جعل المسجد طريقا منع

مقتضى
نفاذ
الاحكام
الشرعية

ولذا قال العلامة الشرنبلالي بعد نقل كلام الفتح في غيبة ذوي الاحكام فليفت بحمل طرقياً وفيه تسقط
حرمة المسجد قليلاً ما هو يعلم جماله من تثبيت بذيل الفتح في جواز جعل شيء من المسجد طريقاً والله الهادي
الى سواء المظلتين -

(٤٥) العلامة الشامي نفسه لم يستقر على هذا الاستدناس ولبينه بقوله هذا المكان المراد جعل بعضه حرمه
فلا اشكال فيه وان كان المراد جعل كل فليس فيه البطالة من كل جهة لان المراد تخويله جعل الرحمة مسجداً بل
بخلاف جعله طريقاً تاماً فلم يبق بيدك ولا حشيش تثبت به في ابتداء المذهب الثاني وقد نقلت
به ايضا فالك تأخر ما به على الحق تعسر ثم تقيم على ما تنزل به وتشر وتفسر الى العلماء ما هم من رأي
(٤٦) ثم اراد ان يبدي من كيسة يتوصل به الى ابطال كل مسجد فنقل عن الحماوية مسجد يضاف فقال
رجل اعطوني المسجد اعطى مكاناً ليسمى لا ينبغي ان يعطوه حتى يبنوا مسجد فيستغنى عن هذا المسجد فيمنع
لا باس وتشر فاورده سوا الاثم اجاب عنه بقوله هذا مبني على قول محمد اقول سبحن الله قول محمد فاجاب
او خرب ما حوله فاستغنى عنه لعدم من يصلي اما ان يكون المسجد والمحلة عامرين فينبو مسجد ليطول الاول
بل يطلوه فبطل مسجدية وتعود لمكانها في فاشا محمد ان يقول به وما هو الا دخول تين في قوله تعالى وسعي
في خرابها الى قوله تعالى وله في الاخرة عذاب عظيم فالفرع باطل قطعاً لا يحل الرجوع
اليه بل ولا يجوز العروج عليه -

(٤٦) برون محمد يعود عند الخراب لمكانها في دورته لا لابل المحلة والكل من قال اعطوني مسجدكم
واعطىكم دارى فلا مبني له على قول محمد ولا قول احد -

٤٨ اطبقوا ان المسجد اذا ضاق بالبه وكبته ارض لرجل تؤخذ كرها بالقيمة وقد فعله الصحابة رضي الله
تعالى عنهم ولم يخالف فيه محضو كان يجوز تحصيل هذا عنده وجب ان يخالف في ذاك لان اخذ مال
الغير بما حرام بالاجماع اذا كان ثم مندوحة عنه وهذا الحمد لله سحنة دليل آخر على بطلان هذا الفرع
بالاجماع اذ لو ساغ لما ساغ القول بالكره لمن يذهب اليه -

(٤٩) ذكر في السندية عن الذخيرة عن محمد في نفس الفرع حكم محمد بتجريمه فقال قال محمد لا يسعهم ذلك احم

وهذا هو الماشي على الجادة وابن الحمادية من الذخيرة وقد نقلت هذا ايضا فلم تترك لي محرابا عند برقي
(٤٠) قال وهو غير المفتي في تعيين البطل المسجد راسا جعل كل طريقا عندك قول مفتي به حتى
لا ترضى تأييده باهون غير المفتي به فحين من علقته الفاسخه

(٤١) قال والصياغة منفذ لرجل مخصوص لا للعامة لو فرض جوازه عند محمد فالرجل المخصوص انما
يتعبر به بعد بطلان المسجديه كالباني وورثته وكان ماذا

(٤٢) قال قلنا لا يطالب بالمتصور ومهما لم لا اذا جاز الاستبدال بما ينفع شخصا بعينه في ارجائه ينفع
العامة من باب اولي ما امر بالاصول والمفهوم والمعتدل من يزعم ان الدلالة على المقصود لا تطابق المقصود
نعم قل كذا ان افرع يدل على جواز الاستبدال بما ينفع شخصا بعينه وهو باطل قطعيا بالاجماع فالفرع لا يكل
الاستشهاد به ولا الاتفاقات اليه فان قلت كذا اصبحت الان في التقييد بالمعين وينبغي ان ياتي عليه فيما يلي
(٤٣) قال وعند محمد ان المستغن عن المسجد لا يجوز نقله الى شخص بعينه ان يجوز الى شخص لا بعينه حاشا
لم يقل به محمد ولا احد

(٤٤) قال فرع دفع في بلاد استولت عليها الكفرة انهم اهلوا المساجد لاجل الطريق العامة وبني مسجد
اخر واعطوا المسلمين ادروا القيمة للمسلمين بدل المسجد فندموا وقد افنى بجواز الصلاة في المسجد المتبدل
بعض معاصرينا اى شبهة في جواز الصلاة في مسجد آخر وانما اجاز التمسك على ما سمعنا استبدال المسجد وبه
فيه مقرر على الله تعالى وقد استحسن فتياه اذ جعلت امره احسن منها

(٤٥) قال وعندى حسن من هذا ان يطالب اولا بنا مسجد عوض المسجد يا سمن الله تقول استولت
الكفرة وبنا مسجد واعطوا المسلمين ادروا القيمة فما وجهان وتختار منهما ما لا يكون مسجد ابر ان يطالبوا
او تلك بنا مسجد عوض المسجد بل يصح بنا مسجد من كافر والله تبارك وتعالى يقول ما كان
للمشركين ان يعبدوا مسجدا لله شهد بن علي انفسهم بالكفر اولئك حبطت اعمالهم وفي النازم
خلقنا انما يعبدون الله من امن بالله واليوم الآخر الآية انظر لخصائص الفقهاء وقاطبة
(٤٦) قال فلما لم يلبوا بصلوات في المسجد الجديد حتى يستغنى عن المسجد القديم ان كان امكان الصلاة

على كل من يدرك
على الاول طريق
العامة ١١
كانت الامم التقوية
لان اعطوا افرو
مال ضعيف ١١
مع كبريات
الكونف ومما
منه ١١
الميل بابل لا
ابول ١١
الانساب جلد ١١

في مسجد موحيا للاستغناء عن غيره حتى يجوز به من ساجدة تدعى على محمد بن علي وكنها حصول الصلاة
في غيره من دون نية تعطيله وان كان ذلك اذا صلوا في آخرنا دين تعطيل الاول فهذا هو تخريب المسجد
ومن اهل الصلاة بهذه النية -

(٤٤) الصلاة لا تنوقف على البناء ولا يوشط المسجد كما نص عليه في الخاتمة والندية وغيرهما فلم تطلب
البناء وروايات أخر الامر الى سنة او سنتين بل قل بطلانها بارض فيصلوا فيها لتكون شفعك الى طعن
المسجد اسرع -

(٤٥) قال فلو تديم الاول لا باس به فقلت ان هذا ليس قول محمد ولا احد ان يكون المسجد والحلقة من
فيمنوا جديدا ويطلبوا قدما ويهدموا ما تولك لا باس به فنعلم ان باس في هدم المسجد انما لا باس في هدم شقص
من جداره اذ كان - يا دفره اخذكم الكعبة وهدم المسجد كلا ورب البيت -

(٤٦) قال وهذا وقت الضرورة الشديدة زعمت بناءه على قول محمد وقول محمد بن عيسى وقت الضرورة
وانما يقول كما في الهداية والكافي والتهذيب وغيره ان عينة لنوع قربة وقد انقطعت فصار كدى الاحصاء
اذا زال الاحصاء فادرك الحج كان له ان يصنع بهديه ما شاء اه فالتفت قبيته ما لان قولنا غيرتي به
فلا يلزم به الا للضرورة قلت است زعمت ان المتأخرين افقوا بقول محمد وقلت ان المفتي بالخيار ان
شاء افقوا وان شاء لم يفت لان ابا حنيفة كما روى عنه موافقة ابي يوسف يروى عنه موافقة محمد فالتفت
انما قلت عن المتأخرين انهم افقوا للضرورة ودفع الظلم على قول محمد قلت مغناه على فرض صحة انهم راوا
ان في القاعة مسجد ابدا وقد خرب ما حوله ولفرق الناس عنه مظنة ان تنصرف الظلمة في نقصه وارضه
وتسري الابانات الى المسجد فافتوا به لهذا فذا حالهم على الاتفاق لا قيد اجازة العمل به نظير ما ذكره الشامي
في افقائهم برواية ابي يوسف الاخرى وانت القائل ان المفتي بالخيار وماي خيار عند الضرورة -

(٨٠) قال كالتشديد من الحكومة انما التشديد بالان الجملية باعثة ونهيم بدنيا غيرهم يهيمون اليها ان في
الشرعية الاسلامية جواز هدم المساجد للطريق ولو اخبرنا المسلمون ان يذبحوا في ديننا وقد وعدت ان نذبحها
في ديننا لا اجملت -

قال في
الكلية
التي
في
الشرعية
الاسلامية

(٨١) قال ادل الارضاء بسمن الله الارضاء ايضا من الضرورة نسأل الله السلامة ولا حول الا لله
الا بالله ويكون عطفاً على الضرورة فيكون نفس واضح وافتح دافق وبالجملة جعل الناس بيت الواحد
القنار مالك الملكوت كاد من البيوت بيت العنكبوت بكل هذه الارضاء حاكم نصراني فان لم يجر
منه تشديد فيه فالى الله المشتكى وليك على الاسلام من انتطاع البكاء

(٨٢) قال والدليل فيه ما من الحادية قد علمت ان باطل نصاً واجماعاً كما اننا البرهان عليه ثبت
يا انت ايضا لا باحة تبعل لسيده العالم ملك شخص بعينه وهو باطل قطعاً حتى عندك فاهو الاسو صبح
او تحريف قبيح وبالله العصمة ومن ههنا نظر ان ايرادك اياه بصورة السؤال ثم جوابك عنه بانه
على قول محمد وهو غير مفتي به انما كان تستر اذ كان بالاك ان تستند اليه وتعمد عليه وتجعله ايضا مفتي
وتخير المفتي بين اختياره واخيار غيره -

(٨٣) على تسليم ذلك الباطل اى دليل فيه على جوازه للارضاء فاد للضرورة الفسيق فالليل خض
من المدعى -

(٨٤) قال اما المتأخرون فافتوا بالضرورة على قول محمد اى من ولا تنس تمام دعوىك ثم قد
علمت ان الذى ابتدعت ليس قول محمد ولا احد -

(٨٥) قال ولحقى بالجناح فلم ردودت ادلا فرع الحادية تستر اياه على غير المفتي به فان قلت
ذلك حكى فى الاصل وبذا حكى فى الضرورة قلت الضرورة والاختيار لا يجتمعان -

(٨٦) قال المذهب الثالث لا يجوز ان يجعل شيئا من المسيطر تقا قيل هو صحيح للمسلمين كان
ذلك سعيه فى ذلك الباطل المبين واذا اتى على ذكر الحق خدشه بزيادة قيل من عند نفسه وليس
الترجيح والتزيف بيده المبرر ان الذى صح به الامام الفقيه الجليل ابو الليث من اكار ائمة الفتوى
والامام الجليل برهان الدين محمود صاحب المحيط والذخيرة وان خلافه لم يصح وان الحكم والفتيا بالقول
المخرج جعل وخرق للاجماع هذا على فرض الاختلاف والا فالحقيق ان للاختلاف راجع جده مستار
تعليلات شيخنا المجدد على رد المحتار ترجيحاً وتجنباً رطباً وتجنباً عطفاً فانا ذكر ذلك لبعض ما افاد

قال حفظه الملك الجواد علم ان المسجد منزه عن حقوق العباد جميعا اجماعا ولا يكل لاحد ان يجعله او شيئا
منه لغيره بنى لمن العباد والذكر ويكرم قطعاً وتحليله لشيء آخر يتبدل به ما دام مسجداً وهذا اجماع من دون نزاع
قال الله تعالى وان المسجد لله قال الحق على الاطلاق في الفتح المسجد خالص له سبحانه ليس لاحد
فيه حق قال الله تعالى ان المسجد لله مع العلم بان كل شيء له مكان في هذه الاضافة اختصاصه به به
بالقطع حتى كل من سواه عنده وفيه ايضا قبله المسجد جعل لله تعالى على الخصوص محرراً عن ان يملك
العباد فيه شيئاً غير العباد وما كان كذلك خرج عن ملك الخلق جميعاً اصل الكعبة بحق المسجد بها
وقال الامام برهان الدين في الهداية المسجد جعل خالصاً لله تعالى ولذا لا يجوز الانتفاع به وقال بعده
لانه (اي المسجد) تجوز عن حقوق العباد وصار خالصاً لله تعالى وهذا لان الاشياء كلها لله تعالى واذا
اسقط العبد ما ثبت له من الحق رجع الى اصله فالقطع تصرف عنه وقال الامام الاجل فخر الدين في الخانية
المسجد لا ينقل الى مكان آخره وقال الامام اسماعيل في خزائن المفتين راجعاً لنص لفصول علماء الدين
لو كان مسجد بهم ضيقاً فاستبدلوه بدار رجل هي ادس لم يجره وفي الزخيرة ثم الهندية قال محمد السبحي
ذلك انه وفي فصول الهداية ثم خزائن المفتين مسجد واسع جعل المنزلة لبعضه حازناً للمسجد لا يجوز
وفيها عن فتاوى الامام فخر الدين جعل القيم تحت المسجد حوائيت للفتاة وليفاته لم يجره وفي نزاهة
الامام الفقيه الى البيت ثم التجنيس والمزيد للامام برهان الدين صاحب الهداية ثم فتح القدير وفي فتاوى الامام
قاضي خان وتهديب الراقعات والاسعاف في احكام الاذقات ثم فتاوى الانقردى وفي محيط
الامام شمس الأئمة السخري ثم الفتاوى العلكية واللفظ لما قيم المسجد لا يجوز له ان يبنى حوائيت في المسجد
ادنى فتاة لان المسجد اذا جعل حائزاً وسكن تسقط حرمة وهذا لا يجوز والقضاء تبع المسجد فكيف حكمه حكم
المسجد اه وفي وجيز الكردى والبحر الرائق والدر المختار لا يجوز للقيم ان يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً
ولا سكناً اه وفي الفقيه ثم البحر قيم الجامع القديم اجره من ضعا تحت طلة الباب لبعض الصاكين
لا يصح اه وفي جامع الفتاوى والتا تاريخية ثم البحر والنهر الدرسي فقه ميثا للامام لا يضر لادى المصالح
الارتمت المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال غيب ذلك لم يصديق اه قال البحر والدر فاذا كان هذا

اليمين ابراهيم والقرني يليل الاني في مسأله عمل من المسجد

في الوقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد اهدم وفي الكتاب اعني رد المحتار ما يصنع لبعض
 جيران المسجد من وضع جذوع على جداره فانه لا يكل ولو دفع الاجرة وفيه وهذاعلم حرمة احوال
 الخلو في المساجد الى آخر ما ورد بالجملة انقل فيه كثير من مستفيض شيوخنا اعلمت في الجمل شيء من المسجد
 طريقا لمؤذن الا على ان يقطع من المسجد ويقتطع مسجدية ويدخل في الطريق فيتحول طريقا لمؤذنا
 بعد ما كان مسجدا محظوظا فترقى الحائض والنساء والحجب والدواب والحجيرة والكتاب وتردت وتبدل
 وتمنع الصلاة فيه شرعا كما هو حكم الطريق والآتية ان يبقى المسجد بجميع اجزائه مسجد كما كان ويجب آداب
 وتحفظ حرمة غير ان يؤذن بالمرد فيه عند الحاجة للمشاة غير الحجب واختيه والدواب ومن علم ذلك
 الاصل الاصيل المقر المحرر المدلول عليه بكتاب الله واجماع الامة وكان في قلبه تعظيم حرمة الله
 شامرا لله علم قطعا ان في قول الجواز لا يتصل الا على ان تكون مرادة بل الثانية هي المقصودة بالافادة
 فهي معنى جعل شيء من المسجد طريقا كما في الكثر والغزو والتوير والخلاصة والفتح ادخل مرفوعة كما في تبين
 المحققين والعيني والبحر ونهر الدر والسيوطي والشرنبلبي والحامدي والعيني واخي ناده على الدرر
 وغيره ولا يكل ان يكل الاعلى لفظ الزيادة في الطريق من المسجد كما في الثانية عن خواهر ناده ولو سجع
 الطريق منه كما في الاستباه ومخارقاته والفتاوى والفتاوى او ادخل بعضه في الطريق كما في المنع فان الطريق
 اذا كان ضيقا وبجنبه مسجد واسع يحتمل للمرد فاذن للناس ان يدخلوا فيه من جانب ويجزوا من جانب
 آخر غير محدثين بالحدث الاكبر ولا كوابد ولا يدخلوا به ولا نجاسة فقد حصل لهم من المسجد يحصل من الطريق
 والطريق لم يكن طريقا الا لاستطراده والتوصل الى المقصود بالمورد فيه فاذا اسقطنا حرمة هذا من
 المسجد للحاجة منع ابقاء مسجد كما كان وابقاء سائر الحرمات والاحكام فقد حصل في معنى الطريق وما لم يكن
 طريقا وما كان محظورا واذن فيه الحاجة فانهما يتقدرا بقدرها ولا يكل تقديرها ولا حاجة الى اسقاطها كمراتب
 قال لمعنى الى الصورة الثانية وهو الواجب حتما عند كل من رزق حظا من القتل والدين ولم يلزم العلم
 ولا كان من المفسدين ان يبرء ويخلص الى المفسر لا يخرج بابا من ضعيف عن صل مقدر ولا ينسب طائفة
 من علماء الدين الى مخالفة نص القرآن العظيم وانتهاك حرمة الشرع القويم ولا يرضى باوخاله في

من منع مسجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها اولئك لهم خلود في الآخرة عذاب عظيم
 لاجرم قد نص المجوزون انفسهم على ارادة الصورة الثانية وبكرى منك عبارة الشرح نقلا عن
 الزيلعي ونص الزيلعي تحت قول الكثر ان جعل شيء من الطريق مسجدا صح كعكسه معناه اذا بنى قوم
 مسجدا واحتاجوا الى مكان ليتشح فادخلوا من الطريق في المسجد وكان ذلك لا يضر باصحاب الطريق
 جاز قوله كعكسه اي كما جاز عكسه وهو ما اذا جعل في المسجد ممر لتعارف اهل الامصار في الجوامع وجاز
 لكل احد ان يمر فيه حتى الكافر الا يحبب والحالكف والنفسا لما عرفت في موضعه وليس لهم ان يخلوا
 فيه الدواب اه فانظر كيف فسر الاول باذغال جز من الطريق في المسجد ثم اذا اتى على العكس
 حاد عن ذلك السنن كيلا يوهم خلاف المقصود وقال جعل في المسجد ممر وحصر المراد فيه بقوله وهو ما اذا
 جعل وعبارة البحر الرائق لصاحب الاستبصار المذكورة ومعنى قوله كعكسه انه اذا جعل في المسجد ممر فاذا
 يجوز لتعارف اهل الامصار الى آخره اني لتبين مغزيا ليدوتبعه عليه الامام العيني والعلامة عمر بن نجيم
 في النهر والسيد الازهرى في الفتح وناظر الدرر الشريفي والحاوي وحسن العيني المكي وعبد الجليل الزبي
 ولما نقل في جامع القضاة عن العدة جعل شيئا من الطريق مسجدا جازاه قال العلامة
 النجاشري في حاشيته قال العلامة الغزالي (اي صاحب المنهج المذكور) ان جعل شيء من الطريق مسجدا
 صح كعكسه قال شارحه الزيلعي عكسه هو ما اذا جعل في المسجد ممر (اي قوله الدواب) وهذا لا ينافي ما نقله
 عن لعدة انتهى كلام الغزالي اه وافا وبهذا الجلية ارادة الصورة الثانية وبطلان الاول بارتداد وجه
 الاول الاستدلال بتعارف ذلك في جوامع الامصار ومن زعم ان ابطال مسجدية جز من المسجد
 وتحويلها لغيرها متعارف في جوامع الامصار فقد اقرى والثاني تحريم ان يدخل جنب او داخل او
 نفسا والثالث الاحالة على ما عرفت في موضعه من كتاب الطهارة انه لا يجوز دخول هؤلاء في المسجد
 والاربع تحريم ان يدخلوا فيه الدواب وهذا صاغت السيد العلامة المحشى نقله عن التتارخانية عن الفتا
 عن الامام كثر ابراهيم زادوه بلفظ يجوز الزيادة في الطريق من المسجد لان كلمة للامانة اه ثم حمله على ما عليه
 ما عليه المتون هو انفسه والاكابر ما سمعت ثم بنفسه في آخر كلامه بقوله يجوز جعل شيء منه سطر او قنطرة

حجة المردية للضرورة لكن لا تسقط جميع احكام مسجد فلذلك المخرج المردية لجنب نحوه كما مره ففتح العين
 وادفع اليقين بذهب الشين وبرزت العين وظاهر ان الزيادة في الطريق من المسجد وتوسيعها منه وادخال
 شيء منه فيها متبادرة الاقدام في ذلك الايهام ومع ذلك لم ير ذرة اصابنا السيد العلامة المحشي عن
 تفسيره بالصورة الثانية ورده الى الحق بل لم ينقدح منه في ذهنه الا محل الصحيح لعله بان خلافا من الطل الاعلى
 واضح المحالات لا يحظر اراقتها في قلب من اوتي تعظيم المحرمات وما يلي امثال هذه التصريكات الجلية بل منها
 ايرادهم مسئلة جعل المسجد رتبة في سمحت جعل شيء منه طريقا قال العلامة الشرنبلالي في الغنية تحت قوله
 جاز جعل شيء من الطريق مسجد الا عكسه فانفسه نقل مسئلة في فتح القدير وقال ولهم جعل الرتبة مسجد وقلبه
 كذا في الخلاصة اه فقد جعل المسألة عين المسألة وقال العلامة سيد احمد الطحطاوي على قول الدرر كما جاز
 جعل الامام الطريق مسجد فانفسه لم يقيد في الدرر بالامام بل الذي في الهندية عن الكبرى مسجد ادا هذا ان
 يجعل الرتبة مسجد او المسجد رتبة لم ذلك وسياتي لعلنا المحشي الامام به حيث ادور مسألة الرتبة
 في هذه المسألة وقال في رتبة مسجد رتبة قلقت وذكر المسألة في الخاتمة وخزانة المفتين بلفظ لو اخرجوا
 الى تحويل باب مسجد او جعل المسجد الخارج واخلاؤه نحوه فالرأي في ذلك لافضلهم ولاكثرهم اه فالمعنى وجد
 واللفظ مختلف فلو كان الكلام على تحويل مسجد الى غيره لكانت كلها هذه كلام من لا يميز بين البحث في
 كماله افادوا ان المراد به الصورة الثانية اي المردية في المسجد مع ابقاء مسجد كماله وروح يستقيم اريد
 الرتبة فيه لان المراد يكون عادة في الساجات دون المنازل المستقيمة فاذا جعل المستقيم من المسجد
 صيفيا غير مستقيم فالذي يدخل المسجد لير فيه الى جانبه الاخر انما يقصد به الصحن الذي كان مستقيما من قبل
 فتتقق المردية في جز من المسجد لير المكين فيه ولو انقصينا ادلة هذا الطال الكلام ولا حاجة بعدا تشهد به
 قلوب اهل الاسلام كما نذكر على وضوح المراد وانقطاع عرق الضلال والنسب وذكرا ما يوجب تحقيق القول
 الترفيق فالما نعون اراود الصورة الادلى والمجوزون قصد والصورة الاخرى والله الحمد بزيادة ووجه
 آخر ان توارد الكلامان معا على الصورة الثانية ومع ذلك يتفقان وذلك لما علمت ان الاصل فيه
 الحظر والحاجة فالما نعون ذكره احكم الاصل والمجوزون قصد والحاجة والليل عليه انهم اطلقوا قصده

بالاحتياج قال المحقق على الاطلاق في فتح القدير في كتاب الكرامة من الخلاصة عن الفقيه ابى جعفر عن
 هشام عن محمد بن يعقوب بن ابي جعفر عن ابي جعفر عن ابي جعفر عن ابي جعفر عن ابي جعفر عن ابي جعفر عن
 الى ذلك اهـ ولولنا السيد المحشى رحمه الله تعالى على قول الدرر كطه بـ اعند الاحتياج كما فيه في
 الفتح اهـ ونظيره قول البرازية لا يجعل شئ من اطرقي مسجدا ولا شئ من المسجديات لطلعا لاهم فافهم
 الاصل في الموضوعين وذلك لان الاصل في اطرقي ان لا يؤخذ منه شئ لغيره وانما يدخل بعضه في
 المسجد اذا احتج اليه ولم يضر بالمارة كما قد منعنا عن التبيين من معه من كثيرين وفي الفتح لرضا السيد
 وكبنا رضى وقف عليه وحاوت جازان لا يؤخذ ويترك فيه ولو كان ملك لرجل اخذ بالقيمة كرا فلو كان
 طريقا للعامة ادخل بعضه بشرط ان لا يضر بالطريق اهـ وفي الدرر جعل شئ من اطرقي مسجد الفقيه لم يضر
 بالمارين جاز قال ما ومختصا فاناد ان الجواز مقيد بهذين الشرطين اهـ هكذا فهم كلمات الفقهاء من
 ماعده التوفيق وبالله التوفيق لارب سواد وهنا وجه ثالث يبقى محل بعض خلافتين وان استقصى
 امكن ان يؤدي الى التوفيق وهو ان نقول كلا الكلامين في الصورة الثانية وحالة الحاجة غير ان الحاجة
 اعم من الضرورة وموضع الضرورة مستثناة بالضرورة فالما قول لا يجوز وعده لوجه الحاجة بالمبلغ حد
 الضرورة والمجوزون ليعتدون مطلق الحاجة كما يدل عليه تعليلهم بالتعارف ودون الضرورة فابطلت
 فاذن بالمرجع منها قلت المنع مصحح بصرح التصحيح من الامامين كالميلين ابى الليث الفقيه والبرهان
 محمود كما سيأتي للمحشى عن التاتارخانية عن ابى الليث وشك في الهندية عن المحيط ولا كذلك في الاجازة
 غير ان كلام اكثر النظار ناظر اليها ما قول مولنا المحشى رحمه الله تعالى ان المتن على الثاني فكان هو العلم
 فاقول المتن مطلقة كالرواية عن محمد سواد والسواء ولا بد من اقتيد اجمالا لاطباقهم على عدم جواز المرور في
 المسجد الا بعد رفع الاستباه لا يجوز اتخاذ طريق فيه للمروءة والعذر اهـ قال المحمدي لشي بان يكون له بابان
 فاكتر فيدخل من هذا ويخرج من هذا اهـ وفيه عن منية المفتي لا يمر في المسجد ويتخذ طريقا فان كان بعد ذلك كراه
 وفي فتاوى الامام قاضي خان وخزانة المفتين لا يجوز ان يتخذ في مسجد طريقا يمر فيه من غير عز وغان
 نقل بعد جازاه وفي فتاوى الخلاصة والمحرر الرائق والعلمية رجل يمر في المسجد ويتخذ طريقا ان كان

بعذر لا يجوز ولا بعذر يجوز ثم اذا جاز الصلي في كل مرة لاني كل قدام وفي البرازية يمر في المسجد ويتخذ طريقا لا بعذر
 بعذر وبدونه لا يصلي في كل يوم مرة لاني كل صلاة امة وفي التذرية كبره الوطء وقوة البول والتخوط واتخاذ
 طريقا بعذر امة وفي النياتية لا اتخذ عمرا في المسجد فان كان بعذر جاز دفعا للخرج وبغير عذر كبره ثم في موضع
 العذر كثير زعن التكتية المكن حتى قالوا يمر في اليوم مرة ومسا لتناذه فاشيت في الزبر دارة في الكتبتة طلقها
 كثيرول على عادتهم من ترك قعود قد عرفت فعلى البحر من الحادي كبره التوضوء في المسجد كالزق والمخط لما فيه من
 الاستحقات وكذا كبره ان يتخذ طريقا او يجرت فيه حديث الدين اذ كبره الدخول فيه غير طهارة امة وفي غيبة ذوي
 الاحكام لا يجوز ادخال نجاسة فيه ولا المنظر امة دياكي للشارع في المنظر عن الوهابية هـ وفي فسق مقدار لم يذكر
 ومن علم الاطفال فيه ديور ية قال طفا لقبول الشهادة اذا كان مشهورا به امة قال الشرنبلالي والحياء لمن ابتلى
 ان ينوي الاستحقات حال الدخول لم يفي فيه سكات فيما بين الخطوات امة وفي الهندية عن فتاوى التمرناشي عن
 صلاة الجمالي لا يتخذ طريقا في المسجد بان يكون له امان فيدخل من هذا ويخرج من ذلك امة فمرة اطلاق المنع واخرى اطلقوا
 الجواز واخرى ميزوا واضمحروا وهو لم يرد في جميع الموضع فاطلاق المنع مقيد بالاستثناء والاطلاق الجواز مقيد بالشرط واذا كان
 الامر على هذا فان قيدنا بالفردة وافقت المتون قول المنع وان قيدنا بالحاجة كما فعل كثير من النظار وافقت
 قول الاجازة فليس في نفس المتون ما يرجح احد القولين وكذلك استثنائهم العذر فان اردنا بعذر
 وافق الاول وان عمناه التمس وافق الثاني هذا يعطيه ظاهر النظر وانا نقول وبالله التوفيق وبه الوصول
 الى ذرى التحقيق القى ربي في قلبى ان يتطرق المسجد اى جعل طريقا بالمعنى الذى وصفنا لا بمعنى التبدل
 الباطل المستعمل على سبعة اوجه يصلح منها للخلاف الاوجه واحد بيان ذلك ان المروى في المسجد تحقيق
 بكل من الدخول والخروج فان الامام مثلا اذا دخل من الباب تقدم الى الحراب لا بد لمن نقل الاقامة
 وقطع المسافة وهو المرد وعقد الامام البخارى في الجامع لصحح باب المرد في المسجد وروى فيه حديث
 الى موسى رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال من مر في شئ من مساجدنا واسواقنا
 بنبل فليأخذ على نصابه لا يعقر كفه مسلما قال الحافظ في الفتح باب المرد في المسجد اى جوازه وهو مقيد
 من حديث الباب من جهة الاولوية امة وعقد قبله باب ياخذ بنصول النبل اذا مر في المسجد واخرج فيه

حديث جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما قال مررت في المسجد ومعه مساهم فقال له رسول الله صلى
 الله تعالى عليه وسلم اسك بنصا لها غير ان الدخول والتقدم وان لم يجز عن معنى الاستطراق لان ما بين
 الباب والحراب كان طريقا لا يهتد به معلوم ان كل جزء من المسجد مسجد لكن لا يقال عليه استطراق المسجد
 في متفاهيم الحرف فان الطريق لا يقصد لنفسه وبهنا مقصوده المسجد فلا يتعلق غرضنا بهذا الفعل
 ولا يهتد به في حكمه بل حكمه ما قصد الدخول فمن المأمور به كما ذكرنا في الامام وكالمقدين الذين يقولون
 ومن بعدهم يصولون لهفوف ومن رأى في صفت فرقة تقدم وبها باللبش لهفوف ومنه الدخول
 لبناء المسجد وممرته وتنظيفه وتجيده والعكوف ومنه وقول القاضي لميلس في القضاة والدخول احق
 الذكاخ وادون فيه كدخول المذبح على القاضي عين كونه في المسجد وتقدم للنفس الى حيث شاء خاضع لا يكره
 لا يمر بعد الباب والدخول للتعليم والتعلم والذكر كل ذلك بشرطه ومنه عنه كالدخول لمديت الدنيا الى غير ذلك
 لا يخفى اما المورد للخروج منه فلا يبعد عن استطراده وان لم يكن الا داخلا للصلاة صلى فانه ح لا يبعد
 المسجد بل انما يريد في الوصول به الى بيتة مثلاً وهذا هو الاستطراق وقد عرفت الانام البخاري باب الخوض ولم
 في المسجد وادور فيه حديث الى سبعة الخدي رضي الله تعالى عنه قال صلى الله تعالى عليه وسلم لا يمتنع
 في المسجد باب الاسد الاباب الى بكره حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال صلى الله تعالى عليه وسلم
 سدوا عني كل خوض في هذا المسجد غير خوض الى بكره قال الامام يعني في العمدة الظاهر ان مراد البخاري من
 هذه الترجمة الاشارة الى جواز اتخاذ الخوض والممر في المسجد لان حديث الباب يدل على ذلك فان قلت
 ليس فيه ذكر الممر قلت الممر من لازم الخوض فذكره بالغي عن ذكره اهـ ومعلوم ان اللازم للخوض الا لان
 يدخل منها للصلاة ويكرب فقد جعل اتخاذ ممر في المسجد واقروه وبما رأى منك ما يفيد العلانية الخشي
 على قوله لتعارف اهل الامصار في الجوامع انه يوجد في اطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفة للمشى
 فيها وقت لمطر ونحوه لاجل الصلاة والخروج من الجامع للمورد المارين مطلقاً ولعل هذا هو المراد اهـ
 فترجى ان مرادهم بجعل الممر في المسجد للدخول للصلاة والخروج للبيت اذا عرفت معنى الاستطراق
 فلتكلم على وجوبه وبالله التوفيق فاقول استطراق المسجد على سبعة اوجه لانه لا لازم ادعاء من العوارض

فيها الى غير ذلك من الحوايج كل ذلك مشهور في المحرمين الشريفين وغيرهم من غيرهم من العلماء والعلما
 انفسهم يفعلونه وكذلك المنزى المطوى فانه لا يصير به دخول لا اجتياز لان مقصده الاول متعلق بالمسجد
 كالصلاة والدرس والذكر ونحوها وكونه يبنى انه اذا فرغ من هذه يذهب الى كذا لا يحل دخوله لكذا من
 نوى بستان بنى عامر في قلبه انه يدخل بعده كونه شرفنا الله تعالى لم يلزمه الاحرام كمن نوى مسيرته ليلية
 وانه يذهب من هناك مسيرة ليلتين لم يتجزأ له القصر الا في الرجوع اذ ارجع بقصد واحد ومن الدليل عليه
 مسألة مقيمت الجماعة بل من خرج للجماعة في مسجد حية واستأذنه لدرسه ولسماع وعظته فانه يباح له الخروج
 من المسجد ولو بعد الاذان احرز الفضل كما مر في الكتاب شرعا عن النهر وحاشية عن الدراية الثنا
 فانهم لم يقيدوه بان لا يكون هذا الخروج من بيته عند الدخول بل هو الظاهر من حال المتقنة العارف
 بالسنة العازم على الصلاة في مسجد الاستاذ اما المنزى المستقل فهو من دخل المسجد لم يدخله الاجاز
 منه الى مقصده وهذا هو طمع الانظار وهو المراد في النصوص التي تقدمنا من كراهية المرور في المسجد العذر
 ولا شك انه اذا دخل طريق فيه لانه اذا دخل المسجد لا المسجد بل يجوز له ويتوصل منه الى مقصده فلا معنى للطريق
 الا هذا وقد سمعت كلام السندية والحموي والتمتاشي والجلابي حيث فسروا اتخاذ طريق فيه بان يكون له بابان
 فيدخل من هذا ويخرج من ذلك فمن يتوهم ان المراد يحل عمر في المسجد واتخاذ طريق فيه يتوهم بل بعضه طريقا
 قد سقاه فظلم هذا ان كان بدون حاجة لم يخرج وفاقا وان اعتاد فسق وصار مردود الشادة منقيا عن
 الامة وان كان لضرورة جاز اجماعا بل قد يجب كمن لم يجد لسبيل الى مأمنه من عدو يريد قتله ظلما الا من
 مسجد والمسائل كلها الى هنا لا تصلح للخلاف في النظر العقلي بقيت الصورة الاخيرة السابعة ان دخل
 المسجد محض الاجتياز من الحاجة لم تبلغ حد الضرورة فهذا الذي تصور فيه الخلاف ويظهر لي والله تعالى اعلم
 ان الرأى فيها هو النفع فان المحظورات انما تنبأح للضرورات والافعالجات الانسان عرض عرض
 فلو ان المحذور لكل حاجة كما وان يفقد الخطر من الدنيا الا ترى الى قوله صلى الله تعالى عليه وسلم من سمع
 رجلا يشذ ذلة في المسجد فليقل لاربه الله عليك فان المساجد لم تبني لهذا رواه مسلم واللفظ له والترمذي
 والحاكم عن ابى هريرة رضي الله تعالى عنه والحاجة هنا معلومة ولم يقلها النبي صلى الله تعالى عليه وسلم

لا يمكن الانشاد خارج المسجد وان لم يكن كذلك داخله فربما لا يبلغ الصرحت كل من فيها ولا يصحني لاشتمال
 بالذكري ان انتظر خروج جميعهم واحد بعد واحد مضاق عليه ولربما فاته شيء وربما يكون عند بعضهم العلم فان
 تعداه اشتغل بالالفيد وترك ما يفيد وقد لا يلقاه بعد ونصيح المحيط والامام الى الليث ليشل الحاجة ليقولها
 ان اراد اهل المحلة ان يجعلوا شيئا من المسجد طريقا للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلك انه صحيح فانه يدل انه
 قيل ان لهم ذلك وهذا ليقال الا كما قبل ولا يظن بالمسلمين ان يريدوه بمشاكل الضرورة فاستثناء
 عقلا ونقلوا ولا نسلم تعارف ذلك في جوامع الامصار بين العلماء والاخبار وانما الجمل الرماع
 لا تصلح للاعتبار نعم قد تعرف الحادث والمطوى ولا نزاع في جوازها واذ اجاز فان ثبت له ردوا قاتا
 مسقوفة في اطراف صحن المسجد كما هو واقع في المسجدين الكريمين المكي والمدني ليكون مردوم بعيدا عن
 المصلين وليكون غلظ حرمة محل الصلاة كما سيفيده العلامة المحشي كان حسن وازين ولا يعارضه نصيح
 الامامين فان المتبادر من ارادة اهل المحلة ان يجعلوه طريقا للمسلمين هو المردود المستقل العام وهذا ليس به
 فلو حل كلام المجوزين على هذا وعلى الضرورة فان الجواز يشهدا ويكون لتفصيل بالتعارف نظر الى هذا
 واستثناء الجنب واغنية الدواب نظر الى الصورة الاخرى لحصل التوفيق ولا يعكر عليه ووجه حتى الكافر
 فان الكافر الذي او المستأمن ايضا قد يغفل بعض مصالح المسجد وغيره من المهمات كما افاده العلامة
 المحشي فانه ان خرج لمقصدا آخر من باب آخر وشي في هذا الممر فلا ضرر ولا نقول كلامهم مخصوص بهذه
 الصورة ودون الضرورة بدليل الاقتصار في التفصيل واستثناء الجنب ومن منقطع ولا غرو فانه في
 الكلام كثير من الغاية يقال في التوفيق على هذا الوجه الثالث فان قيل والابقى الخلاف في الصورة السابقة
 فقط والظاهر كما علمت ترجيح الصحيح لصريح فانه الحق واثق وبالادب اوفق واتحان الآخر ليس وارفق
 والله سبحانه علم الحق بهذا كل ما ظهر بعد ادون رقيق وارجو ان يكون غاية التحقيق ونهاية التوفيق وبالله
 التوفيق ومنه سبحانه بداية الطريق والحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالى على سيدنا محمد وصحبه اجمعين
 انتهى ما افاده شيخنا العلامة في هذا المقام فانظر الى هذا التحرير الميز المشرق التنوير العديم النظير والمنا
 بعده حاجة الى كلام كثير وانما نسير الى كلام سيرة المحمدية اللطيفة الخيرية

حسن الشريعة والعلامة حسن العبي المكي والفاضل الخادمي والفاضل الخي زاده الجليلي الرومي العلامة السيد السعدي
الازهري وغيرهم رحمهم الله تعالى ورحمنا بهم وهذا الكلام شمل على شيئين احدهما رواية ان ذلك متعارف
في امصارهم في امصارهم ولا سبيل الى انكاره فانهم ثقات اجلوا والعلامة الشامي لم ينكره وكان
ان ينكره انما قال لا نعلم ذلك في جوامعنا فانكر علمه بهذا في عصره ومصره فان لم يقع فشي كان وبان
لم يعلم فن يعلم حجة على من لا يعلم والآخرة ان ذلك حجة في الجواز وبالك ولا لالوف امثالك
ان تباركهم في الدراية فكيف ليقبل لجنب طباقهم مجرد انكارك بفيك من دون دليل كيفك فضلا عن
تأملك الدليل على عدم وثوقك بما يتخلج فيك وعدد ذلك في ذلك الآن الى انجزم بالبطان تقبل
والحق كذا دليل على انك لا تميز بين شكك جزئك وتأملك عنك -

(٩٢) هب انك بزعمك تفوقهم في الدراية فهل تكذبهم ايضا في الرواية وهي المقيمة على منوعوك
الطامة الكبرى هم يقولون ان هذا متعارف في جوامع الامصار فهل ترى ان المتعارف تحويل المسألة
وتبديلها بالطرق -

(٩٣) هب ان العلة ما ذكرت ولكن ما السألة المرفوعة في المسجد بقاءه بحاله واحكامه وآداب فلاحقة
عين لك فيه اذ تحمله على التبديل ام التبديل فهو لكلامهم صريح بتبديل وتحويل مستحيل -

(٩٤) ثم قال نعم المتعارف في الجوامع المصرية والشمالية ومكة والمدنية بل في مسجده بابان

بغير تعيين لطريق لا يعينون موضع المورد في المسجد بل يرون في مساجد ليست فيها رواقات مسقوفة
وهذا خلاف الشرع فان المراد في المسجد مكره بغير العذر تعلم من رد المحتار وتكلم من دون افتكار ولم يرد
النافع من الضار وأنه قصار على منوعهم بالتبارك رد المحتار انك تعارف المحرم في الامصار ثم قال نعم تعارف
الناس المورد في مسجده بابان وقد قال في البحر كره ان يتخذ المسجد لقيامه اي ان الذي تعرف من
التعارف هذا ولا حجة فيه فانه خلاف الشرع اي وانما تعارفه الجملة ولا اعتداد بهم هذا ارادوا الكلام عليه
يعرف من جد الممار شيئا حفظ الله تعالى ولكن صاحبنا بادر الى تعليقه بدون فهم ولم يدركه اذ المبحر
ان يجتاز احد في المسجد بالدخول من باب والنخروج من آخر كيف يجوز ان يجعل فيه ممر للامة يسلكه المسلم

لكن ان كان الله

لا المفعول

مع فقلت

ايادات ثانيا

وكيف على المورد

تأثيرا على هذا

لا جواب الخدم

لغرضنا الاوطاس

لاننا نعود الى

الاذن في الجوامع

والكافروا ذن لا يكون تعيين الطريق الاتقري الاثم وكثيره وكيف يكمل لتعيين ان لم يكن من البسائي
 قبل تمام المسجدة كما تقدم انقل فيمن البرازية والبحر والدر وغيره لا يسقط بعضه صاحبنا ايضا واذا
 كان هذا الشئ ونحش فاقدر اذن قدرا تريد بل فعلت من تحويل المسجوط لقا وعلى هذا الجواب عما
 اعترض به العلامة السيد احمد الطحطاوى حيث قال ثم يقال ان كان الهائي عين الطريق وميل
 ا على حافيتها مسجد من فالانبع من مرد الحائض والنفساء في الطريق وان كان بعد انعقاد المسجدة
 فلا يجوز احداث الطريق فيه اه وما ذكر بعده ان ظاهر كلام المصنف والشارح جواز الازالة لا يعطى
 حكم الطريق من كل وجه اه فلا يصلح جوابا بل هو المحط للايراد على تقدير هذا المراد

(٩٥) قال الاد غير حرام فلهذا النقطة البخارى في صحيحه باب المرد في المسجد المرد بالمعنى المنع
 ان لم يكن حراما فكهده تحريما كما تقدمت النصوص عليه فكيف يفرع عليه عقد البخارى بابا في جوازه
 وقد تقدم في كلام شيخنا المسجد وحفظ الله تعالى بيان ذلك الباب وحديثه دوى دلالة في على المرد

(٩٦) لما انكرت تعارف المرد فثبت تعارف المرد وظن ان قدره به على هو لاه الا كابر الصدور
 اراد ان يجمع ويستخرج وجه صحة الكلام فقال اللهم الا ان يستدل بمطلق المرد اثابت من التعارف
 ويقاس عليه اخذ الطريق لمج المرد فيها او بجمعهما العذر والاحتياج اى ان المتعارف وان لم يكن
 الا المرد من دون تعيين مرمى المسجد لكن الائمة احتجوا بهذا المتعارف قاسين عليه اخذ الطريق من المسجد
 اى جعل بعضه موطر طريقا للامة بجامع المرد بينهما او بجامع العذر والاحتياج قال فافهم فانه دقيق
 واهى كلام ادق من الفاظ مجمعت ولا معنى تحتها فيه او لا ان حكم لمقيس عليه اذا كان المحظور المنع كما
 اعترفت فكيف يتعدى الى المقيس الجواز فانقلب يجوز بالعذر قلت فرجع الامر الى الاحتياج
 بالعذر دون التعارف فيقيم تقول اللهم

(٩٧) وثانيا المقيس عليه المرد والمقيس اتخاذا المرد تجل الجامع بينهما المرد اى ان المقيس عليه
 هو الجامع بين نفسه ومقيد

(٩٨) وثالثا ان كان المتعارف المقيس عليه من دون عذر فكيف يحجج بينهما العذر وان كان بعذر

الحال الذي كيف
 انعقد البخارى من
 عقد حتى كان بابا
 حتى العقد
 على التعارف فيه
 الباب فانه بابا
 على كبريت باجيب
 اجابة باجيب
 وعطف على المسد

فكيف قلت هذا التصرف لا يستدل به لانه خلاف الشرع

(٩٩) واما بعد الاستدلال بالمراد في العذر فكل تحت اصل يصل منصوص عليه في القرآن كجمل قال تعالى
ما جعل عليكم في الدين من حرج الى غير ذلك من انصوص والدواعل تحت انفس لا يحتاج الى تأكيد
(١٠٠) وخامساً الحاجة تلجئ الى المراد لا الى تعيين الممرل لتعيين تعيينين والحاجة تطلب التوسيع
فاى عذر يدعى الى تعيينين -

(١٠١) وسادساً سلمناه فإى حاجة الى تحويل تلك القطعة عن المسجدية فبطل ما حمل عليه من الاستبدال
(١٠٢) وسابعاً الحكم على الطبيعة المتكئة من اى فرد شئت او الفرد المنتشر على القولين ما ينسب
الى اى فرد وجد فلا معنى للتعدية الا ترى ان من حرج في كفارة عبده زيد لا يقال انه قاس هذا المعين
على مطلق البعد المذكور في قوله تعالى فحقه لا يرقبة -

(١٠٣) قال الممر القيس بوجين الطريق نعم ان كان شئ عين مباينة فان الممر المذكور هنا جزء المسجد
وجزء المسجد بالطريق الذى تريد بيان المسجد الممر انك في الاستبدال -

(١٠٤) قال والمراد بالطريق هنا اعم قال في رد المحتار اطلق الطريق فم النافذ وغيره (ط) كلام ط
ور المحتار يذاني فعل شئ من الطريق مسجد او انت عديته الى عكسه فصار المعنى يجوز ان يجعل شئ من المسجد
طريقاً للعامة او لابل ودرب خاص فان هذا معنى الطريق النافذ وغيره فمدت عن جواز الاستبدال
ينفع العامة الى جواز الاستبدال ينفع خاص فكان صاحبنا لا يدري ما يخرج من رأسه -

(١٠٥) ثم تحرك عرق التمسك بالمفسر القاطع فقال الى اذكر لك بعض عبارات الفقهاء في جواز
جعل المسجد طريقاً قال في العليكية اذا جعل في المسجد ممرافاً يجوز لتعارف اهل الامصار في الجوامع
اى فانهم يريدون لبعض مسجدهم ويبدلون بالطريق -

(١٠٦) جاز لكل واحد ان يرفيه الا بحجب والحائض والفساء اى لانه لا تحول طريقاً لم يحز له لاول
ان يخلوه لان مرفوهم في الطريق حرام انما يرون في المسجد لاسيما المسجد الحرام -

(١٠٧) وليس لهم ان يخلوا فيه الدواب لان الطريق مصون عن ذلك انما ترسل الدواب في المساجد

لأننا افارشت في الطريق وليس عليها حائل فصاعت الارداث بخلاف المساجد فانها محفوظة موطنة
وان لم تكن حرزا-

(١٠٨) ثم ذكر عبارة ^{للمتأخرين} المتأخرين القنانية عن خواهرزاده وقد تقدم بياننا فيها كافيها اثرنا عن
جده المتأخر لكن عرقه المتحرك بحسبان كل صارنا فجاها الى ان قال فعلم ان جوارحه لبعض المسجد
للطريق مع ابقاء احترام البتقة وسقوط حرمة المرد ظاهر الرداية) واشار به الى ما قدم من الدرر والتبيين
والهذيان من تحريم دخول الخبث والفساد والداخل الدواب ولم يدركه الحجة القاطعة
على ابطال ما زعم فعل من الاستبدال-

(١٠٩) قال بل الزعم بان قول ضعيف لم يذهب اليه احد من الفضلاء قول لم يخرج من فم تالفة
الابا لغفلة والاغفال) نعم الذي تريد فعلت من الاستبدال والابتدال ليس قولنا ضعيفا بل
فاسد ليقينا قطعاً ولم يذهب اليه احد من الفضلاء هذا الجمع بين الحليتين سواء كان منك او من اشرت
عنه زعم جمع بين الضب والنون فانه لا يكون قولنا ضعيفا لم يذهب اليه ذاهب واذا لم يذهب اليه
احد لا يقال انه قول ضعيف-

(١١٠) ثم اورد على نفسه سوالا قاطنا من راسه واجاب عنه بارجحة ساقطة بانفسها او عليه فاننا قلنا
يمكن ان الجواز على قول محمد لا بالقول الحق بل اقول يحتمل ان يكون عند ابي يوسف فرق بين جميع المسجد والعضة
لا سوال فهم جليت ولا جواب علم اجبت فان الكلام في العامر وخطا في العامر-

(١١١) المذاهب لا تقر بطلان كتحليل بل رأيت في هذا تعلقا عن ابي يوسف ام المذاهب ايضا تتحصر
من عندك-

(١١٢) انت مستدل فما ينفعك كمثل-

(١١٣) قال او يكون الفتوى على قول محمد في بعض وعلى قول ابي يوسف في كل (سأول على الفتوى)

(١١٤) الاتفاق لا يحتمل فالافتراء-

(١١٥) الاحتمال لا يفيد الاستدلال-

له في نسخة الرضا
بابين ١٢
في نسخة الرضا
سأول في نسخة الرضا
بالنصب ١٢

(١١٦) قال اذ قيل الاختلاف على صورة انتقال المسجد الى المنفعة الخاصة من المنفعة العامة الآن
 يريد ان ابولس قال بتأبير المسجد وعليه الفتوى انما ينبغي ان ينقل المسجد الى نفع خاص بالنقل الى النفع
 عام كجعله كاصطبل للفراسة او حيا للحيوانات او بيت غلاء للمسافرين فيجوز انما بالاختلاف صدق
 رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وسد الامر الى غير اهله فانظر الساعة ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم
 ١١٦ ان صح شئ من هذه التبرعات لم يكن معنى لاستثناء الحنبل والحالف والنفساء والدواب
 لان المنقل مخرج عن المسجدية واذا لم يبق مسجد لم يبق التقييد لشيئ الا ترى ان الخراب اذا رجع عند محمد الى التيم
 او دارنه كان له ان يصنع به ما شاء وبالحجة مبنى هذه الارجيف كلها على ارادة معنى التحويل والمقطع
 عن المسجدية وهو محبط لصلواتها واجامها باطل بنفس هذه النصوص الناصية على تحريم دخول الحنبل والحقية
 واوغال الدواب -

(١١٨) قال اذ يكون الاختلاف في وقت خروج الارض عن حكم المسجد بالكلية كجلاء ما نحن فيه
 فانه مسجد الى الابد كما هو قول ابى يوسف الا انه سقطت حرمة المورثتها ولا يجوز ان يرفيه الحنبل والحالف
 والدواب كانت الثلاث السواكف سواقظ بانفسها وباساقظ عليك فقد آمنت بان مسجد لها
 ولا يكل لحنبل حالف ودابة فقل زعمك الاستبدال فيمنع الله من يريد ان يكلم في الفقه ولا يميز بين
 والشمال ولا يدري ما اخذ وما ترك وما احبب ما سلك من ملك ومن ملك من مناجد من ملك
 (١١٩) انما الخلاف في خروج الارض عن حكم المسجد اذا خرب او خرب ما حول فقال ابولس يبقى مسجد
 ابله وقال محمد يولد ملكا وانت تقول ان الاختلاف حين هذا الخروج واذا قدر الخروج فيم الخلاف او
 تقول اختلاف في وقت الخروج فقال محمد عند الخراب قال ابولس بوقت غيره وبالحجة ما هو الا
 نفاق بيانك -

(١٢٠) اذا كان ما انت فيه لا خلاف فيه فامضى فذلك كما هو قول ابى يوسف بل قل اجماعا
 (١٢١) ثم احتج بعبارة الاشباه لم ان يوسعوا الطريق من المسجد وقد قدمنا عن جد الممتار ما يكفي و
 يشفي بل حسب قول نفسه الآن انه مسجد الى الابد لا يجوز ان يرفيه حنبل وينصير بعد صفحة تحت هذا القول

على عند المسجد
 كونه مختارا
 بالسان الهندية
 وفيه اني منع
 ان فيه
 على اربعة قباه
 ما رة قباه لان المسجد
 عند منتهى ما
 وفيه

نفسه ان المراد سقوط حرمة المرد خاصة مع بقا سائر احكام المسجد ثم ورد سوا الاجاميا وادخال في
 بوابه ينقل عبارة الاستباه والجموى ولا تغفل لنا به وما فيه من ذكر الفناء فسيأتي الكلام عليه -
 (١٢٢) ثم اورد على نفسه نص الاستباه لا يجوز انما اذ طرقت فيه للمرد الالبعد وانه كما علمت منصوص
 بنصوص الأئمة في عامة الكتب وانقص منها على الاستباه تخفيفا عليه وحاول الجواب عنه وجهين
 الاول قال انما هو للاحتياج ودخل في الاستثناء (ولم يعلم انه بالمعنى المراد لا أئمة حق وقد مره
 شارحه الجموى بقوله يعني بان يكون له بابان فاكثر فيدخل من هذا ويخرج من هذا والمعنى التحويل الذي
 تحاول فلا ولا كرامة -

(١٢٣) الثاني وما ادرك ما الثاني من العقل ليقول جميعا ان وانه في تعاجيب الدهر من شأن
 سواد به وجوه صحيفة وحاصل ان الاختيار في المسجد على وجهين الاول ان يجتازه واحد من دون
 ان يتخذ الناس فيه مرضا معينا للطريق فهذا لا يجوز الالبعد وهو مراد الأئمة في هذه النصوص لا يكفي
 اتحاد هذا الواحد اياه طريقا والثاني ان يعين الناس حصته من المسجد للاستطراق فهذا جائز بل كراهته ولا
 النصوص المذكورة ويجوز لكل ان يمر ولو كافرا ولكن انسانا طاهرا - قال والمراد اي مراد الاشياء
 في المسئلة المذكورة من جواز ان يمر احد بغير جعله بعض المسجد طريقا كما فهم منه الجموى حيث قال يعني بان يكون
 له بابان الحق قال فقد علم من هذا ان كراهته المرد في المسجد الذي لا يعين في طريق المرد ولا يجعل منه
 طريقا الذي يجعل فيه طريقا ملا باس ويسقط حرمة المرد خاصة ولا يجوز ادخال الباب فيه ولا يجوز
 للجنب والحائض والنفساء ان يطرخوا فيه فينبغي ان يجعل كلام القوم على هذا ولا يجوز ان يتخذ رجل واحدا طريقا
 قبل جعله طريقا العامة فذا ولا قاض على نفسه بالخطا وعلى منعه بالبطلان لان بقاء الجوارح والحيات
 يقطع عرق الاستبدال -

(١٢٤) ثانيا يا بسحق الله اذا بقى مسجد كما آمنت به ولم يجز الاستطراق لواحد لانه انتهاك حرمة
 فكيف قيل لكثيرين ان يبتكروا ويملكونه فالاثم ان اتى به واحد فاثم واحد واثان فاثان او الوف
 فالوف آثام فاجتماع الآثام كيف يجعل الاثم مباحا كانه نظرا الى مثل الفارسي مرگ انبوه جشني دارد

انظر
 باربع
 على اربع
 باسباب
 على كافي
 مقام الله
 زينة واصل
 تعب
 بالقدم

ولعمري ما شدة الاكل يقول ان مصفع الاب ولطم خده لا يكل للابن الم يجبله عاتمة اولاده انبائه واحفاه
محل لضرب فاذا جعلوه محل ضربهم وعينوا خده وقفاه موضعاً للصفع ولطم جاز لكل احد من اولاده ان
يضربه ولطمه ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم -

(١٢٥) ثالثا ما يجدي تعيين الناس بعد تمام المسجدية فكل من فعل فانما احداث حدثا مردودا عليه واحد
كان او جماعة ولو جاز الاحداث لجماعة لجاز ان يجبلوا بعض المسيكين في العامة فانه خير عندك من بناء
بيت لسكنى الامام لكونه يرجع الى نفع شخص بعينه -

(١٢٦) قال في الحاشية نظيره كراهة الوضوء في المسجد فان الله لم يملك كراهته الى من يصح في
اعدان كان للباقي حين يمتلئ تمام المسجدية فنق والتفتير باطل فان الكلام بهناني المسجد وان كان
لغيره او لغيره ما تمت فباطل مردود والنظر فيه المختار -

(١٢٧) رابعا تعيين الناس موضعاً في المسجد للطريق لو لم يجز عندك الا العذر لطاح الفرق بين
الواحد والجماعة فان الواحد ايضا ما دون له بالعذر فوجب تجوزك اياه لهم ولو بدون عذر ولا حاجة
وقد اخبرنا ان ابا بطل من فحش الاباطيل والنظر الى قول رد المحتار تحت ما مر عن خواهر زاده اذا
كان الطريق ضيقا الى قوله لان كلها للعامة النصف وتسقط حرمة المروءة للفورة والنظر قوله وبذا عند
الاحتياج وقول الفتح يعني اذا احتاجوا الى ذلك -

(١٢٨) خامسا ما قضيت به نفسك فانت القائل في مدبر بيان المذهب الرابع يجوز عند الاحتياج
وقلت الحق ان تقليل المسألة هذه الحاجة وقلت مجعها العذر والاحتياج -

(١٢٩) سادسا انت الزاعم تعارف الناس الاحتياز في مسجد ذي باين وقلت وبهذا التصر
لا يتبدل به لانه خلاف الشرع لان المرد في المسجد كرهه بغير العذر كما سيأتي فقد اعترفت
ان حكم الناس وحكم الواحدة في هذا سواء فمالك تقر بالحق ولا تستقر ثم الاحالة على ما يأتي وهو خلاف
ما مرعيب عاجب لكن لانك -

(١٣٠) ثم اراد ان يأتي ببناء على ما ابتدعه من الفرق بين الواحد والجماعة فقال انهم يهزون المرد

الح في نسخة
عذر بالاحتياج

لكل احد حتى الكافرا ورضا صاحب الرد اعتراضا وجا بالظن منه تصرح ما قلت حيث قال اعترض
 بان الكافر لا يخرج من دخول المسجد الحرام فلا وجه يجعله غاية هنا قلت في البحر عن الحامدي لباس ان قيل
 الكافر لمصالح المسجد وغيره من المصالح مفهومة ان في دخوله غير مهمته باسا وبه يتجه ما هنا فافهم انتم
 اشار الى ان عدم منع دخول الكافر مطلقا مفقود بالمهمة وههنا جواز دخوله غير مفقود وقد مر من قبل جاز
 لكل واحد فليذكر نعم ان لم يكن ذلك تصرحا بما زعمت كان تلويحا اليه لو ان جعل الممر كان مطلقا
 لكنه مفقود بنفسه بالضرورة والاحتياج كما مر عن الشامي نفسه والفتح فبطل توكل انه ههنا غير مفقود طاح
 الفرق وتام الكلام في جد المتنازليننا المجد وحفظ الله تعالى وقد مر طرف منه في ابانة المتوادي قد
 ما يكفي ويشفي

(١٣١) دع الشامي لم تصرح في غير موضع ان الجواز عند العذر والاحتياج فكيف تقول انه ههنا
 غير مفقود وانما العلة انك لا تدري ما يخرج من رأسك واذن حامل زعمك ان النفقيد بالعذر انما
 هو للمسلمين اما الكافر فالمسقط لجزا لان كيف يشاء ومتى يشاء ولا حول ولا قوة الا بالله

(١٣٢) باب المسلمين ان يقولوا لم يتبع بمسجد كذا فنقول بل جميع هذه الوريقات ليحبل مساجد الهند كلها
 عرضة للهدم والتبديل بالطرقات والانهار دسلك الحديد وغير ذلك مما لا يرجع نفعه الى شخص بعينه

كما صرح به اول مانع اللسان في هذه الوريقات فارادوا دابة هذا الداء العضال ولات حين مناص

فقال ولا يتخيل في بالك ان في النهار جواز اخذ الطريق مفسدة عظيمة في البلاد التي استولى عليها الكافر

فانهم يحصلون حيلة لانهدام المساجد لاننا نقول لا يمكن لهم (سبحن الله تنكر الامكان وقد وقع وانت القائل

قد وقع كثيرا في البلاد التي استولت عليها الكفرة انهم اهدوا المساجد لاجل الطريق العامة الى آخر ما مر

فاذا فعلوه بلا حيلة فكيف اذا كانت بايدهم وريقتانك حكمة بجواز تبديل المساجد بالنفع العامة

(١٣٣) قال ولا يجوز ان ياخذ جزر المسجد للطريق لم وانت المبدل ينفع العامة بل انت القائل

ان من امتنا من جزر جبل المسجد لطريق فالك تقدر ولا تقر

(١٣٤) قال ولا يحل الحمر في مسجد الا بحاجة ارضا واكثر اهل العملة من المسلمين هذه حاجة جديدة

له الذي
 نسئله فليذكر
 مع كل البلاد
 عند خشيته قال
 التي قالت
 عليه السلام
 من يخط

ابتدعتهاد معناه ان اكثر اهل المحلة ان غضبوا باحترام بيت الله واقامته آداب فيجوز لارضائهم ان
يؤذن لهم في الانتهاك . يا ايها المنتهك حرمات الله لا يغضبوا احد الله تبارك وتعالى يقول
والله ورسوله احق ان يرضوه ان كانوا مؤمنين .

(١٣٥) قال فبمثل هذا الاخذ لا يخرج ذلك الموضع من المسجد (كم مرة تبني وهدم اين ذو
الاستبدال الذي كنت تردم -

(١٣٤) قال فلما فائدة لهم في اغراضهم الفاسدة لعدم امكان تصرفاتهم في ذلك الموضع قبض
العيان وناقض ما قدمت من البيان وقل التثاير فوقعه كالنفور في سبيل عاديك كية لا تحي

(١٣٤) قال فاذ يمتقي مسجد الى الابد ويسقط فيه حرمة المرد فقط وكذا لا يخرج عن المسجد لا يخرج
عن الحكمه) ارجع واسرع فقد وقع المحرق في عرش التبدل -

(١٣٨) ثم اورد رسولا وجوبا بالحاجة بنا الى الكلام عليهما ولكن يردن الميره قال فالتفت
مسئلة الدرميقة بالامام او الباني فلا يقاس عليه غيره قلت صرح به صاحب رد المحتار بان غير
لم يصرح به بل ينتظر ولا جزم للمستظهر فضلا عن التصریح وصرح قبله السيد العلامة الطحطاوي انه
قيد حيث قال قلت لخالق القلان ما في المصنف في جعل الباني وما في الهندية في جعل اهل المحلة ثم يقال
ان كان الباني عين الطريق وجعل ما على حاقبها مسجدين الى اخر ما قد مرنا وتحقيق الحق بالاسقاط عن
جد الممتاز -

(١٣٩) ثم لم يرض بتسوية المسجد بالطريق بل ارفق الفصل الطريق عيان تبديل المسجد الطريق اسهل من تبديل الطريق
بالمسجد فقال الا ان الطريق لو جعل مسجدا فافيه خلاف) اي ولو جعل المسجد طريقا جاز بلا خلاف قال
تعلق حق العامة في الطريق لا المسجد فان الحق في المسجد لاهل المحلة اي والضرر الخاص تجل لرفع
الضرر العام ولا يعكس فالمسجد يجعل طريقا والطريق لا يجعل مسجدا وهذا مودى كلامه وبطلانه واضح عند
كل سلم لاسلامه ولم يدان لاحق في المسجد لاحد من العباد لانه ينفي الخلوص لله عز وجل وقد مرنا من
الفتح والهداية نعم لهم العبادة فيه ولا يختص بهم فقد نصوا ان ليس لهم منع غيرهم بل لو شرط الباني

له انما قيل الذكر
عنت بعدد اياه
غيره من
في نسخة المسجد
باربع
قل بالطريق
في نسخة
للمسجد

اختصاصهم القليل قال في الهندية عن الذخيرة بنى مسجد الابل محلة وقال جعلت هذا المسجد لابل هذه
المحلة خاصة كان لغير اهل تلك المحلة ان يصلي فيه اهـ

(١٢٠) الطريق منه عام وخاص وقدمت ان المراد ههنا اعم وكذا المسجد بسجستان اودى فطلب التخصيص
(١٢١) ما ابتدء من تجويز استبدال المسجد بما ينفع العامة اذ لم يجد الطريق اليه من الطريق رآه الله
اليه من السرداب فأتى بجواز بناء سرداب تحت المسجد لمصالحه اوبيت فوقه للامام لانه ايضا من
مصلحه قال ويدخل في هذا الحكم ما هو نافع للعامة واهل المسجد كالطريق والحمام وموضع الوضوء وغير
ذلك وكفانا رد عليه اقرار نفسه فان صاحبا تعود بان يبنى ويهدم حيث قال متصلا به
وينبغي ان يعلم ان محل الجواز هو قبل تمام البناء ابل بعد تمام البناء فالظاهر انه لا يجوز كما هو لفظه فان نفسه
ان لا اساس لهذه الفروع بما هو فيه فان كلامه في استبدال المسجد بما ينفع العام وقبل تمام المسجد
لا مسجد ولا استبدال ومن سواد التعية قوله قبل تمام البناء وقوله اذا تم البناء فالبناء ليس من اركان
المسجد بل من الاوصاف كالاطراف وانما المناط تمام المسجدية كما عبر به في الدر وغيره وقدم
(١٢٢) قوله فالظاهر من باب الديسة واي حق له ان لا يخرج وقد صرح به الائمة جازين كما
نقل هو وقدمناه عن الدر والبحر والنهر والتاريخية وجامع الفتاوى -

(١٢٣) ووجه آخر ان كلامهم هذا انما هو فيما لم يصلح المسجد وانت الناقل عن يعنى في شرح الكنترا
والدر المختار وشرحه انه لا يضر لانه من المصالح ثم قلت وفي رد المختار ايضا محل عدم كونه مسجدا فيما
اذ لم يكن وقفا على مصالح المسجد وبصرح في الاسعاف ثم قلت به اخذ كثير من الفحول ثم قلت
وقال في فتاوى الاختيار الا اذا كان السرداب والعلو لمصلح المسجد وقفا عليهم ومعلوم عند كل صبي
ان استغرق المسجد ودخله الابل للاحتياز منه الى مقصد آخر ليس من مصالح المسجد في شيء فالاستدلال
عليه بهذه العبارات من سواد الفهم -

(١٢٤) ما ذا يريد بقوله ما هو نافع للعامة واهل المسجد اهل المسجد من حيث اعيانهم او من حيث انهم
اهل المسجد الاول باطل كما علمت وعلى الثاني يكون شيء من مصالح المسجد فلن يدخل فيه الطريق بمعنى

لم يذكر الدار المختار
من طعن في قوله فان
الدعوة بالتوبة
ليس فيه من عبادة
التوبة التي اياها
عبادة شريعة
هو عبادة دار المختار
الماضي الى
لما كان في قوله
في رد المختار الثاني
في رد المختار في رد
اختياره على ما في
قوله في رد المختار الثاني
على العظمى لا يختار
شرح من المختار
لا بد من

المقصود وايضا يضيح ضم العامة لان مصالح المسجد مصالح عامة المسلمين وان اريد بالعامة ما هو علم
فلا يقتضي الجواز عليه بل يكفي كونه من مصالح المسجد وان لم تكن فيه منفعة باصلا لمن ليس اهل مسجد مطلقا
وهو الكافر والعياد بالله تعالى.

(١٢٥) في خلال هذه الفروع التي بردايات شاذة عن الصالحين فساق عبارة الاختيار الى قوله

وعن محمد بن داود في الرى اجاز ذلك بكل حال الضيق المنازل وعن ابي يوسف مثله لما دخل بغداد
يريد انما اجاز ان يجعل العلو وحده مسجدا وسفل مملوك لاخذ فادى بالجواز ما فعلته بكانفور من جعل
العلو مسجدا والارض طريقا للمارين ولم يدرد درى ولم يخف الله تعالى ان هذا المردى عنهما في انتشار
المسجد فذهب الانام فظاهر الرواية عنهما انه لا يصير مسجدا بالمخلص من جميع جهات الله تعالى دروى عنهما
في فضل الرى وبهذا حديث بكثرة العمران تضيق الارض ان يجعل العلو وسفل مسجدا ويقتضى الاخر سكنا
بكل الضرورة ام يقولان ان المسجدة يجوز ان يعقل به ما فعلت من جعله سكنا او طريقا ورفع فله فوقه
يكون بدله مسجدا والعياد بالله من الحجرة على الله.

(١٢٦) لم يصح على استبدال المسجدين بالطريق حتى اراد جعل المسجد بيتا ففعل عن الشاى لقي جوبل

الواقف تحت بيتا للخللا لم اره صريحا نعم سيالى انه لو جعل تحت سرابا بالصالحه جاز وهو كما ترى ليس
تقلا وليس في قوله نعم سيالى الحكم بتجزئه ولا ما يصلح وليا عليه فالفرق بين السراب وبيت الخمار
واضح وصيانة المسجدين عن الروائح الكريهة واجب مع قطع النظر عنه انما كلامه فيما اذا جعله الواقف قبل
المسجدين كما هو حكم العلو والسراب فاقى تعلق له بانته فيه.

(١٢٧) ومع هذا فكيف للمصلين لاسيما المتكفين من مصالح المسجد كالتوضا والمغتسل بمخلات
اتريده بالساجدة قد فعلته.

١٢٨ الى ١٥٢ ثم اراد الردى فيه من مسألة السبر فقال بل يجوز ان يتغير المسجد باقتض

بكل الوجه غير ضار بوجوب الوجه نعم في رد المحتار في الهندية عن الكبرى اراد ان يخفف بمرافى مسجدا
لم يكن في ذلك ضرر بوجوب الوجه وفيه نفع من كل الوجه فله ذلك كذا قاله هنا وذكر في باب المسج

له الترخية
فصل المتكفين
يوصف بالجواز
مذول في
بل في نسخة
١٢

قبل كتاب الصلاة لا يحفر فيمن والفتوى على المذكور هنا قال شيخنا المجد وحفظه الله تعالى في
 جد المتار صواب والفتوى على المذكور هناك اي في باب المسجد كذا هو في نسخة الحليكية الهندية
 ج ٥ صفح ١٣٥ وكذا هو في نسخة المصترج ٥ صفح ٣٨٩ فالكاف ساقطة من نسخة الشامي الهندية
 او من نسخة رد المحتار وفي فتاوى الامام الاجل قاضي خان وشرائط المفتين والهندية والبحر الرائق
 والاشباه وغيره واللفظ للامام لا يحفر في المسجد بمرارة لانه لو حضر يدخل فيه المصنوع ولصبيان
 فتجيب حرمة المسجد ومهاتمة ولو كان البرق قد با بترك كبر زمرم اه ولفظ البحر قالوا ولا يتخذ في
 المسجد بمرارة لانه يحرم المسجد لانه يفسد الحجب والحائض وان حفر فهو ضامن باحفر الا ان ما كان
 قد با بترك كبر زمرم في المسجد الحرام اه وفي غمر العيون لا يتخذ فيه بمرارة لانه من اذ باب حرمة اه
 قلت وترى القديرة المحلل على انها من الباني قبل تمام مسجدية الا ترى ان زمرم وجب من لا يلبس
 ولا مسجد ذاك الوقت اشبهت مصارفه بغيره الى ما كان يفسد القوام من قبل فانه منطقتان ذلك بشرط
 الواقف اقول في علة اخرى اشهدن الاولى وهو منع قطعة حضرت فيها البر عن الصلاة وعن
 ذكر الله فيدخل تحت قوله تعالى ومن اظلم ممن منع مسجدا لله ان يذكر فيها اسمه و
 سعى في خرابها وقد اشار الامام الى هذا التعليل في مسأله غرس الشجر في المسجد قال في الخاتمة
 وشرائط المفتين والهندية وغيره بانه غرس الشجر في المسجد لانه يشبه البيعة ويشغل مكان الصلاة
 ونصب في الظهيرية والبرازية والبحر وغيره بانه اذا كانت ارض المسجد منزلة لا تستقر بها الاسطوانات
 جاز الغرس لجذبه والافلا قال في منحة الخائف وفي قوله الافلا ويل على ان لا يجوز احداث الغرس في
 المسجد ولا القاد في غير ذلك الغدر ولو كان المسجد واسعا كسجى القدس الشريف ولو قصد الاستئصال
 للمسجد لان ذلك يؤدي الى تجويز احداث وكان فيه ادبيت للاستئصال او تجويز البقار ذلك بعد
 احداثه ولم يقل بذلك احدا ضرورة واعية ولان فيه البطلان بابي المسجد لاجل من صلاة واعكان
 وتجويزها وقد اريت في هذه المسألة رسالة بخط العلامة ابن امير الحاج الحلي الفاني ارد على من اجاز
 ذلك في المسجد الاقصى ورايت في آخر ما بخط بعض العلماء انه وافقه على ذلك العلامة الكمال

ابن ابي شريف الشافعي اه وقد مر في الكتاب اعني رد المحتار نقلا عن تلك الرسالة للامام ابن ابي الحجاج
 انه قال في تعليل عدم جوازها لان فيه شغل باعد للصلاة ونحوها وان كان المسجد واسعا وكان في الفرس
 نفع بثمرته والا لزم ايجار قطعة منه ولا يجوز ابقاؤه ايضا لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم ليس لعرق ظالم
 حق لان الظلم وضع الشئ في غير محله وبذلك لك اه ومن نظره الكلمات الشريفة لبعض الاضاف
 لم يثبت في الحكم تحريم كل احدث في المسجد يكون فيه شغل محل منه لغيره ابني له سواء كان بيتا او حائطا او
 دكة او منارة او حاصلا او خزنة او بئر او حوضا او شجرة او اودا وقلت وفي كل ذلك فوق ما قطع
 الصنف وقد قال صلى الله تعالى عليه وسلم من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله رواه النسائي
 والحاكم وصححه ابن عمر رضي الله تعالى عنهما اقول ويظهر لي بتوفيق الله تعالى لقول الجواز اربعة توجيها
 بعضها ملح من بعض الاول ان المراد حفر الباني قبل المسجدية والدليل القاهر عليه اعلمت من انفس
 القرآني ونصوص الأئمة والاصل المقرر ان المسجدين هو مسجد لا يكن جعله لغيره باهوله والقرينة عليه في
 نفس الكلام قوله اذالم يكن في ذلك ضرر بوجوه من الوجوه فان انفكاك حفر البئر في المسجد من الضرر
 تصوير محال كما سترى انشاء الله تعالى وقد علمت الاشارات اليه ففي قوله في مسجد مجاز لا دل
 وهو محل مسألة بيت البوارى الشافعي ان المراد بقوله في مسجد في حدود المسجد وفناءه وهي محاذة
 سائفة شائعة ولما قال في الكافي مستدلا على سنية الطهارة لمخبة الجمعة انه ذكر الله تعالى في المسجد
 فصار كالاذان قال الامام المحقق في فتح القدير هو ذكر الله في المسجد اي في حدوده لكرامته الاذان
 في داخله اه وهو محل مسألة وضع الجباب الثالث معناه لا يجوز وذلك لانه علق الجواز بما اذالم
 يكن في ذلك ضرر بوجوه من الوجوه وهو تعليق بالمحال فخالصه نفى الجواز بالمآل واستحالته لان اقل
 ما فيه شغل مكان الصلاة ومنع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه لان كل بقعة من المسجد مسجد كما نصوا عليه
 وليضا فيه تفرق الصفوف وقطعها وقد قال صلى الله تعالى عليه وسلم سمعت وايقضا الماء
 شئ لا يكل منه فدخله النساء والصبيان والكفرة الارجاس وتذهب مائة المسجد وتنتك
 حرمة كما نصوا عليه ورحم الله علماءنا اذ لم يأمروا مع ذلك دخول الحنوب والحائض وهو اخذت

واشنع فذه مضار لازمة او غالبية لانفكاك عنها عقلا او عادة واما علق بجمال محال فكان معناه
 المنع وكذا الظاهر في الحديث والفقه اما الحديث فقوله صلى الله تعالى عليه وسلم في الرجل كان
 بنى من الانبياء ويخط من وافق خطه قذاك رواه سلم والوداد والنسائي والامام احمد عن معوية
 بن الحكم السلمي رضي الله تعالى عنه علق الجواز بالموافقة وهي غير مقدورة لعدم العلم بكيفية خط ذلك
 النبي عليه الصلاة والسلام فكان معناه المنع قال الامام الجليل ابو ذر يا يحيى النودى رحمه الله
 تعالى في شرحه الصحيح ان معناه من وافق خطه فهو مباح له ولكن لا طريق لنا الى العلم اليقيني بالموافقة
 فلا يباح والمقصود انه حرام لانه لا يباح الا يقين الموافقة وليس لنا يقين بهما واما الفقه
 ففي التحنيس رعت فكتب الفاتحة بالدم على جبهته والنفقة جازة للتشفاء وبالبول ايضا ان علم
 فيه شفاؤه وحققنا في فتاوانا ان معناه المنع للتعليق بالعلم ولا سبيل اليه وفي الفتح ثم البحر
 ثم الشامى اهل الطب يشيرون للبنى البنت نفعا لوجع العين واختلف المشايخ فيه قبل لا يجوز قيل
 يجوز اذا علم انه يزول به الريد ولا يخفى ان حقيقة العلم متعذرة فالمراد اذا غلب على الظن والافهمنى
 المنع اه واثبت تعلم ان الكتابة المذكورة ليست من باب المظنون ايضا فلا يتأتى فيه تاويل الفقه ولا يكون
 معناه الا المنع ففي العمادية ثم الهندية الاسباب المزيلة للضرر تنقسم الى مقطوع به كالمااء المزيلة لضرر
 العطش والى مظنون كالمسهل وسائر ابواب الطب والى موهوم كالكي والرقية اه الرابع عمله
 الضرورة الصحيحة الملبئة كسجيس قرية ماء ولا حول فناء احاطت بطريق العامة ودور الناس معلوم
 ان المسجد لا بد من الماء اذا لصلاة الا بطهور فلا جل الضرورة لو حضرت في ارضيانه بئر بعيدة عن
 الباب لم يكن به باش لان فيه اخياره معنى اذ لو ترك بلاماء لم ياتعطل او تقل جماعة بل المرحوم انه
 لا يكون اذن احد اثنا فان كل بائى مسجد يقصد له تهيتة ماء ان لم يكن فلا يشك انه قصد وقصرت
 به النفقة او حدث به حادث فلم يتيسر له فذه اربعة وجوه يحصل بها التوفيق والله سبحانه ولي التوفيق
 هذا هو النظر في هذا الباب والله تعالى اعلم بالصواب والحمد لله العزيز الوهاب صلى الله تعالى على سيدنا
 الاواب محمد وآله والاصحاب انتهى ما في هذا المتار وقد تمت بها عليك سستة ردود كما اشرنا

اليها بالنمات والسابع ان البر من مصالح المسجد بل من ضرورياته فكيف تعم كلها كل ما ينفع
العامة لتتوصل به الى راتوى وقد فعلت من استبدال جز من المسجد طريقا عامة تنبيه اورد ههنا في
خلال كلامه متفرقا وعلاتعلق لها بالمقام يجعل الرحمة مسجد اوبالعكس بل هو قاض عليه كما علمت
وان لا بل المحلة تحويل الباب ان لم تقض المسجد وبنائه الحكم وغير ذلك لا تتعرض لها واما كثيرا
مما سبق من الكلام عليه فنكتفي فيه على التذكير والله المستعان -

(١٥٥) قال وفي جامع الفتاوى لهم تحويل المسجد الى مكان آخر ان تركوه بحيث لا يصلح فيه
قال شيخنا حفظه الله تعالى في جرد المتار معناه اذا خرب واستغنى عنه فيكون مبنيا على رواية نادرة
عن ابى يوسف اورد رواية هشام عن محمد ومجال ان يراد الترك قصد اليتعلل فيبطل فها هو الاشع
مساجدا لله ان يذكر فيها اسمه والسعي في خرابها وهو حرام شديد كبرية عظيمة بنص الذكر الحكيم و
لن يبطل به المسجد بل القصد الفاسد مردود على وجه القاصد وقد يشير الى ما ذكرنا قوله تركوه بحيث
لا يصلح فيه اى على حاله فيقتضى ذلك حيث لم يقل تركوه لا يصلحون فيه ولا تركوه بحيث لا يصلحون
فيه فالفرق لا يخفى على عارف بنى اه نليس فيه قرعة عين لك فان كانت عبارة جامع الفتاوى
هكذا كما نقل عنه في رد المحتار والذي مر عنه في المحاداة نقلا بالمعنى زاد ذلك ثلثة شديدة في نقلها فاق
اذن خطأ شديد صريح وغلط في الغرض -

(١٥٦) قال ولهم بيع مسجدتين لم يعرف بانيه وصرف ثمنه في مسجد آخر سحائي) نقل تمامه كى
تيم لك مرام هم المساجد في البحر عن القنية لو خرب احد المسجدين في قرية واحدة فللقاضي صرف
خشبة الى عمارة المسجد الاخر اذا لم يعلم بانيه ولا وارثه وان علم بصرفها هو بنفسه قلت ان شاء الله فلا يخفى
المسألة بالمعروف بانيه وانما شرطه ليصير كاللغة فيجوز للقاضي صرفه الى مسجد آخر كما نصوا عليه ابا اذا عرف
هو وارثه فالملك له صرف ان شاء اين شاء وبه علم ان المسألة في العام وانما بانيه على قول محمد
كما نص عليه في الاجناس والسراجية وجوابه الا خلاطى كما ذكر نصهما شيخنا حفظه الله تعالى في جرد المتار
ولكن هذا كله اذ صرفه الى المسجد العام فليبق لله مسجد اعني في مشارق الارض ومغاربها الاجل جاز

البيع والهدم ان عرف بانية فله ذلك والا فللقاضى واى ظلم اشد واخبت من هذا الهدم المساجد ونهزم
الكعبة كلا والذى فلن الحجته -

(١٥٤) قال اجارة شئ منه قبل يجوز وقيل لا قال الناطقى القياس ان يجوز اجارة سطح لمرة محظية
كفانار واعليه ما قال عقيبه قدروا فى الفتح بالبحث فى الخلاصة من انه لو احتاج المسجد الى نفقة توجب تقطعة
منه بقدر ما ينفع عليه بانه غير صحيح ثم هو ضرورة المسجد واذا صحت الضرورات ابيحت المحظورات
فان من الطريق الذى انت فيه -

(١٥٨) قد علمت ان الذى فعله فى مسجد كانفور هو اشارة النصارى الى ان يبقوا ارض المسجد خلة
فى الطريق العام ويبنى المسلمون عوضا عنها طلة فوقها ولا يخفى على مسلم ان صنع هذا ظلم شديد بالمسجد
وانتهاك عظيم لحرمتها كما بينه شيخنا المجد وحفظه الله تعالى فى ابانة المتوارى باين بيان وكان من الرد
عليه ما قد مناسن النصوص القاهرة عن كتاب شيخنا المجد وجد المتار عن النوازل والتجنيس والفتح
والجانية وتهذيب الوقايع والاسعاف والافقروى ومحيط السرخسى والمندية وقصود العمادى
وخزانة المفتين ووجيز الكردى والبحر الرائق والدر المختار وغيره بانه لا يجوز للقيم ان يبنى حوانيت فى
حد المسجد او فى فناءه لما فى نين اسقاط حرمة فاراد عنه الخلاص ولات حين مناص فاخرع وجهين
الاول قال هذا لا يدل على ان لا يجوز ان يجعل تحت ممر من المسجد للامة اى كما فعلت انا فى كانفور
يرفع المسجد على السمار وجعل ارضه داسا للكلاب والدواب (فاز لا تسقط حرمة المسجد به بخلاف
الحانوت) يا للمسلمين بقول حانوت البيع والشراء يذهب حرمة المسجد انا ان يمر فيه الخبج والحانوت
والنفساء والكلاب والحمة والدواب وثروث وتبول فليس فيه خلاف حرمة اصله فان الله وانا اليه
راجعون انها لا تعنى الا بصار ولكن تعنى القلوب التى فى الصدور ولا حول ولا قوة
الا بالله العلى العظيم -

(١٥٩) والثانى قال وايضا لا يدل على ان لا يجوز تحت بعض اجزاء المسجد شيئا وان كان يتصرف
وهو الطريق الذى البحث فى كانفور فان الطريق وان كان واسعا من قبل فوق الحاجة لكن جعلته

له ارفع يانا
فوالجى الكتاب
مع البطل
قول النجاة ان
انظر على

السري بالاجارة في فناءه اهـ فلكما ترى في الفناء لا في المسجد فمن اين اخترقت الثنياني المسجد ثم هو
 مجروح بما قد مر من المخصوص القاهرة عن الكتب المتظافرة منها بحر صاحب الاشباه ثم يوشى
 انما يعرف نقله عن واحد وهو ايضا مترد فيه غير حازم به قال في السندية عن القنار خانية عن البيهقي
 عن النجدي نقل عن قديم المسجد يبيع فناء المسجد ليتجر القوم بل له هذه الالباقه فقال اذا كان فيه مصلح للمسيح
 فلا بأس بان شار الله تعالى قيل لو منع في الفناء سررا فاجر يا الناس ليتجروا عليها وابعاح لهم فناء
 ذلك المسجد بل ذلك فقال لو كان لصلاح المسجد فلا بأس به اذا لم يكن من المعاملة اهـ واستثناه
 في الاول استثناه في الثاني وقد تواردت الامة الاجل على المنع والقاعدة العمل بما عليه الاكثرون وهم
 مدلل والمدلل مرجح وهم حازمون وفي الخبر الحكم فوجب التعويل عليه بوجه افاده شيخنا في جده المختار
 ولو فرضنا ترجيح الجواز في الفناء بل الاجماع عليه لم يغير عنك شيئا كما علمت -
 (١٤٣) ثم عاد الى بيت الفناء وقد تقدم رده -

(١٤٥) ثم عاد الى بناء الواقف بيتا لا امام فوق سطح المسجد وقد علمت انه قبل تمام المسجدة لكنه
 اراد به بناء دابة لما خالف بصرى الفقهاء الكرام من زعمه ان تحت المسجد ليس في حده فيقول ادلا
 ذلك التصريح عن الدر المختار وعن الشامي عن البيهقي عن الاسدي جالي انه مسجد الى عنان السماء وكذا
 الى تحت الشرى ثم عقبه بفتح بيت الامام ثم جعل تحت المسجدة فقال فقد علم ان قولهم المسجد مسجد الى السماء
 والى تحت الارض ان لم يجعل تحتها وفوقه شيء آخر لما جعل المرئحة فانه مسكت عندى هذا المحل
 تقدم مرارا وقد اعترف به ايضا ان كل هذا قبل تمام المسجدة لان المسجد انما يصير مسجدا بمجرد فناءه
 فوقه او تحته ببناء او غير المصالح لم يجعل هذا القدر مسجد ان كان منعا لئلا يزعاد وفعالا لرفع الخلاف بالذات
 المسجدة ولم يجعل تحتها ولا فوقه شيئا فقد صار مسجدا في جانبه الى منقطع الجنتين باقرا كذا ايضا
 فكيف يجعل الآن النزاع والرفع والاخراج والقطع وكلما كان في هذا اذ هو في الاستبدال وهو فاعلك
 في كافور فالتعنى الجليل -

(١٤٦) مصلح المسجد تواجد المسجد وتايج شيء له حكم شيء تقول فاني لا اري غير الامير ومعه خبره ما سمعت

لما كان في وقت
 سائر وقت
 ان تحت الارض
 من قبل مسكت
 عندى

اتقدم عن الكتب الكثيرة ونقلته ايضا ان الفنا رجع للمسجد فيكون حكمه حكم المسجد -
 (١٧٤) غير ان التابع ليس له ان يبارى الاصل فلا يحل الاستبدال ولو تابع كما تقدمت
 التصوص القاهرة عليه عن جد المتار فانك بخارج اجنبى فكيف تقول ان جعل الممسكوت
 في هذا المحل -

(١٧٨) يا هذا اتق الله انت جعلت المرتبة او جعلت نفسه طريقا واستبدلت به ظلة فو قد علم
 هذه التليسات -

(١٧٩ الى ١٨٣) طع العذامرة وطفق يمتنع على استبدال المسجد بالطريق بما ذكره في استبدال
 اوقات الغلة واثارها فقال قال في فتح القدير والحاصل ان الاستبدال اما عن شرط الاستبدال
 او لاعتبار شرط فان كان خروج الوقت عن ارتفاع الموقوف عليهم فينبغي ان لا يختلف فيه وان كان
 لذلك بل القف ان امكن ان يؤخذ ثمنه ما هو خير منه مع كونه منتقاه فينبغي ان لا يجوز ان يؤخذ
 البقاء الوقت على ما كان عليه دون زيادة فان كان لا فيهم فحرام على مثل الكلام في الفقه
 وان كان فيهم فليتم فالوجه اشد واعظم الميراث ولا ان فيه جواز الاستبدال مطلقا اذ شرطه
 الواقف ومن يزعم ان باي المسجد ان شرط ان يبيع المسجد متى شاور ويستبدله بأخر جاز له يبيع المسجد
 العام فقد اقرى على الله تعالى وثانيا نقل هذا عن رد المحتار ولم ير في نفس هذا البحث تحت قول
 المتن الشرح جاز جعل غلة الوقت لنفسه عند الثاني وعليه الفتوى وجاز شرط الاستبدال حينئذ
 قول رد المحتار اى حين اذ كان الفتوى على قول ابى يوسف واثار هذا الى ان اشترط الاستبدال

مفرغ على القول بجواز اشتراط الغلة لنفسه اه فقد جعلت المسجد شيئا يوقف للاستغلال به
 وجعلت ابى يوسف قائلًا بجواز ان يبنى المسجد ليستغله نفسه وعلى هذا تفرع جواز ان يشترط الباني
 استبداله وثالثا نقل قوله بخروج الوقت عن ارتفاع الموقوف عليهم وحمله على المساجد فلعلى يرى
 ان المساجد ومسجد فرنگى محل خاصة وقف عليه ولا يعامل على الساجد قوله يؤخذ ثمنه ما هو خير منه
 فلعلى المساجد في كهنوتها وخامسا نقل قوله الواجب البقاء الوقت على ما كان دون زيادة

ويجلبني الله تعالى عليه وسلم ثم امير المؤمنين عمر ثم امير المؤمنين عثمان رضي الله
تعالى عنهما ثم المسلمون فكل ذلك غير الواجب انما كان الواجب البقاء المسجد على قدره الاول
اي وما ذكره الامامة وفعل الصحابة رضي الله تعالى عنهم من اخذوا من ناس كبر بالزيادة في المسجد
كان حراما لان كان لامر غير واجب ولعمري لو استقصينا في ابانة فساد هذا الوجه الشنيع والظلم
القطيع لا تسع الخرق ولكن مسفر الاصباح غني عن المصباح.

(١٤٣ الى ١٩١) ثم تذكر عند استتمارها بالاضارات بل استنقاة بالاضارات فقال

فلنذكر عبارات الفقهاء المحققين الدالة على جواز اخذ بعض المسجد وسود فيه نحو ورقة قال

اولا بايراد عبارة البحر برمتو بما له تعلق بالحل وبالا وفيها اذا ضاق المسجد وبجنبه ارض لرجل
توخذا رضة بالقيمة كرها لم وانما الواجب عندك البقاء المسجد على ما كان دون زيادة وفيها

لما روي عن الصحابة رضي الله تعالى عنهم اخذوا ارضين بالقيمة بركة من اصحابها وادادوا في المسجد

الحرام انما عندك والتوا معاذ الله بغصب حرام وفيها معنى كسبه جعل في المسجد مراما فتح

يعين فسر جعل شي من الطريق مسجد القبولا دخلوا شيئا من الطريق ليتسع المسجد واذا اتى على كسبه

حاضر من هذا السنن وقال معناه جعل في المسجد مراما وفيها فانه يجوز لتعارف اهل الامصار في

الجوامع افتح يعين واطرح الحين وفيها جاز لكل ان يرا الا الجنب والحائض والنفساء

اسمح ان كان لك اذن تنقع وفيها لما عرفت في موضعه اعطى قلبك وترك يربك

وفيها وليس لهم ان يدخلوا فيه الدواب لا تقربوا الكلام وانتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون

ثم عبارة النبر وفيها عكسه هو اذا جعل في المسجد مراما ام اخذ بعض المسجد كما قلت وحول طريقا

كما افعلت وفيها لتعارف الجوامع انهم يأخذون بعض المسجد فيبيعونه وياكون ثمنه وفيها

يجوز لكل ان يرا الا الجنب والحائض والنفساء فانه حرام عليهم ان يدخلوا الطريق وفيها

وليس لهم ان يدخلوا فيه الدواب لانها انما تدخل عند المنبر والحجاب ثم عبارة الزيلعي والمعنى وفيها

عكسه هو اذا جعل في المسجد مراما بان يهدم المسجد ويجعله طريقا للكلاب والدواب ورفع فود ظلة

عبادة رب الارباب وفيها تفاوت اهل الامصار (الامصار في لغتهم بمعنى كافتور والاهل
هو صاحبنا المذكور وفيها جاز لكل ان يميز الاجنب والافض (والنفساء) لانه الآن صار محترما
بجملته لقيام بعض حكام البرطانية وفيها لما عرفت في موضعه) اى في جامع الجزئيات
ان المسيحيين والطريقين وفيها ليس لهم ان يدخلوا فيه الدواب (لانه صار طريقا
لحكام الدولة والدواب ثم اقال بايرا وعبارة طويلة عن ابي السعود لامساس لها بالمسألة
الاحرف في آخرها عن الشر بنحالي عن الزبيعي وفيها لكل ان يميز الاجنب) وهو الذي نجا
الحق وجائز الباطل (والحافض) اى لسان بالترهات فافض (والنفساء) وهى القرية
التي تليها بالاطيل وترى بداء التحريف والتبديل وفيها وليس لهم (اى للمسلمين) ان يخلو فيه
اى في محبت فقهى (الدواب) التي لا تعلم ولا تعقل ولا تنعم -

(١٩٢ الى ١٩٤) ثم بعد الايتان بهذه الصراخ القاهرة الباهرة الواضحة القاضية لمزعم
عمد الى الايتان بالمهمات المجملات المحتملات حالما لا يامحض الجرات بل خلاصت المفسرات
على مفهومه فادرس المعدن عن الذخيرة صح عكس المذكور بان جعل بعض المسيحيين طريقا وعن
الدرر والغر جاز جعل شئ من الطريق مسجدا وعكسه كذا في كتاب الكرامته من الخلاصة وعن الباق
عن الندة جعل شئ من المسيحيين طريقا جاز عن مسكين عن الذخيرة عكسه بان جعل المسيحيين طريقا
كذا في نسخة وعبارة مسكين جعل بعض المسيحيين عن خزائن الفناوى عن محمد بنوزان كجعل شئ من
المسيحيين طريقا للعامة وعن خزائن الروايات روى الفقيه الجعفر عن هشام عن محمد لابس بان
يجعل شئ من المسيحيين طريقا لان لكل لعامة المسلمين اه وانت تعلم ان لو كانت الوفا لم تسم
ولم تكن من جوع فعنى - الكل ما تقدم في المفسرات المتواترات القاهرة ان لا ترى ان
ما في المعدن ومسكين هى مسألة الكنز المفسرة باسلف فانما عليايتة كلمان اذها مشرحاه وما
مسألة الفر الا هذه فانما متن كالكنز وهى مسألة المتون وقد عزاها في درره الى الخلاصة
والتي في الخلاصة مصرح فيها بانها رواية ابي جعفر عن هشام عن محمد وهى المذكورة في خزائن

القنودى وخزانة الروايات ولما عزاها في الدرر الخلاصة قال العلامة حسن العجمي المكي في حاشيته
 هذا القول لا يظهر الحاجة له اذ هو في الكثر كذلك اهم فظهر ان لكل واحد والمعنى واحد والفرق فاسد انما كان
 (١٩٨) بل لولا ذلك لوجب الحمل عليه للدلائل القاهرة المارة عن جد الممتار -
 (١٩٩) بل لو اقبل الامر ان كان الاحتمال يقطع عرق الاستدلال فالاستدلال بكل حال
 خطأ القنودى -

(٢٠٠) كيف نقلت قول محمد ان المسجد لعامة المسلمين ورضيت به مع قولك فيما يتعلق حتى
 العامة في الطريق للمسجد فان الحق في المسجد لاهل العامة -

(٢٠١ و ٢٠٢) لم يترك تَعْوِده بآيتين المضرت فادخل في خلال المبهمات قول الدرر جاز
 ايضا جعل الطريق مسجد الا عكسه اذ يجوز الصلاة في الطريق لا المرور في المسجد وقول العماد
 ذكر رشيد الدين الامام لجعل المسجد طريقا لا يجوز ولوجعل الطريق مسجدا جاز لانه يجوز الصلاة في
 الطريق فجاز ان يجعل مسجد ولا يجوز المرور في المسجد فلا يجوز جعل المسجد طريقا اهم ولم يدرك في الرد
 البالغ عليه كما تقدم في النمرة ٥٩ فان امتناع المرور في بعض المسجد مثله في كل بل لا يكون المرور
 الا في بعض -

(٢٠٣) اور عن العمادية اجمع العلماء على جواز بيع المسجد وحصيره اذا استغفوا عنه (من اجل
 انه في اليقين اوطن نفسه على استبدال المسجد كيفما استطاع سقط من قلمه هنا لفظ البناء فانسب
 البيع الى المسجد وانتصب على جواز بيعه اجماع العلماء وهو من ابيّن الا باطل وانما عبارة العمادية
 وعنها في جامع الفصولين على جواز بيع بناء المسجد الخ واما كمرته لك فيه فالبناء وصف في المسجد
 لا المسجد وكلامك فيه وبه فعلت فلتك التي فعلت -

(٢٠٤) انما محل الاجماع نقص الفضل من المسجد فبني وبقى الباقي مما لا حاجة اليه للمسجد او بدم
 لبنائه حكم ففصل شيء لا محل له كما اذا كان سقفه من جذوع فبنوا مكانه قبة فالجذوع تبقى فانه
 لا حاجة اليها مثل هذا يحفظ للحاجة الآتية فان تحضر خشب فساد او ضياع او وقع الاستغناء به فالحال

كما في الجذوع فهذا يجوز سبعة بالذن القاضي اجماعا ويده خورثمة لحاجة البناء خاصة لا يصر الى
 غيره من مصارع المسجد كما بينه شيخنا المجد وحفظه الله تعالى في رسالته التحريرية الجيدة في بيع حق المسجد
 من رسائل فتاواه المباركة العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية فاي ساس لا بأس له وان علمته
 على انعام بطلت ودعوى الاجماع بل المفتوى على انه لا يباع قال في رد المحتار قال في المحرر
 الفتوى على قول محمد في آيات المسجد على قول ابي يوسف في تأييد المسجد اياه والمرد بالآيات
 المسجد نحو التقدير والمحصر بخلاف انفاضة لما قد مناعته قرر بان الفتوى على ان المسجد لا يبيع
 ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر اياه ولكن فرضنا لما يجديك الغامر وكلامك في العام
 (٢٠٥) قال في فتاوى قاضي ظهير الدين بيع البناء الموقوف للبحر قبل المهدم يجوز بيعه
 اولاهو في البناء فافيه عنك غنار.

(٢٠٤) ثانياً تمام كلام الظهيرية وكذا الشجر الموقوف جاز سبعة بعد القطع لا قبله ولو كان الشجر
 غير موقوف جاز سبعة قبل القطع وبعده اياه جامع الفصولين فلو فهمت الكلام لميزت بين المحلل والحرام
 واذا لم تفهم فائق السمع وانت شهيد وقف الشجر الموقوف للاستغلال بشارة او ياكلها الموقوف
 عليهم لا لان القطع ويقطع وكذا البناء للاستغلال او للسكنى لا لان يهدم ويعدم فلا يحل قطع الشجر الموقوف حتى
 لهارة الدار الموقوفة لما فيمن تميز صيغة الوقف ولو فعله اقيم بتحقيق الغزل حتى لو يس نصفه لم يحل قطع
 الباقي في جهل المتار عن العقود الدرية عن فتح القدير عن الامام الى القاسم الصغار انه سئل
 عن شجرة وقف ميس بعضها وهي بعضها فقال يا ميس منها فبيل غلها وبالقى فتردك على
 حالها وفيه عنها عن البحر الرائق عن الظهيرية ليس لان يبيع الشجرة ويعمر الدار ولكن يكرى الدار
 ويستعين بالدار على عمارة الدار لا بالشجرة اياه وفيه عنها سئل في ناظر وقف قطع اشجار البستان
 الوقف اليا لثة الغير الشاليت ولا اليا لثة وابعاد بلا وجه شرعي فهل اذا ثبت ذلك عليه بالوجه
 الشرعي يستحق الغزل الجواب نعم وافق الشيخ اسمعيل بمثل ذلك اياه اما في الشجر الذي يقصده
 خطبه فانما يجعل ينتفع الوقف بثمنه فيجوز بيعه لمصارف الوقف ولو قائما والبناء كالشجر فلا يحل

م
 سنة ١٢٠٥
 ١٢

بيعه قائما ولا يهدمه الا اذا دهم وجداد اريد بنا را حكم منه ثم اذا انهدم ادهم لما قلنا فلا يحل
بيعه الا ليعرف ثمنه الى العارة كما قدمنا عن الفتاوى الرضوية فظهر ان القلع والقطع والبيع
كل ذلك لمصلحة الوقف والاحرم فاين هذا مما نقول وفعلت من تقبيل المسجد للمسجد بالمسجد والمسجد
تقبل كل سليم ليجد سبيلا في المسجد الى التبريم به بلغت الطقار نور الله ثمنه به وبأي الله الا ان ثمنه
(٢٠٤) داور عن مختار الفتاوى لوضاق الطريق وسع من المسجد نعم كما امر الامامة من
جعل مرفية لا يدخل جنبه الحائض ولا نفار ولا دابة كما علمت وبهذا اللفظ ذكر في الاشباه
وقد فسر في محله بما سمعت وتقدم عن جلال المتار ما فيه رد المتار على الدر المختار عند السادة
الاخير والحمد لله العزيز الغفار هذا كل ما اتى به تطمين القلوب وقد رأيت انه لم يأت الا بما
لا يفيد او ما يضر مغمومه ويبيده وكذلك كل من جانب الحق وتبع الباطل فان الباطل
لا يؤيده الا باطل ومحال ان تطمين قلوب الاسلام بقلب الشرع وانتهاك حرمت الغزيرة
السلام الى هذا كرا الله تطمين القلوب -

(٢٠٨) اذا دار بكل غداة قاصيته وخطب بعضاه في كل زاوية ولم يجد له دابة دائمة ولا مدونة
وكان من اعظم ما يرويه بل يرويه انه اشار بابقار ارض المسجد مدخلة في طريق العامة
فقد اباح المسجد لكل جنب وحائض ونفار وكلب وحمار وكل دابة ودولما ورد ثنائها
وفرشها وى ابانة اشده من هذا المسجد ولا يمكن سد هذا الباب بعد قطوع من المسجد ودخاله في
المسجد لا سيما في سلطنة النصارى ولذا حقق شيخنا المجد وحفظه الله تعالى في كتابه
ابانة المتوارى ان مسأله جعل الحرم في المسجد مختصة بالسلطنة الاسلامية وان المراد بقبولهم
حتى الكافر هو الذي او المستأمن وقد بينه بما تقبله القلوب المطمئنة بالايمان فراجعوا فانه
بمرأى منك اراد ان يخرج عن هذا الضيق باباحة المسجد للجنب ونظر انه فقال في خزائن
الفتاوى وذكر ابو اليسر بباح للجنب الدخول فيه لغير الصلاة والمستحاضة تدخل اذا امن
تكميث المسجد) يا هذا احاط بليل انت ام جارف سيل التقاط الروايات الضعيفة المروجة

المجروحة المطروحة لا يمين ولا يفتي من جوع وقد علمت ما في الدر وغيره ان الحكم والفتيا
بالقول المرجوح جمل وخرق للاجماع فضلا عن مثل هذا الباطل باجماع ائمتنا بالانواع -

(٢٠٩) هذا ان كان رواية والذي ثبت به ليس من الرواية ايضا في شيء بل هو قول تفرد به

ابو اليسر من الشايع قال في البحر بعد ذكر حديث البخاري في تاريخه والي داود وابن ماجه

عن ام المؤمنين رضي الله تعالى عنها عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اني لا اهل المسجد الحرام

ولا جنب هو بالمطابقة على الشافعي في اباحته الدخول على وجه العبور وعلى ابي اليسر من اصحابنا

في اباحته الدخول لغير الصلاة كما نقله عنه في خزائن القادى اهر ومعلوم ان سبخا يتفرد به بعض

الشايع على خلاف اجماع ائمة المذهب لا يحل الخروج عليه لاسيما ولا دليل يؤي اليه وعمري

من تتبع اشغال هذا كان من افسق عباد الله كما قاله الامام الاجل عبد الله بن المبارك تلميذ سيدنا

الامام الاعظم امام الائمة رضي الله تعالى عنه وعظم -

(٢١٠) سلطانا في ذميت عتك الحالف والنفسا رداى غنار في حديث استخاضه -

(٢١١) عدونا عظم لبال الدواب والكلاب والايوال والارواث فاخرج رواية في الحافض

والنفسا واثنته في البول والغذرة وحينئذ يخلو كك وجه المسجد وتجذالة كنت تفقد اعوذ بالله

من عظم لا ينفخ وقلب لا ينجح ودر عار لا يسمع -

(٢١٢) قال في الخلاصة كره التوضي والمضمضة في المسجد الا ان يكون فيه موضع اتخذ للتوضي

ولا يصلي فيه) تقدم ان هذا فيما اتخذ الباني قبل تمام المسجدين فلم يكن في المسجد لان هذا الموضع

يبقى مستثنى لان المسجدين انما هي يجعله فاذا استثنى موضعا لمصالح المسجد صح ولم يكن الموضع مسجدا

ولا عن المسجدين ناغيا -

(٢١٣) قد اعترف به هو فيما سلف حيث ذكر موضع الوضوء وغير ذلك ثم قال محل الجواز قبل

تمام البناء لكنه يقر ثم يغيره ويدر الستم -

(٢١٤) قال في مفيد استفيد من الايضاح كرهه ابو حنيفة وابو يوسف الوضوء في المسجد لان

الاجماع

الامام المستعمل نجس عندهما وقال محمد لا بأس به اذ المكن عليه قدر لانه عنده ظاهر كاللبن كذا في
خزانة الروايات قال الامام ملك العلماء ابو بكر بن مسعود الكاساني في البداية والنهاية
في المسجد لان ماله مستقدر طبعاً فيجب تنزيهه عنه كما يجب تنزيهه عن الخمار والبلغم اه
رواه مختار قال شيخنا حفظه الله تعالى في جرد المتاركة التعليل على نذهب محمد لنقصه بالاعلى قول
الامام بنجاسة الماء المستعمل فظاهر وبه ظهر الجواب عما ذكر في خزانة الروايات من حوازه عند محمد
اذ المكن عليه قدر قال لانه عنده ظاهر كاللبن اه فان حرمة البصاق في المسجد مقطوع بها هي
وطهارة البصاق معا ولا يخلو محمد ولا احد وصحاح الاحاديث فيه مشهورة مستفيضة والطهارة
لا تنفي الاستعداد فلا يصح انه عنده كاللبن وبه علم ان فرض ما اذ المكن عليه قدر كفرض محال
فان ماله مستقدر بنفسه اه ما في جرد المتاركة على التسليم اذ انفعك ان تكون البوال الكلاب
ايضا طاهرات بل كاللبن فاذا نلصير عندك نجواً كالحلوان فان اقميت على هذا نجوت ودعوت
ما جرت ان لم يكن بعد اليوم غد ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم

(٢١٥) كان يماشي الائمة في جبل مرفى في المسجد لاجل الحاجة مع حفظ حرمة وتحتج دخول
الجنب واخوانه وادخال حيوان وبنجاساته وفي قلبه ان كل ذلك الزام بالايام ونصف
وتحكم من حكم فلما تمالك نفسه ان اطهر ما ضم فوضع الاختتام لنهاية الزام كي يروح بسره شفاه
لصدوره فقال ان قال ان يقول ان تاويل الطريق بالمرسوع على نذهب الامام ابى يوسف لانه

لا يجوز عنده ان يحول المسجد من مكان الى مكان آخر فلذا اخرج الى التعليل وعلوه بالتعارف
في الجوامع اعلى قول محمد فلا حاجة فيه فلذا لم يعللوا المسئلة في التون قد علم كل صبي من الخنفية
ان خلاف الامامين انما هو في مسجد خرب والتفتي عنه بالعامر فلا يحل استبداله بطريق ولا شيء
عند ابى يوسف ولا محمد

(٢١٦) تاويل الطريق بالمرقد نظافت عليه كل تهم والطبق عليه المتأخر ون الى صاحب
الدر المختار الى صاحب رد المختار وانت بزعم ان المتأخرين افتوا على قول محمد فن ادلك

ع
ص
٢

وكيف وافقوا على هذا التأويل مع عدم الحاجة اليه عندك على قول محمد المختار لم يدل رأيت
 احدا صرح في هذه المسألة بان معناها ان تهدم المساجد وتبطل مسجديتها وتدخل في الطرقات
 (٢١٤) لما كان محتاجا فيما سلف الى ان يبدي لمزعموه الباطل مستند من كلمات العلماء
 نقول هنا لك ان المزمعين الطريق كما تقدم والآن لما سلخ عن اتباعهم ونترقى الى اجتهاد
 نفسه اعترف بالحق ان المزمع المذكور في كلامهم غير الطريق وانهم اذا ادحووا كلام المتن
 والصواب على قول محمد ان مراد المتن بالطريق هو الذي ادخل فيه مسجد كالنفوس وباطلة متناهية
 بان كيم فينبوح وليقول فيجور -

(٢١٨) استدلى على ذلك بان المتن لم تعطل المسألة اى ولو شوا على قول ابى يوسف
 لعلوا وادى مسألة تعطل المتن -

(٢١٩) الاستدلال تبرك لتعليل على نفية عجيب -

(٢٢٠) كان يحتاج سالفا ان يجعل مزعموه مطابعا للقول المقضى به كيلا يقال ان الحكم
 والفتيا بالقول المرجوح جبل وخرق للاجماع فانكروا مسألة المتن على قول محمد وجره
 بالموسسات الى قول ابى يوسف كما تقدم والآن لما خلع عن رقبته ربة اتباع الفتوى
 جعل يقرر ان المتن ناشئة على قول محمد وان الشراح ظلموا بانجرها الى قول ابى يوسف
 (٢٢١) دفع الى هنا حفظ حرمان المسجد بقى يحتاج في قلبه شركة التقييد بالحاجة وقد كان حيا
 من العلماء وفرق من المسلمين حملا على القول بالاحتياج كما استحكك فقصده من قبل وهو
 نفسه ان الحاجة الى الحاجة بل يجوز بدم المساجد واذالها في الطرق من دون حاجة
 فلم يعبر ان قال واروى عن محمد فمر ايضا مطلق ليس بمقتضى اى كما ان المتن مطلقة
 قتيمة الشراح بالحاجة ظلم ولكن نسي ما قدمت يراه ان الحق ان لتعليل المسألة بالحاجة
 فماذا بعد الحق الا الضلل -

(٢٢٢) قال بل مرجح بتحويل المسجد وقت الاستفتاء من حالة الوقف الى الملك

والوراثية) اى والاستغناء وعدم الحاجة فمجرد مصرح بان المسجد يجعل ملك زيد وورثته من دون حاجة فلان يهدم ويدخل فى طريق واسع من قبل بغية حاجة اضلالا لاجاز اولى واجدر بهذا معنى كلامه ولذا اتى بل للترقى وبالتصريح بدل الاستنباط من الاطلاق واذا بلغ الفهم الى هذه الدرجة رفع القلم وسقط الكلام فان كلام محمد فى مسجد متغنى عنه بالحراب وهذا يحل على تبديل مسجد عامر من دون حاجة بطريق مستغنى عنه -

(٢٢٣) قال فلما فتى احد على قول محمد فلا يلزم لكن من افتى بشئ يخترعه فى الدين فعليه اللعان والوزر التام لا سيما من فعله عار فامعترفا ما به تنك حرمة الاسلام انظر كتاب شيخنا ابياته المتوارى فى مصالحة عبد البارى الملقم ان محمد ابرئى منك وليس فى قوله شئ مما ابتدعت -

(٢٢٤) قال لان الفتوى على قوله لا يعد الخروج عن المذهب (الحمد لله تهاب الخروج عن المذهب وتستقل بعد اسطر الى نقل ابن تيمية الفصال عن الامام احمد بن حنبل رضى الله تعالى عن احمد بن حنبل -

(٢٢٥) قال وقد افتى المتأخرون على قول محمد) كانه يريد بهم نفعه وشرذته كانت معه فى ابطال مسجد كافور والا فقد علمت ان العلماء من الامام الزيلعى الى العلامة الشامى حلوا الطريق على عمر فى المسجد ايجاب الآداب والتحريم على الجنب واختيه والدواب وهذا مختص عندك بقول ابى يوسف فاين المشى على قول محمد -

٢٢٦ قال لما رآه ان قوله اوفق بالادقات نعم اى شئ اوفق بالوقت من ابطاله رأسا - (٢٢٦) لمحمد قول فى النام وخالفه فيه ابو يوسف ورواية عند الشامى فى العام ودافقه عليها بعض المتون وصاحبنا لا يميز بينهما فكان كل احوال محمد وروايته عنده شئ واحد متعلق بكل منها ما يتعلق ببعضها من خلاف او افتاء او غير ذلك -

(٢٢٨) قال وان سلم ان ابا حنيفة مع ابى يوسف ولا التفات الى ما روى مؤلفه مع محمد فقول محمد مؤيد بآثار الصحابة فيقدم على قول ابى يوسف ويتعين بالافتاء) لما اعيتته المذاهب

لعمري لا يلزم
منه من
مؤلفه
بغير
تأويل

قام بجهد ويدعى لنفسه منصب اجتهاد الفتوى والى له ذلك -

(٢٢٩) قول محمد لا يميل شيئا الى ما فعلت وتقول فان تعين للناظر بل لو فرض عليه الاجماع لم يفيحك -

(٢٣٠) شيعت من القول على الائمة حتى عدت الى الصحابة رضي الله تعالى عنهم
وسرى ان لا اثر لما تزعم في ما ابدت من اثر -

(٢٣١) على التنزيل عن اكل قول ابى يوسف مؤيد بنصوص القرآن العظيم قال تعالى
وان المسجد لله وقال تعالى ومن ظلم من منهم مسجد الله ان يذكر فيها اسمه
وسعى في خرابها فيفترض التنويل عليه ويحرم الخروج عنه ويوجب القول بطلان كل
ما خالفه فاین هذا من مسأله الاشارة المؤيد فيها قول محمد باحاديث لا تخصى وبالاختياط في الدين
وسد الذرائع بل الحق ان الفتوى على قوله فيها انفسا والزمان وسد البواب الطغيان وحفظ الامة
عن استحواد الشيطان والا فقول الامام لا تضع في من حيث الدليل كما تحقه شيخنا المجيد
حفظه الله تعالى في رسالته الفقه النجاشي في عجين النارجيل من رسائل فتاواه المباركة العلياء
النبوية في الفتاوى الرضوية -

(٢٣٢) ائمة الفتوى هم الذين افتوا في الاشارة بقول محمد فاين هذا ما لفتى به رجل لم يبلغ
درجة آحاد المقلدين فضلا عن الائمة المجتهدين -

(٢٣٣) الآن ليس من المذهب ولم يجد فيه لمن مهرب فتيا الخروج عن نهيه بتشابه بل

ابن تيمية لم يطلب فقال قال ابن تيمية في فتاواه وابلغ من ذلك ان احمد بن حنبل المجد
بغيره للمصلحة كما فعل ذلك الصحابة (هذا لفظ ابن تيمية على ما فهمه ولا حجة فيه)
ولا في فهمه وانسب الى الصحابة رضي الله تعالى عنهم فلم يثبت عنهم وبالا ابن تيمية وللصحابة وقدنا
الحصني اذا كفر بن عباس رضي الله تعالى عنهما في كتابه السعي بالنظم الصراط المستقيم كما في كشف الظنون

(٢٣٤) قال صالح بن احمد قلت لابي السجدة بخرف يذهب اليه ترى ان يحول الى مكان آخر

قال اذا كان يريد مفعة الناس فغم والافلا) هذا صحيح عن احمد وقد عزاه له الثقات نفى حجة
 الامة للعلامة محمد بن عبد الرحمن الدمشقي الشافعي رحمه الله تعالى التفقوا على انه اذا خرب الو
 لم بعد الى ملك الوقت ثم اخطفوا في جواربعيه وصرف ثمنه في مثل فقالت الملك والشافعي
 لا يباع وقال احمد بجوابيه وصرف ثمنه في مثل وكذلك في المسجد اذا كان لا يرجع عوده اهر
 وقال لمحقق حيث اطلق في الفتح لو خرب ما حول المسجد يستغنى عنه بان كان في قرية فخرت وجو
 مزارع يبقى مسجد على حاله عند ابي يوسف وهو قول ابي حنيفة والملك والشافعي وعن احمد يباع
 نقضه ويصرف في مسجد آخر اهر وهو يوافق رواية هشام عن محمد ورواية اخرى عن ابي يوسف
 ولا يدخل له هنا ولو لم تأس عنه لم يخرج عن المذهب لوجوده فيه عن امامي المذهب وقد اثبت به
 جماعة من مشايخ المذهب كما فصله السيد ابن النجاشي.

(٢٤٥) ثم نقل عنه ان كان الذي بنى المسجد يريد ان يحولها من لصوص او يكون موضع
 قفرا فلا بأس الرجل ببنى المسجد فلا يكون مسجد او ان تم بناؤه بالم ليقول جعلته مسجدا هذا هو
 احمد والملك والشافعي والي يوسف بل يجمع عليه في جانب النفى لان الوقف لا يتم بمسجد الزينة
 اجماعا كنزى عثمان عبيده او طلاق عرسه لا يعتق ولا تطلق بالم شيكلم فذا قبل ان يقول اطلع
 على لصوص لا يتركون فمرشني المسجد ومعايقه فذا ان يحول لانه لم يكن مسجدا شرعا بعد وبالاولي
 اذا علم ان بناه وقع على المقابر.

(٢٤٦) بنى مسجد فخرت وذهب اليه جعل اللصوص ياخذون النقاضه فله نقلها الى مسجد آخر
 على رواية ابي يوسف وقد جزم به في الاسعاف واثبت به السيد الامام ابو شجاع خانيه وشمس
 الائمة الكلواني وشيخ الاسلام ذخيرة والشيخ ايسن الدين بن عبد العال والشيخ احمد الحلي والمحقق
 ابن نجيم والشيخ محمد الوفاي شرنبلالي في رسالته ولا سيما في زماننا فان مسجد اذا تم نقلها فخذ
 النقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد رد المختار فالطلق اللاحق محمول على المقيد سابق
 (٢٤٧) مسجد الجامع يقضى فيه امير البلدة والمسجد عنده بيت المال فخاف اللصوص ناله

ان يحول الجامع الى موضع احفظ وامنع اى يترك هذه الصلوات الخمس لمن حوله وسبى او يعين
للجمعة مسجد آخر والاستدلال يقطع الاحتمال فان كان عندك ما يرد هذه الاحتمالات فمات.
(٢٣٨) بل لا يبيل الا الى هذه فان المسجد عقار لا ينفذ عليه من اللصوص ولا هم يجدون
عامر الى محل عامر فيأخذون النفاضة اما الآلات نحو البسط والتعلقات فالخوف عليها يستحيل
ان يخرج المسجد عن المسجدية مع ان عدوها اصلا لا يضر بالمسجد ولم تكن في فضل الاعصار واذ
هو مسجد قطعاً فتحويله تركسعى في خرابه قطعاً وهو محرم كبيرة بالنص لقطعى قطعاً فلا يظن القول
به عن نجاف وعبد الله العظيم حرمت الله وان كان من آحاد الناس وهل سمعت مسلماً يقول
اذا خيف من لص على قنديل المسجد فخر به وبه موه فضلاً عن امام حليل من ائمة المسلمين لا سيما
مثل احمد بن لا بيل وجبل لا يزول سيف ماض من سيوف الاسلام الذى جعله النبي صلى الله
تعالى عليه ولم يبع الاسلام وجاد بنفسه في حفظ حرمت الاسلام رضى الله تعالى عنه وعن
سائر الائمة في دار السلام آمين.

(٢٣٩) وبه ظهر معنى اثر امير المؤمنين عمر رضى الله تعالى عنه الذى رواه احمد عن القاسم
قال لما قدم عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه الى بيت المال كان سعد بن مالك
رضى الله تعالى عنه بنى القصر واتخذ مسجداً عند اصحاب التمر فكتب بيت المال فاخذ الذى
نقبة فكتب فيه الى عمر رضى الله تعالى عنه فكتب عمر ان اقطع الرجل والنقل للمسجد وجعل بيت
المال في قبلة المسجد فانه لن يزال في المسجد مصل من نقله عبد الله فخط له هذه النخبة معلوم انه كان
مسجد الجامع كما صرح به احمد اذ قال لما نقلت عن ابن تيمية عنه ان ابن مسعود حول الجامع مسجد
وتحويل الجامع بتحويل الجمعة لا يلزمه بل لا يفهم منه البطلان نفس المسجد وهدمه وجعل طريقاً
لقول وفعلت.

(٢٤٠) امير المؤمنين ارا وحفظ بيت المال ام يرم بيت ذى الجلال فاذا اخذه الاسير سينا
عبد الله مسجد آخر للجمعة وترك اقامتها هنا ونقل المال الى قبلة المسجد الجديد حصل المقصود فقيم بآمره

له منى
على بابك

امير المؤمنين بابطال مسجدية المسجد العتيق لانه مفهوم من الحديث ولا هو معقول ولا مقبول
 (٢٢٢١) الامام المحقق في الفتح نقل الحديث بلفظ ان عمر كتب الى موسى لما نقب بيت المال
 الذي بالكوفة اقل المسجد الذي بالتارين واجعل بيت المال في قبلة المسجد واجاب عنه بقوله
 يمكن اذ امره بانما ذبيت المال في المسجد اتم فعمله من باب الحذف والايصال والفعول بيت المال
 والمعنى ان انتم من احد فنية مجال مقال وعلى كل لم يبق الاثر دلالة على انتم انتم فبطل الاستدلال
 (٢٢٢٢) ثم في القدر من التحويل الذي ليس من التحويل في شيء انما كان لضرورة كما في نفس الحديث
 وانت حملت قول محمد على الاطلاق ثم ادعيت تأييده بالآثار واتيت باثر واحد وهو تحت القيد
 فاین الدلالة على الاطلاق واليتك تقول بعد ما نفهم فان لم تستطع نفهم بعد ما نقول فان لم
 تقل بحديث من سكت سلم -

(٢٢٢٣) ثم قال ابن تيمية قال صالح قال ابي يقال ان بيت المال نقب في مسجد الكوفة
 فقول عبد الله بن مسعود (المسجد) هذا ليس بتفسيرنا نعم رد على توجيه المحقق انكسرت فيه حجة و
 لا حجة فيها ولا لان يقال يقال للتبري والتضييف ونقل ما في بعض الافواه وثبات
 نقل عن مجهول وثباتا معضل -

(٢٢٢٤) تمام موضع السالين اليم في موضع المسجد العتيق يعني احمد ان المسجد الذي بناه ابن
 مسعود كان موضع التاذين في زمان احمد وهذا المسجد هو المسجد العتيق ثم غير مسجد الكوفة مرة ثالثة
 قد وقفنا المولى سبحانه وتعالى لتفسير واضح من غير لاجل التحويل ولا غيره التغيير كما علمت في المسجد
 اما قوله يعني احمد فحقه يعني ذلك القائل المجهول لان القول ليس لاحد وانما قال يقال ثم قوله
 وهذا المسجد يشير نظيره الى بقا المسجد بعد التحويل -

(٢٢٢٥) ثم قال قال ابو الخطاب سئل ابو عبد الله يحول المسجد قال اذا كان ضيقا لا يسع
 ابله فلا بأس ان يحول الى موضع اوسع منه. هذا في الجامع فانه الذي لضيق عادة لجمعة الجماعات
 لا سيما عند انحاء وجمعة كما كان في زمنهم فليس فيه الا تحويل الوصف ولو جاز البطلان المسجدية

استدلال
 التارين
 اذ كان في البيت
 وهو موضع التارين
 اى اصحاب التارين

لاجل الضيق لاجل اخذ ارض بكرة للتوسيع وقد فعله الصحابة رضي الله تعالى عنهم ولعمري ما بطل المسجد للضيق الاقل مسلم لمضنه.

(٢٢٧٦) ما تقول في المسجد اذا ضاق بل بمسجد ام لا على الثاني فالضائق وهل قال به احد من علماء العالم ان المسجد لضيقه لا يبقى مسجد اذ قد ضاق المسجد النبوي صلوات الله تعالى وسلامه عليه فوسعه امير المؤمنين عثمان رضي الله تعالى عنه فقال صلى الله تعالى عليه وسلم كما روى الترمذي عن امير المؤمنين على كرم الله تعالى وجهه رحم الله عثمان زاد في مسجد ناحتي وسعنا وعلى الاول كيف يحل البطل ومن والذي ينبغي من قول الواحد القهار ومن الظلم لمن منع مسجد الله ان يدكر فيها اسمه وسعى في خرابها.

(٢٢٧٧) قال وجوز احمد ان يرفع المسجد الذي على الارض ويبنى تحته سقاية للصلاة (الآن نطن انه ظفر بما يشبه ما ذكره في كنفه في كنفه حيث رفع المسجد على السمار وجعل الارض طريقا للنهار والمشركين والعامة وكفانا بما عناه القفل ابن تيمية نفسه عن بعض اصحاب احمد ان هذا على تدار البناء وهو الماشي على الجادة والموافق لقول الغزير المليك المنزه من شريك وان المسجد لله وانكار ابن تيمية لا يعجزه فقد انكر جملة من احاديث صحيح البخاري وجمدة ان يكون فيه مع طوبى كونها فيه عند الطلبة المستغلين به واعتذر عنه العقلاء في بانه كان يعتمد على ما في صدره والصدح يحظى وقد قال فيه العلامة الزرقاني في شرح المواهب الفيا يستحي هذا الرجل من تكذيبه بالمعجزة بطمه (٢٢٧٨) ان سلم فاي قرة عين لك فيه فسقاية المسجد من مصالح المسجد ومصلح الشيء من توابه وتواب الشيء في حكمه بل جوز احمد ان يرفع المسجد على السمار وتجعل الارض طريق العامة.

(٢٢٧٩) قال فلو افق مفتق وقت الضرورة الشديدة الواقعة على قول احمد قدامنا على رجة المفقود فاي بالغ له لما ليس من المذهب خرج عنه الى قول احمد بزعمه وسوغ لعل للضرورة الشديدة ومبناه على شيئين ان يكون احمد قال باليفية وقد علمت بطلان وان احمد كبحم برجي منه والثاني ادعاء الضرورة وهو باطل بالضرورة عند كل من شاهد صنيعة يعقل سليم ودين قويم

وقد بين بطلانه شيخنا المجد وحفظه الله تعالى في كتابه المستطاب ابانة التواريخ في مصاحبة
عبد الباري بدلائل قاهرة سواطع باهرة جعلت البيان احلى من العيان -

(٢٥٠) قال (والفرقة) اى فى بدم السجد وادخاله فى طريق واسع من قبل فوق الناحية

وجعل مداس الاقدام مدو على الجنب ويحضر ويهيج الكلاب الدواب ومحط الابوال الارواح

(اشهد من ضرورة اخناك الزنا) التى اتي بها الفتيا بذهب مالك فى عرس الفقهاء فانقلت

ليس هذا ايضا كما زعم وادعاه المرأة الضرورة فيها بما يكون كاذبا كما بهينه شيخنا فى عدة مواضع

من فتاواه المباركة العطايا النورية فى الفتاوى الرضوية وان الحجة تمس اشهد من بطلان

من زوات النيات يموت زوجها فتجاس نذره عمر بالازواج لانهم يستقيمون النكاح الثانى

تبعا لكفار الهند فاين نذهب تلك الدعاوى لاتباع الرسم الجاهلى مع حلها للازواج قطعاً

والعلم بعدم عود الميت اليها يقينا وهما لا تقدر تصبر مع رجاء العود وكونها محصنة قطعاً وقول

الله تعالى والمحصنت من النساء عفا بهن الا وسوته شيطانية كما فى الحداد شق على بعض اربعة

اشهر عشر او اثمان احل من التزنى بالبعرة على اس الجول كما فى الحديث الصحيح وقد ارشد النبى صلى الله

تعالى عليه وسلم الى العلاج بقوله ومن لم يستطع فعليه بالصوم ثم ليس نذهب مالك ما رعد بعض ابناء الزنا

من اهل الكفر وغيره بان المرأة تترك نفسها لاجل سنين ثم تعد عدة الوفاة وتخرج من ثمارها عاشا

مالكا ان يقول به وانما نذهب به رضى الله تعالى عنه ان المرأة ترفع الامر الى قاضى الشرع وهو يميل الى

سين من يوم رفعت ولا عبرة بما مضى قبله وعشرين سنة كما صرح به مالك نفسه فى المدونة فاذا

مضت هذه الابح وتحقق ذلك عند القاضى حكم بموته فتعد وتخرج ولا ادري كيف تفعل حينئذ من

تدعى النكاح لم تجد الزوج تزن ثم القال باحل فيها يقول مالك رجل من متأخري النافذين

ولم يجرم ببل قال على الظن والتخمين قللت هذه الاسباب هى التى صححت لصاحبنا القياس اذ بها

قامت المساواة بين القيس والقيس عليه بل فاقه القيس وذلك لان ادعاه لضرورة ههنا الكذب

ونسبته القول بما لا يوافق صنيعه الى احمد غلط وذهب الى احمد فقد علمت واما الضرورة فانما

یستند بہا الی ما وقع من القتل والاسر و ہذہ مغالطۃ واضحۃ او مغلطۃ فاضحۃ فان الحکومتہ لم تکرہ احدًا علی اعطار حصۃ من اسجد ولم یکن علیہ قتل ولا اسر بل علی نقض القانون ومعاوضۃ الحکومتہ ولولا ذلک لم یکن شیء من المہالک علا انک فعلت ما فعلت اذا نطقت النیران وحصل الامان تجار الاعلان بمراعاة احکام الایمان فباي ضرورۃ کان منک ما کان فاذن صدقت فی قولک فان المصائب کائنۃ ان اردت انها کانت وبانت وذهب وقتنا وجار نائب السلطنۃ لفصل الامر علی مقتضى الشرعۃ الشرعیۃ الاسلامیۃ فصرفنہ الی ما شئت وفعلت وانجرت المسلمین ان احترام الاسلام وموافقۃ الاحکام فیما جعلت واعترفت فی دریاقتک ہذہ ان من وجوہ الضرورۃ رضار واحد من الحکام او اکثر اہل المحملۃ من اہل الاسلام مع ان الواحد القہار یقول واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کاذبا مؤمنین اللہم احینا مؤمنین وامننا مؤمنین واحشرنا فی المؤمنین وصل وسلم وبارک علی سیدنا ومولینا محمد وآلہ وجہدین والحمد للہ رب العالمین وانا العبد الفقیر المستجیر برہ القوی من شر کل غبی وغوی عبدہ امجد علی الاعظمی القادری البرکاتی الرضوی کان اللہ ولہ وحقق اللہ وصلى اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولینا محمد وآلہ وجہدین آمین فہذہ مائتان وخمسون خمسون علی ما صنع بمسجد کانفورمین ہناتہ ومائتان کاملتان علی دریاقتہ والحمد للہ علی بیاتہ وفصل صلواتہ وکل تسلیاتہ علی سیدہ بریاتہ محمد وآلہ وجہدہ وذریاتہ والحمد للہ رب العالمین

بشارت

بابۃ المتواری نمبر ۱۲ صفحہ ۱۲ پر ایک فتویٰ مفصل لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا بحمدہ تعالیٰ اس خوفناک زمانہ قاح الوہیات نمبر ۶۷ میں صفحہ ۵۰ سے صفحہ ۵۹ تک جو کلام جلیل کتابہ ستیاب جہ المتا زاشیہ رد المحتار کا منقول ہے ان تمام مباحث پر حاوی ہے اور اس کے علاوہ اور کثرون میں بھی اسکی بحث ہے اور فضل الہی یہ کہ وہ بیان ہمارے معزز مرقع جناب مولوی عبدالباقی صاحب کو مقبول بھی ہو چکا اسکی مقصد عظیم کائنات کافی ذاتی خلاصہ مولوی محمد حسین صاحب علیقی میرٹھی نے اپنے اس مضمون میں لیا جو انھوں نے دربارہ مسجد کانفورمین عبد اللہ صاحب ٹوکی کے زوخیالات میں لکھا اور ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ کو زمیندار اور محرم ۱۳۳۱ کو بدیر سکندری میں شائع ہوا اور ۲۲ ذی الحجہ کو قبل طبع مفتی ٹوکی اور جناب مولوی عبدالباقی صاحب کی خدمت میں لکھنؤ بھیجا مفتی ٹوکی صاحب نے تو آنکھ اس پر ان نہ کچھ نہ کہا حالانکہ وہ انھیں کاردار اس میں انھیں سی سوالات

مگر مولوی لکھنوی صاحب نے اُسے نہایت نظر استحسان سے دیکھا اور اُس پر اظہارِ مسرت و شکر کا خط
 مولوی صدیقی صاحب کو باین عبارت لکھا بخیر خدمت شریف مگر مری معظی مولوی محمد حسین صاحب صدیقی
 دام بزرگ۔ السلام علیکم۔ مجھے جس قدر تاسف مولوی عبداللہ صاحب کی تحریر دیکھ کر ہوا تھا وہ جناب کی
 تحریر کو پا کے دفع ہوا۔ میں عجیب شوق و یحسین تھا جس امر کا تحفظ تمام ملکا کرتے آئے اور میں نے باوجود
 ابتلا کے حتی الوسع کیا اسکو مولوی صاحب موصوف نے چند حروف میں درہم برہم کر دینا چاہا تھا مگر اکملہ
 خیر الخیر، فقیر محمد عبدالباری عفا اللہ عنہ۔

بشارت عظمیٰ

الحمد للہ ہمارے معزز دوست مولوی صاحب لکھنوی کی انصاف دوستی نے انھیں ارشاداتِ امانۃ
 المتواری کے قبول کی طرف بھی مائل کیا۔ یہ فتویٰ قبل طبع ارسال خدمت ہوا تھا جسکی رسید میں ۱۴ محرم کو
 تحریر فرمائے ہیں مولانا المعظم دام بالجود والکریم۔ بعد تسلیم بعد تکویم گزارش ہے کہ میں نے جواب ساری استفتا کر
 مولوی سلامت احمد صاحب دیکھا احمد تعالیٰ جناب کو بدیر ہمارے سروں پر زندہ وسلامت رکھے کہ
 جناب اپنی شفقت بزرگانہ سے ہمارے لغزش کو درست فرماتے رہیں اور ہر گونیک شورہ دیتے رہیں
 آمین ثم آمین۔ اُسی میں فرماتے ہیں جس قدر امور جناب نے تحریر فرمائے ہیں خدا کا شکر ہے کہ ان سے میں
 غافل نہیں ہوں البتہ استحقاقِ مرور اور جوازِ مرور کا فرق نظر انداز ہو گیا تھا جس سے جناب نے متنبہ
 کر دیا تو مبارک وہ دلی کرم کی طرف حقیقتہً رجوع کریں وباللہ التوفیق۔

بَابُ الْمَسَاجِدِ

مسئلہ () مسئلہ مولوی آفتاب الدین طالب العلم مدرّسہ المسنّت کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی کوئی چیز مسجد کے کام سے فاضل ہو اور وہ چیز اس مسجد کے کام میں آنے کی نہیں ہے اور وہ چیز ایسی ہے کہ کثرت تک بے کار رہنے سے نقصان ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں وہ چیز بیع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مشتری اس چیز سے جو کام کرنا چاہتا ہے کر سکتا ہے یا نہیں۔ اور اگر مشتری ہندو ہو تو اس کے پاس بیع جائز ہے یا نہیں۔ بیئوا تو جروا۔

الجواب

جب وہ چیز بے کار ہے اور اندیشہ نقصان ہے تو فروخت کر کے قیمت مسجد میں صرف کریں، اور وہ اگر مسجد کے استعمال میں آچکی ہے تو بے ادبی کے موقع پر مشتری اس کے استعمال سے بچے اور ایسی چیز کافر کو بھی نہ دی جائے کہ وہ اس کا ادب ملحوظ نہ رکھے گا۔ بحر الرائق میں ہے واما المحصر والقنادیل فالصحيح من مذهب ابی یوسف انه لا يعود الى ملك متخذ بل يحول الى مسجد آخر او يبيعه قيم المسجد للمسجد یعنی چٹائیاں اور قندیلیں اگر مسجد کے لئے بیکار ہو جائیں تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ دینے والے کی ملک کی طرف نہیں لوٹیں گی بلکہ کسی دوسری مسجد کو دے دی جائیں یا متولی مسجد انھیں مسجد کے کام میں صرف کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ () (مرسلہ عبدالحکیم حق شہر کانپور۔ محلہ مصری بازار مسجد محمد تقی ۳۲ رجب ۱۲۲۰ھ)

کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ جس مسجد میں شخصی حکومت ہو اس مسجد کی کیا حیثیت سمجھی جاوے گی اور اگر مصلیان غریب ہوں اور قوت مقابلہ کی نہ رکھتے ہوں تو ایسی صورت میں وہ مسجد سے علحدہ ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر مجبوراً مسجد میں جانا چھوڑ دیں تو گنہگار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

اگر امام مسجد صالح امامت نہ ہو یا فاسق فاجر ہو کہ اسے امام بنانا گناہ و مکروہ تحریمی ہو تو اہل محلہ متفق ہو کر ایسے امام کو معزول کر دیں اور اگر اپنے میں اتنی طاقت نہ پاتے ہوں کہ معزول کر سکیں تو اس مسجد کو چھوڑ کر کہیں دوسری مسجد میں نماز پڑھیں۔ غنیہ میں ہے۔ فی فتاویٰ قاضی خان اذا کان امام الحی ذانیا واولی الریولہ ان یتحول الی مسجد آخر وکن اینبغی اذا کان فیہ خصلۃ تکرہ بسببها امامتہ لان التحرز عن الکراہتہ اولی من الاتیان بالفضیلۃ اور اگر اس مسجد میں امام قابل امامت ہے کہ نماز میں کچھ کراہت نہیں ہوتی مگر متولی مسجد اہل محلہ کو انتظام میں ذخیل نہیں ہونے دیتا جو جی چاہتا ہے کھڑے کرتا ہے دوسرے کی بات نہیں مانتا تو مسجد چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں البتہ جو ناجائز تصرفات کرے ان سے حسب استطاعت روکیں اور جب مقابلہ طاقت نہیں تو الزام اس پر ہے اہل محلہ بری ہیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ () (مرسلہ حاجی ابوحنیدہ سٹیجہ سنگلی ۱۲۱۰ شعبان ۱۲۲۰ھ)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ریاست سنگلی میں ایک مسجد کا سرمایہ عرصہ سے بیکار پڑا ہوا ہے اور اس مسجد میں کوئی موقع صرف کرنے کا نہیں ہے اس لئے اس سرمایہ کو مسلمانان سنگلی چاہتے ہیں کہ کسی تجارت میں لگا کر اس کا نفع مسجد کے کام میں لگائیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سرمایہ مسجد سے کوئی جائیداد مسجد کے نام سے خریدی جائے اور اس کی آمدنی مسجد پر صرف ہوتی رہے اور خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہو تو اسے محفوظ رکھیں کہ اس سے دوسری جائیداد خریدی جائے فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ الفاضل من وقف المسجد یصرف الی الفقراء یرقیل لایصرف وافہ صحیح و لکن یشتری بہ مستغلا للمسجد کذا فی المحيط والله تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ () (مرسلہ منشی محمد عبدالعزیز خان نفا کلکتہ ذکر یا اسٹریٹ ۲۲ ۲۸ ذیقعد ۱۳۲۵ھ)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد خام جس کو قریب ٹٹو برس کے گذرتا ہے موجود ہے۔ اس کے متولی ہمیشہ سے سنت جماعت رہے اور ہیں لیکن درمیان میں ایک بیوہ مستامہ نصیباً بسکیم جو کہ مذہب شیعہ رکھتی ہے اپنے ثواب کے لئے اس مسجد خام کو پختہ بنوایا بعد چند روز کے یہ دعویٰ کرتی ہے کہ میں نے بنوایا ہے اس لئے میں متولی ہوں۔ سنت جماعت کہتے ہیں کہ تم نے ثواب کے لئے بنوایا ہے۔ سنت جماعت کے مسجد کی متولیہ نہیں ہو سکتی کیونکہ تو مذہب شیعہ رکھتی ہے۔ پس شرعاً کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ مسجد سنیوں کی ہے اور سنی ہی اس کے متولی ہو سکتے ہیں یہ عورت رافضیہ جس نے اس کو پختہ کرایا ہرگز اس کی متولیہ نہیں ہو سکتی کہ اولاً مسجد بنانے والا کوئی اور ہے جس نے بنائی وہی واقف ہے۔ حق تولیت اس کو تھا، وہ نہیں ہے تو عام مسلمان سنی جس کو متولی بنائیں۔ بحر الرائق میں ہے
الولاية للواقف ثابتة مدة حياته وان لم يشترطها وان له عزل المتولى۔ دالمحتار

۱۔ مسجد کے وقف سے جو فاضل بچے وہ فقیروں پر خرچ کیا جائے گا یا نہیں؟ تو ایک قول یہ ہے کہ نہیں خرچ کیا جائیگا اور یہی قول صحیح ہے لیکن فاضل مال سے مسجد کیلئے کوئی ایسی چیز خریدی جائے جس کا کرایہ وغیرہ آیا کرے یہ محیطین

میں تاتار خانہ سے ہے۔ اہل المسجد لو اتفقوا علی نصب رجل متولياً لبصالح المسجد
فعد المتقدمین یصح ولكن الافضل گوینہ باذن القاضی ثم اتفق المتأخرون
ان الافضل ان لا یعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طبع القضاة فی
اموال الاوقاف ثانیاً اگر یہ عورت متولیہ ہوگی تو یہ مسجد سنیوں کے ہاتھ سے باقی رہے گی۔
وہ اپنے مذہب کے لوگوں کو اس میں رکھے گی اور یہ سنیوں کے لئے سخت مضر ہے اور اس سے
بڑھ کر کیا خیانت ہوگی اور خائن کو متولی نہیں کیا جاسکتا بلکہ اگر خود واقف بھی خائن ثابت ہو تو
اسے معزول کر دیں گے درمختار میں ہے۔ ینزع وجوب الواقف فغیره بالاولیٰ غیر مامون
او عاجز او ظہر بہ فسق کشر باخمر ونحوہ رد المحتار میں ہے وکذا اذا اجرها الواقف
سینق کثیرۃ فمن یخاف ان یتلف فی یدہ یبطل القاضی الاجارۃ ویخرجہا من
ید المستاجر فاذا کان هذا فی الواقف فالمثولی اولى ثالثاً جب فسق علی کی وجہ سے متولی نہیں
بنایا جاسکتا کما مر عن الدر المختار تو یہاں تو فسق اعتقادی ہے کہ یہ اس سے بدرجہا بدتر بلکہ روانف زنا
کی علامہ نے تکفیر کی۔ کافی رد الرافضۃ لشیخنا المجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کو کیسے وقف کا متولی کہا جائے گا
اور وہ بھی مسجد کا بالجملہ اس مسجد کے متولی سنی ہی رہینگے وہ عورت ہرگز نہ متولی کیجائے واللہ تعالیٰ اعلم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تعمیر مسجد کی غرض سے کچھ چیزیں ہتھی لی ہیں

سہ رد المحتار، کتاب الوقف ج ۳ ص ۴۴۹

آلہ امام احمد علیہ الرحمۃ نے رد الرافضۃ میں متعدد کتب فقہیہ کی تصریحات اور ائمہ ترجیح و فتاویٰ کی
تصریحات سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ رد رافضی تبراہی جو حضرات شیخین مدین اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما خواہ
ان میں ایک کی شان پاک میں گستاخی کرے گرچہ صرف اسی قدر کہ انھیں امام و خلیفہ برحق نہ مانے ایسے رافضیوں تبراہیوں کے
باب میں حکم یقینی قطعی اجماعی یہ ہے کہ وہ علی العموم کفار مرتدین ہیں ۱۱
آل مصطفیٰ مصباحی

قبل اس کے کہ مسجد کا کام شروع ہو اس کا ارادہ ہوا کہ اشیائے فراہم شدہ سے بہتر اور پائدار چیزیں مسجد کیلئے مہیا کرے اور اپنے اس ارادہ کے موافق ایسی چیزوں کی فراہمی بھی زید نے شروع کر دی اس صورت میں زید کو شرعاً اختیار حاصل ہے یا نہیں کہ پہلی چیزیں کسی دوسرے مصرف میں صرف کرے۔ بینوا توجروا

الجواب: جو چیزیں اس نے مسجد کیلئے خریدیں اب اگر ان سے بہتر چیزیں مسجد میں لگانا چاہتا ہے تو انہیں فروخت کر کے اس قیمت کی دوسری چیزیں خرید کر اس مسجد میں لگا سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: از ہوڑہ جان محمد رضوی۔ ۷ / محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شیعہ متین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو قوم کی زمین ہے جس میں مسلمان مسجد بنانا چاہتے ہیں اور وہ کسی طریقہ سے زمین دینے پر راضی نہیں۔ اب مسلمانوں نے بزور مسجد تعمیر کر لی تو اس مسجد کا کیا حکم ہے۔ یا متصل مسجد کے اسکی زمین تھی مسجد میں شامل کر لی گئی تو اس مسجد میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: ہندو کوئی کافر اگر اپنی خوشی سے زمین مسجد کیلئے دے جب بھی مسجد نہیں ہو سکتی کہ مسجد ہونے کے لئے نیت مقرب ضرور ہے اور کافر اس کا اہل نہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ ان المسجد للہ فتاویٰ علگیری میں ہے۔ لو جعل ذی دارہ مسجد للمسلمین و بناہ کما بنی المسلمون و اذن لہم بالصلۃ فیہ فصولافہ ثم مات یصیر میراثا لہی شتہ و ہذا قول الکذا فی جوامع الاخلاطی۔ جب کافر کی زمین اسکی رضائے بھی مسجد نہیں ہو سکتی تو جبراً لینے سے کب مسجد ہوگی۔ لعدم الاستیلاء للسلام علی الکافر ہرمانا رہا جواز نماز اسکے لئے مسجد شرط نہیں اس میں اگر نماز پڑھی تو ہو جائے گی اور چونکہ حربی کی زمین ہے لہذا ارض منصوصہ

۱۰ جب کافر اس کا اہل نہیں۔ تو بغیر ایمان لائے ہوئے اس کی نیت عبادت بھی معتبر نہیں۔ اشتباہ و نظائر میں ہے لا ثواب الا بالنیۃ اسی میں ہے۔ من شرط النیۃ الاول الاسلام ولذا لم تصح العبادات من کافر و اللہ اعلم

۱۱ نیز ارشاد فرماتا ہے۔ ما کان للشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاہدین علی انفسہم بالکفر و ذلک حبطت اعمالہم اسی آیت کے تحت تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ فالعمود ان اللہ تعالیٰ منع العشرکین عن تعمير المساجد حال کونہم علی الشرک۔ ص ۸۹

۱۲ مصباحی

میں جو کراہت تھی یہاں نہیں کہ غضب کیلئے مال محترم ہونا ضرور ہے۔ درمختار میں ہے۔ فلا یحقق ای انصب
فی صال حربی۔ اور دوسری صورت یعنی اسکی زمین مسجد میں شامل کر لی گئی اسمیں جتنی زمین مسجد کی تھی اس حصہ
میں نماز پڑھی تو مسجد کا ثواب پانچا کہ اسکی مسجدیت بدستور ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ منبر بخش موضع ٹسوا متصل فرید پور ضلع بریلی ۸ صفر ۱۲۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ رافضی لوگ اہلسنت و جماعت کی مسجد میں نماز
پڑھتے ہیں۔ انکو اپنے مسجد میں نماز پڑھنے دیں یا نہ دیں اور ان لوگوں سے کھانا وغیرہ رکھیں یا نہیں اور وہ کہتے ہیں
کہ سنیوں نے امام علیہ السلام کو شہید کیا ہے اور سنت جماعت کہتے ہیں کہ رافضیوں نے کیا از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟
الجواب :- روافضی کو اہلسنت مسجد میں آنے سے روک دیں کہ یہ لوگ بزرگان دین کی توہین کرتے

اور مسلمانوں کو ایذا دیتے ہیں اور ہر موزی کو مسجد میں آنے سے روکا جائے۔ ان کے یہاں کھانا پینا اور ان سے
میل جول حرام حدیث میں ہے۔ ایاکم وایہام لا یصلونکم ولا یفتنونکم۔ یقوہ بھی جانتے ہوئے کہ امام حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود انھیں نے شہید کیا جھوٹے محبت کے لیے چوڑے دعوے کر کے بلایا اور پھر شہید کر دیا۔
مولے تعالیٰ ان کے شر سے مسلمانوں کو بچائے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از ایسے پورسی پی محلہ پنچنا تھ پارہ مسئلہ مرزا محمد اسمعیل بیگ حنا ۱۰ صفر ۱۲۳۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم : منحمدہ وفضلہ علی رسولہ الکریم

مخدومنا و مکرنا حامی شریعت ماحی بدعت عالی جناب معلی القاب حضرت مولینا صاحب قبلہ زید محمد کم
پس از سلام سنون عرض پرداز مدعا ہوں کہ اس شہر میں ایک مسئلہ چند روز سے چند اشخاص کی وجہ سے
رود نما ہوا ہے شہر میں ایک مسجد ہے جو جامع مسجد کہلاتی ہے اسکی کمیٹی کے چند افراد نے عام مسلمانوں کی مرضی
کے خلاف اس مسجد کو مسجد محلہ سے موسوم کیا ہے اور اب یہ کہتے ہیں کہ اب وہ جامع مسجد نہیں ہے حالانکہ اسکی
تعمیر کے لئے جو روپیہ وصول کیا گیا وہ جامع مسجد کے نام سے وصول کیا گیا اور اب تک اسکے اشتہاروں و جزیروں
کتابوں رسید ہیوں میں جامع مسجد ہی لکھا پڑھا جاتا ہے اور مشہور یہی ہے کہ وہ جامع مسجد ہے اس نام نہاد
کمیٹی کو حضرت مجدد ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ فتویٰ بھی دکھلایا گیا پڑھ کر سنایا گیا جو احکام شریعت صفحہ ۷۱، ۷۲،

پر مرقوم ہے جس کے سوال کا مفہوم ہے کہ جو مسجد جامع مشہور ہے وہ جامع مسجد ہی کہلائیگی۔ لیکن افسوس کہ کیٹی کے افراد کو باوجود اسکے کہ وہ اپنے آپکو سنی حنفی کہلاتے ہیں اس فتویٰ کے ماننے میں تامل ہوا برخلاف اس کے کہ انھوں نے تمام مسلمانانِ رائے پور کے نمائندگان کے مقابلے میں جو نمائندگان مقرر کئے اس میں ایک ایسے شخص کو شریک کیا اور اسکا سہارا ڈھونڈھا جو علمائے دیوبند کا ماننے والا ہے اور انکا ہم خیال ہے حتیٰ کہ کبھی شہر جو اس نام نہاد کیٹی کے رکن اعلیٰ ہیں انھوں نے اعلان کیا کہ ہم اپنی طرف سے نمائند مولانا محمد حسین صاحب کو رکھتے ہیں یہ مولوی محمد حسین شہر کے ان لوگوں کے سرغنہ ہیں جو علمائے دیوبند کے پیرو داران کے معتقد ہیں رشید احمد گنگوہی اور اشرف علی تھانوی کو اپنا پیشوا اور سردار مانتے ہیں۔

پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا مسجد مذکورہ جامع مسجد ہے یا کیا۔ اور ایسی کیٹی اور ایسے قاضی کے متعلق کیا احکام ہیں جو ایسے اشخاص کی مدد لیتی ہو اور انکے ناموں کو ایسی عزت سے پکارتی ہو ؟ بینوا تو جو خدا

الجواب :- جب اس شہر میں یہ مسجد جامع مسجد کے نام سے مشہور ہے اور جامع مسجد ہی کہل کر خجندے نے گئے اور لوگوں نے اسی نام سے دیئے اور وہاں جمعہ بھی ہوتا ہو تو اب جامع مسجد ہی مانی جائے گی اور مسجد جامع کے ہی احکام اس پر جاری ہونگے مسجد محلہ اگر اسے کوئی کہے تو اس کے کہنے سے جامع مسجد ہونے سے خارج نہ ہوگی مسجد محلہ کے یہ معنی نہیں کہ کسی محلہ میں واقع ہو ایسا ہو تو ہر جامع مسجد کا تمام محلوں سے خارج ہونا ضرور ہوگا جامع مسجد وہ ہوتی ہے کہ عامۃً مسلمین شہر اس میں جمعہ ادا کرتے ہوں اگرچہ بیخود نماز بھی اس میں ہوتی ہے اسلئے عموماً جو جامع بلاد مساجد محلہ سے بڑی ہوتی ہیں کہ ان میں صرف اہل محلہ ہی کی نماز مد نظر نہیں ہوتی بلکہ دوسرے محلوں سے بھی لوگ آتے ہیں لہذا مسجد جامع کی تفسیر رد المحتار میں یہ فرمائی: ای الذی جماعۃ اکثر من مسجد الحمی۔ لہ اور وہابیہ دیوبند کہ توہین خدا جل جلالہ و تقیض شانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے یا ان کو اپنا پیشوا قرار دیتے یا کم از کم مسلمان ہی جانتے ہیں موافق فتویٰ علماء بر زمین طیبین کفار ہیں ان علماء کے فتاویٰ حسام الحق میں مذکور ہیں وہ فرماتے ہیں: من شک فی عن ابہ و کفرہ فقد کفر۔ ایسی کیٹی جس میں وہابیہ کی مدخلت ہو

بلکہ وہابی کو اس نے اپنا غریب بنا رکھا ہو مگر تباہی اعتبار میں نہ جامع مسجد سے اس کمیٹی کو کوئی تعلق نہ تھا یہ کہتا ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ انتظام مجلس کمیٹی کے ہاتھ سے عائدہ کر لیں اور ان متدین کار گزار اراکین مقرر کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- ما تو لکم رحمکم اللہ تعالیٰ کہ دریں دریا پار چائے گام مسجد تہ قریب از مدت دو صد و شصت و پنج سال بنام جامع مسجد است۔ در اطراف محن آں مسجد دیوارے سنگے است۔ گاہ گاہ چوں مصلیاں در مسجد بگنجد در محن دہم صف کنند۔ چند سال شد کہ سے از حامیاں دین اسلام از تائید مسلمانان نصف محن را از فرش سنگین و سقف پنجمہ شامل مسجد ساختمہ اند۔ و مصلیاں باسانی نماز میگزاردند در جانب مین محن بہت تلأب جاری بہت و ضرور مصلیاں بود، اما بحساب مصلیاں آں تل جاری بسیار قلیل بود۔ لہذا مصلیاں بتکالیف گوناگون بل از جماعت ہم محروم ماندند۔ پس برائے دور کردن آں تکالیف بعض خادمان اسلام در جانب جنوب آں محن حوضے کاں کہ در یک وقت سی و پنج کس و ضرور توانند کرد۔ ساخته اند۔ بوقت کندیدن درتہ آں قدر کہ خاک میز از جنس خاک یافتہ شد۔ بعضے گفتند استخوان ریمہ است۔ بعض گفتندے و جنین شخصے در شہر چائے گام یافتہ شد کہ در اینجا نشان قبر وید و نیز اندرون دیوار محن قبر شدن ممکن ہم نیست۔ زیرا کہ برآں محن بسیار قبر پنجمہ موجود است۔ تا ہم آں خاک بجائے دیگر در زیر خاک نہادہ شد۔ ہمہ مسلمانان متفق شدہ تعمیر حوض کنانیدند و مصلیاں بسہولت تمام و ضرور نمازی گزارند۔ اکنون بعض کساں بخیال آنکہ چوں آں نہا مسدود شد ثواب ہم منقطع شد۔ و حوض دہندہ جمیع ثواب ہا میگرد۔ بر حوض دہندہ مسدود کردہ می گویند کہ دریں حوض و ضرور در دست نباشد۔ بد و جبہ اول آنکہ آں قبرستان واقع شدہ۔ دوم آنکہ دہندہ برائے نام و زیادہ است۔ پس بے نشان و نمونہ قبر عدم ثبوت قبر بشہادت شاہداں بر چنین خاک مثل استخوان ریمہ دیدہ آنجا را قبرستان شمردن لازم باشد یا نہ۔ بر تقدیر اول در اینجا حوضے و خانہ و مسجد وغیرہ ساختن درست باشد یا نہ۔ بر تقدیر ثانی آنجا را محن مسجد ساختن باز نصف محن را داخل مسجد کردن جائز است۔ یا نہ و بر کسیکہ چنین کار عظیم برائے تائید دین کردہ است و طعن تشنیع کردن و بحقارت نظر کردن بحسب شریعت محمدیہ چہ حکم دارد؟

الجواب:- بجز دایں چنین خاک درتہ آں حوض یافتن ثبوت قبر نمی شود خصوصاً در آنجا لیکہ بنیدن

راہم یقین نیست کہ این خاک استخوان مرده است و از شک حکے ثابت نمی گردد بر اثبوت قبرستان این چنین شک کافی نیست بلکہ ضرور هست کہ ساکنان موضع گواہی دهند کہ این قبرستان سنت مردہ را در بنجافن کرده بودند من دیدہ ام یا لا اقل قبرستان بودن معروف و مشہور است اگرچہ نشان قبرنی الحال موجود نیست پس تا وقتیکہ ثابت نشود قبرستان چگونہ قرار می دهند لهذا اگر حوض خارج مسجد تعمیر کردہ شدہ است باکے ندارد ریافعل قلب است ایشان بہ نیت وارادہ اش چگونہ مطلع شدند کہ بانی حوض بطور ریافعل تعمیر کرد و گمان بدسوئے مسلم حرام۔ قال اللہ تعالیٰ۔ یا ایہا الذین امنوا اجنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم و اگر فرض کردہ شود کہ بقصد ریابا کردنہ خالصا وجہ اللہ پس از ثواب محروم خواہد گشت اما خود در آن نادرست گفتن غلط است۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از اجمیر شریف مسئلہ محمد بشارت علی ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی آمدنی دوسرے کسی کام میں صرف کی جاسکتی ہے بجز اس کے اصراف کے ؟

(۲) مسجد کی بے ادبی اور بے حرمتی کرنا کہاں تک درست ہے ؟

(۳) مسجد خانہ خدا کو دانستہ ویران کرنا کہاں تک درست ہے ؟

(۴) جو منتقلان مسجد ایسا کرتے ہیں انکے لئے شریع شریف میں کیا سزا مقرر ہے ؟

الجواب (۱) ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف نہیں کی جاسکتی ردالمحتار میں ہے۔

لا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد اخر سواء کانوا یصلون فیہ اولادہو الفتویٰ حاوی القدسی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) یہ لفظ بہت عام ہے بعض حرام بعض مکروہ بعض خلاف ادبی۔ کسی خاص امر کی نسبت سوال ہو تو جواب دیا جائے

اور ادب یہاں تک کیا گھانے کہ مسجد کا کوڑا بھی ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں نجاست یا گندگی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) مسجد کو ویران کرنا یعنی منہدم کر دینا جبکہ بقصد تعمیر نہ ہو اور بلا وجہ ہو تو حرام ہے قال اللہ تعالیٰ

من اظلم من منع مسجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها۔ اور اگر دوران کرنے سے یہ معنی ہیں کہ اس پاس والے نماز پڑھنے نہیں جاتے کہ نمازیوں سے مسجد آباد ہوتی تو بُرا کرتے ہیں اور ترک جماعت کرتے ہیں تو بھی گنہگار ہیں حدیث میں ہے لا صلوة لجماع المسجد الا في المسجد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) حکم اور پر مذکور ہو چکا اور سنہ کا بیان جرم کی نوعیت معلوم ہونے پر موقوف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ۔ ازبے پور گھاٹ دروازہ پوسٹ مندرسلہ فیاض الدین ۲۶ رجب ۱۳۵۵ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جمیں قدیم سے حنفی نماز پڑھتے آئے ہیں

اب محض جاہل مسلمان نجدی وہابیوں کے گمراہ کرنے سے بعض لوگوں نے مذہب حنفی ترک کر دیا ہے اور وہ ناخواندہ مسلمانوں کو بہکا رہے ہیں اور اس طرح مسلمانوں میں فتنہ پھیلا رہے ہیں ایسی صورت میں جبکہ قوی اندیشہ ہو کہ وہ جاہل مسلمان گمراہ ہو جائیں گے اور علماء بھی گیا۔ کیا نجدی وہابیوں کو جو سخت غیر مقلد ہیں اور مقلدین کو گمراہ و کافر بناتے ہیں مسجد میں سے نکالتا جائز ہے یا نہیں؟

اجواب۔ بیشک غیر مقلد وہابی کو مسجد سے روکا جائیگا کہ اس کے مساجد میں داخل ہونے سے طرح طرح کے فتنے ہوں گے اور اندازتہ واجب، حدیث صحیح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایاکم وایہام لا یصلو نلکم ولا یفتنونکم تم اپنے کو اون سے دور رکھو اور انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں اور بیشک یہ لوگ حنفی سنی مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں لہذا مسجد میں نہ آنے دیا جاوے نیز حدیث میں ہے لا تصلوا معہم ولا تصلوا علیہم تم ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو، جب ہمیں ان کے ساتھ نماز پڑھنے کی ممانعت ہے تو ہم اپنی مسجدوں میں انھیں کیوں نہ دیں نیز ان کے آنے سے مسلمانوں کو تشویش ہوتی اور ان کا مسجدوں میں وجود قاطع خشوع ہے اور ایسی چیز جس سے تشویش پیدا ہو مسجد سے روکی جاتے۔ نیز یہ لوگ ائمہ کرام مجتہدین عظام کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں ان کے ساتھ گفتاخی کرتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کو ایذا ہوتی

ہے اور موزی کو مسجد سے دفع کرنے کا حکم ہے یہاں تک کہ خام لہسن و پیاز کھا کر مسجد میں آنا منع ہے اور اس کی علت حدیث میں یہ فرمائی فان الملأنة تتأذى مما يتأذى منه الانسان - اسی واسطے در مختار میں فرمایا واکل معوثوم وینع منه وکذا کل موز ولبسانہ لہ۔

ردالمحتار میں عینی شرح صحیح بخاری سے ہے۔ والحق بالحدیث کل من أذى الناس بلسانہ وبہ افقی ابن عمر وھو الاصل فی نفی کل من يتأذى بہ ایہ جب مطلقاً موزی کو مسجد سے روکنے کا حکم ہے تو وہ شخص جس سے عقائد خراب ہوتے اور گمراہ ہونے کا خوف ہو بدرجہ اولیٰ دفع کیا جاوے گا کہ اس سے زیادہ کیا چیز سبب ایذا ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مٹی کا تیل مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔ تیل کی بھری دری چرخیں تیل کی چکناہٹ سے بو ہو گئی نماز جائز ہے یا نہیں۔ **الجواب:** مسجد میں مٹی کا تیل جلانا ممنوع ہے کہ اسکی بو سے ملنا کہ کو ایذا ہوتی ہے در مختار میں ہے

اکل معوثوم وینع منه وکذا کل موز۔ عینی شرح صحیح البخاری پھر ردالمحتار میں ہے یلعق بمانص علیہ فی الحدیث کل مالہ رائحة کربہ ما کولہ او غیرہ۔ تیل کی بھری دری پر نماز ہو جائے گی مگر خیر جلانے میں احتیاط کیجائے کہ مسجد کا فرش یا جانماز آلودہ نہ ہو اور ہو جائے تو اسے صاف کر لیا کریں اسکی نوبت ہی کو پوچھئے

کہ اس میں بو پیدا ہو کر باعث ایذا ہو۔ و ہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱) از بزرگوار مرسلہ محمد عثمان عیش ۲۰ رذی الحجہ ۱۲۵۵ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مرقومہ الذیل مسائل میں۔ اگر کوئی شخص بڑی رقم یا مکان وغیرہ یا چند لوگ چندہ کر کے ایک معقول رقم مسجد میں اس غرض سے دیں کہ اس رقم سے ختم تراویح

کے موقع پر اور ربیع الاول میں بعد وعظ شیرعی تقسیم کیا جائے اور واعظ صاحب کو اور تراویح خواں حافظ صاحب کو کچھ رقم امیں سے دیک جائے اور رمضان المبارک کی ستائیسویں شب اور شب عیدین وغیرہ مبارک راتوں میں خوب روشنی کی جائے تو شرعاً یہ امور مذکورہ رقم سے کرنا درست ہیں یا نہیں ؟

مسئلہ (۲) ایک شخص نے ایک مکان و زمین وغیرہ مسجد کیلئے وقف کردی اور کچھ شرط نہیں کی کما سکا نفع مسجد کے کس کام میں صرف کیا جاوے لیکن اسکو معلوم ہے کہ مسجد کی آمدنی وقف مذکورہ بالا امور میں بھی صرف ہوتی ہے اور اسکے مکان و زمین موقوفہ وغیرہ کی آمدنی بھی مذکورہ بالا امور میں صرف کر نیے وہ ناخوش بھی نہیں بلکہ خوش ہے پس اس شخص کو اس مکان و زمین موقوفہ بلا شرط کی آمدنی مذکورہ بالا امور میں صرف کرنا درست کیا نہیں ؟

مسئلہ (۳) مسجد کی املاک موقوفہ بلا شرط کی آمدنی اسقدر ہو کہ مسجد کے اخراجات کے علاوہ اس آمدنی کو مذکورہ بالا امور میں صرف کر نیے بعد بھی توا دو سو روپیہ کی سالانہ بچت ہے پھر ایسی آمدنی کو مذکورہ بالا امور میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں ؟

مسئلہ (۴) اگر مسجد کی املاک موقوفہ بلا شرط آمدنی اتنی کم ہے کہ جو اخراجات مسجد کیلئے کافی نہیں یا اخراجات مسجد کیلئے تو کافی ہے مگر مذکورہ بالا امور میں اس آمدنی کو صرف کریں تو کچھ رقم نہیں بچتی یا دس بیس روپیہ کی قلیل رقم بچتی ہے تو ان مذکورہ صورتوں میں اس مسجد کی آمدنی وقف بلا شرط کو موقوفہ بالا امور میں صرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

مسئلہ (۵) اگر مسجد کی املاک موقوفہ بلا شرط کی آمدنی اسکے اخراجات سے دو گنی چو گنی ہے اور اس کی املاک موقوفہ موجودہ کو دیکھتے ہوئے یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ اس آمدنی کو کچھ نقصان پہنچے گا پس اس آمدنی کی کچھ رقم مدارس اسلامیہ میں دینا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب (۱) یہ امور مذکورہ جائز ہیں واعظ یا حافظ کی خدمت ایک پسندیدہ امر ہے یونہی بعد ختم تراویح یا بعد میلاد شریف شیرینی کا تقسیم کرنا بھی جائز، مبارک راتوں میں جہاں کثرتِ روشنی کا رواج ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں کہ اس سے مقصود اظہار شوکت اسلام ہے۔ اور عوام کے

ذہنوں میں ان باتوں کی عظمت کا متکثر کرنا جس طرح حرمین طہین کی دونوں مسجدوں میں بکثرت روشنی ہوتی ہے اور فقہار بھی اسے جائز بتاتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اگر کہیں دوسری جگہ بھی عادت ہو جائے تو جواز کا حکم ہوگا۔ یوں ہی اگر دینے والا رات بھر مسجد میں چراغ جلانے کیلئے رقم دے تو رات بھر جلائیے وقت ضرورت تک ہی نہ رکھیں گے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولا يجوز ان يترك فيه كل الليل الا في موضع جرت العادة فيه بذلك كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم والمسجد الحرام او شرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة به في زماننا كذا في البحار النجلیہ۔ جن لوگوں نے رقم یا مکان وغیرہ اسلئے دیئے کہ امور مذکورہ میں صرف ہوں تو انکی رائے کے موافق صرف کریں انکے علاوہ دوسرے امور میں وہ رقم صرف نہیں کیجا سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲ تا ۵) اگر واقف نے وقت وقف اسکے مصارف کی تعیین کر دی ہے تو آمدنی کو اس شرط کے موافق خرچ کریں۔ لان شرط الواقف کنص الشارع اور اگر شرط واقف کا علم نہ ہو یا اس نے شرط کی ہی نہیں تو آمدنی جو کچھ ہو اسے عمارت مسجد پر صرف کریں اور بعد عمارت جو کچھ بچے حسب ضرورت تنخواہ امام و مؤذن اور چراغ بتی فرش و فرش و دیگر ضروریات مسجد میں خرچ کریں جو جائداد کہ مسجد پر وقف ہے اسکی آمدنی سے نہ واعظ کو دیا جاسکتا ہے نہ میلاد شریف یا ختم تراویح کی شیرینی اس سے تقسیم کی جاسکتی، اور نہ ضرورت سے زیادہ اس سے روشنی کی جاسکتی ہے۔ درختار میں ہے۔ ویدأمن غلته بعمارتہ ثم ما وھا قرب بعمارتہ کا امام مسجد و مدراس مدراسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السلج والبساط كذلك الى اخر المصالح وتمامه في البحر وان لم يشترط الوقف ثبوته اقتضاء۔ یعنی مسجد کی جائداد موقوفہ کی آمدنی کو مدارس میں بھی صرف نہیں کر سکتے درختار میں ہے۔ المتعد الواقف والجمعة وقيل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف احدھما جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الاخر عليه لانھما جئینڈ کشتی واحد وان اختلف احدھما بان بنی رجالان مسجدین اور رجل مسجد او مدراسة

دوقف علیہما او قافلا یجوز لہ ذلک لہ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسجد بنوائی نمازی جو اس مسجد میں آئے ان میں سے بعض کو دو ایک مرتبہ بوجہ ذاتی مخالفت کے مسجد میں آنے سے روک دیا عمرو کا خیال ہے کہ چونکہ زید نے مسجد میں آنے سے لوگوں کو روکا۔ لہذا اسکا یہ فعل مسجد کو اپنی ملک ہونا ثابت کرتا ہے۔ لہذا یہ مسجد مسجد ہی نہیں رہی۔ شرع شریف کا اس میں کیا حکم ہے۔

مسئلہ (۲) اگر کسی مسجد کے قریب بھی دوسری مسجد کسی شخص نے بنوائی۔ وہ مسجد سمجھی جائیگی یا نہیں؟
الجواب (۱)۔ جب اس مسجد کا مسجد ہونا ثابت ہو گیا تو اب اگرچہ بنانے والا چاہے بھی کہ میں اپنی ملک قرار دیدوں تو نہیں کر سکتا۔ قال اللہ تعالیٰ ان المسجد للہ اور نہ اسے نمازیوں کو بلا وجہ شرعی مسجد میں آنے سے منع کر نیکا کوئی حق ہے وہ اور دیگر مسلمان اس میں نماز پڑھنے کا یکساں حق رکھتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲)۔ مسجد کے قریب جو مسجد ہے وہ بھی مسجد ہے بلا وجہ اسے مسجد کے حکم سے کیونکہ خارج کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۔ از پالی مار وار ٹھکانہ بوسی کی گلی مرسلہ جناب عبدالرحمن ولد اللہ رکھا چھپیا ۴ شعبان ۱۳۲۶ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں تیل گھا سلیٹ اسکی بدبو کسی عطر وغیرہ کی روح ڈال کر اڑاویں اور جلایا جاوے تو جائز ہے یا نہیں اور ایک ڈبہ بھر میں عطر کی روغن کتنی ڈالنی چاہئے
اس کا اندازہ پورے طور سے لکھ کر روانہ کریں ؟

الجواب ۴۔ مٹی کا تیل نجس نہیں بلکہ پاک ہے۔ اور بدبو کی وجہ سے اسکا مسجد میں جلانا ممنوع ہے۔ درختخار میں ہے۔ ویکوہ اکل متعوثوم و یمنع منه و کذا کل موزہ روا المختار میں ہے ای کیصل وضعہ ممالہ مالا کریمۃ للحدیث الصمیم ویعلق بہ انص علیہ فی الحدیث کل مالہ مالا کریمۃ مالا کریمۃ مالا کریمۃ

جب اس کے جلانے کی ممانعت بدبو کی وجہ سے ہے تو اگر کسی چیز سے اسکی بودودر کردی جائے تو اب جلانے میں کوئی حرج نہیں۔ روغن سترہ اسکی بو کو بالکل دور کر دیتا ہے۔ اس کا اندازہ آپ لوگ خود کر سکتے ہیں کہ کتنے میں اسکی بو جاتی رہے گی، اسکو ڈال کر دیکھئے جب تیل کی بدبو نہ رہے مسجد میں جلانیے ^{تعالیٰ علیہ}۔
مسئلہ ۱۔ از مقام جو دھوپور مارواڑ مسجد لوہاراں مدرسہ جناب شیخ محمد حسین رضا امام مسجد، محرم کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی مشرک اخلاق کیساتھ کسی طرح کی نیت سے

یعنی ایک ہندو ذات دھوبی مسجد میں اگر چراغوں میں تیل ڈالے، یا دے جاوے، واسطے روشنی کے تو وہ تیل مستحق جلانا کیسے جائز ہے یا نہیں، یہاں بعض لوگ فرماتے ہیں کہ تیل میں کیا حرج ہے کہ جسکے جلانے سے مسلمانوں کے ذمہ گناہ لازم آتا ہے، اور بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں اور کہن لاتے ہیں کہ دھوبی کا خود ہندو ذیل قوم چھینٹا لیتی اور اس سے پرہیز کرتے ہیں، لہذا بوجہ کراہیت وہ تیل باہر بھیج دیا گیا اور دوسرے روز اس کو تیل لانے سے روک دیا گیا، تو اس نے مایوس ہو کر کہا کہ تمکو خدا سمجھ جب اس بات کا چرچہ ہوا۔ تو آپ لکھا گیا۔ شرعاً جو حکم ہو تحریر فرمائیے۔

الجواب :- کافر اگر مسجد میں تیل جلانے کیلئے دیتا ہے تو یہ تیل مسجد میں جلایا جاسکتا ہے، اسکی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ (ولو قال ذای الذی) یسرج بہ بیت المقدس او یحول فی مرمۃ بیت المقدس جاز۔ دھوبی اگرچہ ہندو میں ذیل قوم ہے مگر اسکے تیل میں کیا نقصان ہے جسکی وجہ سے ممانعت کی جاتی ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین نقشہ بالا جو مع مسجد نقشہ حوض ہے، الف تک تمام حوض کھلا ہوا تھا، اسیطور پانچ یا کم زیادہ برس تک رہا، بعد میں بچہ یا نابینا وغیرہ کے گرنے کے خوف سے تمام حوض پر فرش بچھا گیا، اور وضو کرنیکی جگہ کھلی رکھی، اور اب ہمیشہ پیش پچیس برس سے اس پر ہمیشہ نماز پڑھی جاتی ہے آیا۔

- ۱۔ صحن مسجد میں حوض بنانا کیسا ہے ؟
 ۲۔ صحن مسجد میں قبر بنانا کیسا ہے ؟
 ۳۔ صحن مسجد میں بنایا گیا تو یہ حوض خارج مسجد ہوگا یا داخل مسجد اور اس میں وضو وغیرہ کیا حکم ہے ؟
 ۴۔ صحن مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے ، مکروہ ہے یا نہیں ؟
 ۵۔ صحن مسجد میں حالت جنابت والا اور حیض والی کا جانا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز ؟
 ۶۔ صحن مسجد داخل مسجد ہے یا فناء مسجد ہے ۔ اور فناء مسجد میں حالت جنابت والے کا جانا کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز یا مکروہ ؟

۷۔ جو حوض مسجد کی بنار کے وقت مسجد کے ساتھ بنایا گیا ہو وہ حوض خارج مسجد ہوگا یا داخل مسجد کا حکم رکھے گا ؟

۸۔ جو حوض کے فناء مسجد میں بنایا گیا وہ حکم میں داخل مسجد کے ہوگا یا کیسا اور فناء مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب (۱) :- صحن مسجد یعنی مسجد کا وہ حصہ جس میں عمارت نہیں ہے ، جسے مسجد صیفی کہتے ہیں یہ مسجد ہی ہے ، اور اس حصہ میں بعد تمام مسجدیت حوض نہیں بنایا جاسکتا ، اور اگر مسجد بناتے وقت قبل تمام مسجدیت حوض بنائیں تو بنا سکتے ہیں ، اگر ابھی تک وہ جگہ مسجد نہیں ہے ، یوں ہیں اگر صحن مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو فرش مسجد کے بعد جوتے وغیرہ اونارنے کیلئے ہے ، یا بیکار پڑی ہے اور اس غرض سے ہے کہ اگر کبھی مسجد بڑھانے کی ضرورت ہو یا غسل خانہ وغیرہ ضروریات مسجد کیلئے کام میں لائی جائیگی ، تو اس میں بھی حوض بنا سکتے ہیں کہ یہ بھی حقیقتاً مسجد نہیں ہے بلکہ وہ ایسی ہی اغراض کیلئے ہے ، درختان میں ہے

لَوْ بَنِيَ نَوْقَهُ بَيْنَ اللَّامِ لَا يَضُرُّ لَآنَهُ مِنَ الْمَصَالِحِ أَمَا لَوِ تَمَّتِ الْمَسْجِدِيَّةُ ثُمَّ ارَادَ الْبِنَاءُ مَضْعُ - وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

الجواب (۲) قبر بنانا جائز نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۳) :- جواب سوال اول سے اسکا جواب معلوم کیجئے۔ اگر اندرون مسجد بعد تمام مسجدیت حوض بنایا گیا تو یہ بنانا ناجائز اور اس میں وضو ناجائز بلکہ اسے پاٹ دینا ضرور۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۴) :- صحن مسجد کا اطلاق کبھی مسجد کے اس حصہ پر ہوتا ہے جو مستقف نہیں، جس کو عرف فقہاء میں مسجد صغیٰ کہتے ہیں، اور کبھی اس جگہ پر ہوتا ہے جو ملحق مسجد ضروریات و مصالح مسجد کیلئے ہے اول میں نماز جنازہ مکررہ ہے، دوسری میں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۵) :- صحن مسجد یعنی اول میں ناجائز اور بمعنی ثانی میں جائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۶) :- جواب سوال ۷ سے اسکا بھی جواب واضح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۷) :- یہ حوض کہ بنائے مسجد کے وقت قبل تمام مسجدیت بنایا گیا۔ خارج مسجد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۸) :- وہ خارج مسجد ہے۔ اور اس میں نماز جنازہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از بانسی مار وارٹر سلسلہ جناب امیر احمد مدرس مدرسہ اسلامیہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بانسی کی بڑی مسجد کا بسوئے شرق ایک شمالی گوشہ اس قسم کا واقع ہے کہ ایک جانب سے تو فنائے مسجد اور اسکے مابین کچھ حائل نہیں اور ایک سمت سے والاں مسجد اور اسکے مابین کچھ حائل نہیں بلکہ ایک عرصہ سے تو دونوں جانب سے منضم و دغم رہا اور مرتب رہا، یعنی تین چار گز کا طول اور ایک قدر عرض کا البتہ اس گوشہ کا فرش والاں مسجد سے ملتا ہموار رہا، اور فنائے مسجد کا فرش اسکی نسبت کسی قدر ناہموار رہا، اب اس گوشہ اور فنائے مسجد کے مابین عدم حیولت کے باوجود قدیم سے عرصہ تک اس میں سامان کا رہنا پھر سامان ہی کیلئے اسی کا حجرہ بنایا جانا، اور حجرہ بننے پر اسکا دروازہ فنائے مسجد میں رکھا جانا، یہ ایسے امور ہیں کہ اسکے فنائے مسجد میں داخل ہونے پر مال ہیں، ہمیں ایک عرفۃ تک تو سامان مسجد پڑا رہا، اور جوتے بھی رکھے گئے، اور بچی ہوئی جگہ پر تنگی کے وقت پر نماز بھی پڑھی گئی، اور اسکی چھت پر بھی نماز پڑھی جا چکی ہے، اس گوشہ کا نقشہ قدیمہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں، ایک عرصہ کے بعد وہی گوشہ والاں مسجد میں دیوار حائل کرتے ہوئے مسجد میں اسکا دروازہ قرار دیتے ہوئے

علم طوالت کے خوف سے نقشہ حذف کر دیا گیا ہے ۱۲

سامان مسجد کیلئے ایک مختصر سا حجرہ بنا دیا گیا، نقشہ حجرہ نمبر ۲ دو ملاحظہ فرمائیں؛ اب جدید تعمیر کے موقع پر اسی حجرہ کو دوکان مسجد میں داخل کرتے ہوئے اسکی چھت پر ایک کمرہ اس غرض سے بنانا چاہتے ہیں کہ مصالین میں سے جو اشخاص تالیین قرآن ہوں وہ اسمیں بیٹھکر تلاوت قرآن کیا کریں یا بیع خواں وہاں بیٹھکر اپنا درود وظیفہ پڑھا کریں، یا کوئی نووارد مولوی آجائیں تو اس میں ٹھہر اکریں یا اہل بالسی کے پیر و مرشد تشریف لائیں تو اسمیں قیام فرمادیں؛ الغرض ان اغراض کی وجہ سے بایں صورت مسئلہ کو نہ بنانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا

الجواب :- اگر وہ گوشہ داخل مسجد نہ ہو تو ضرورت مسجد کیلئے اسے دوکان بنانا جائز ہے۔ ورنہ نہیں، بظاہر کوئی ایسی وجہ نہیں معلوم ہوتی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ خارج مسجد ہے۔ بلکہ اس گوشہ کا دالان مسجد سے بلا جامل متصل ہونا اور اسکی زمین ہموار ہونا اور مسجد سے اس کا کچھ اتنا نہ ہونا، بظاہر اسکی دلیل ہے، کہ وہ جزر مسجد ہے، ہاں اگر اگلے لوگوں کی زبانی یہ ثابت ہو کہ یہ خارج مسجد یا جن لوگوں نے وہ حجرہ سامان مسجد کیلئے بنایا اور کونہ تحقیق تھی کہ یہ مسجد کا جزو نہیں ہے تو دوکان بنانا بھی جائز، اور اسکے اوپر مسافر علماء و شاخ کے ٹھہرنے کی جگہ بنانا بھی جائز ہے، غرض تحقیق سے جو ثابت ہو اسکے موافق کیا جائے، اور ثابت نہ ہو سکے تو احتیاط اسمیں ہے کہ نہ بنائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از کشنگدھ ریاست راجپوتانہ محلہ دیوالیاں مرسلہ جناب شاہ میر خاں واسطعلی خان صاحب ۲۸ رجب ۱۲۷۵ھ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ ایک شخص جو مسلم ہے وہ محلہ کی مسجد میں قیام کرتا ہے باوجودیکہ اس کے چند مکان ذاتی ملکیت کے ہیں مسجد کے صحن میں غسل کرتا ہے اور مسجد پر اپنی وراثت قائم کر کے اہل محلہ کو مسجد میں آنے سے منع کرتا ہے۔ اور اپنے مکان سے جو اس مسجد سے ملتی ہے، اور مسجد کی دیوار سے ملا ہوا ہے، ایک راستہ مسجد کے اندر نکالنا چاہتا ہے۔ اور مسجد کو بطور مکان کے برت رہا ہے، اور خود ایسے کام مسجد میں کرتا ہے، جو آداب مسجد کے خلاف ہیں، اور دوسروں کو نصیحت کرتا ہے کہ تم یہ کام مسجد نہ کرو، پس ایسے شخص کیلئے شرعاً کیا حکم ہے؟ اور مسجد پر کیا ملکیت قائم ہو سکتی ہے؟ اور اہل محلہ کو اسکے ساتھ کس قسم کا برتاؤ رکھنا لازم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- مسجدیں عبادت کیلئے ہیں، اپنے بسنے کیلئے مسجد نہیں بنائی جاتی نہ اس کام میں لائی جاسکتی ہے، صحن مسجد میں غسل کرنا ممنوع ہے کہ غسل کا پانی یا ناپاک ہو گیا یا کم از کم فسد اور ایسے پانی کو مسجد میں گرانا منع ہے، اور احترام مسجد کے خلاف ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وتکرہ المضمضة والوضوء فی المسجد۔ مسجد نہ کسی کی ملک ہے نہ اسمیں وراثت جاری ہو سکتی ہے کہ جب تک وقف نہ ہو مسجد نہیں اور جب وقف ہوئی ملک انسان سے خارج ہو گئی۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الْمَسْجِدَ لِلّٰہِ اور الوقف لایملک۔ کتب فقہ کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اور نمازیوں کو مسجد سے روکنا اور آنے نہ دینا سخت حرام اور ظلم شدید ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِنْ مَّنْعَ مَسْجِدِ اللّٰہِ اَنْ یَذْکُرَ فِہَا اِسْمَہُ وَسَعٰی اِیْ خُصْمِہَا۔ اور مسجد کی دیوار میں تصرف کرنا، اس میں اپنے مکان کا دروازہ بنانا حرام ہے۔ کہ مسجد کی کسی شئی میں اپنا ذاتی تصرف نہیں کر سکتا۔ اگر واقعات یہی ہیں جو سوال میں مذکور ہیں تو ایسے شخص کو مسجد کی ولایت سے جدا کر دینا واجب درغمار میں ہے۔ وینزع عنہ وجوباً ولبوا لواقف فقیرہ اوی لو غیر مامون۔ اہل حکم پر لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو مسجد کو ایسے شخص کے تصرف سے نکالیں۔ اور وہ متولی ہو تو اسے معزول کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از موضع شجاع نگر ضلع سہلٹ۔ مرجعہ جناب حامد علی صاحب ۲۸ رجب ۱۳۷۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام اس صورت میں کہ (۱) موضع شجاع نگر پر گنہ پتر ضلع سہلٹ میں تقریباً ایک سو گھر کی آبادی ہے ستر سال سے زیادہ ہوئے کہ ایک عورت نے ایک قطعہ زمین میں مسجد بنانے کیلئے زبانی وقف کی، مسجد تو بنائی گئی مگر اسکے متعلق کوئی حوض یا تالاب نہ ہونے کی وجہ سے وضو وغیرہ میں سخت تکلیف ہے (۲) مسجد اکثر لوگوں کے مکانات سے دور ہے راستہ کٹھن ہے کچھ پانی میں راہ چلی دشوار ہے خصوصاً برسات کے زمانے میں بغیر کشتی کے نماز کو پہنچنا مشکل اور جنگے پاس کشتی نہیں انکا پہنچنا تو بالکل ناممکن کیونکہ راستہ پانی میں ڈوب جاتا ہے۔

(۳) مسجد کے قریب آٹھ مکان والے بلا وجہ بشرعی حاجی حامد علی صاحب کیساتھ سخت عداوت رکھتے ہیں

لعہ و حرام ہے۔ درغمار میں ہے۔ یعزم فیہ (ای فی المسجد) الوضوء و لایضیہا اعد لذلک۔ عہ میل کچل ۱۱ ص ۱۱

یہاں تک کہ عشاء اور مغرب کی نماز کیلئے آنے جانے میں اور جمعہ کے روز نماز پڑھنے میں حاجی صاحب کی جان کا خطرہ ہے، اسلئے کہ وہ لوگ ہر وقت حاجی صاحب کی عزت و جان کے درپے ہیں۔ مسجد کے صحن میں بیٹھکر روزانہ مشورہ کرتے ہیں کہ غریبوں کو کس طرح ستایا جائے۔

(۵) مسجد کے پاس و ضرور کیلئے دوسرے مسلمان تالاب بنانا چاہتے ہیں، تو واقف کی اولاد مسجد کے قریب زمین نہیں دیتی (۶) مسجد میں ان مفسد لوگوں کی بدولت سال میں ایک دو بار گالی گلوچ ہوتی ہی رہتی ہے اور مسجد کا احترام مد نظر نہیں رکھا جاتا، ان سب باتوں کو دیکھکر حاجی حامد علی صاحب نے اپنا ایک مکان جو اس مسجد کے قریب یا سو قدم کے فاصلہ پر ہے وقف کر کے مسجد بنائی ہے، وقف نامہ حکومت میں رجسٹری ہو گیا ہے اور مسجد کے پاس ہی ایک بہت بڑے تالاب کی ایک سمت بھی وقف کر دی ہے تاکہ وضو وغیرہ میں آسانی رہے، ان حالتوں پر غور کرتے ہوئے سوال یہ ہے کہ۔

۱۔ اس نئی مسجد کا بنانا جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ شرعی مسجد کا وقف جائز ہے یا نہیں؟

۳۔ نئی مسجد میں جمعہ کی نماز بھی شروع کر دی ہے لہذا ایسی بستی میں دو مسجدوں میں جمعہ وعیدین

جائز ہے یا نہیں؟

۴۔ نیز اول الذکر مسجد میں کسی تقریب میں شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے وقت لوگ ہجوم کرتے شیرینی لوٹتے شور و غوغا مچاتے اور آپس میں جھگڑا فساد کرتے ہوئے غش اور یہودہ گالیاں بکتے ہیں، یہ آداب مسجد کے خلاف ہیں یا نہیں شرع شریف کا اسکے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب ۱۔ جبکہ مسجد اول تک پہنچنے میں نمازیوں کو وقت ہے کہ پانی کی وجہ سے وہاں جا نہیں سکتے خصوصاً بعض لوگوں کا وہاں جانے میں عزت و آبرو بلکہ جان کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں دوسری مسجد بنانے میں اصلاً حرج نہیں بلکہ بنانے والا اس ثواب کا مستحق ہو سکتا ہے جو احادیث میں ارشاد ہوا مثلاً جو اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ من بنی مسجدًا۔
ولم یضحم قطاة بنی اللہ لہ بیتا فی الجنة۔ نئی مسجد بنانا اس وقت ناجائز و ممنوع ہے کہ بنانے والا

محض اسلئے بنائے کہ پہلی مسجد کو نقصان پہونچائے اور اسکی جماعت کو درہم برہم کر دے اور اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ اپنے کو ضرر سے بچانے کیلئے مسجد بناتا ہے اور محض اللہ کیلئے بناتا ہے تو یہ مسجد مسجد ضرار نہیں اور سوال سے ظاہر یہی ہے کہ یہ صورت مسجد ضرار کی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۲۔ جنگ وقف نہ ہو مسجد نہیں ہو سکتی۔ مسجد ہونے کیلئے وقف کرنا شرط ہے۔ اگرچہ یہی لفظ کہے کہ میں نے اسے مسجد کر دیا کہ اس سے بھی وقف ہو جائے گا کہ جنگ اسکی ملک سے جلا نہ ہوگی اللہ کیلئے نہ ہوگی۔ اور جب تک اللہ کیلئے نہ ہو مسجد نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الْمَسْجِدَ لِلّٰہ۔ مسجدیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔ درختار میں ہے ویزول ملکہ عن المسجد والمصلیٰ بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجدًا

عند الثانی وشرط محمد والامام الصلوٰۃ فیہ نجاعة وقیل یکفی واحد وجعلہ فی الخانیة ظاہر الروایۃ علیہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ من بنی مسجدًا لم یزل ملکہ عنہ حتی یفزع بہ عن ملکہ بطریقہ ویاذن بالصلوٰۃ فیہ اما الاقرار فلا ینخلص للہ تعالیٰ الا بہ کذا فی الہدایہ والشرائع

الجواب ۳۔ اگر وہاں جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہیں تو نئی مسجد میں بھی جمعہ وعیدین کی نماز جائز ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے۔ کہ مصر واحد میں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے۔ اگرچہ بلا ضرورت جمعہ کی نماز متعدد مقام پر پڑھنا اچھا نہیں کہ وہ شوکت اسلام جو اجتماع میں ظاہر ہوتی ہے تفریق سے جاتی رہتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب ۴۔ مسجد میں لوٹ مار کرنا یا شور وغل مچانا ناجائز ہے۔ اس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے

اور مسجد کا ادب جاتا رہتا ہے حدیث میں ہے یاتی علی الناس زمان یكون حدیثہم فی مسلجہم فی امر دنیاہم فلا تجالسوہم فلیس للہ فیہم حاجۃ۔ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ لوگ دنیا کی باتیں مسجد میں کریں گے ان کے ساتھ تم مت بیٹھو کہ اللہ کو انکی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے ایاکم وحیثیات^{الاصول}

لہ ارشاد ہے۔ والذین اتخذوا مسجداً ضراباً وکفرًا وتفریقاً بین المؤمنین (پٹ ر۔ ۲) اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی

نقصان پہونچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو لہ رواحتار میں ہے وعلیہ المتون کالکفر والمنقہ وغیرہما

ج ۲ ص ۲۰۵ مطلب فی احکام المسجداً علیہ عالمگیری ج ۲ ص ۲۲۴ الباب العادی عشر۔ لہ ردہ البیہقی عن یحییٰ مرسلًا مشکوٰۃ باب لیسامی^{معیادی}

مسجد میں بازاروں کی طرح شور و غل کرنے سے بچو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد نے ایک جہوترہ بنوایا، حسین عام لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دیدی، لیکن جسکو چاہتا تھا یعنی جس شخص سے کچھ بخش ہو جاتی تھی اس کو منع بھی کر دیتا تھا، چند دنوں کے بعد جہوترے کو ایک عمارت بصورت مسجد بنوادی لیکن یہ طرز عمل ہمیشہ رہا کہ جسکو چاہا اس مقام پر نماز نہیں پڑھنے دیتا تھا۔ عمرو کا خیال ہے کہ مسجد ہو نیکیلئے یہ ضروری ہے کہ جس عمارت کو مسجد کرنا چاہتے ہیں اسکی زمین و عمارت وقف کر دی جائے کسی کی ملک نہ رہے، اور مقام مذکور کیلئے مالک عمارت کی کوئی تقریر یا تحریر ہو یہ بات اصلاً ثابت نہیں کہ اس نے اس مقام کو وقف کر دیا ہے بلکہ بخلاف اسکے اسکا اور اسکے ورثہ کا یہ طرز عمل کہ جسکو چاہتے ہیں وہاں آنے سے روک دیتے ہیں، اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے اس مقام کو ہمیشہ اپنی ملک میں رکھا اور وقف نہیں کیا۔ زید کہتا ہے کہ اس مقام کو بصورت مسجد بنوانا ہر مسلمان کو اسمیں نماز پڑھنے دینے کی اجازت دینا لوگوں کے لئے وضو وغیرہ کو پانی رکھوانا جو صریح اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مقام وقف کر کے ملک سے خارج کر دیا، اور بعض لوگوں کا نماز سے روکنا یہ خالد اور اسکے ورثہ کی جہالت ہے، اس مسجد میں کبھی کوئی مؤذن مقرر نہیں کیا اور نہ یہاں کبھی جمعہ قائم ہوا تو دریافت طلب یہ ہے کہ اس مقام کو مسجد سمجھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب :- بلاشبہ یہ مسجد ہے اسکے مسجد ہونے میں کوئی کلام نہیں خالد کا کسی کو وہاں سے بلا وجہ شرعی نکال دینا ظلم ہے، اسکی اس زبردستی اور ظلم کی وجہ سے اسکی مسجدیت باطل نہوگی، نہ یہ اسکی دلیل ہے کہ یہ مسجد نہیں، جب خالد نے وہ عمارت مسجد کی ہیئت پر بنائی اور اس میں نماز کا اذن دے دیا، اور باجماعت اسمیں نماز ادا کی گئی، تو مسجد ہو گئی، آخر لوگوں کو نکالتے وقت اس نے یہ تو کہا بھی نہیں کہ یہ مسجد نہیں ہے میرا مکان ہے لہذا تمکو یہاں آنے کا کوئی حق نہیں، پھر اسکے فعل اخراج سے عدم مسجدیت کا کیوں کر حکم دیا جائیگا، جبکہ وہ نفی مسجدیت نہیں کرتا بلکہ اگر نفی کرے بھی اور یہ کہے کہ یہ میرا مکان ہے جب بھی نفی نہیں ہو سکتی، کہ مسجدیت دلیل شرعی سے ثابت ہو چکی پھر اسکو ابطال کا حق نہ رہا، درنخار میں ہے

ويزول ملكه عن المسجد والمصلیٰ بالفعل وبقوله جعلته مسجداً عند الثاني وشرط محمد

والامام الصلوٰۃ فیہ جماعۃ رد المحتار میں ہے قولہ بالفعل ای بالصلوٰۃ فیہ نفی شرح المتقی انہ
 یصیر مسجدًا بلا خلاف۔ بیشک مسجد کیلئے وقف ہونا ضروری ہے۔ مگر اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ
 اس نے مسجد کی مثل عمارت بنوائی، اور لوگوں کو نماز کیلئے اجازت دی اور نماز جماعت پڑھ لی گئی لفظ
 وقف زبان سے کہئے یا وقف نامہ تحریر کر لی کوئی ضرورت نہیں۔ رد المحتار میں ہے۔ فاذا اذن بالصلوٰۃ
 فیہ قضی العرف بنزولہ عن ملکہ و مقتضی هذا انہ لا یمتاج الی قولہ وقف و نحوہ و
 ہو کذلک۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ عرف میں لوگ مسجد بنانا بولتے ہیں، اور یہ کہ بانی مسجد یہ کہے میں نے
 وقف کیا ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ لہذا یہ عرف اثبات مسجدیت کیلئے کافی ہے نیز اگر خالد نے وقف کا لفظ نہ
 استعمال کیا ہو تو اس کے یا اس کے ورثہ سے اس عمارت کے متعلق وہ لفظ مسجد بولنا سیکڑوں دفعات ثابت
 ہوگا۔ مثلاً مسجد میں چلو مسجد میں چراغ جلا دو مسجد میں لوٹے رکھ دو وغیرہ وغیرہ اس قسم کے الفاظ
 بکثرت ہوں گے، اور نہ بھی ہو جب بھی مسجد ہے کہ مسجد ہونے کیلئے فعل بھی کافی ہے توں کی ضرورت
 نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد صحن میں پتھر نصب ہیں چونکہ
 پتھر زیادہ گرم رہتے ہیں۔ لہذا اگر اسکے پتھروں کو نکلوا کر گٹی اور چونے کا فرش کرا دیا جائے اور جس قیمت
 کے وہ پتھر ہوں اتنی قیمت اس فرش میں صرف کر دیا جائے تو وہ پتھر جو مسجد سے نکلیں وہ شخص اپنے
 کام میں لے سکتا ہے جبکہ اس سے زیادہ قیمت صرف کر کے اس شخص نے فرش درست کرا دیا ؟

الجواب :- اہل محلہ کی رائے سے پتھر نکلوا کر چونے وغیرہ کا فرش کرا سکتے ہیں، اب کہ وہ فرش
 مسجد کی ضرورت کے نہ رہے انہیں مناسب قیمت پر فروخت کر سکتے ہیں۔ جب تک پتھر مسجد میں
 نصب ہیں اس وقت تک ادب کی بیع نہیں ہو سکتی، جدا کرنے کے بعد بیع کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از پانی مارو اڑ علاقہ جو دھپور محلہ بوسی کی گلی میں سرسبز جناب عبدالرحمن صاحب چچا،
 ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ مسجد کے فرش کا پتھر
 مکانوں میں لگانا کیسا ہے اور جس نے لگایا اس کے لئے کیا حکم ہے ؟

۲۔ ایک درمی مسجدی وقف ہے انہیں کوئی شخص کہے کہ یہ میری ہے۔ اس درمی پر نماز پڑھنی کیسی ہے؟ اور وقف کرنا لاکھتا ہے میری ہے۔

الجواب (۱) مسجد کا پتھر اگر مسجد کے کام کا نہ رہا۔ اور اہل محلہ کے مشورہ سے بیچ دیا گیا تو اس کا خریدنا جائز، اور مکان میں لگانا بھی جائز، مگر اسکو بے احتیاطی کی جگہ مثلاً پاخانہ میں نہ لگائے اور اگر ویسے ہی کوئی اٹھا کر لے گیا اور اپنے مکان میں لگا لیا تو ایسا کرنا حرام ہے، اور اسکے مکان سے نکلوا کر مسجد میں داخل کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کوئی یہ کہتا ہے کہ میری ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ مسجد کی نہیں، بلکہ یہ کہ میں نے مسجد کو دی ہے اور اگر بفرض یہی مطلب ہو کہ میری ملک ہے تو اسکے کہنے سے اسکی نہیں ہوگی نہ اسکو مسجد سے لیجانا جائز ہوگا، اس پر نماز جائز ہے کوئی حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۔ از سکو باضلع گورداس پور مدرسہ جناب صوفی علیم الدین صاحب ۱۹ اردی الحجہ ۱۳۹۹ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع سکو باپتی غنی میں ایک مسجد خدام علی کی بنیاد لوگوں نے ڈالی کہ جسکو عرصہ تخمیناً چالیس سال کا ہوا اور عمارت اسکی اس حد کو پہنچی کہ قریب سائبان ڈالنے کی ہوئی۔ لیکن سائبان سے چھتی نہ گئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ نماز پنجگانہ نہ ہوئی۔ مگر نماز ہونے یا نہ ہونے کا کافی ثبوت نہیں ہے۔ اور نہ آباد کی گئی اور اس پٹی میں دو چار نمازی ہیں۔ وہ بھی پنجگانہ نماز کے پورے یا بند نہیں ہیں بلکہ اس مسجد کو برباد اجاڑ کر مکان بنا لیا ہے۔ جواب تک موجود ہے عرصہ تقریباً تیس سال کا ہوا کہ بموقعہ تکیہ مونشاہ مسجد خدام علی تخمیناً پچاس قدم جانب مغرب ہٹ کر اسی پٹی میں ایک اور مسجد خدام علی بنائی اور مکمل ہو گئی اور یقین شاہ پیش امام مقرر کئے گئے۔ جو مدت مدید تک صلوٰۃ پنجگانہ کراتے رہے۔ کبھی کبھی مولوی صاحب نواب الدین بھی و صوفی صاحب بھی پنجگانہ پڑھاتے رہے، اور تکیہ مونشاہ کے نام سے یہ مسجد مشہور ہے۔ تخمیناً ۵ سال سے اس مسجد کی مرمت وغیرہ لوگوں نے اپنی کم فہمی سے چھوڑ دی۔ لیکن نماز ہوتی رہی۔ عرصہ تین سال کے قریب ہوا ہے کہ چند اشخاص نے ارادہ کیا کہ مسجد خدام علی کو بچتہ بنا دیا جائے چنانچہ لوگوں نے روپیہ وغیرہ جمع کیا واسطے خدام علی کے، بحدۃ اہل بانی نے ذکر کیا کہ مسجد علی مسطورہ سے جہاں شرق

۲۷ قدم ہٹ کر اسی پتی میں جدید مسجد بنوائی جائے گی۔ یہ سنکر صوفی صاحب نے سمجھایا بلا اجازت علمائے دین کے بالمقابل مسجد خام ۲ کے جدید مسجد ۳ نہ بنواؤ۔ اور پہلی مسجد ۱ کو نہ اجاڑو۔ چنانچہ اصل بانی نے اپنی رائے کو دخل دیکر مسجد ۲ سے ۲۷ قدم کے فاصلہ پر جانب مشرق جدید مسجد پختہ ۲ بنوانا شروع کیا۔ اور یہ مسجد ۲ ابھی تک نامکمل ہے۔ اس مسجد کی آراضی مشارکت ہے چند شریک اس مسجد ۲ جدید کیواسطے اپنی زمین دینے پر راضی نہیں ہیں، چند بانیان جدید مسجد ۲ نے مسجد ۲ کا صحن کاٹ کر اندر جانے کا راستہ بنایا ہے۔ بدیں و جہ ایک فقیر تکیہ دار واسطے تکیہ داری اس مسجد ۲ میں آباد کریں۔ اور مسجد اجاڑ دیں۔ یہ صورت ناجائز عبدالعزیز نمبر دار وغیرہ نے دیکھ کر مسجد خام ۲ کے اجاڑنے اور فقیر آباد کرنے سے روک دیا کہ مسجد میں فقیر نہ رہنے پائے وہ اصل بانی نے مسیٰ شیر محمد ولد نٹھو کو مسجد ۲ سے نماز پڑھنے سے منع کیا التماس خدمت علمائے دین ہے کہ ہم لوگ کس مسجد کو جائز اور کس مسجد کو ناجائز سمجھیں اور کس مسجد میں نماز ادا کریں اگر مسجد جدید ۲ از روئے شریعت مطہرہ ناجائز ہوئی تو جن لوگوں نے مالی امداد دی ہے، وہ رقم واپس کرنے کے مستحق ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب (۱) مسجد جس کی عمارت نامکمل رہی اگر بنانے والے نے اسے مسجد کر دیا یعنی زبان سے کہہ دیا کہ اس زمین کو میں نے مسجد کیا تو وہ مسجد ہو گئی کہ مسجد ہونیکے لئے اس نماز ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ کہہ دینے سے بھی مسجد ہو جاتی ہے کہ میں نے اسے مسجد کیا۔ درختار میں ہے دیڑول ملکہ عن المسجد والمصلیٰ بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عند الشافعی۔ اور اگر اس میں نماز ہوتی ہے جب تو بالاتفاق مسجد ہے، اور مسجد ۲ جو خام تھی اسکو اجاڑ ڈالنا اور اسکی مسجدیت کو باطل کرنا حرام ہے کہ مسجد کی مسجدیت ہمیشہ کیلئے ہوتی ہے، اسکو باطل نہیں کیا جاسکتا، اور جو اسکو اجاڑتا ہے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَتَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا۔ اور مسجد ۲ چونکہ زمین مشترک میں بنائی جا رہی ہے۔ اور چند شریک مسجد کیلئے زمین دینے سے انکار کرتے ہیں، لہذا یہ نہ اب مسجد ہے نہ آئندہ مسجد ہوگی جب تک تمام شرکار اسکو مسجد نہ کریں کہ مسجد کیلئے مشاع کا وقف بالاتفاق ناجائز ہے۔ رد المحتار فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔ المسجد لو كان مشاعاً لا یصح اجماعاً

سوال میں یہ مشکوک معلوم ہوتا ہے کہ چندہ ۳ کیلئے ہوا یا مسجد ۲ کیلئے، اگر ۲ کیلئے چندہ کیا گیا تھا کہ اسکو
 پنختہ کرایا جائیگا۔ تو اس چندہ سے جدید مسجد ۲ بنانا جائز نہیں ہے، اور جس نے صرف کیا اسکو رقم واپس
 کرنی ہوگی اور اس سے مسجد ۲ کی تعمیر ہوگی، اور اگر مسجد ۲ کیلئے چندہ دیا ہے جب بھی دینے والوں کو مطلب
 یہ ہے کہ اس سے مسجد بنائی جائے۔ لہذا زمین کے تمام شرکاء سے اجازت لیکر بنانا چاہیے تھا، کہ
 بغیر اجازت شرکاء مسجد ہو نہیں سکتی، لہذا قبل اجازت شرکاء اس رقم کو صرف کر دینا ناجائز ہوگا، اور
 اس صورت میں بھی تادان دینا پڑے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از کلکتہ تحفہ فقیر چند متروکین مرسلہ جناب بدرالدین احمد صاحب ۹ شعبان ۱۲۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے سات متولی ہیں۔ اور وہ مسجد
 اہلسنت والجماعت کی ہے۔ ان میں ایک مختلف العقیدہ ہے جو کہ سابق میں خلافت کیٹی راجہ بازار کلکتہ کا صدر تھا
 اور اسی زمرہ میں سوز و پیہ جراتہ کا گورنمنٹی مجرم بھی ہو چکا ہے۔ اور معتقد مولوی ابوالکلام آزاد اور مولوی
 عبدالرؤف صاحب دانا پوری اور مرید صوفی اذان گاجی گھنٹا پیر کا ہے۔ اس نے مسجد پر اپنا اقتدار قائم کرنے
 کی غرض سے امام مسجد مذکور جو کہ سنی حنفی ہیں۔ اور مجددانہ حاضرہ کے معتقدوں میں سے ہیں انکو مسجد سے
 نکالنے کی غرض سے ان پر طرح طرح کے الزامات لگانا شروع کیے بلکہ متعصبی کیوجہ سے امام مذکور کو مارا بھی
 جسکا مقدمہ دیگر متولی صاحبان کی رائے سے صرف مار پیٹ کا عدالت میں دائر کیا گیا۔ بعدہ متولی مذکور نے
 مصلیان مسجد کو امام سے برگشتہ کرنا شروع کیا۔ جب دیگر متولیان مسجد اسکو محسوس کیا تو حضرات علمائے کرام
 کی ایک میٹنگ بٹھلائی جس میں امام پر الزامات کا سوال پیش کیا گیا۔ متولی مذکور خلافتی کے ایک جگہ دوست
 مولوی خلافتی نے تقریر کی دوران تقریر میں امام مسجد پر الزامات لگانے کا ثبوت طلب کیا گیا۔ مگر خود الزامات
 جھوٹے تھے لہذا وہ متولی مذکور مدعی کے بیان سے اور گواہوں کے اختلاف سے بالکل جھوٹے ثابت ہوئے۔
 اس وقت مجلس علمائے کرام میں سے جناب مولانا مولوی مفتی مشتاق احمد صاحب محدث کانپوری نے

متولی مذکور مدعی پر جرم عائد کیا کہ جو الزامات امام مسجد پر تم نے لگائے تھے۔ وہ بالکل بھوٹے ثابت ہوئے اگر یہ دارالاسلام ہوتا اور میں قاضی ہوتا تو تم کو اسی درہ کی سزا دیتا خیر اب تم امام سے دست بستہ معافی مانگو اور تمام مجمع سے بھی معافی مانگو۔ چنانچہ متولی مذکور نے مجمع کثیر کے سامنے امام مسجد سے اور مجمع سے معافی مانگی بعد اسکے حضرت مولانا موصوف نے متولی مذکور مدعی کو اور امام مسجد مدعی علیہ کو گلے ملوا دیا۔ پھر متولی کو حکم دیا کہ کل صبح سے تم امام مسجد کے واسطے سب سے زیادہ ہمدرد اور خیر خواہ ثابت ہونا۔ ان سے دل سے ملنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا اور امام مسجد کو حکم دیا کہ اب تم مقدمہ عدالت سے اٹھالو مگر متولی مذکور نے خلاف معاہدہ کیا کہ دوسرے روز کی صبح ہی سے مصلیان مسجد کو امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکنا شروع کیا اور متولی مذکور کی پارٹی کے کچھ لوگ رک بھی گئے اور خود اس نے بھی پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔ تب امام مسجد کو دیگر متولیان مسجد و معزز حضرات اہل محلہ نے مجبور کیا اور کہا خلاف وعدہ کا ظہور متولی مذکور کی طرف سے ہوا۔ لہذا مقدمہ عدالت سے مست اٹھاؤ اور امام مسجد نے بھی محسوس کیا کہ نمازیوں کو روکنے کی بڑی کوشش کی جا رہی ہے اور خود متولی مذکور شریک جماعت نہیں ہوتا اپنی نماز علیحدہ پڑھتا ہے۔ لہذا مقدمہ ابھی عدالت سے نہیں اٹھایا گیا۔ بعدہ متولی خلافتی نے مولوی خلافتی کو برا بھلا کہتا کیا اور امام مسجد پر کفر اور ارتداد کا فتویٰ دیا اور اس ترکیب سے مسجد سے نکلنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد پھر ایک میٹنگ ہوئی اور اس میں تین حضرات علماء مدعو کئے گئے اور یہ کفر و ارتداد کا مقدمہ ان کے سپرد کیا گیا ان علماء میں سے ایک عالم صاحب حکم بنائے گئے متولی مذکور نے کہا کہ ہم نے امام کو مشک میں بتے سنا کہ ہم قرآن و حدیث کے فیصلے کو حسین مانتے۔ جناب متولی مذکور پر قسم پیش کی گئی کہ قرآن نے کر قسم کھاؤ تب متولی مذکور نے صاف انکار کر دیا کہ ہم نے امام کو کہتے نہیں سنا۔ بلکہ اس جانب سے ایسی آواز آئی۔ یہ سنتے ہی مولوی خلافتی صاحب اپنے دوست کی خاطر سے خود مدعی بن گئے۔ اور مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا۔ اور آنکھوں سے دیکھا کہ ہم قرآن و حدیث کو نہیں مانتے اور طرز برآں مولوی صاحب نے اپنے بیان کی صداقت کے لئے حلف بھی اٹھایا حالانکہ اس میٹنگ میں علماء و فضلاء و حضرات معززین موجود تھے۔ وہ اس کا عکس بیان کرتے ہیں کہ امام نے ہرگز ہرگز ایسا نہیں کیا اور خود امام صاحب بھی انکاری ہیں بلکہ قسم کھانے کو طیارہ تھے۔ اور

اور کہیں کہ میں نے ہرگز ہرگز ایسا کوئی لفظ نہیں کہا۔ بلکہ میرے منہ سے تو ایسا لفظ نکل بھی نہیں سکتا بلکہ میری عقیدت تو یہ ہے کہ مسلمان ہونے کی حالت میں ایک شرابی یا جواری یا عیاش یا قراق وغیرہ وغیرہ بھی تو ایسے الفاظ اپنی زبان سے نہیں نکال سکتے۔ چہ جائیکہ فاسکار، مگر مولوی صاحب بصدقہ کہ کسی نے سنایا نہ سنا ہم نے تو سنالاؤ تیسوں پارے قرآن کے میں اٹھا لوں۔ بعد اسکے متولی مذکورہ گواہ اور تیار کر کے لایا جن میں کا ایک گواہ وہابی اور قدیمی دشمن امام مسجد کا تھا اور ہے۔ اور دوسرا گواہ گلابی وہابی و متولی مذکور کی دوستی کی وجہ سے امام مسجد کا دشمن ہوا۔ ان دونوں نے بھی یکے بعد دیگرے وہی مولوی صاحب کے جیسے کلمات امام کے متعلق کہتے ہوئے حلف اٹھائے۔ حضرت مولانا موصوف نے امام کو ان تینوں شخصوں کے حلف اٹھانے پر برطرف از امامت کر دیا اور کسی قسم کی جرح نہ مولوی صاحب سے کی نہ ان دونوں گواہوں سے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا شریعت میں دو گواہوں اور ایک مدعی کی گواہی مطلقاً خواہ وہ دیانت وغیرہ نہ رکھتے ہوں اور خواہ وہ مدعی علیہ کے عدد اور دشمن ہوں ہر حال میں معتبر ہے یا نہیں۔ اور اگر بالفرض مدعی اور گواہوں کا قول کسی وجہ سے معتبر نہیں ہو جائے تو آیا ہر حالت میں ایک ہی صورت سے اس مسجد میں یا دنیا کی کسی مسجد میں امام مذکور امامت کر سکتا ہے یا ان گواہوں اور مدعی کے حلف اٹھانے کی وجہ سے وہ ایسا ناقابل ہو گیا ہے کہ اب کسی مسجد میں وہ امامت بھی نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی صورت سے مسلمان ہو سکتا ہے۔ جو مولوی خلافتی امام مسجد خفی سنی المذہب کو جھوٹا حلف اٹھا کر مسجد مذکور سے نکلوا چکے ہیں۔ ان کو اہلسنت و جماعت اسی مغل میں برائے بیان بلا کر ان سے بیان کرا دیں یا نہیں؟ جن متولیان مسجد مذکور نے امام مسجد کو نکلوانے کی غرض سے جھوٹے حلف اٹھانے کے واسطے گواہ تیار کئے ان کا شمار کس طبقہ کے مسلمانوں میں کیا جاوے؟ اور وہ مسجد مذکور کے متولی رہنے کے قابل بھی ہیں یا نہیں؟

بینوا بالکتاب والسنۃ و تبرؤا

اجواب :- سوال سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ جو کمیٹی ہوئی تھی جس میں مدعی کی کذب بھائی ظاہر ہوئی تھی اسی کمیٹی میں امام مسجد سے کلمات کفر صادر ہوئے کا متولی نے دوسری کمیٹی میں دعویٰ پیش کیا اگر واقعہ یہ ہے جب تو بالکل الزام کی غلطی ظاہر ہے اس متولی یا اس کے طرفداروں کو اسی وقت

کہنا چاہئے کہ چونکہ انھوں نے ایسے کلمات اپنی زبان سے نکالے ہیں لہذا ہم ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے بر خلاف اسکے خود متولی امام مسجد سے معافی مانگتا ہے اور اسکے پیچھے نماز پڑھنے کا وعدہ کرتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ متولی کا چونکہ جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا اور امام کو مسجد سے نکال نہ سکا اس وجہ سے یہ دوسری ترکیب اسکے علم پر کرنے کی نکال اور پہلے ہی گواہ تیار کر لئے جن کو پیش کر کے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور اگر پہلی مجلس میں ان کلمات کا صادر ہونا نہیں بیان کیا جاتا ہے بلکہ اسکے بعد کسی دوسرے موقع پر ان کا یوں ناظر کیا جاتا ہو جب بھی معاملہ کی تحقیق کرنی ضروری ہی ہے خصوصاً کسی شخص پر کفر کا الزام لگانا کیونکہ معمول بات نہیں کہ بغیر تحقیق کئے امام مسجد کو کافر قرار دے کر امامت سے معزول کر دیا جائے نہ بدعی کی حقیقت دیکھی جائے نہ گواہوں کو جانتا جائے۔ واقعات مندرجہ سوال سے مدعی کا جھوٹا ہونا اور امام کو مسجد سے بلا وجہ شرعی نکالنے کا ارادہ کرنا بخوبی ظاہر ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عداوت کی اصل وجہ امام کا سنی صحیح العقیدہ ہونا اور متولی کا اس بات کو ناپسند کرنا ہے فیصلہ کنندہ کمان باتوں سے چشم پوشی کر کے گواہوں کی عداوت و دشمنی کا لحاظ نہ کرتے ہوئے فیصلہ صادر کر دینا بالکل درست نہیں۔ گواہوں اور مدعا علیہ کے مابین جب عداوت ہے تو اونچی گواہی قابل قبول نہیں۔ حدیث میں ارشاد فرمایا لا تجوز شہادۃ خائن ولا خائنة ولا جلود حد ولا ذی غبر علی اخیہ۔ اور گواہ بھی وہابی جن کے تعصب کی کوئی حد نہیں جن کی ہمیشہ ہی کوشش رہتی ہے کہ سنیوں کو ایذا پہنچے یا انکو کسی طرح کافر و مشرک بنائیں عوام تو عوام انکے علماء کے کذب و افتراء و بہتان کا یہ حال ہے کہ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کتابوں کی عبارتیں گڑھ لیتے اور نہیں قطع و برید کر دیتے ہیں۔ ایسے متعصب اور مفتریوں کی شہادت الہیہ کے خلاف کیوں کر قبول ہوگی۔ علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: و علیٰ ہذا اکل متعصب لا تقبل شہادۃ پھر یہ سب کچھ برسبیل تنزل ہے ورنہ وہابیہ کہ تنقیص الہیہ و توہین شان رسالت کرتا ہے یا ایسوں کو انکے اقوال پر مطلع ہو کر اپنا پیشوا جاتے ہیں جو کفار و مرتدین ہیں اور مرتد کی شہادت مسلمان کے

نہ گواہی جائز نہیں ہے خیانت کرنے والے کی اور نہ خیانت کرنے والی کی اور نہ بطور حد کوڑے مارے ہوئے شخص کی اور نہ ہی اپنے بھائی کے قتل کینہ اور دشمنی والے کی۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۸ باب شہادات۔ مصباحی

مقابل نامعتبر قال الله تعالى "يُحِبُّهُمُ اللَّهُ لَكَفَرُوا عَلَى الْإِيمَانِ سَبِيلًا" در مختار میں ہے ولا تقبل شهادة مرتد جب ایام مذکور ان کلمات سے تبری کرتا ہے اور ان کو کلمات کفر کرتا ہے اور سلم سے ان کے مدد کو مستبعد بناتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے قول کو نہ مانا جائے البتہ اگر مینہ عادل سے ثابت ہوتا تو یہ لگتا اس پر لازم کئے جاتے مگر اسی وقت تک حکام اس پر ہوتا جب تک توبہ نہ کرتا۔ توبہ کے بعد بصورت ثبوت بھی مسلماً ہو جاتا اور اس پر اسلام کے احکام جاری ہوتے۔ اس کے پیچھے نماز جائز ہوتی اور منورت مستفسرہ میں تو شہادت بھی قابل قبول نہیں پھر اس کو امامت سے علیحدہ کرنا کیا معنی ؟ اور اس کے پیچھے نماز باطل ہونا بھی درست نہیں۔ جھوٹا حلف اٹھانا گناہ کبیرہ ہے حدیث میں ہے -

الکبائر الکاضرات باللہ وعقودہ والوالدین قول النفس والبدن الغویس ایسا شخص فاسق ہے کہ منبر پر بٹھانا اس سے بیگانہ کرنا چاہئے۔ ایسا متعلیٰ جو ناحق امام علیؑ کو مذہب کو ایذا پہنچاتا ہے اور اپنے منصب مذہبی کی وجہ سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے اس کو تولیت معزول کرنا چاہئے اگر قابو نہ آئے تو امام مذکور کو علیحدہ کر کے کسی بد مذہب کو امام بنا دے گا جس سے مسلمانوں کی نمازیں خراب ہوں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از لاہور ٹیکسالی دروازہ مرسلہ جناب مولوی محمد غلام جان صاحب قادری رضوی ۱۲ جمادی الثانی کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صحن مسجد جو کہ بالکل برسر بازار واقع ہے اول زمانہ سے اب تک کچھ حصہ اس صحن کا جو بازار کی طرف ہے صحن میں داخل نہیں تھا اور دریاں نماز نہیں پڑھی جاتی تھی، محض کچی سفید زمین تھی اور مسجد کے قبضے میں تھی نہ اس کا وقف معلوم اور نہ یہ معلوم کہ وہ کچھ زمین کا مسجد کے کسی کام سے وقف کیا گیا تھا۔ اب چند سال ہوئے کہ وہ حصہ جو کہ مسجد کے صحن سے خارج تھا صحن میں داخل کر دیا گیا۔ اور اہل محلہ ایسے غریب ہیں جو مسجد کے اخراجات کو باہم نہیں پہنچا سکتے۔ اسلئے اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ مسجد کے اخراجات کیلئے اس حصہ میں جو بازار کی طرف ہے اور پہلے صحن میں داخل نہیں تھا دوکانیں بنالیں تو جائز ہے ؟ بینوا تو جو را

الجواب :- جب وہ حصہ صحن مسجد کے قبضہ میں تھا وہ ملک مسجد ہی قرار پائے گا۔ اگرچہ معلوم نہ ہو کہ کس نے وقف کیا تھا کہ قبضہ دلیل ملک ہے اور جب معلوم نہ ہو کہ وہ کس غرض سے ہے تو اہل محلہ کی رائے سے مسجد کے مناسب مصرف میں لایا جائے اور اب چونکہ لوگوں نے اس سے داخل مسجد کر دیا تو یہ مصرف یعنی بوقت ضرورت توسیع مسجد سب پر مقدم ہے اور اب یہ مسجد کا جز ہو گیا اسکے نیچے دوکانیں نہیں بنائی جائیں کہ دوکانیں بنانے میں شرط یہ ہے کہ قبل تمام مسجدیت بنائیں تو جائز ہے ورنہ نہیں کہانی الدر وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از مراد آباد بدھ بازار چوکی پولیس جنکشن مرسلہ جناب سید حمید حسن قادری و
عبدالقدیر صاحب ہیڈ کلرک از رجب ۱۴۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ وہ روپیہ جو مساجد کے ضروریات کیلئے مسلمان دیتے
ہیں یا جائداد وقف کرتے ہیں آیا اس روپیہ سے مسجد میں بجلی کی لائٹ لینا شرعاً درست ہے یا نہیں
نیز یہ کہ موسم گرما میں جبکہ گرمی شدت کی پڑتی ہے سخت گرمی کی شدت بسا اوقات نمازیوں کی پریشانی طبع
کا باعث بن کر انکے خشوع اور خضوع کو دور کر دیا کرتی ہے خصوصاً ان نمازوں میں جس میں جماعت کثیرہ اور
نماز مسجد کے اندر ہوتی ہے گرمی زیادہ پریشانی کا باعث بنتی ہے آیا اس صورت میں مسجد میں اس تکلیف
کے دور کرنے کیلئے مسجد کے روپیہ سے بجلی کا پنکھا لگا دینا جائز ہے یا نہیں ؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ مسجد
کے علاوہ اگر کوئی شخص بجلی کی لائٹ اپنے مکان میں اپنے روپیہ سے لے لے تو آیا یہ عقد شرعاً جائز ہوگا
یا نہیں اور اگر جائز ہے تو یہ عقد عقد اجارہ خیال کیا جائیگا یا عقد بیع ؟

الجواب :- اگر دینے والے نے یہ تصریح کر دی ہو کہ اس رقم سے یا اس جائداد کی آمدنی سے بجلی
کی روشنی مگرائی جائے تو اس رقم کو بجلی کی روشنی میں صرف کرنا جائز ہے، اور اگر ضروریات مسجد کے لئے
رقم دی ہے یا جائداد وقف کی ہے تو بجلی کی روشنی اس سے نہیں ہو سکتی۔ کہ یہ ضروریات مسجد میں
داخل نہیں۔ اور اگر مصالح مسجد کے لئے وقف کیا ہے تو چونکہ مصالح مسجد میں روشنی بھی داخل ہے اس سے
روشنی ہو سکتی ہے مگر روشنی سے مراد وہ روشنی ہے جو مسجدوں کیلئے عرف میں جاری ہے مثلاً چراغ یا
قندیل وغیرہ اس رقم سے ایسی روشنی نہیں کیجا سکتی جس سے مقصود ترین ہے یہاں تک کہ ایک چراغ

لے لیکن اس زمانہ میں بجلی مصالح مسجد میں داخل ہے، اب عرف یہی ہے کہ اس سے روشنی مقصود ہوتی ہے محض ترین
مقصود نہیں ہوتا۔ اسلئے آج کے زمانے میں اگر کسی نے مصالح مسجد کیلئے رقم دی یا زمین وقف کی تو اس کی آمدنی کو
بجلی کی روشنی میں صرف کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر ایک یا دو بلب سے مسجد کا کام چل جاتا ہو تو اسے زائد بلب نہیں لگائے جاسکتے
کہ اب زائد لگانا ترین کیلئے ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مصباحی

ہے اگر اوس مسجد کا کام چلتا ہے تو متعدد چراغ نہیں جلائے جاسکتے در مختار میں ہے ویدخل فی وقف المصالح وقاد وغراش وموزن وناظر وثمن زیت وقنادیل وحصر وماء وضوء فتاویٰ علگیری ہے مسئل ابو بکر عمن اوصی ثلث ماله لاعمال البرہل یعوز ان یسرح فی المسجد قال یعوز قال ولا یعوز ان یزاد علی سوا ۳۰ المسجد سواء کان فی شہرہ رمضان وغیرہ قال ولا یزین بہ المسجد کذا فی المحيط۔ پنکھا مصالح مسجد میں داخل نہیں وقف مسجد کی آمدنی اسمیں صرف نہیں کیجا سکتی اگر کوئی شخص اپنی طرف سے اسمیں صرف کرے یا اسکے لئے جائداد وقف کرے تو ہو سکتا ہے اپنے طور پر خود اپنے مکان میں بجلی کی روشنی لینا جائز ہے اسمیں حرج نہیں اور عقد عقد بیع ہے اور بیع تعاطی میں اسکا شمار ہوگا کہ جس قدر بجلی خرچ کرے گا اوسکی قیمت جو کچھ مقرر ہے دیگا جس طرح نل کا پانی، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- از بنارس محلہ قطبن شہید مسئلہ قاسم علی خاں ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مقیمان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قطعہ زمین افتادہ مسجد واقعہ محلہ قطبن شہید شہر بنارس جسکا طول بجانب شرقاً وغرباً بر سر راہ سرکاری ۲۶ فٹ ۸ انچ و عرض بجانب شمالاً وجنوباً ۱۲ فٹ ۶ انچ جو کہ منظر نقشہ منظور کردہ میونسپلٹی بلکہ استفادہ ہذا ہے اور بعد زمین افتادہ مسجد بگوشہ مشرق وجنوب گلی میونسپلٹی ۸ فٹ ۲ انچ و بگوشہ مشرق و شمال گلی میونسپلٹی ۱۲ فٹ نقشہ مذکور الصدد میں واضح ہے اور بعد زمین مسجد گلی میونسپلٹی مکان یکے مسلمان موجود ہے جس نے کہ گلی میونسپلٹی بگوشہ مغرب و شمال کی تجاوز کر کے اپنے مکان میں شامل کر لیا ہے۔ اگر اجازت میونسپلٹی کے مطابق مسجد تعمیر کرائی جاتی ہے تو گلی میونسپلٹی بند ہو جاتی ہے۔ جسکی وجہ سے میونسپلٹی کی جواب دہی مسلمان اہل محلہ پر ضروری ہوگی اور نقشہ بند و بست و خسروہ میں بھی ۲۲ فٹ زمین مسجد اور ۱۲ فٹ گلی بگوشہ مشرق و شمال موجود ہے جس کے مطابق اگر کاروائی عمل میں لائی جائیگی تو

نہ اگر عہد کے اندامامت کے شرائط پائے جاتے ہوں۔ تو۔ اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ مذکورہ بالا عقد کی بنا پر اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مضابطی

مکان دار مذکور کو سخت تکلیف پہونچگی اور باعث باہمی نزاع ہوگا اور چند مسلمان خواندہ اور ناخواندگی رائے ہے کہ چار فٹ گلی مسجد کی زمین سے چھوڑ دی جائے بقیہ مسلمان کی رائے ہے کہ مسجد کی زمین بالکل نہ چھوڑی جاوے لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسجد کی زمین بجانب شرق ایک یا دو یا چار فٹ بڑے عام آمد و رفت کے گلی چھوڑ دینا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ نیز جو مسلمان کہ زمین مسجد کی چھوڑنے کیلئے آمادہ ہیں اور زمین مسجد کی چھوڑنے والے کیلئے کوشش کرتے ہیں، انکے متعلق شرع کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب :- کچھ زمین پر مسجد بن جانے کے بعد وہ ہمیشہ کیلئے مسجد ہو جاتی ہے مسجد کی عمارت باقی رہے یا منہدم ہو جائے ہر حال میں وہ مسجد ہی ہے اور اس کی حرمت بدستور باقی ہے۔ مسجد کے کسی جز کو راستہ میں شامل کر لینا کہ اس پر مومن کا فرج جنب حائض سب کی گزرگاہ کر دینا مسجد کی سخت توہین ہے اور یہ حرام، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔ ان ارادوان يجعلوا شیا من المسجد طريقا للمسلمین فقد قيل ليس لهم ذلك والله صريح کذا فی المحيط۔ جو لوگ اسکی کوشش کرتے ہیں کہ مسجد کا ایک جز راستہ میں شامل کر کے اسکی مسجدیت کا ابطال کریں وہ ظالم ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے ومن اظلم ممن ضلع مسجد الله ان یدکوفیها اسمہ وسعی فی خرابیہا۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روکے کہ اس میں خدا کی یاد کی جائے اور اس کو خراب کرنے کی کوشش کرے۔ تمام مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ بزوجہ اتم بنجائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ مولوی محمد غلام جان صاحب خطیب از لاہور۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسنی زید کا باپ ایک پرانی مسجد کا پیش امام رہا اب تقریباً پچیس سال ہو گئے کہ وہ فوت ہو گیا اور بعد کو جو صاحب آیا ۶۰ مہینہ سال بھر نماز پڑھائی چلا گیا۔ اب چونکہ اس مسجد کے ساتھ ۴۲ دکانیں تعمیر ہو گئی ہیں لہذا نیک اس طبع اور لالچ کے مارے کہتا ہے کہ چونکہ میرا باپ کچھ مدت تک مسجد ہذا میں نمازیں پڑھاتا رہا ہے، لہذا متولی و مالک مسجد میں ہوں۔ مسجد کی آمدنی مجھے ملنا چاہیئے حالانکہ نہ زید نے اور نہ زید کے باپ دادا نے یہ مسجد بنائی اور نہ قاضی و اصل حملہ نے اس کو متولی مسجد ٹھہرایا اور یہ زید لا علم، ریش تراش، فاسق

فاجر ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید مذکور مسجد ہذا کا متولی و مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟ اور مسجد کی آمدنی کا وہ مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا بندگان کتاب توجروا ہیوم الحساب

الجواب :- زید کا یہ کہنا کہ میں مالک مسجد ہوں بالکل غلط ہے۔ مساجد خالص ملک الہی ہیں کسی دوسرے کی ملک نہیں ارشاد ہوا **إِنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ** جس نے مسجد بنائی وہ بھی اس کا مالک نہیں ہوتا نہ کہ دوسرا بلکہ بنانے والا جب تک اسے اپنی ملک سے خارج نہ کر دے مسجد نہیں ہو سکتی۔ درمختار میں ہے **وَيُزِيلُ مَلِكُهُ عَنِ الْمَسْجِدِ وَالْمُضَلِّي بِالْفِعْلِ** وبقوله جعلته مسجداً۔ اگر زید کا متولی بننے میں یہ پیش کرنا کہ انکا باپ امام تھا یہ بھی کوئی دلیل نہیں کہ اس کے باپ کا امامت کرنا اس کے متولی ہونے کا سبب نہیں۔ خصوصاً جبکہ وہ فاسق و فاجر ہے کہ ایسے کو متولی بنانا درست نہیں۔ متولی ایسے شخص کو کیا جائے جو امامت دار ہو۔ اور وقف کا کام بخوبی انجام دے سکتا ہو۔ ردالمحتار میں ہے **ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه وبنائبة** اور سوال کی عبارت سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس طلب تولیت سے زید کا مقصود مسجد کی آمدنی کو اپنے صرف میں لانا ہے لہذا اسکو ہرگز متولی نہ کیا جائے کہ اس سے دیانت داری سے کام نہ لے لی ہرگز توقع نہیں خصوصاً جبکہ وہ فسق و فجور میں بھی مبتلا ہے۔ فقہائے کرام کا تو یہ ارشاد ہے کہ جو تولیت کا خواہشمند ہو اسے متولی نہ کیا جائے۔ ردالمحتار میں ہے **قالوا من طلب التولية على الوقت لا يعطى له**۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ جناب حاجی عبدالغفور صاحب محلہ بازار سدانند انجن اشاعتہ الحقی شہر بنارس ۱۴ ربيع الآخر ۱۳۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ع۔ ایک مسجد قدیم تعمیر جدید کرتے وقت مسجد اونچی کی گئی اور قدیم فرش مسجد کے آگے کا جس پر نماز پڑھی جاتی تھی نیچا کر کے دوکان جدید قائم کی گئی اور اس پر فرش مسجد بنایا گیا اب تحقیق طلب یہ امر ہے کہ دوکان جدید کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ ع۔ مسجد یا فرش مسجد ٹھوس ہوا اسکو کھود کر نیچے دوکان قائم کرنا اور دوکان کی چھت پر فرش قائم کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب (۱) :- جب مسجد تعمیر ہو گئی تو تحت الشری سے عرش تک ادنیٰ فضاء مسجد ہو گئی اور کسی

مسجدیت باطل نہیں کیجا سکتی پھر اس مسجد کو دوبارہ تعمیر کرانے میں حدود مسجد کے اندر نیچے اوپر دوکان نہیں بنائی جا سکتی کہ وہ دوکان کی زمین بھی مسجد ہو چکی ہے اسکو مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا نہ اسکو کمرایہ پر دے سکتے ہیں نہ اس میں ایسا کام کر سکتے ہیں جو احترام مسجد کے خلاف ہو تاوی عالمگیری میں ہے قیہم المسجد لایجوز لہ ان یبنی حیوانیت فی حد المسجد اونی فناء لہ لان المسجد اذا جعل حیوانا ومسکنا تسقط حرمتہ وهذا لایجوز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲) :- یہ ناجائز و حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ سید زین الدین صاحب علوی خطیب مسجد الف خان احمد آباد لال دروازہ روڈ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے جو چھوٹی تھی اب بڑی بنائی گئی اسکے نیچے دوکانیں بھی بنوائی گئی ہیں دوکانوں کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے تو اسکے متعلق آپ کی کتاب بہار شریعت حصہ دہم مسجد کے بیان میں لکھا ہے کہ، "قبل مسجدیت مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا مباح ہے،" اور عالمگیری کا حوالہ دیا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ اباحت مذکور الذیل صورت میں رہتی ہے یا نہیں۔ صورت مسجد یہ ہے کہ مسجد وسط بازار میں اچھی خاصی اونچائی پر ہے اسکے جماعت خانہ کے نیچے اطراف میں جنوبی شمالی اور مشرقی جانبوں میں مسجد کی دوکانیں تھیں اور ہیں اور مغربی طرف مسجد کی ملکیت کا مکان جو کمرایہ سے دیا گیا تھا وہ اب چونکہ مصلیوں کی کثرت آمد سے مسجد چھوٹی ہونے سے اور تنگی کی وجہ سے مسجد کو شہید کر کے بڑی بنائی گئی ہے اور ہزاروں روپے خرچ کئے ہیں اور مسجد کی ملکیت کا مغربی مکان بھی مسجد میں لیکر اس پر جماعت بڑا وسیع بنایا گیا ہے اور پورے جماعت خانہ کے نیچے موٹر کی دوکانیں یا اور قسم کی مگر کمرایہ پر ہی دینے کی غرض سے دوکانیں بنائی ہیں مسجدیت کا کچھ حصہ صرف ایک دوکان میں لیا گیا ہے باقی زمین مسجدیت میں داخل نہ تھی نہ اب ہے اور دوکانوں کی آمدنی کا مصرف بھی مسجد ہے اگر یہ صورت خلاف شرع ہے تو مسجد کی ساری عمارت شہید کرنی ہوگی اور خرچ ضائع ہوگا؟

الجواب :- اس جدید تعمیر میں مسجد کے نیچے اون مواقع میں دوکانیں بنائی جا سکتی ہیں جہاں پہلے سے دوکانیں تھیں اور جانب مغرب میں جو مکان مسجد کا تھا اور اب اسے مسجد میں شامل کیا گیا۔

اوسکے نیچے بھی دوکانیں بنائیں گئیں اس میں بھی حرج نہیں کہ یہ مکان پہلے سے مسجد نہ تھا بلکہ مصالح مسجد کے لئے وقف تھا ضرورت کے وقت اسے مسجد میں شامل کرنا اور اسکے نیچے مسجد کے مصالح کیلئے دوکانیں بنالینا جائز ہے جب کہ تعمیر ہی یوں کی ہو کہ نیچے مصالح مسجد کے لئے دوکانیں ہونگی اور اوپر مسجد ہوگی کہ یہ دوکان بنانا اس زمین کو مسجد کرنے سے قبل ہوا اور مسجد کا وہ حصہ جس کے نیچے پہلے دوکان نہ تھی مگر اب دوکان میں شامل ہو گیا یہ ناجائز و حرام ہے کہ بعد تمام مسجدیت اسکے نیچے دوکان نہیں بنائی جاسکتی علامہ شہاب الدین احمد شبلی حاشیہ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد ۲ صفحہ ۳۳ میں امام فقیہ ابواللیث کا کلام نقل فرماتے ہیں فان قبل لوجعل تحتہ حانوتا وجعلہ وقفا علی المسجد قیل لا یتحب ذلک ولکنہ لوجعل فی الابداء ہکذا ہمار مسجد وما تحتہ صار وقفا علیہ ویحرر المسجد والوقف الذی تحتہ ولو انہ بنی المسجد اولاً ثم اراد ان یجعل تحتہ حانوتا للمسجد فهو مردود باطل وینبغی ان یرد الی حالہ ترجمہ اگر مسجد کے نیچے دوکان بنا کر مسجد پر وقف کر دی گئی ایسا کرنا مستحب نہیں ہے مگر ابتداء ہی میں اگر ایسا کیا ہو تو اوپر مسجد ہوگی اور نیچے کی دوکان مسجد پر وقف ہوگی اور یہ مسجد بھی جائز ہے اور نیچے جو وقف ہے وہ بھی جائز اور اگر پہلے مسجد بنائی پھر اسکے نیچے مسجد کیلئے دوکان بنانا چاہتا ہے ایسا کرنا رد و باطل ہے اور اسکو پہلی حالت پر واپس کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۵۵

مسئلہ :- مرسلہ عبدالغفور صاحب بنارس بازار سدانند انجمن اشاعت النجیم جمادی الثانی مسجد کے متعلق جو سوال حضور سے کیا گیا تھا وہی سوال یہاں کے مقامی علماء سے بھی کیا گیا تھا جن میں سے مولینا محمد ابراہیم صاحب کے پاس تو حضرت کا جواب بھی پیش کر دیا گیا مولوی صاحب موصوف نے اسکا جواب جدا تحریر کیا اور فرمایا کہ میری تحریر حضرت کی خدمت میں روانہ کر دو تاکہ مسئلہ کی تحقیق ہو جائے اگر میری غلطی ہو تو مزید تحقیقات سے آگاہ کیا جائے۔ اس لئے عریضہ اور استفتاء ارسال خدمت ہے۔ امید کہ حضور توجہ فرما کر جلد جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔ اگر یہ مسئلہ صاف ہو جائے تو اسکی اشاعت کرنا ہے امید کہ غایت توجہ فرمائیں گے۔ اور امور لائقہ سے بھی یاد فرمائیں گے۔ زیادہ فیاض حضور

کی خدمت میں ادا کین سدا اور جناب قاری محمد شفیع صاحب دست بستہ سلام عرض کرتے ہیں اور ایک سوال مولوی عبدالرشید صاحب کا یہ ہے کہ جس جگہ نماز پڑھنی گئی وہ جگہ تو تحت الشریٰ سے لیکر عرش تک مسجد ہو گئی اب سوال یہ ہے کہ جو جگہ پہلے مسجد نہ تھی اس جگہ پر ایک چھت قائم کی گئی اور اس چھت پر مسجد قائم کی گئی تو اب اس چھت سے عرش تک مسجد ہوئی یا تحت الشریٰ سے اور اسکے نیچے کی دوکان وغیرہ جائز ہے یا نہیں ؟

نقل فتویٰ مولوی ابراہیم خاں

ابتداءً یعنی مسجد بننے سے قبل اگر نیچے یا اوپر کوئی تعمیر کی جائے تو دو شرطوں سے جائز ہے (۱) مسجد کی کسی بھلائی اور مصلحت کیلئے کیجائے جیسے آمدنی وغیرہ کا خیال (۲) یہ عمارت مثل مسجد کے وقف ہو کہ رہن و بیع و دیگر تصرفات کے قابل نہ ہو درالمنفقہ میں ہے صرح فی الاسعار بانہ اذا كان السرداب او العلول مصلح المسجد اذا كان وقفاً علیہ صار مسجداً اور مسجد بنانے کے بعد اسکے نیچے یا اوپر کچھ بنا نا جائز نہیں در مختار میں ہے اما لو تمت المسجدية ثم اداد البناء منع کیونکہ مسجد تیار ہو جانے پر تحت الشریٰ تک ملا اور عرش تک خلا یہ ساری فضا محترم با احترام مسجد ہو جاتی ہے کما فی الذر والرد۔ فقہار کا قول قدیم تو یہی ہے مگر قول جدید میں صاحبین کے نزدیک بضرورت کسی مصلحت کے واسطے جائز ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے عن ابی یوسف انه جاز ذالک فی الوجہین لما دخل بغداد ورائی ضیق الاماکن وکذا عن محمد لما دخل الرے وھذا تعلیل صحیح لانه تعلیل بالضرورة وھکذا فی العینی کما فی حواشی الکنز۔ پس صورت مسئلہ میں اگر آمدنی کی سبیل دشوار ہو اور اسی خیال سے دوکان بنائی گئی ہو تو مضائقہ نہیں معلوم ہوتا اگر مسجد کے ضروری اخراجات کیلئے آمدنی ہو جاتی ہے تو بہتر یہی ہے کہ دوکانات کی تعمیر نہ کیجائے، واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب :- آپ کے سوال کا وہی جواب ہے جو میں نے پہلے روانہ کر دیا ہے دوسرے فتویٰ میں جن روایات پر جواب کی بنا ہے وہ مخفی نہیں، بکثرت ایسے مسائل ہیں جن میں روایات مختلفہ پائی جاتی ہیں مگر حکم ان روایات کے موافق دیا جاتا ہے جو باقوت ہوتی ہیں ورنہ یہیں

نہیں بلکہ بیشتر مسائل میں اس طور پر اختلاف کیا جاسکتا ہے بیشک وہ روایات ہدایہ میں ہیں مگر
ضعیف ہیں۔ لہذا مدار کا ظاہر الروایۃ پر ہے بحر الرائق پھر رد المحتار میں ہے حاصلہ ان شرط
کوفہ مسجد ان یكون سفله وعلوه مسجدًا لينقطع حق العید عنه لقوله تعالى وان المسجد
بخلاف ما اذا كان السرداب والعلو موقوفًا لمصالح المسجد فهو كسرداب بیت المقدس
هذا هو ظاهر الروایۃ وهنالك روايات ضعيفة مذكورة في الهدایۃ اس مذکورہ
عبارت میں ہدایہ کی اون روایات کی نسبت ضعیف ہوئی کی تصریح موجود ہوتے ہوئے اس روایت
کو کیونکر معمول بہا قرار دیا جائے پھر یہ کہ جو سوال آپ نے بھیجا تھا اس کی صورت یہ ہے کہ مسجد قدیم
کی تعمیر جدید میں اس کے نیچے دوکانیں بنائی گئیں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ سے جو یہ
روایتیں منقول ہیں انکی صورت یہ ہے کہ اوپر مسجد بنائی گئی اور نیچے رہنے کا مکان جو مصالح مسجد
کیلئے نہیں ہے یا نیچے مسجد بنائی گئی اوپر مکان یہ دونوں صورتیں جائز نہیں ہدایہ کی عبارت یہ ہے
اذا جعل السفلى مسجداً وعلیٰ ظہورہ مسکن الخ یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یہ کلام ابتداء
مسجدیت میں ہے لہذا صورت مسؤل عنہا سے اسکو تعلق نہیں، سوم یہ کہ اس روایت پر فتویٰ دینے
کا محصل یہ ہے کہ مسجد کے نیچے، اوپر بعد تمام مسجدیت اپنی رہائش و آسائش کیلئے مکان بنانا جائز ہے
اگرچہ وہ مکان مصالح مسجد کیلئے نہ ہو کیونکہ ان روایات کی یہی صورت تھی، وہ مکان مصالح مسجد کیلئے
نہو اور بعد تمام مسجدیت اگرچہ اس روایات میں نہیں ہے مگر صورت مسؤل عنہا یہی تھی اور اس روایت کو
وہاں چسپاں کرنے میں یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بعد تمام مسجدیت اسکے نیچے اور اوپر ایسا مکان بنانا جو مصالح مسجد کیلئے
نہ ہو جائز ہے۔ اب اس فتویٰ کا حاصل یہ ہوگا کہ مسجد توڑ کر اسکے نیچے رہنے کا مکان بنالیا جائے، اوپر اپنا ذاتی مکان بنالیں اس
میں کوئی قباحت نہیں ایسا حکم دینا مسجد کو خطہ میں ڈالنا ہے مولوی عبدالرشید صاحب کے سوال کا جواب یہ ہے کہ مسجد بنانے وقت
اس کے نیچے مصالح مسجد کیلئے دوکانیں بنالینا جائز ہے اور اتنا کچھ اس حکم احترام سے متنبی ہے جو مسجد کیلئے ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ :- آمدہ از محلہ مفتی ٹولہ اٹا وہ مرسلہ ولی محمد انصاری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان دین متین درمیان ان مسائل کے

(۱) یہ کہ کسی مسجد کے امام کے تقرر کا حق اس متولی مسجد کو ہے جو نہ اسکے قریب میں رہے اور نہ کبھی اسمیں نماز کو آوے یا ان محلہ داران و نمازیان مسجد کو حق ہے جو روزمرہ اور پنج وقتہ اس مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ایسی شکل میں اگر متولی مسجد نمازیان مسجد و محلہ داران کے مشورہ کے بغیر کسی امام کا تقرر کر دے اور اس تقرر کو جملہ نمازیان مسجد و محلہ داران نامناسب بتاتے ہوں تو متولی مسجد کا اس طرح سے امام کا تقرر شرعاً جائز ہے ؟

(۲) اس طرح سے متولی کے مقرر کئے ہوئے امام سے اکثر و بیشتر نمازیان مسجد و محلہ دار غلاف میں ایسی صورت میں مسجد میں دو جماعتیں ہونے لگیں اور نمازیان قدیم کی اکثریت اس (جدید) امام کے پیچھے نماز نہ پڑھے تو شرعاً کیا حکم ہے ؟

(۳) اس طرح سے مقرر شدہ امام کی وجہ سے اگر مسجد میں دو جماعتیں ہونے لگیں ایک ہی وقت میں تو کونسی جماعت شرعاً قابل شرکت ہے ؟

الجواب :- متولی مسجد چونکہ مسجد کا منتظم ہے مسجد کے کام اور اسکے سپرد ہیں لہذا امام کو مقرر کرنا بھی اس کا کام ہے مگر اس تقرر کے مسئلہ میں اگر متولی اور مصلیان مسجد میں اختلاف ہو تو جس امام کو متولی نے مقرر کیا اگر وہ بہتر ہے تو وہی امام ہے اور اگر بہتر وہ امام ہے جسکو مصلیان مسجد نے مقرر کیا ہے تو اسی امام کو رکھنا بہتر ہے اور اگر دونوں امام ایک ہی طرح کے ہیں تو متولی کا امام اولیٰ۔ متولی تو متولی ہے خود بانی مسجد اور مصلیان مسجد میں اختلاف ہو تو اس میں بھی یہی تفصیل ہے در مختار میں ہے

الباقی للمسجد اولى من القوم ينصب الامام والمؤذن في المختار الا اذا عين القوم اصلح ممن عينه رد المختار میں ہے قوله اذا عين القوم اصلح ممن عينه لان منفعة ذلك ترجع اليهم۔ لہذا اگر مصلیان مسجد کا مقرر کردہ امام بہتر ہے تو متولی کو بھی اسی کا تقرر منظور کر لینا چاہیے تاکہ یہ فتنہ و فساد اور تفریق جماعت جو ہو رہی ہے اسکا سلسلہ بند ہو جائے بیک وقت ایک مسجد میں دو جماعتوں کا قائم کرنا منوع ہے سب کو متفق ہو کر ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ مولوی جلال شاہ پنجابی متعلم مسجد بی بی جی مظہر اسلام ۲۰ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ جنگ کے دوران میں حکومت نے ایک گاؤں کو اپنی ضرورت کیلئے نکال دیا تو انھوں نے اور جگہ قیام کیا۔ اور وہاں مسجدیں بچتے بنالیں اب انھیں پھر حکم ہوا ہے پہلی جگہ واپس آئیگا۔ اب ان مسجدوں کا کیا حکم ہے کیا انھیں وہاں ویسے رہنے دیں یا اپنی پہلی جگہ لاکر مسجدوں میں استعمال کریں اگر وہاں رہنے دیں تو بے حرمتی کا خطرہ ہے۔ بیوقوفو جروا

الجواب :- امام اعظم و امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب ہے کہ جب لوگوں نے مسجدیں بنالیں تو اب وہ تاقیام قیامت مساجد ہو گئیں۔ اسکے اسباب دوسری مسجد میں نقل کرنا کسی طرح سے درست نہیں ہوگا۔ لایعجز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر سواء کانوا

یصلون فیہ اولایصلون وعلیہ الفتویٰ کذا فی الحاوی القدسی۔ در مختار میں ہے ولو خرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجد عند الامام والثانی ابدالہ الی قیام الساعۃ وعلیہ الفتویٰ۔ یہ حکم اس زمانہ کیلئے تھا جبکہ مساجد کی اشیاء کے لینے اور ان میں تصرف کرنے کو لوگ برا جانتے تھے۔ اور اب یہ زمانہ فساد کا زمانہ ہے کہ لوگ خلاف حرام میں امتیاز نہیں رکھتے مسجد کی چیزوں میں بھی بطور تغلب تصرف کرنے سے باز نہیں رہتے۔ اس زمانہ میں بہت ممکن ہے کہ جب ان مساجد کا کوئی نگران نہیں تو ان کے عمارتی سامان لوگ اپنے تصرف میں لائیں گے۔

اور مسجدوں کو منہدم کر کے نیست و نابود کر ڈالیں گے۔ اسی طرح یہ بھی خطرہ اور اندیشہ ہے کہ کفار و مشرکین موقع پا کر اسکا سارا سامان رفتہ رفتہ اٹھالیا جائیں گے۔ پس ایسی صورت امام ابو یوسف سے جو دوسری روایت ہے اس پر عمل کر کے اسکا عمارتی سامان منتقل کر کے دوسری مسجد میں لگا دیا جائے۔ اور اس زمین کو چوترہ کی شکل میں باقی رکھیں جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ مسجد ہے اور مسلمان اسکا احترام کریں۔ در مختار میں ہے۔ وعن الثانی ینقل الی مسجد آخر یا ذن القاضی

رد المحتار میں فرمایا۔ فی الاسعاف لو خرب المسجد و ماحولہ وتفرق الناس عنہ لایعود الی ملک الواقف عند ابی یوسف فیسباع نقضہ باذن القاضی ویصرف ثمنہ الی بعض

المساجد انتهى مختصراً - بفرمايا - والذي ينبغي متابعة المشايخ المذكورين
 في جواز النقل بلا فرق بين مسجد اوحوض كما افتى به الامام البوشجاع والامام
 العلواني وكفى بهما قدوة ولا سيما في زماننا فان المسجد او غيره من رباط او حوض اذا
 لم ينقل ياخذ انقاضه للصوم والتغلبون كما هو مشاهد وكذلك اوقافه ياكلها النظار
 او غيرهم ويلزم من عدم النقل خراب المسجد الاخر المحتاج الى النقل اليه وقد وقعت
 حادثاه سئلت عنها في امير اراد ان ينقل بعض اجزاء مسجد خراب في سفح قاسيون
 يد مشق ليلبط بها صحن الجامع الاموي فانيت بعدم الجواز فتابعة للشر نبلا في ثم
 بلغني ان بعض التغلبين اخذ تلك الاحجار لنفسه فندمت على ما افتيت به ثم رأيت
 الآن في الذخيرة قال وفي فتاوى الشنقي سئل شيخ الاسلام عن اهل قرية دخلوا وتلاى
 مسجد ها الى الخراب وبعض التغلبة يستولون على خشبه وينقلونه الى دورهم هل
 لواحد لاهل المحلة ان يبيع الخشب بامر القاضى ويمسك الثمن ليصرفه الى بعض المساجد
 او الى هذا المسجد قال نعم وحكى انه وقع مثله في زمن سيدنا الامام الاجل في رباط
 في بعض الطرق خرب ولا ينتفع المارة به ولله اوقاف عامرة نسئل هل يجوز نقلها
 الى رباط آخر ينتفع الناس به قال نعم لان الواقف غرضه انتفاع المارة
 ويحصل ذلك بالتالي لله والله تعالى اعلم

نله در مختار ودر المختار ج ٣ ص ٢٠٤ مطلب في احكام المسجد ١٢ مصباحي

کتاب البیوع

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فصل غلہ گندم و نخود آج بوجہ ارزاں ہونے کے خرید کر رکھنا چاہتا ہے، اس نیت سے کہ جسوقت نرخ بازار گراں ہوگا تو اسکو فروخت کر دے گا لہذا اس غلہ کا بھرتا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو کس صورت سے جائز ہے؟

اجواب :- جائز ہے کہ تجارت نفع و فائدہ حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے اللہ عز و جل فرماتا ہے اَحِلَّ لِلّٰهِ الْبَيْعُ وَحَرَّمَ الرِّبَا، ہاں احتکار ناجائز ہے، اور اسکی صورت یہ ہے کہ اس جگہ کی آمد کا غلہ جو اپنی ملک نہ ہو خرید کر ایسا کر رکھے کہ اسکے روکنے سے خلق پر تنگی ہو جائے، اور یہ صورت غلہ بھر کر رکھنے والوں میں عموماً نہیں پائی جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ مولوی احسان علی طاب علم مدرک اہلسنت ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ تالاب وغیرہ میں مچھلی ہوتی ہے، مالک زمین مچھلی کو پانی میں رہنے ہوئے فروخت کر لیتے ہیں خرید ناجائز ہے یا نہیں؟

اجواب :- جو مچھلیاں تالاب میں ہیں۔ انکا خریدنا بیچنا ناجائز۔ ہدایہ میں ہے۔ ولا یجوز بیع السمک قبل ان یصطاد لانه باع مالا یملکہ ولا فی حظیرۃ اذا کان لا یؤخذ الا بصید لانه غیر مقدور التسلیم ومعناه اذا اخذه ثم اقام فیہا ولو کان یؤخذ من غیر حیلۃ جاز الا اذا اجتمعت فیہا بانفسہا ولم یُسَدَّ علیہا المدخل لعدم الملک لیس مچھلیوں کی بیع قبل اسکے کہ انھیں شکار کیا جائے جائز نہیں کہ اس نے ایسی چیز کو بیچا جس کا مالک نہیں۔ ایسے ہی وہ مچھلیاں جو کسی گڑھے میں ہیں جن کو بغیر شکار پکڑا نہیں جاسکتا ہو کیونکہ وہ مقدور التسلیم نہیں ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ مچھلیوں کو پکڑ کر کسی گڑھے میں ڈال دیا گیا ہو اور اگر اس قسم کی مچھلیاں بغیر حیلہ پکڑی جاسکتی ہوں تو بیع جائز ہے۔ ہاں اگر کسی گڑھے میں وہ مچھلیاں خود آکر جمع ہو گئیں اور راستہ بند نہ کیا تو بیع جائز نہیں کہ یہ شخص ان کا مالک نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ عبد العزیز خاں صاحب از کلنتہ ذکر یا اسٹریٹ ۲۲۔ ۲ جمادی الاولیٰ

ایک بینک ہے جس نے یہ اعلان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے پاس دس روپے ماہوار جمع کرے، تو دس سال کے بعد بجائے اسکے کہ جمع کردہ رقم مجموعی ۱۲۰۰ روپے ہوئے۔

۱۶۰۰ روپے۔ یعنی چار سو مزید دیے جائیں گے۔ اور ۲۵ روپے ماہوار کے حساب سے ۲۰ سال

تک جمع کرے تو بعد ۲۰ سال کے اسکی مجموعی رقم ۶۰۰ کے بجائے ۱۱۰۰ روپے یعنی پانچ ہزار

روپے مزید دیئے جائیں گے۔ آں جناب سے عرض ہے کہ اس رقم میں مزید پانچکی امید پر جمع کرنا

درست ہے یا نہیں وہ مزید رقم جو مدت معینہ کے بعد ملینگے رہا میں داخل ہے یا نہیں ؟

اجواب :- یہ کھلا ہوا سود اور حرام ہے ہاں اگر بینک واجب برے کافر ہوں ان میں کوئی

مسلم نہ ہو اور اس مدت مذکورہ کے بعد وہ اتنے روپے زائد دیں تو یہ شخص مالِ مباح سمجھ کر لے

سکتا ہے کہ کافر نے اپنا مال اپنی خوشی سے دیا۔ لیکن اور سود کی نیت ہرگز نہ ہو۔ رد المحتار میں کافی

سے ہے۔ وان بايعهم الدرهم بالدرهمين نقدا او سيئة فلا باس بذلك لان له

ان ياخذ اموالهم برضاهم، وهو تعالى اعلم

مسئلہ :- مسئلہ جناب محمد ثروت یا رخا نصاب از غنی تال ۲۱ جمادی الاخرہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک رقم بینک میں صرف اسکی امداد

کی غرض سے جمع کی اور اسوقت یہ کہہ دیا تھا کہ سود لینا منظور نہیں ہے بینک مذکور انگریزی نہیں ہے

عام پبلک کا ہے عام مخلوق کو زیادہ سے زیادہ شرح سود پر روپیہ دیا جاتا ہے اور ان شخصوں

کو جتنا روپیہ اسمیں جمع ہے سال تمام پر بعد منہا اخراجات ضروری سود تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

بصورت مذکورہ بالا اصول بینک کے موافق سود زید کے پاس بھی آیا زید اسکو اپنے صرف میں لانا

پسند نہیں کرتا ہے۔ اس صورت میں جو سود آتا ہے اسکو کس کام میں صرف کیا جاوے، بینو اتوجروا

اجواب :- بینک کی امداد کے لئے روپیہ دینا جبکہ وہ بینک سود پر لوگوں کو روپیہ دیتا ہے

حرام ہے، قال تعالى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان، اور وہ سود کے روپے حرام ہیں،

قال تعالى وخذ مما الربوا۔ اگر معلوم ہو سکے کہ یہ روپے کس کے ہیں تو واپس کر سہ ورنہ فقار پر

تصدق کو فیء، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱) مرسلہ بخشاجی محمود جی سوداگر پارچہ شہر اودے پور میواڑ، ۲۷ رجب ۱۲۸۰ھ

ما قولکم ایہا العلماء الکرام رحمکم اللہ، کفار ہنود کو ہزار دو ہزار یا کم زیادہ کا دو مہینے کے

وعدے پر قرض کپڑا فروخت کیا، کپڑا دیتے وقت اس سے یہ ظاہر کر دیا کہ اگر دو مہینے کے وعدے پر

روپیہ نہ ادا کیا تو میں تجھ سے فی صدی ایک روپیہ زیادہ لوں گا، یا یوں کہد یا کہ مثلاً دو مہینے کے

وعدے پر اس کپڑے کی قیمت سو روپے، اور اگر اس وعدے پر نہ آئے تو ایک سو ایک روپے

ہونگے یہ اسنے کہ کفار مسلمانوں کے روپیوں کا وعدہ پر ادا کرنے کی فکر نہیں کرتے یہ جائز ہو گا نہیں؟

مسئلہ (۲) نوٹ سو سو روپے کا ایک سو ایک یا ایک سو بارہ آنے پر ایک مہینے کے

بعد واپس روپیہ لینا کر کے دیئے گئے وہ نوٹ تو اسکے کام میں آگئے۔ مگر مہینہ ہونے پر وہ بدلے میں یہ

نہ دے اور نوٹ دے تو لینا جائز ہے یا روپیہ ہی لیا جائے؟ ۹۔ بیوا تو جروا

اجواب (۱) ہندوستان اگرچہ دارالاسلام ہے مگر یہاں کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستان

لہذا اگر وہ اپنا مال خوشی سے دیں اگرچہ کسی ایسے عقد کے ذریعہ سے جو مسلمانوں میں باہم جائز

نہ ہو تو کافر کو مال مسلم کے حق میں جائز ہے مثلاً یہ صورت کہ ایک مہینے کے وعدہ پر اسکی قیمت تو

روپیہ ہے اور اگر دو مہینے پر دے تو ایک سو ایک یا زیادہ اور اس پر وہ راضی ہو گیا تو یہ زیادتی لے

سکتے ہیں رد المحتار میں کافی امام شہید سے ہے وان بايعهم الدرهم بالدرهم نقداً او بغيره

فلاباس بذلك لان له ان ياخذ اموالهم بوضام الخ ولان مالهم غير معصوم فيجوز

اخذہ باي نحو كان مالهم يكن غدر فانه ممنوع - واللہ تعالیٰ اعلم

اجواب (۲) سو روپے کے نوٹ اگر ایک سو ایک روپے یا کم و بیش کے بدلے

میں اودھار بیچے تو خریدار پر روپے لازم ہیں ہاں اگر دونوں نوٹ یا اشرفی سے دین ادا کرنے پر

راضی ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے جبکہ یہ اسی قیمت کے ہوں جو باہم طے ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے بیعت میں اشرافیوں کے بدلے اونٹ بیچنا سکے بجائے اشرافیوں کے روپے لیتا یا روپے کے بدلے میں بیچتا اور اشرافیاں لیتا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ارشاد فرمایا لا باس ان تاخذھا بسعیر یومھا مالم تفتقرا و بینکما شیء، رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و الدارمی۔ اور اگر نوٹ بیچا نہیں بلکہ قرض دیا ہے تو بچنے کا نوٹ ہے خواہ اس قیمت کا نوٹ یا روپے اس سے زیادہ حرام و سود ہے اگر قرض دیتے وقت مقرر کر لیا ہو کہ ایک سو کا نوٹ دیتا ہوں اور سو روپے اور اتنے پیسے نوٹ کا حدیث میں فرمایا کل قرض جرم منفعۃ فهو رباء۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ مولوی عبدالکریم صاحب از کانپور بنگالی محال ۲۲ رجب سنہ ۱۲۸۳ھ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں (۱) زید نے بکر کے ہاتھ مبلغ پندرہ روپے کا نوٹ مبلغ چوبیس روپے کو قرض فروخت کئے (۲) ادائیگی قرض کی یہ صورت قرار پائی کہ آٹھ آنے مہینہ کر کے یعنی چھ روپے سال میں اور بقایا ۱۸ روپے سال ختم ہونے پر بکر زید کو ادا کر دیں۔ (۳) زید نے یہ قرض کا وصول کرنا ہندہ کے سپرد کیا اور بکر نے بھی ہندہ کو دینا منظور کر لیا۔ کیونکہ زید غیر ولایت کو جانے والا ہے۔ (۴) بکر نے ہندہ کے حق میں ایک مکان دخلی رہن کر دیا۔ اور اقرار نامہ لکھ دیا جو حسب شرائط مذکورہ ۱۸ کے مطابق ہے یعنی آٹھ آنے مہینے کا ہی رہن شدہ مکان کا کرایہ نامہ لکھ دیا۔ اور بقیہ سال ختم ہونے پر ادا کر کے رہن نامہ لکھ دیا۔ یہ صورت ادائیگی کی ٹھہری۔ چونکہ حکومت غیر اسلام اس وجہ سے تکمیل جبریطی وغیرہ کی یہ کل رقم جو قرض اتارا گیا ہے اس سے زیادہ نہیں ہے اور نہ زیادہ ہوگی۔ (۵) اگر زید بکر کو قرض نہ دیتا تو بکر غیر مسلم کے ہاتھ اپنی ریاست برباد کرتا اور کافر ایک مسلمان کی ریاست کو پیسے کی جگہ ڈھیلے میں لیتا۔ (۶) مکرر بکر نے ہندہ کو لکھ دیا کہ چھ روپے ریاست سے بذریعہ کرایہ وصول کرے۔ جو کہ یہ بھی بکر ہی دے گا اور بقیہ ۱۸ روپے بعد ایک سال نذا کر کے پرشی رہن شدہ وصول کرے۔ ان دونوں صورتوں میں چوبیس ہی روپے وصول ہونے ہیں زیادہ نہیں ؟

الجواب :- نوٹ کو کم و بیش پر پینا جائز ہے نقد اور ادھار دونوں طرح سے ہو سکتی ہے

والمسألة مصرحاً بموافقي كفل الفقيه الفاهم من شاء الاطلاق ۶ فليس اجعه - اور ادھار میں قسط بقسط روپیہ ادا کرنا ٹھہرایا ایک مشبث دونوں صورتیں جائز ہیں، و دخلی رہن ناجائز ہے بلکہ بکر ہندہ کو آٹھ آنے ماہوار کرایہ پر اپنا مکان دیدہ اور ہندہ اس میں متصرف ہو اور کرایہ دین میں ادا ہوتا رہے۔ اور اگر صورت یہ ہو کہ بکر نے اپنا مکان ہندہ کے پاس رہن رکھا پھر ہندہ نے بکر کو کرایہ پر دیا جیسا کہ سوال سے ہی ظاہر ہے۔ تو یہ بھی ناجائز، اور ہندہ کرایہ کی مستحق نہ ہوگی، ہاں بکر نے جو روپے کرایہ میں دیے تو اتنے روپے دین سے مجزا ہو گئے قنای خیرہ میں ہے۔

استئجار الراهن من المرتهن باطل لانه ملكه واستئجار المالك ملكه باطل والباطل لا أثر له فيرجع بمادفع ان لم يكن من جنس الدين وان كان من جنسه تقع المقاصصة به^۱ اور زید کے روپے جب بکر پر ہیں تو ہندہ کے پاس رہن کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہندہ کا کوئی دین بکر پر نہیں۔ بلکہ ہندہ کو زید نے اپنی جانب سے دین وصول کرنے پر وکیل کیا ہے اور رہن کسی دین کے مقابل ہوتا ہے ہدایہ میں ہے وفي الشريعة جعل الشيء محبوساً حتى يمكن استيفاءه من الرهن^۲ باطل

مسئلہ :- مرسلہ خلیفہ عزیز الدین صاحب کاتب از لاہور شاہ عالمی دروازہ مسجد مران والی ۲۵ محرم ۱۲۸۶ھ :- ۱۔ اگر کسی مسلمان کو کوئی مال حرام یا مشتبہ یا حلال و حرام سے مرکب جسمیں کثرت و قلت اور حلت و حرمت کی تمیز نہ ہو سکے کفار اہل کتاب یہود و نصاریٰ و مشرکین سے حاصل ہو یا واجب الطلب ہو اس مال کی نسبت شرعاً کیا عمل کرے۔ جو اسکے حق میں مناسب ہو اگر واجب الطلب کو کفار کے پاس چھوڑ دے تو وہ اس مال کو اپنے دین کی اشاعت یا امداد اور اسلام کی مخالفت میں صرف کرتے ہیں۔ اگر حاصل شدہ مال کو واپس کرے تب بھی وہ اس مال سے ویسا ہی کام لیتے ہیں۔ اور یہ امر صراحۃً یقینی ہے (اخبار میں شائع ہو چکا ہے کہ گزشتہ سال میں صرف

سیونگ بنک میں روپیہ رکھوانے والوں کی سودی رقم جو انہوں نے بوجہ مسلمان ہونے کے وصول نہ کی کہ اسکو حرام سمجھتے تھے۔ وہ بقدر تین لاکھ روپے کی تھی جو عیسائی مشنریوں کو عیسائیت کی اشاعت کیلئے دی گئی اور عام بینکوں ایسی رقموں کی مقدار تو بہت ہی زیادہ ہوگی) ایسا مال ان سے نہ لینا یا واپس دینے سے اعانت علی الاثم والعدوان کا بھی خوف ہے۔ ۹

۲۔ اگر کوئی مسلم کسی مسلمان فاسق و فاجر حرام کے کاروبار کرنے والے حرام کے کمائی رکھنے والے کی کوئی اجرت مثل مزدوری، معاری، تجارتی، حمالی، خیاطی وغیرہ امور کی کرے تو اجرت اپنی اس کے مال حرام سے لے سکتا ہے یا نہیں جس کو وہ جانتا ہے کہ اسکی کمائی حرام ہے اجرت میں لینے والے کیلئے حلال ہوگی یا نہیں۔ اس پر فتویٰ شریعت درکار ہے تقویٰ کا سوال نہیں؟

جواب :- جب کسی مال کی نسبت معلوم ہو کہ یہ بعینہ حرام ہے تو لینا جائز نہیں ورنہ لے سکتا ہے محمد بن عبد اللہ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ بہ ناخذ ما لم تعرف شیئاً حراماً بعینہ لہذا وہ مال جسکی نسبت شبہ ہے اور یہ یقین نہیں کہ یہ حرام ہے اسے لے سکتے ہیں خواہ وہ کافر اپنی طرف سے دے یا اس کے مطالبہ میں یوں نہیں مال مختلط جس میں تمیز باقی نہ رہے اسکو بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہ حرام ہے۔ نیز اگر دوسرے کا مال اپنے مال میں اس طرح ملا دیا کہ تمیز نہ رہے تو یہ غاصب اس مال کا مالک ہو جاتا ہے اور اس کا تاوان اس پر لازم۔ در مختار میں ہے ان اختلط المغصوب بملک الغاصب بعینہ یمتنع امتیازہ کا اختلاط بربہ بربہ او یمنع معرج کبیرۃ بشعیرۃ ضمنہ و ملکہ بل حل انتفاع قبل اداء ضمانہ ای رضا مالک بآداء او ابراء او تضمین قاضی و القیاس حملہ و هو روایۃ ۱۱ لہذا ایسا مال مسلمان لے سکتا ہے اتول و اما عدم حل الانتفاع فیرجع الی الغاصب لا الی الاخذ منه و لہذا ینفذ تصرفہ فیہ کالتملیک لغیرہ کہا ہر مصرح فی الطعطاوی ۱۱ اور محض اوہام کی بنا پر اپنے روپے کفار کے پاس کیونچھوڑے

خصوصاً جب یہ معلوم ہو کہ یہ اشاعت کفر میں صرف ہوگا اور اس صورت میں حاصل شدہ کو واپس نہ دے یہاں تک تو الفاظ سوال کا جواب مگر قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سائل کا مقصد سود کے متعلق سوال کرنا ہے کہ کفار سے یا سیونگ بنک سے جو سود کے نام سے کچھ رقم روپیہ جمع کرنے والوں کو ملتی ہے اسکا لینا جائز ہے یا نہیں اسکا جواب یہ ہے کہ جو رقم کافر حربی اپنی خوشی سے دے اگرچہ وہ اپنے زعم میں اسے سود سمجھے یا کوئی اور حرام طریقہ تصور کرے مسلمان اسے بلا تکلف لے سکتا ہے جبکہ یہ مسلمان نہ اسے سود سمجھے نہ سود کہہ کر لے کہ لاسر با بین المسلم والعرب فی دار العرب کہ کافر حربی کا مال معصوم نہیں ہوا نقد کے جس طرح ملے مسلمان کیلئے مباح یہاں تک کہ اگر کسی ایسے عقد کے ذریعہ سے ملا جو دو مسلمانوں کے درمیان جائز نہ تھا جب بھی وہ مال حلال ہے رد المحتار میں فی کافی العالم وان بايعهم الدرهم بالدرهمین نقداً او نسيئة او بايعهم بالخمر والخنزير والميتة فلا باس بذلك لان له ان ياخذ اموالهم برفضا من قتلها ولا يعجز شئ من ذلك في قول ابی يوسف - والله تعالى اعلم

الجواب :- اس کا حکم بھی سوال اول کے جواب سے ظاہر کہ اگر وہ فاسق فاجر بعینہ اسی مال کو دے جو اس نے حرام طریق سے حاصل کیا ہے، اور اجیر کو بھی معلوم ہو تو لینا ناجائز اور اگر بعینہ وہ نہ ہو بلکہ مثلاً اس نے کوئی چیز خریدی ہے اگرچہ مال حرام ہی سے خریدی مگر حرام مال پر عقد و نقد جمع نہوں تو یہ شئی حرام نہیں اور اجیر اسے لے سکتا ہے عقد و نقد جمع ہونے کی یہ صورت ہے کہ حرام مال دیکھا کر کہا کہ مجھے اسکی نلاں چیز دے یہ مال حرام پر عقد ہوا پھر اس نے ہی حرام روپیہ دیا بھی یہ نقد ہوا تو ایسی صورت میں وہ خریدی شئی بھی حرام ہوگئی اور اگر ایسا نہیں مثلاً یہ کہا کہ ایک روپیہ کی نلاں چیز دے اس نے دی اس نے حرام روپیہ دیا یا حرام کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اسکی نلاں چیز دے اور وہ نہ دیا یا مال حلال کی طرف اشارہ کیا اور دیا حرام، تو عقد و نقد مال حرام پر نہ ہوئی تو اب وہ شئی جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے تنویر الابصار میں ہے وان اشار اليها ونقد غيرها او اطلق ونقدها لا يتمدق وبه يفتي قهستاني میں ذخیرہ سے ہے

وعلیہ الفتویٰ دفعل اللہ ج فی هذا الزمان در مختار میں ہے واختار بعضهم الفتویٰ علی قول الکونجی
فی زماننا لکثرة الحرام در میں ہے ذکر فی الجامع الصغیر اذا اشترى بها فانه يتصدق
بالربح فظاهر هذا العبارة يدل علی انه اراد به اذا اشترى اليها ونقد منها وما اذا اشترى
اليها ونقد من غيرها او اطلق ونقد منها او اشار الى غيرها ونقد منها ففی کل ذالک
یطیب له لان الاشارة لا تفيد التبعين فيستوی وجودها وعدمها الا ان يتأكد بالنقد
منها وبه کان یفتی الامام ابو الولید، اور یہ سمجھ لینا کہ اس کا پیشہ حرام ہے لہذا یہ مال حرام ہی
ہوگا غلط ہے کہ ممکن ہے کہیں سے قرض لایا ہو کیا جو لوگ حرام پیشے کرتے ہیں وہ قرض نہیں لیتے
یا انھیں کوئی قرض نہیں دیتا یا ممکن ہے کہ جو چیز اسنے اس طرح پر خریدی تھی کہ عقد و نقد مال حرام پر
مجموع نہ تھے اسے بچکر یہ روپیہ لایا ہو اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ حرام پیشے والے بعض انہیں کبھی کوئی
جائز پیشہ بھی کر لیتے ہیں اس جائز سے یہ حاصل ہوا ہو غرض جب تک اس خاص کی نسبت حرمت
کا علم ہو لینا جائز ہے اشتباہ والنظائر میں ہے العرمة تنقل مع العلم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس سوال کا جواب لکھنے کے بعد انجمن نعمانیہ لاہور سے ایک چار ورق کی چھپی ہوئی تحریر آئی جس سے معلوم ہوا
کہ یہ سوالات حقیقۃً انجمن کی جانب سے تھے کسی مصلحت کی بنا پر اصلی سائل کا نام ظاہر نہ کیا گیا تھا
اور سوال کی وجہ یہ بتائی کہ انجمن میں کہیں سے قریب ساڑھے چار سو روپیہ کی ایک رقم آئی اور
بھیجنے والے نے یہ ظاہر کیا کہ یہ سود کا روپیہ ہے اور انجمن کے اراکین میں کوئی اسے لینا چاہتا ہے
اور کوئی کہتا ہے واپس کر دیے جائے لہذا چھپا ہوا یہ استفادہ بغرض دریافت حکم شرع روانہ کیا اور
اب دوبارہ ہی استفادہ مع مکالمہ اراکین شوریٰ طبع کر کے بھیجا اور اس میں دو سوال کا اور اضافہ کیا اور
غالباً سائل نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ لوگوں پر ظاہر کر دے کہ یہ فتویٰ ہم نے رشوت دیکر نہیں لکھوائے
وہ سوال مع جواب درج ذیل ہیں

۱۔ کیا شریعت غزای مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رو سے احکام شریعت عبادات
اور معاملات حالات زمانہ کے مطابق رد و بدل ہو سکتے ہیں۔ یا ہوتے رہتے ہیں۔ امتثالاً آج

سے بیس سال پیشتر ایک ہی ملک میں ہر قسم کا سود حرام قطعی قرار دیا گیا ہوا اور اب امتداد زمانہ کے باعث حلت کے درجہ میں آجائے۔ اور ایسے معاملہ میں کوئی تقویٰ وغیرہ کی ضرورت بھی نہ رہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا دین دنیا سے کوئی علمدہ چیز نہیں؟

۲۔ کسی حرام ثابت شدہ کے خلاف حلت کا حیلہ تلاش کرنا کہ کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر حرام شئی حلال ہو جائے۔ از روئے فقہ حنفی کیا حکم رکھتی ہے؟

—: درخوابت :—

جن علمائے کرام کی نظر سے یہ تحریر گزرے وہ تمام تحریر کو غور سے ملاحظہ فرما کر اندر خشیت الہی کو مد نظر رکھتے ہوئے بقول حافظ لسان الغیب۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبری کنند۔ چون خلوت می روند آن کار دیگر می کنند
مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس : تو بہ فرمایاں چہ را خود تو بہ کنت می کنند
گوئیابا دور نمی دارند روز داور می : کایں ہمہ قلب و دخل در کار داور می کنند
قنای پتہ ذیل پرارسال فرماویں جو بلا کم و کاست شائع کر دے جائیں گے۔

السائل۔ سراج الدین ضمیر معرفت مطب حقانی لاہور پوچی دروازہ کوچہ لوہاربان

الجواب :- اللہم ہدایۃ الحق والصواب رب انی اعوذ بک من ہذات الشیطن واعوذ بک رب ان یحضرونی۔ احکام قطعیہ منصوصہ میں رد و بدل کا سیکو اختیار نہیں۔ جو حرام ہیں حرام ہی رہیں گے اور جو حلال ہیں حلال۔ اللہ عز و جل ارشاد فرماتا ہے۔ لا تبدیل لکلمات اللہ ذالک ہوالفوز العظیم۔ اللہ کے کلمات بدلے نہیں جاسکتے یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور فرماتا ہے لا تبدل لکلمتہ وهو السميع العليم۔ اسکے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

بعض احکام ظنیہ میں مصلحت یا ضرورت یا عموم بلوی وغیرہ وجوہ سے علمائے کرام نے زیادت و نقص و خلاف کا حکم دیا۔ اور اسکے نظائر کتب فقہ میں کثیر ہیں کہ متقدمین نے ایک قول

پر فتوے دیا تھا اور متاخرین نے اس کے خلاف پر بعض احکام کہ مرد و زمانہ سے متبدل ہو گئے۔ یہ ہیں مثلاً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں عورتوں کو مسجد سے روکنا منع تھا کہ ارشاد فرمایا اذا استاذنت احدکم امرأۃ اى المسجد فلا یمنعنها۔ جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرے۔ رواہ البخاری و مسلم و النسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما و فی روایۃ احمد و ابو داؤد و عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہذا اللفظ۔ لا تمنعوا امماء اللہ مساجد اللہ۔ اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔

مگر جب حالت زمانہ متغیر ہو گئی اور صلاح فساد سے متبدل ہوا تو خود ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں۔ لو رأی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدث النساء فی زماننا لمنعن المساجد كما منعت نساء بنی اسرائیلؑ یعنی اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان باتوں کو دیکھا ہوتا جن کو ہمارے زمانہ کی عورتیں کرتی ہیں۔ تو انکو مسجدوں سے منع فرما دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں سے روک دی گئیں۔ پھر اور زمانہ بدلا تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ان عورتوں کو مطلقاً اور بوڑھیوں کو بعض اوقات میں منع فرمایا۔ پھر اور بدلا تو متاخرین نے عورتوں کو مطلقاً منع فرما دیا۔ اور اب اسی پر عمل ہے۔ درمختار میں ہے ویکرہ حضور من الجماعۃ ولولجمعة وعید ووعظ مطلقاً ولو عجز الیلا علی المذهب الفقہی بہ لفساد الزمان جوہرہ نیرہ میں ہے۔ والفتویٰ الیوم علی الکراہۃ فی الصلوات کلہا نظہم الفسق فی هذا الزمان مگر یہ حقیقتہً مخالفت نہیں۔ بلکہ عین مقصد شارع ہے کہ شریعت مطہرہ کے اصول میں سد باب فتنہ جو چیز ایک وقت میں سبب فتنہ نہ تھی اور اب منجوالی الفتنہ ہے تو اس سے روکا جائیگا۔ اسی وجہ

لہ بخاری ج ۱ ص ۲۰ کتاب الاذان، باب استیذان المرأة زوجاً بالخروج إلی المساجد۔ مسلم ج ۱ ص ۱۸۲ کتاب الصلوۃ۔ باب خروج النساء إلی المساجد۔ ابو داؤد ج ۱ ص ۸۳ کتاب الصلوۃ، باب ما جاء فی خروج النساء إلی المساجد۔ مسلم ج ۱ ص ۱۸۳ کتاب الصلوۃ۔ مصباحی

سے جب اس مذہب مفتی بہ پر صاحب بحر نے اعتراض کیا کہ یہ تو نہ امام اعظم کا مذہب ہے نہ مجاہدین کا
 حیث قال وقد يقال هذه الفتوى التي اعتمدها المتأخرون مغالفة لمذهب الامام وصاحبه
 فانهم نقلوا ان الشابة تمنع مطلقاً اتفاقاً واما العجز فلها حضور الجماعة عند الامام
 الا في الظهر والعصر والجمعة اى وعندهما مطلقاً فالافتاء يمنع العجائز في الكل
 مخالف للكل فالاعتماد على مذهب الامام اه - تو صاحب نہر نے جواب دیا کہ یہ امام کے
 مذہب سے مستفاد ہے۔ لہذا قول امام ہی قرار دیا جائیگا۔ عبارت نہر یہ ہے وقیہ نظر بل هو
 ماخوذ من قول الامام وذلك انه انما منعها لقيام العاجل وهو فطر الشهوة بناء على
 ان الفسقة لا ينتشرون في المغرب لانهم بالطعام مشغولون في الفجر والعشاء نائمون
 فاذا فرض انتشارهم في هذه الاوقات بغلبة فسقهم كما في زماننا بل تعدى بهم اياما
 كان المنع فيهما اظهر من الظهر اه - اس سے معلوم ہوا کہ یہ قول مقصد شرع کے بالکل مطابق ہے
 اور اسے مخالفت حدیث بھی نہ کہیں گے۔

صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد کریم تک جمعہ کی صرف ایک اذان تھی جو امام کے منبر پر
 بیٹھنے کے بعد ہوتی پھر زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جب لوگوں کی کثرت ہوئی۔ اور چستی
 باقی نہ رہی تو ایک اذان کا اضافہ فرمایا کہ اس سے پہلے ہوتی ہے۔ اور وہ اب تک جاری ہے۔ صحیح بخاری
 شریف میں سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی۔ کان النداء يوم الجمعة اوله اذا
 جلس الامام على المنبر على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم والى بكر وعمر
 فلما كان عثمان وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء علیہ

یونہیں زمانہ متقدمین میں تشویب کو علماء نے بدعت فرمایا تھا مگر جب لوگوں میں سستی آگئی
 اور اذان سنکر بھی حاضر نہیں ہوتے تو کھٹکھٹانے کی ضرورت ہوئی اور تاخرین نے اسے جائز بلکہ مستحب

و مستحسن فرمایا۔ در مختار میں ہے۔ ویثوب بین الاذان والاقامة فی السک للکل رد المختار میں ہے
 لظہور التوائی فی الامور الدینیة قال فی الغنایة احدث المتأخرون التثویب بین الاذان
 والاقامة علی حسب ما تعارفوه فی جمیع الصلوات سورۃ المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاول
 وهو تثویب الفجر و ما رواه المسلمون حسناً فهو عند اللہ حسن ^۱۔

یونہی مساجد کی آرائش اور ان کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش و نگار کے اگلے زمانہ
 میں نہ تھا۔ بلکہ حدیث میں فرمایا۔ لتزخر فنها کما زخرفت الیہود والنصارى ^۲ تم مسجدوں
 کی آرائش کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے آرائش کی ہے۔ رواہ ابو داؤد عن ابن عباس
 رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مگر اب دلوں کی وہ حالت نہ رہی ظاہری زیب و زینت سے اتر پڑا تو ہے
 لہذا علماء نے جواز کا حکم دیا۔ بتین میں ہے لایکرمہ نقش المسجد بالعجم و ماء الذهب۔

یونہی مساجد کیلئے کنگرے بنانا کہ صدر اول میں نہ تھا۔ بلکہ حدیث میں ارشاد ہوا۔
 اتخذوا المساجد واتخذوها جماراً رواہ ابن ابی شیبۃ والبیہقی فی السنن عن انس بن
 مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی مسجدیں منڈی بناؤ انہیں کنگرے نہ رکھو مگر مسلمانوں میں رائج ہے
 و ما رواه المسلمون حسناً فهو عند اللہ حسن۔ یعنی جسکو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک
 اچھا ہے۔

یوہیں تعلیم علم دین و امامت و اذان پر اجرت لینا دینا ممنوع و حرام تھا۔ حدیث میں ارشاد ہوا
 واتخذوا مؤذناً لا یأخذ علی اذانه اجراً ^۳ مؤذن ایسا مقرر کرو جو اذان پر اجرت نہ لے۔ رواہ
 الامام احمد و ابو داؤد و النسائی عن عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حدیث میں ہے۔
 اقراءوا القرآن ولا تأکلوا بہ۔ قرآن پڑھو اور اسکے بدلے میں نہ کھاؤ۔ ہدایہ میں ہے۔ ولا یجوز

^۱ لہ در مختار و رد المختار ج ۱ ص ۲۸۶ باب الاذان۔ ^۲ ابو داؤد ج ۱ ص ۵ کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المسجد
^۳ ابو داؤد ج ۱ ص ۷۹ کتاب الصلوٰۃ، باب اخذ الاجر علی التأذین۔ مصباحی

الاستیجار علی الاذان والحج وکذا الامامة وتعلیم القرآن والفقہ ^{لہ} مگر جب متاخرین نے دیکھا کہ علم دین ضائع ہو جائیگا نماز و جماعت میں کمی واقع ہوگی تو جواز کا فتویٰ دیا ہدایہ میں ہے وبعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لانہ ظہر التوائی فی الامور الدینیة نفی الامتناع تفسیع حفظ القرآن وعلیہ الفتویٰ ^{لہ} در مختار میں ہے۔ ولا لاجل الطاعات مثل الاذان والحج والامامة وتعلیم القرآن والفقہ ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقہ والامامة والاذان وجبر المستاجر علی دفع ما تیل فیجب المسبی یعقد واجرا مثل اذا لم یدکر مودة شرح وھنا نية من الشریک ^{لہ} طحاوی میں ہے قوله ویفتی الیوم بصحتها ای فی هذا الزمان نظھور التوائی فی الامور الدینیة وھذا مذهب المتاخرین من مشائخ بلخ استحسنوا ذلك وقالوا بنی اصحابنا المتقدمون البواب علی ما شاهدوا من قلّة الحفاظ ورغبة الناس فیہم وكان لھم عطیات من بیت المال وافتقار التلعین فی مجازاة للاحسان بالاحسان من غیر شرط مرؤة لیعینوھم علی معاشھم ومعادھم وكانون یفتون بوجوب التعلیم خوفاً من ذهاب القرآن وتقریضاً علی التعلیم حتی ینھقوا الاقامة الواجب فیکثر حفاظ القرآن واما الیوم فذهب ذلك كله واشتغل الحفاظ بمعاشھم وقل من یعمل حسبة ولا یتفرغون لہ ایضاً فان حاجتھم تمنعھم من ذلك قلولم یفتح لھم باب التعلیم بالاجر لذهب القرآن فانقوا بجوازہ لذلك وراؤہ حسنا وقالوا الاحکام مختلف باختلاف الزمان ^{لہ} اھ

یہ چند نظائر بیان میں آئے جن میں تبدل زمان سے حکم مختلف ہو گیا۔ اور جس نے کلمات علماء کا تتبع کیا وہ جانتا ہے کہ کلام علماء میں اسکی بہت سی نظیریں ملیں گی کہ زمانہ سابق میں

لے ہدایہ ج ۳ ص ۳۰۳ باب الاجارۃ الفاسدہ۔ ^{لہ} ایضاً۔ ^{لہ} در مختار ج ۵ ص ۲۸ کتاب الاجارۃ ^{لہ} طحاوی علی الدر ج ۴ ص ۳۰ کتاب الاجارۃ۔ مصباحی

اور حکم تھا۔ اور اب کچھ اور طوطا دی کا یہ جملہ "وقالوا الاحکام مختلف باختلاف بالزمان" اس مضمون پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ نیز جواہر اخلاطی میں ہے۔ ہودان کان احد اثنا فہو بدعة حسنة وکم من شئ یختلف باختلاف الزمان والمكان۔ مگر حقیقتہً ان سب صورتیں تبدیل احکام نہیں۔ بلکہ الضرورات تبیح المحذورات پر نظر ہے۔ یا اذا ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما کا لحاظ ایسے امور کی طرف داعی ہوتا ہے۔ یا اختلاف زمانہ و مصالح مسلمین انکی مقتضی ہوتی ہیں کہ یہ حالت اگر زمانہ متقدم میں پائی جاتی تو اس وقت بھی یہی حکم ہوتا جواب ہے اور متقدمین بھی اسی پر فتوے دیتے جس پر متاخرین نے دیا۔

لہذا سوال کا جواب یہ ہے کہ احکام حقیقتہً نہیں بدلتے ہاں بعض احکام صورۃ متغیر ہو جاتے ہیں۔ سود لینا حرام قطعی ہے۔ پہلے بھی حرام تھا اور اب بھی حرام ہے اور ہمیشہ حرام رہے گا۔ اللہ عز وجل ارشاد فرماتا ہے۔ الذین یا کلون الربوا لایقولون الا کما یقوم الذی یتخبط الشیطن من المس۔ ذلک بانھم قالوا انھا البیع مثل الربوا و اھل اللہ البیع و حرم الربوا فمن جاءه موعظۃ من ربہ فانتھم فیہ ما سلف۔ وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولئک اصحاب النار هم فیہا یدخلون۔ یمحق اللہ الربوا و یربہ الصدقات واللہ لایحب کل کفار انیم۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اپنی قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسا وہ شخص کہ اسے شیطان نے چھو کر غیوٹ کر دیا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے کہا کہ بیع تو نہیں مگر سود حالانکہ اللہ نے سود کو حرام کیا اور بیع کو حلال کیا۔ پس جس کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو اسکے لئے وہ ہے جو گزر چکا۔ اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔ اور جو اسکے بعد لوٹیں وہ آگ والے ہیں۔ وہ اس آگ میں ہمیشہ رہیں گے اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ کفر کرنے والے گنہگار کو درست نہیں کرتا

اور فرماتا ہے یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا انکمتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا لعجب اللہ ورسولہ۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تو مؤمن ہے اگر ایسا نہ کر وگے تو تمہیں اللہ ورسول کی طرف سے لڑائی کا اعلان ہے۔

سود کی حرمت و مذمت میں بکثرت احادیث وارد ہیں ان میں سے بعض ذکر کی جاتی ہیں کہ انھیں دیکھ کر شاید کوئی سود خوار ہدایت پائے اور توبہ کرے۔ واللہ ہوا التواب الغفور۔ حدیث (۱) درہم ربوا یا کلمہ الرجل وهو یعلم اشد من ستۃ وثلثین زینۃ۔ جان کر ایک درہم سود کا کھانا چھتیس بار زنا سے سخت تر ہے رواہ احمد والدارقطنی عن عبد اللہ بن حنظلۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حدیث (۲) الربا سبعون حوباً ایسرھا ان ینکح الرجل امہ۔ سود ستر گناہ ہے ان سب میں ہلکا یہ کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے رواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حدیث (۳) الربوا بضع وسبعون بابا۔ سود کے کچھ اوپر ستر دروازے ہیں۔ رواہ البیہار عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۴) الربوا سبعون باباً اذناھا کالذی یقع علی امہ رواہ البیہقی عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حدیث (۵) الربوا اثنان وسبعون باباً اذناھا مثل اثنان الرجل امہ وان اربا الربا استطالة الرجل فی عروض اخیه۔ سود کے بہتر دروازے ہیں انہیں کا ادنیٰ ایسا ہے جیسے آدمی کا اپنی ماں سے زنا کرنا اور سب سے بڑھ کر سود یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی آبرو میں زبانی درازی کرے رواہ الطبرانی عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۶) ابن ابی الدنیا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقافا راوی۔

الربا اثنان وسبعون حرباً اصغرها حربا کہن اتی امہ فی الاسلام ودرہم من الربوا
 اشد من بضع وثلاثین زنیۃ قال ویا ذن اللہ بالقیام للبر والفاجر یوم القیامۃ
 الا اکل الربا قاتلہ لا یقوم الا کمایقوم الذی یتخططہ الشیطن من المس - سود سترگاہ
 کے برابر ہے انہیں کا سب سے چھوٹا ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے اسلام لانے کے بعد زنا کرے
 اور سود کا ایک درہم کچھ اور تیس بار زنا سے سخت تر ہے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ
 نیکو کار و بدکار کو قیام کا حکم فرمائے گا مگر سود خوار کہ یہ نہیں کھڑا ہوگا مگر اس طرح جیسے وہ شخص
 جس کو شیطان چھو کر غیور کر دیتا ہے - (آسیب زدہ)۔

حدیث (۷) خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فذکر امر الربا
 وعظم شأنہ وقال ان الدرہم یمسبہ الرجل من الربا اعظم عند اللہ فی الخطیۃ
 من ست وثلاثین زنیۃ ینیتہا الرجل وان اربا الربا عرض الرجل المسلم
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعظ بیان فرمایا اور اس میں سود کا ذکر فرمایا اور اس کی
 حالت کی بڑائی (معصیت میں) بیان فرمائی - اور فرمایا کہ آدمی جو سود کا ایک درہم لیتا ہے یہ
 اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطا میں چھتیس بار زنا سے بڑھ کر ہے - اور سب سے بڑھ کر سود و مسلمان
 کی آبرو لینا ہے - رواہ ابن ابی الدنیا والبیہقی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

حدیث (۸) من اعان ظالماً باطل لیدحض بہ حقاً فقد بری من ذمۃ
 اللہ وذمۃ رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومن اکل درہماً من ربا فہو مثل
 ثلثۃ وثلاثین زنیۃ ومن بنت لخبہ من سحت فالنار اداوی بہ - جس نے ظالم کی باطل
 کے ساتھ اعانت کی اس لیے کہ کسی حق کو لغزش دے وہ اللہ و رسول کے ذمہ سے بری ہو گیا - اور
 جس نے ایک درہم سود کا کھایا تو وہ مثل تیس بار زنا کے ہے - اور جو گوشت حرام سے اوگا اس
 کے لئے آگ زیادہ بہتر ہے رواہ الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما -

حدیث (۹) اجتنبوا سبع الموبقات قالوا یا رسول اللہ وما هن قال الشریک باللہ

والسحر وقتل النفس التي حرم الله الا بالحق واكل الربوا واكل مال اليتيم والتولي يوم الزحف
وقذف المعصنات الغافلات المؤمنات۔ سات ہلاک کرنیوالی چیزوں سے بچو لوگوں نے عرض
کی وہ کیا ہیں یا رسول اللہ۔ فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور جادو اور اس نفس کو جس کو اللہ
نے حرام کیا ہے۔ ناحق قتل کرنا اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور لڑائی کے دن پیٹھ پھیرنا
اور مسلمان پار سے عورت پر تہمت لگانا جو زنا سے غافل ہے۔ رواہ البخاری و مسلم و ابو داؤد
والنسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۱۰) لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکل الربوا و موکلہ
وکاتبہ و شاہدیہ و قال ہم سواء علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود کھانے
اور کھلانے والے اور اسکا کاغذ لکھنے والے اور اسکی گواہی کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ اور فرمایا
وہ سب برابر ہیں۔ رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسی کی مثل بالفاظ مختلفہ
مسلم و نسائی و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و ابن حبان و ابن خزمیہ و ابو یعلیٰ و امام احمد نے عبد اللہ
بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

حدیث (۱۱) لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الواشمة والمتوشمة
واکل الربوا و موکلہ وینہی عن ثمن الکلب وکسب البغی و لعن المصورین۔ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گودنے والی اور گودوانے والی اور سود کھانے والے اور کھلانے والے
پر لعنت فرمائی اور گتے کے دام اور زانیہ کی اجرت سے منع فرمایا اور مصوروں پر لعنت فرمائی
رواہ البخاری و ابو داؤد عن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۱۲) اربع حق علی اللہ ان لا یدخلہم الجنة ولا یدقہم لقیمہا
لا من الخمر۔ واکل الربوا واکل مال الیتیم بغیر حق و العاق لوالدیہ۔ چار شخص ایسے ہیں

کہ اللہ پر ثبات ہے کہ انھیں نہ جنت میں داخل کرے اور نہ اسکی نعمت کا انھیں منہ چکھائے
شراب کی مداومت کرنیوالا اور سود کھانیوالا اور یتیم کا مال ناحق کھا جانیوالا اور اپنے ماں باپ
کا نافرمان۔ رواہ الحاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۱۳) اذا ظہر الربا والزنا فی قریۃ فقد اهلوا بانفسہم عذاب اللہ جب
کسی بستی میں سود اور زنا کا ظہور ہو تو انھوں نے اپنے اوپر عذاب خدا کو حلال کر لیا۔ رواہ الحاکم
عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسی کے مثل ابو یعلیٰ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت کی۔

حدیث (۱۴) ما من قوم یظہر فیہم الربا الا اخذوا بالقسط وما من قوم یظہر
فیہم الرشاد الا اخذوا بالرعب۔ جس قوم میں سود کا ظہور ہوگا قحط میں گرفتار ہوگی۔ اور جس
قوم میں رشوت کا ظہور ہوگا۔ رعب میں ماخوذ ہوگی۔ رواہ احمد بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
وفی اسنادہ مقال۔

حدیث (۱۵) بین یدی الساعة یظہر الربا والزنا والخمر۔ قیامت کے پہلے سود
خواری و زنا کاری و شراب خواری کا ظہور ہوگا۔ رواہ الطبرانی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۱۶) یا قی اکل الربا یوم القیمۃ مغبلًا یجر شفتہ ثم قرأ لا یقومون الا
کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس۔ سود خوار قیامت کے دن مجنوں کی طرح آئیگا
اپنے ہونٹ گھیسٹتا ہوگا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ رواہ الطبرانی والاصہبانی عن انس
رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۱۷) ما احدث الاکان عاقبتہ امر الا قلة۔ جس نے سود
سے مال بڑھایا اس کا انجام کلمت ثلث ہے۔ رواہ ابن ماجہ والحاکم عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث (۱۸) قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت اللیلة رجلین استاقا
 فاخرجا فی الارض مقدسة فالظلمنا حتی اتینا علی نهر من دم فیہ رجل قائم وعلی
 وسط النهر رجل بین یدیه حجارة فاقبل الرجل الذی فی النهر فاذا اراد الرجل
 ان یمخرج ریحی الرجل یمحی فی فیہ فردہ حیث کان فجعل کلما جاء لیخرج ریحی فی فیہ
 یمحی فیرجع کما کان نقلت من هذا فقال الذی رأیتہ فی النهر اکل الربا ^{لے} فرماتے ہیں
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آج رات میں نے دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے زمین مقدسہ
 کی طرف لے گئے۔ پھر ہم ایک خون کی نہر پر پہنچے۔ اس نہر میں ایک شخص کھڑا ہوا تھا اور ایک
 شخص نہر کے کنارہ پر تھا۔ اسکے سامنے پتھر رکھے ہوئے تھے۔ وہ نہر والا شخص ادھر متوجہ ہوتا
 اور جب نہر سے نکلنا چاہتا تو یہ دوسرا شخص اسکے منہ میں پتھر مار کر وہیں لوٹا دیتا جہاں تھا
 پھر جب کبھی وہ نکلنے کیلئے آتا یہ شخص پھر پتھر مارتا کہ وہ لوٹ کر وہیں پہنچتا جہاں تھا۔ میں نے
 پوچھا یہ کون شخص ہے تو جواب دیا جس کو آپ نے نہر میں دیکھا سو دُخوار تھا۔ رواہ البخاری
 عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفي الحدیث قصۃ طویلة

حدیث (۱۹) قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأیت لیلة اسرى
 فی لہا انتہینا السماء السابعة فنظرت فوقی فاذا انا برعدو و بروق و صواعق۔
 قال فانتیت علی قوم بطونہم کالبیوت فیہا العیات تری من خارج بطونہم قلت
 یا جبریل من ہولاء قال ہولاء اکلۃ الربا ^{لے} فرماتے ہیں شب معراج جب ہم ساتویں
 آسمان پر پہنچے۔ میں نے اپنے اوپر نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ بادل کی طرح گرج اور کوندے اور
 بجلیاں ہیں۔ پھر میں ایک قوم کے پاس گیا جنکے پیٹ گھر کے مثل ہیں (بڑے بڑے)
 اور ان میں سانپ ہیں کہ پیٹ کے باہر سے دیکھائی دیتے ہیں۔ میں نے کہا اے جبریل

یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل نے کہا یہ سود خوار ہیں۔ رواہ احمد ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
یہ چند حدیثیں ذکر کی گئیں جن سے سود کی حرمت و شناعت ظاہر اور اسکا گناہ کبیرہ
ہونا عیاں۔ مسلمانوں پر لازم کہ ایسی قبیح شئی سے اپنے کو بچائیں اور عذاب آخرت سے ڈریں کہ
اگرچہ بظاہر اسکا نام سود ہے۔ مگر حقیقتہً اسمیں ضرر شدید ہے۔ یہ تو سود کے متعلق حکم تھا مگر
بعض جگہ صورتہً ربا ہے۔ اور حقیقتہً ربا نہیں۔ اسکے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ مثلاً حربی کے
ہاتھ دار الحرب میں ایک روپیہ دو روپیہ کو بیچا یا اسے قرض دیا اور زیادہ لینا ٹھہر لیا۔ یہ صورتہً
ربا ہے۔ حقیقتہً ربا نہیں۔ کہ کافر حربی کا جو مال بلا غدر حاصل ہو وہ حلال خالص ہے۔
اسی واسطے یہ ارشاد ہوا کہ لا ربا بین المسلم والعرب فی دار الحرب۔ یعنی ربا ہی نہیں نہ
یہ کہ سود تو ہے مگر جائز ہے۔ ایسا ہوتا تو یوں فرمایا جاتا کہ میخونہ الربا بین المسلم والعرب فی
دار الحرب۔ حقیقتہً ربا ہونے کیلئے مال کا معصوم ہونا شرط ہے کہ جو مال مباح ہو اگر اس
میں بھی ربا ہو تو لینا حرام ہوگا۔ پھر مباح کہاں ہوا اور معصوم وغیر معصوم میں کیا فرق رہا۔
طحاوی علی الدر میں ہے۔ شرط الربا عصمة البدلین جمیعاً۔ اور اسی وجہ سے ہدایہ و
فتح القدیر وغنایہ و جامع الرموز جو ہرہ تیرہ و بحر الرائق و درر و درختار وغیرہ عامہ اسفار میں
کافر حربی و مسلم میں سود نہ ہونے کی علت یہ بیان فرماتے ہیں۔ لان ما لہم مباح فی ظہم
کہ انکا مال مباح وغیر معصوم ہے۔ اور ایسا مال جس طرح مل سکے لے سکتے ہیں۔ سوا غدر کے
کہ غدر حرام ہے۔ اور جو مسلمان دار الحرب میں امان لیکر گیا ہے غدر کر نہیں سکتا۔ لہذا یہ شرط لگائی
کہ جو مال انکی رضامندی سے ملے وہ جائز ہے۔ اور اگر امان لیکر نہ گیا ہو تو جس طرح بھی وہاں سے
مال لائے گا حلال ہوگا کہ فی نفسہ وہ مال مباح ہے۔ اور غدر پایا نہ گیا لہذا حلال خالص
ہے۔ اور یہ قطع نظر حدیث لا ربا بین المسلم والعرب فی دار الحرب کے اس صورت
میں سود نہ ہونے کی ایک مستقل علت ہے۔ لہذا امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ معترضین
کا جواب دیتے ہوئے اس کے علت مستقلہ ہونے کا افادہ فرماتے ہیں۔ حیث قال

ان المطلقات مراد بملکها المال المحظور مبحث لما لکھ و مال الحربی لیس محظور الا
 لتوقی الغدر وهذا التقرير فی التحقيق یقتضی انه لو لم یرد خبر مکحول اجازہ النظر
 المذكور اعنی کون ماله مباحا الا لعارض لزوم الغدر ^{لہ} نیز ہدایہ و تبیین و بحر وغیرہا نے
 بھی اسکا طرف اشارہ کیا کہ عدم ربا کی دو دلیلیں ذکر کیں۔ ایک حدیث دوسری یہ کہ انکا مال
 مباح ہے تو ثابت کہ ربا کیلئے عصمت شرط۔ واذافات الشرطیات المشروط۔ اور اسی عدا
 عصمت کی بنا پر ہر ایسے طریق سے جس میں غدر نہ ہو حربی کا مال لے سکتے ہیں۔ کہ یہاں اسکے
 سوا حرمت کی کوئی صورت ہی نہیں اور جو اسباب اخذ مال کیلئے استعمال کئے جائیں وہ سب
 بنظر ظاہر ہیں۔ حقیقت میں ہمیں اس چیز کا لینا ہے۔ جو ہمارے لئے حلال ہے۔ اور یہ
 ظاہری صورت غدر سے بچنے کیلئے ہے مثلاً حربی سے کسی معاملہ میں شرط لگائی۔ اور حجت لی
 تو جو مال ملجا تنزد مباح ہے۔ اور مسلمان یا ذمی سے ایسا ہو تو حرام۔ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ
 فتح القدیر میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔ جس نے اسکا جواز ثابت۔ وہ یہ ہے۔ ان ابابکر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قبل الهجرة حین انزل اللہ تعالیٰ الم غلبت الروم الآية قالت له
 قریش ترون ان الروم تغلب قال نعم فقال هل لک۔ ان تخاطرنا فخطروهم فخطبر
 النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذمت الیہم فزدنی
 الخطر ففعل وغلبت الروم فارسا فاخذ ابو بکر خطره فاجازہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وهو القبول بعینه
 مشرکی مکہ وکانت مکہ دار شرک ^{لہ} اس مضمون کے نفوس شروح و
 فتاویٰ میں بکثرت مذکور کہ جس طرح مال حربی ملے لینا جائز ہے۔ بعض دیگر عبارات ذکر کی جاتی
 ہیں۔ ہدایہ میں ہے ولان مالہم مباح فی دارہم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا
 مباحا بلا غدر فیملکہ بحکم الاباحۃ السابقة۔ شلبیہ علی الزیلعی میں ہے۔ المسلم الذی

دخل دار الحرب بامان اذا باع درهمين او باع خمرًا او خنزيرًا او ميتة او قاتل
 واخذ المال يجعل غايه . بحر الرائق ودر میں ہے لان مالہم مباح وبعقد الامان
 منهم لم يصير معصوما الا انه التزم ان لا يتعرض لهم بغدر ولا لہا فی ایدہم بدوی
 رضاهم فاذا اخذ برضاهم اخذ ما لا مباحا بلا غدر ، فیملکہ بحکم الاباحة السابقة
 تبیین میں ہے لا ربا بینہما فی دار الحرب وكذلك اذا ابتاعا بایعافا فاسدا فی دار الحرب
 فهو جائز لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم لا ربا بين المسلم والعربي فی دار الحرب
 ولان مالہم مباح وبعقد الامان لم يصير معصوما الا انه التزم ان لا يغدرہم و
 لا يتعرض لہما فی ایدہم بدوی رضاهم فاذا اخذہ برضاهم فقد اخذ ما لا مباحا
 بلا غدر فیملکہ بحکم الاباحة السابقة اذا تاتى الامان فی تعقیل التراخی ذوالتمک
 فكان الملك فی حق العربی زائلا بالتجارة کما رضی بہ وفی حق المسلم ثابتا لاستیلائہ
 علی مال مباح بخلاف المسلمان منهم فی دارنا لان مالہ صار معظورا ببعقد
 الامان . ودر مختار میں ہے لان مالہ شہ مباح فیعل برضاه مطلقا بلا غدر .
 طحاوی میں ہے ولو بعقد فاسد . اور ہندوستان اگرچہ دارالاسلام ہے کما ہو ثابت
 من رد المعتار وحق شیخنا رضی اللہ تعالی عنہ فی فتاواہ بادلۃ وامنحة وبراہین
 لامعة بما لا مزید علیہ . مگر یہاں کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن کما ہو ظاہر من
 لہ ادنی معرفۃ . تو ضرور حربی ہونے اور انکے افعال بھی صاف بتا رہے ہیں کہ ان کے
 حربی ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر حکومت کا انھیں ڈرنہ ہو تو مسلمانوں کی ایذا میں
 کیا نگیں . اور اب جو موقع پاتے ہیں تو کیا اٹھا رکھتے ہیں . لایالونکم خیالا قد بدت
 البغضاء من اخواہم وما تخفی مدد وراہم اکبر . لہذا یہاں کے کفار سے جو
 مال بترانی ملے مباح خالص وخال محض ہے . وہ روپے کہ انجن کو وصول ہوئے اگر دینے
 والے نے کسی مسلمان سے سود لیکر دیئے تو حرام ہیں . انجن انھیں واپس دے . اور وہ

مسلمان کو جس سے لئے ہیں۔ اور اگر مالک کا پتہ نہ چلے یا مر گیا اور کوئی وارث بھی نہ چھوڑا تو حق فقراء ہے۔ تصدق کرنا واجب کہ ایسے مال کا یہی حکم ہے اور اس صورت میں انجن کے مستحقین طلبہ پر بھی صرف کیا جاسکتا ہے اور اگر یہ روپے کسی کافر سے لئے ہیں جب تو کوئی قباحت ہی نہیں کہ یہ سود ہی نہیں۔ اور اگر اسے سود کہہ کر یا سمجھ کر لیا تو برا کیا کہ حلال کو حرام سمجھا۔ مگر اب بھی اسکے سود کہہ دینے سے سود نہ ہوگا۔ کہ اگرچہ عقود میں لفظ کا اعتبار ہے مگر جبکہ اپنے محل میں ہو اور یہ محل رہا ہی نہیں۔ یہ سب امور عبارات سابقہ سے روشن و ظاہر اعادہ کی حاجت نہیں۔ ولہ نظام کثیرۃ لا تخفی علی من طالع الكتب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۔ حیلہ جائزہ۔ قرآن وحدیث دفعہ سے ثابت۔ اسکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک شئی کے دو طریق ہیں۔ ایک جائز دوسرا ناجائز۔ اس ناجائز طریق کو چھوڑا جائے اور جائز طریقہ اختیار کیا جائے تو جو چیز جائز طریقہ سے حاصل ہوتی۔ اسکے جواز میں کیا شبہ اور حیلہ کرنے والے کی مراد ہی یہ ہے کہ میں حرام سے بچوں۔ توجب اسکی نیت حرام سے بچنے کی ہے اور بچا بھی تو اس پر کون سا جرم ہے۔ گناہ حرام کے ارتکاب میں ہے۔ نہ کہ اس سے احتراز میں خواہ خواہ کھینچ ناں کر اسکے سرالزام رکھنا کیوں کر روا ہو سکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کو چاندی خریدنی ہے۔ اور چودہ آنے بھری چاندی بک رہی ہے تو اگر روپیہ دیکر ایک روپیہ بھر چاندی بی اور دو آنے پیسے یا دو اتنی واپس لی یا مشتری نے چاندی کی تین چوٹیاں اور ایک آنے اتنی دیکر خریدی تو یہ سود و حرام ہوا کہ حدیث میں ارشاد ہوا۔ الفضة بالفضة مثلاً بمثل ید ابید و الفضل ربا والذهب بالذهب مثلاً بمثل ید ابید والفضل ربا۔ لہذا اس نے اس حرام سے بچنے کیلئے یہ کیا کہ روپے کے پیسے خریدے اور چودہ آنے پیسے یا کچھ پیسے اور کچھ چاندی کے عوض چاندی خریدی تو اب کون کہہ سکتا ہے کہ اسنے برا کیا۔ اور اسے کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ تو چاندی ہی سے چاندی خرید۔ اگرچہ دوسری صورت میں تیرا فائدہ ہے۔ اور شریعت نے یہ طریقہ جائز بھی رکھا ہے مگر تو اختیار نہ کر۔ جو امر شریعت میں جائز ہے۔ اسے کون ممنوع کہہ سکتا ہے۔

کہ ارشاد ہوا۔ اذا اختلفت هذه الامناف فبيعوا كيف نشئتم اذا كان يدا بيد رواہ مسلم عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت انھیں سے یوں ہے۔ ولكن ببيعوا الذهب بالورق والورق بالذهب والبر بالشعير بالبر والتمر بالملح والملح بالتمر يدا بيد كيف شئتم۔ اللہ عز وجل حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قسم پوری کرنے کا حیلہ یہ تعلیم فرماتا ہے۔ خذْ بِيَدِكَ فِغْصَةً فَاُضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنُتْ اِنَّهٗ بِلَالٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ نَبِیْہِیْ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں برنی کھجور حاضر لائے۔ ارشاد فرمایا۔ یہ تم کہاں سے لائے عرض کی۔ کان عندنا تمر ردئی فبعت منه صاعین بصاع۔ ہمارے یہاں خواب کھجوریں تھیں انکے دو صاع کے بدلے میں ان کا ایک صاع خریدا۔ فرمایا وہ عین الربا عین الربا لا تفضل۔ ان یہ تو خالص سود ہے۔ خالص سود ہے ایسا نہ کرو پھر ارشاد فرمایا۔ ولكن اذا اردت ان تشتري فبع التمر ببيع اخر شتم اشتريہ۔ ہاں اگر خریدنا چاہو تو اپنی کھجوریں کسی اور شئی کے بدلے بیجو پھر اس سے خریدو۔ رواہ البخاری و مسلم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نیز صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابو سعید خدری و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعمل رجلا علی خیبر فباعوا بتمر جنیب فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل تمر خیبر هكذا قال لا واللہ یا رسول اللہ انا لناخذ الصاع من هذا بالصاعین والصاعین بالثلث فقال فلا تفضل بع الجمع بالذراهم ثم اتبع بالذراهم جنیبا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل کر کے بھیجا تھا۔ وہ خدمت اقدس میں خرمائے جنیب حاضر لائے ارشاد فرمایا کیا خیبر کے سب چھو ہارے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ عرض کی نہیں۔ خدا کی قسم یا رسول اللہ ہم اسکے ایک صاع کو دو صاع کے بدلے میں اور دو

کو تین صاع کے عوض میں خریدتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ایسا نہ کرو۔ اپنے چھوٹے روپے سے بیچو۔ پھر روپے سے انہیں خریدو۔ ان دونوں حدیثوں کا صریح مفاد یہی ہے کہ جس چیز کی خریداری مقصود ہے۔ اسکو اسی جنس سے خریدیں۔ تو کھلا سود ہے۔ اس سے بچنے کیلئے طریقہ بدلا گیا کہ مقصود بھی حاصل ہوا اور سود بھی نہ ہوا۔ اسی کو حیلہ کہتے ہیں۔ کہ مقصود حاصل ہو اور محذور شرعی سے اجتناب ہو۔

امام قاضی خاں نے اپنے فتاویٰ میں حیلہ کی ایک مستقل فصل ذکر فرمائی فصل فیما یکن فوا عن الربا۔ اس فصل میں ان باتوں کا ذکر ہے جن میں سود سے گریز ہو۔ اور اس میں متعدد صورتیں ایسی ذکر کیں کہ آدمی خاطر خواہ نفع حاصل کرے اور سود نہ ہو۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیع عینہ کو جائز بتایا بلکہ کرنے والے کو ماجور فرمایا۔ رد المحتار میں ہے عن ابی یوسف العینۃ جائزۃ ماجور من عمل بہا۔ فتح القدیر میں ہے قال ابو یوسف لا یکرہ ہذا البیع لانہ فعلہ کثیر من المنعابۃ وحمد واعلیٰ ذلک ولم یعدوہ من الربا بحر میں ہے لا باس بالبیوع اللتی یفعلہا الناس للتحیز عن الربا۔

کسی کے پاس زمزم شریف ہے جسے تبرک وغیرہ کیلئے لیجاتا ہے اور وہ اتنا ہے جس سے وضو ہو سکے اور دوسرا پانی وہاں نہیں جس سے وضو کرے اور زمزم کو وضو میں صرف کرنا نہیں چاہتا تو تیمم کیونکر جائز ہو اسکا حیلہ قادی خانہ وفتح القدیر وغنیہ وبحرہ در مختار وعلیہ وغیرہ کتب میں مذکور۔ در مختار میں ہے۔ حیلۃ جواز تیمم من معہ ماء زمزم ولا یخاف العطش ان یغلطہ بیا یغلبہ اویہبہ علی وجہ یمنع الرجوع۔ رد المحتار میں ہے یہبہ ای ممن یشق بانہ یردہ علیہ بعد ذلک فافہم۔ کسی فقیر پر اسکے روپے آتے ہیں اور یہ چاہتا ہے کہ وہ روپے زکاۃ میں ادا ہو جائیں اسکا حیلہ یہ تعلیم فرمایا کہ مدیون کو روپے دیدے پھر اپنے آتے ہوئے میں وصول کر لے نہ دے تو چھین لے یا زکاۃ کے روپے کفن میت یا تعمیر مسجد میں صرف کرنا چاہتا ہے تو یہ فقیر کو دیدے پھر وہ فقیر ان چیزوں میں خرچ کرے

درختار میں ہے۔ وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکاتہ ثم یاخذہا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذہا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مالغہ رفعہ للقاضی وحیلۃ التکفین بہا التصدیق علی فقیر ثم ہو یکن فیكون الثواب لہما وکذا فی تعبیر المسجد وتسامہ فی حیل الاشیاء۔

یہ چند مثالیں حیلہ کی ذکر کی گئیں مسئلہ کی وضاحت کیلئے آئی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- مرسلہ عبداللہ از موضع درو۔ ضلع نینی تال۔ ۱۳ صفر ۱۲۸۷ھ
 میں نے ایک شخص کی زبانی یہ سنا ہے کہ اعلیٰ حضرت گندم کی اور جو اور بھوسہ کی تجارت کا ناجائز فرماتے تھے۔ ؟

الجواب :- یہ کسی نے غلط کہہ دیا۔ گیہوں اور جو اور بھوس کی تجارت جائز ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے الا انتکون تجارۃ حاضرۃ تدیر ونہا بینکم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا اختلفت ہذہ الاوصاف فبیعوا کیف شئتم۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- مسئلہ سید حسین علی صاحب ساکن اجمیر شریف محلہ خادمان ۲۷ ریح الاول ۱۲۸۷ھ
 کیا فرماتے ہیں علما دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نوٹ حسب ذیل عمل کے ساتھ بیع کیا۔ یہ صورت حد جواز کے اندر ہے یا نہیں یعنی اسی طرح عمل جائز ہو گا یا کوئی اور صورت سے اسی طرح لینا اور بیچنا دونوں جائز ہیں یا نہیں ؟

میں کہ فلاں ابن فلاں ساکن فلاں ہوں۔ جو کہ دس دس کے ۱۰ عدد نوٹ کرنسی اور سو سو کے دو عدد نوٹ کرنسی جملہ تین سو کے کرنسی نوٹ میں مبلغ چار سو روپے سکے سیمی رنج الوقت فلاں ابن فلاں ساکن فلاں سے خرید کئے ہیں۔ اور اقرار یہ ہے کہ روپے تین سال میں ادا کروں گا اور ہر نو ماہ بعد ایک قسط دوں گا اور کوئی قسط ایک سو روپے سکے سیمی سے کم نہ ہوگی۔ بعض اس روپے کے اطمینان کی خاطر میں اپنی فلاں جائداد زمین و مکان رہن مکفول کرتا ہوں جو آج تک کسی کے پاس رہن و گرانبار نہیں ہے۔ اور جب تک یہ روپیہ باقی رہے گا یہ جائداد

رہیں مکفول رہے گی اگر تین سال کے اندر میں زرمذکور کو ادا نہ کر سکوں تو فلاں کو اختیار ہوگا کہ جائداد کو بیع کر کے زرمذکور وصول کر لیں۔ اس واسطے یہ چند کلمے بطور رہن مکفول جائداد کے لکھ دئے کہ سندرہئے۔ اور بوقت ضرورت کام آئے۔ - بنیوا تو جردا۔

الجواب :- تین سو کے نوٹ چار سو کو بیچنا جائز ہے۔ کہ نوٹ کا غذبہ چاندی نہیں حدیث میں فرمایا۔ اذا اختلفت هذه الامانات فبيعوا كيف شئتم، امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدیر میں فرماتے ہیں لوباع کاغذہ بالف یجوز ولا یکرہ، اور بیع نقد ہوا اودھار دونوں طرح جائز ہے کہ یہاں نہ اتحاد جنس ہے نہ قدر، کہ نوٹ نہ کیلی ہے نہ وزنی اور روپیہ وزنی اور جب قدر و جنس کسی میں شرکت نہ ہو تو کم و بیش بھی جائز اور نسیمہ بھی کما ہومقترح فی عامۃ الکتاب وان شئت تفصیل المسئلۃ فانظر الی کفل الفقہ الفاہم فان فیہ مباحث نفیسة تقریہا العیون واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بیل بھینس اور گائے کا اس غرض سے خریدنا کہ اس کا گوشت خشک کر کے پرو نجات میں بھیج کر غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کر کے فائدہ اٹھایا جائے اور تجارت کی جائے جائز ہے یا نہیں یہاں ایسے گوشت کو خرید کر کھا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جبکہ جانور حلال بسم اللہ اکبر کر کے ذبح کیا تو حلال ہو گیا اور اس گوشت کو مسلم و کافر سب کے ہاتھ فروخت کر سکتے ہیں، اور یہ گوشت جس طرح تازہ حلال و پاک ہے سو کھنے کے بعد بھی حلال و پاک ہے، گیلی چیز سوکھ کر ناپاک نہیں ہوتی ہاں اگر سوکھانے میں کسی نجس چیز کی آمیزش کرتے ہوں تو ناپاک ہو جائے گا ورنہ نہیں، اور جب وہ حلال ہے تو مسلمان بھی خرید سکتے ہیں اور کھا سکتے ہیں، سوکھے گوشت کھانے کا ذکر بہت احادیث میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از موضع بڑدیل ڈاکخانہ محی پور ضلع رنگپور مسئلہ منشی کبیر الدین صاحب ربيع الآخر ۱۳۳۳ھ

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ملک بنگال میں عام رواج ہے کہ پاٹ یا دہاں خواہ دوسری چیزوں پر۔ روپیہ پیشگی اس شرط پر قبل فصل بھاؤ طے کر کے دہاں خواہ پاٹ یا غیر چیز وغیرہ کو دو روپیہ خواہ چار روپیہ من ہم تم سے لینے غریب لوگ اپنی غرض تصور کر کے اسی طرح کا لین دین کرتے ہیں۔ لہذا قبل فصل بھاؤ مقرر کر کے روپیہ پیشگی سب چیزوں پر لین دین کرنا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ ملک ہندوستان خواہ ملک بنگال میں غلام خواہ باندی خرید کر کے رکھنا اور باندی کیساتھ جو زر خرید ہے مباشرت کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب :- یہ بیع سلم ہے اگر اسکے سب شرائط پائے جائیں تو جائز ہے اصلاً اس میں حرج نہیں اسکے شرائط میں بیان جنس و نوع و صفت ہے اور بیان میعاد، اور وہ میعاد ایک ماہ سے کم نہ ہو اور وہ چیز وقت عقد سے ختم میعاد تک بازار میں ملتی ہو اور مجلس عقد میں بالغ کو ثمن دیدیا جائے۔ وغیرہ مذہب کما هو موضح فی کتب الفقہاء۔ حدیث میں فرمایا۔ من اسلف فلیسلف فی کیل معلوم و وزن معلوم و اجل معلوم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بیع سلم کے جواز کی کل چودہ شرطیں ہیں۔ اگر ایک شرط بھی کم ہوئی تو یہ بیع ناجائز اور سود ہو جائیگی۔ سلم بیع کی جنس بیان کرنا مثلاً گیہوں یا دھان یا چاول یا پاٹ۔ لہذا اگر صرف یہ کہا کہ غلہ لیں گے تو بیع ناجائز ہو جائے گی۔ سلم جنس اگر کئی قسم کی ہو تو اسکی قسم کا متعین کرنا بھی شرط ہے جیسے آجکل مختلف اور مختلف نام کے چاول، دھان پائے جاتے ہیں، لہذا اگر صرف یہ کہا کہ چاول دیں گے یا کہا دھان دیں گے اور چاول یا دھان کی قسم معین نہ کی تو بیع ناجائز ہے سلم صفت کا بیان کرنا مثلاً یہ کہ عمدہ قسم کا دسے گا یا خراب سلم مقدار متعین کرنا یعنی یہ کہنا کہ اتنا من یا اتنا کیلوٹ میعاد متعین کرنا جو ایک ماہ سے کم نہ ہو سلم وہ چیز ایسی ہو جسکی بار برداری صرف کرنی پڑتی ہو وہ جگہ بھی معین کرنا شرط ہے جہاں ادا کرنا ہے سلم ثمن کی تعیین بھی شرط ہے مثلاً کاغذی نوٹ روپے یا اشرفیہ اگر ثمن چند قسم کا ہوتا ہو مثلاً مختلف قسم کے سکے یا نوٹ رائج ہوں تو قسم بھی معین کرنا شرط ہے

الجواب (۲) باندی غلام کار کھنا ہندوستان یا بنگال میں شرعاً ممنوع نہیں اور کثیر شرعی کے ساتھ وہی بھی جائز ہے اور باندی وہ ہے جو جہاد میں بطور غنیمت حاصل ہوتی ہے جب تک وہ آزاد ہو کثیر ہے اسکی بیع جائز اور جس نے خریدی وہ وہی بھی کر سکتا ہے جبکہ کوئی اور مانع نہ ہو۔ یونہی باندی کی اولاد جو غیر مولے سے ہو غلام ہے، اور اس کے بھی وہی احکام۔ بعض لوگ گرائی وغیرہ کسی وجہ سے اپنی اولاد کو بیچ ڈالتے ہیں یہ بیچنا اور خریدنا حرام اور یہ نہ باندی ہے

بقیہ حاشیہ ص ۹ کا ایک اگر شمن کھڑا کھڑا ہر طرح کا ہوتا ہو تو کھڑے یا کھوٹے کا بیان کر دینا بھی شرط ہے نہ اگر شمن اس قسم کا ہے کہ اسکے ہر کھڑے کے مقابل بیس کا ٹکڑا ہوتا ہو تو ایسے شمن کی مقدار کا تعین بھی ضروری ہے مثلاً گیہوں، چار سو روپے کرنسی نوٹ کے ایک کوئٹل ہوں تو ایک من کے ایک سو ساٹھ روپے ہونگے اور ایک کیلو کے چار روپے، فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ دسوں شرائط خاص عقد بیع میں کرنا ضروری ہیں واک اس مجلس میں شمن ادا کرنا شرط ہے، لہذا اگر پوری گفتگو ہو جانے کے بعد شمن دیئے بغیر بائع مشتری متفرق ہو گئے تو یہ عقد فاسد و ناجائز ہو جائیگا حتیٰ کہ اگر مشتری مجلس سے اٹھ کر کہیں روپے لینے گیا اور بیچنے والے کی نگاہ سے اوجھل ہو گیا تو عقد فاسد ہو گیا واک وہ چیز عقد سے ختم میعاد تک بازار میں ملتی ہو لہذا اگر یہ کہا کہ فلاں دھان مثلاً باس مونی تو ضروری ہے کہ وہ دھان وقت عقد سے وقت ادا تک بازار میں باسانی ملتا ہو اگر وقت عقد سے ادائیگی کے درمیان بازار سے مفقود ہو جائے تو عقد فاسد ہو جائے گا واک خیال شرط نہ ہو واک خیال رویت نہ ہو۔ (ملخصاً از فتاویٰ رضویہ) در مختار و ہدایہ میں ہے۔ ولا یصح السلم عند الی حنیفۃ الا بیع شرائط جنس معلوم کقولنا حنظلہ او شعیر و نوع معلوم کقولنا سفیقہ او بخسیۃ و صفت معلومہ کقولنا جید او ہادی و مقدار معلوم کقولنا کذا اکیلا بمکیال معروف او کذا و زمانہ و اجل معلوم و معرفۃ مقدار رأس المال اذا کان یتعلق العقد علی مقدار مرہ کالکلیل والموزون والمعدود و تسمیۃ المكان الذی یوفیہ اذا کان لہ حمل و مؤنۃ ہدایہ جلد ۲ کتاب البیوع ص ۹۵ واللہ تعالیٰ اعلم۔ آل مصطفیٰ مصباح

نہ غلام نہ اسکے لئے وہ احکام اگرچہ سمجھنے والا کافر ہو۔ رد المحتار میں ہے۔ ہم ارقاء بعد الاستیلاء علیہم اما قبلہ فاحرار لما فی الظہیریۃ و فی المعیط دلیل علیہ۔ یوہیں بعض لوگ لا وارث یا غریبوں کے بچوں کو پال لیتے ہیں اور انہیں لونڈی غلام کہتے ہیں یہ شرعاً لونڈی غلام نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۔ مسئلہ مولوی شفا الرحمن طالب العلم مدرسہ اہلسنت بریلی ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ وہ شخص جو اپنی بھینس یا گائے یا بکری کی پرورش اکثر یا گاہے غیر کے چارہ دکھا س سے بلا اجازت بلکہ چرا کر کرتا ہے اس سے ان جانوروں کا دودھ خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب ۱۔ گائے بھینس جانور نے جو دوسرے کی چیز کھائی وہ متہلکہ ہو گئی دودھ گوشت گمی وغیرہ پر حکم حرمت نہیں آسکتا ہاں بطور ورع اگر کوئی بچے تو یہ امر آخر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۔ از بریلی شریف ڈاکٹرانہ انبریٹ نگر ساکن صالح نگر درجناب حاجی کفایت حسین صاحب ۷ شعبان المعظم ۱۳۳۳ھ۔ بیع سلم کی کیا تعریف ہے ؟

الجواب ۲۔ بیع سلم اسکو کہتے ہیں کہ قیمت کسی چیز کی اب دیجائے اور وہ چیز آئندہ لینا قرار پائے مثلاً اس وقت کسی کو دس روپے دیئے اور ٹھہرایہ کہ مثلاً دو مہینے کے بعد وہ شخص ان کے عوض میں دو من گہوں دیگا تو یہ سلم ہے اسکے جواز کی چند شرطیں ہیں۔ اگر وہ سب پائی جائیں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ بیان جنس مثلاً گہوں یا جو۔ بیان نوع مثلاً سرخ گہوں یا سفید، بیان صفت یعنی کھرے یا خراب۔ یوہیں جنس جن مثلاً روپیہ یا اشرفی اور بیان نوع جبکہ متعدد قسم کے سکے رائج ہوں اور بیان صفت، اور بیان مقدار مثلاً اتنے من اتنے روپے کے بدلے میں۔ میعاد کا بیان اور وہ میعاد ایک ماہ سے کم نہ ہو، مکان تسلیم یعنی

وہ چیز کہاں پر مشتری کو بائع دیگا اسکی ضرورت اس وقت سے ہے جب وہ چیز ایسی ہو جسکی بار برداری صرف کرنی پڑتی ہو اور مجلس عقد میں ثمن بائع کو سپرد کر دینا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۔ از شہر اندور محلہ نیا پورہ مسئلہ جناب ماسٹر عبدالغفار صاحب دوکاندارہ اجمادی ۱۳۸۵ھ

ایک مسلمان دوکاندار حنفی مذہب متفرق سامان بہت کم منافع پر فروخت کرتا ہے اور خریدار اسکے وہاں سے مال نقد اور ادھار ہر دو طریقے سے خرید کرتے ہیں۔ اب چونکہ وہ کم منافع سے مال فروخت کرتا ہے اگر ادھار مال نقد کے نرخ سے ہی فروخت کرے تو اسے کوئی منافع اسکی تجارت میں نہیں ہو سکتا کیونکہ ادھار کے روپیہ کم از کم ایک ماہ دو ماہ میں وصول ہوتے ہیں اگر ایسی حالت میں دوکاندار نقد مال کے نرخ سے ادھار مال زیادہ نرخ سے فروخت کرے تو شدراً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب ۱۰۔ بیع میں ثمن کا معین کرنا ضروری ہے در مختار میں ہے و شرط لصحة معاينة قدر مبيع و ثمن اور جب ثمن معین کر دیا جائے تو بیع چاہے نقد ہو یا ادھار سب جائز ہے اور سمیں ہے و صح بضمن حال و مؤجل الی معلوم اور یہ بھی ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی چیز کو کم یا زیادہ جس قیمت پر مناسب جانے سے بیع کرے تھوڑا نفع لے زیادہ شرع سے اسکی مانعت نہیں، اگر صورت مسئلہ میں یہ ضرور ہے کہ نقد یا ادھار دونوں سے ایک صورت کو معین کر کے بیع کرے اور اگر معین نہ کیا۔ یوں میں محل رکھا کہ نقد اتنے کو اور ادھار اتنے کو تو یہ بیع فاسد ہوگی۔ اور ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے رجل باع علی ابنہ بالتقد بكذا وبالنسيئة بكذا والی شہر بكذا والی شہر بن بكذا الم یجوز کذا فی الخلاصة۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۔ از رانی کھیت جامع مسجد مسئلہ قاری جلیل الدین احمد صاحب ۱۵ اجمادی الاخرہ ۱۳۸۵ھ

درختوں کے پھل قبل آنے پھول یا پھل جبکہ غیر منفعت ہوں یا پھل قابل منفعت

ہوں درختوں میں فروخت کرنا شرعیہ بیع درست ہے کہ نہیں اگر جواب نفی میں ہے۔ تو کوئی صورت بیع اشمار اشجار کے جواز کی نکلتی ہے کہ نہیں۔ بالعموم ہندوستان میں اشمار اشجار کی بیع اشجار ہی میں ہوا کرتی ہے۔ شرعیہ کیا حکم رکھتی ہے ؟

الجواب :- معدوم کی بیع نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن بیع مالیس عندک۔ دوسری حدیث میں ہے نہی عن بیع السنین۔ لہذا جب تک پھل نہ آئے ہوں ان کی بیع نہیں کی جاسکتی کہ معقود علیہ موجود نہیں عقد کس چیز کا ہوگا اور جو پھل آپکے ہیں اگرچہ وہ قابل انتفاع نہوں ان کی بیع جائز ہے مگر اس میں یہ شرط کہ اتنے زمانہ تک درخت سے توڑے نہ جائیں گے بیع کو فاسد کر دیگی درختار میں ہے (ومن باع ثمرة بارزة) اما قبل الظہر فلا یصح اتفاقاً و ظہر صلاحها أولا صح) فی الاصح (ولو برز بعضها دون بعض لا) یصح فی ظاہر المذهب و یقطعہا المشتري فی الحال جبراً علیہ وان شرط ترکہا علی الاشجار ففسد) اس کے جواز کی یہ صورت ہے کہ بیع مطلق واقع کی جائے بلکہ وقت بیع بالغ صاف کہہ دے کہ مجھے اختیار ہوگا کہ درخت خالی کرالوں اور بیع تمام ہونے کے بعد اپنی خوشی سے درخت پر پختہ ہونے تک چھوڑ دینے کی اجازت دیدے تو اب یہ جائز ہوگا۔ درختار میں ہے۔ وقید باشتراط ترک لانہ لو شراھا مطلقاً وترکھا باذن البائع طاب له الزیادة۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ افیم کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں اور کتے پال کر انکو ویزان کے بچوں کو بیچنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- افیم کا کھانا ناجائز، مگر جبکہ کسی دوا وغیرہ میں اتنی قلیل ملائی گئی کہ

اس دوا کے کھانے سے حواس پر اثر نہ پڑے تو جائز ہے، حدیث میں ہے نہی رسول اللہ
 تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم من کل مسکر و مقتر، افیون شراب کی طرح نجس و ناپاک
 نہیں، لہذا دوسکا لیپ وغیرہ کرنا جائز، اکثر آشوب چشم میں اسکا ضماد آنکھوں پر لگاتے ہیں، اور
 یہ لگانا جائز اسی حالت میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ لہذا اسکی بیع و شرا جائز ہے، البتہ
 اسکی بیع ایسے شخص سے کرنا جو اسے ناجائز طور پر کھاتا ہو۔ ممنوع ہے کہ یہ معصیت پر اعانت ہے
 کتے کی بیع بھی جائز ہے ہدایہ میں ہے ویجوز بیع الکلب والفهد اور اسکی دلیل میں صاحب
 ہدایہ فرماتے ہیں لانه منتفع به حراصة واصطياداً فکان مالاً فیجوز بیعہ اور ترمذی
 شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی نہیں النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ثمن الکلب
 الا کلب صیدؐ اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ
 عنہما سے راوی کہ رخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ثمن کلب الصیدؐ
 یہ کتے کی نفس بیع کے متعلق حکم ہے، مگر اسکا پالنا صرف مواضع ضرورت میں جائز ہے۔ انکے
 علاوہ ممنوع احادیث صحیحہ میں پالنے کی صرف تین صورتیں جائز فرمائی گئی ہیں، شکار کے لئے
 اور مویشی کی حفاظت کیلئے اور کھیتوں کی نگہبانی کیلئے۔ اور فقہائے کرام نے مکان کی حفاظت
 کیلئے بھی پالنے کی اجازت دی ہے چنانچہ عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں اسکی تصریح ہے۔
 عینی شرح ہدایہ میں ہے فان کل کلب یحفظ بیت صاحبه ویمنع الاجانب عن الدخول
 فیہ ویخبر علی الجانی بنباہ علیہ فساوی المعلم فی الالانتفاعؐ لہذا پالنا اگر ان
 ضرورتوں کیلئے نہ ہو بلکہ محض تجارت کیلئے ہو تو یہ پالنا جائز نہیں۔ اگرچہ بیع بوجہ اسکی مالیت
 کے جائز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لہ ہدایہ ج ۲ ص ۱۰۱ مسائل منشورہ ۷۷ ترمذی ج ۱ ص ۱۵۲ باب ماجاء فی ثمن الکلبؐ مسند امام اعظمؒ
 ج ۱ ص ۲۴۱ رواہ البیہق عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہؓ ۷۷ حاشیہ ہدایہ عینی ج ۲ ص ۱۰۱ مسائل منشورہ معراجی

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ باغ کے پھل اس طریقہ پر فروخت کرتے ہیں کہ پھل ابھی آئے نہیں ہیں، اور پھل فروخت ہو چکے، یا آئے ہیں لیکن چھوٹے ہیں اور قیمت پوری پھل بڑے پھل کی طے کی گئی، تو آیا یہ طریقہ جائز ہے، یا نہیں، زید کہتا ہے کہ یہ سود ہوا عمرو کہتا ہے کہ تمام باغات اس طریقہ پر فروخت ہوتے ہیں آخر علماء کیوں نہیں منع کرتے اور اگر یہ طریقہ ناجائز ہے تو کیا طریقہ ہونا چاہئے جس سے پھل جائز طریقہ پر فروخت ہوں؟

الجواب :- جب تک پھل نہ آجائے اسکی بیع نہیں ہو سکتی، اور یہ بیع باطل ہے۔ کہ

بیع میں بیع کا وجود ضرور ہے حدیث میں ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع مالیس عندک۔ اور اگر پھل آگئے تو اگرچہ بختہ نہوں انکی بیع جائز ہے۔ اور قیمت کا ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی چیز کی جو قیمت چاہے لے، اس میں ممانعت نہیں، مگر یہ شرط کہ جب تک پھل تیار نہ ہونگے توڑے نہ جائیں گے اسی درخت پر رہینگے شرط فاسد ہے۔ اور اس شرط سے بیع بھی فاسد ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مصرح ہے، ہاں اگر قوت عقد نہ یہ شرط ذکر کی نہ عرف ہو اور عرف ہو تو بائع نے صاف کہہ دیا ہو کہ تم کو درخت خالی کو دینا ہو گا اور مشتری نے قبول کر لیا اب اگر بائع اپنی طرف سے مشتری کو اجازت دے دے تو جب تک مشتری چاہے اس درخت پر رکھ سکتا ہے، اور اب کوئی حرج نہیں کہ اس صورت میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید کہ نہ میندا رہے اس نے کچھ غلہ اپنے آسامی کے ہاتھ فروخت کیا لیکن قرض دیا اور یہ طے کر لیا کہ جب تم قیمت دینا تو غلہ خرید کر جو بھاؤ اسوقت ہو دیدینا میں وہ قیمت نہ لونگا تو آیا یہ طریقہ سود تو نہیں ہوا۔ یا شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- زید نے جب غلہ فروخت کیا ہے۔ اور روپیہ کے بدلے فروخت کیا ہے تو آسامی پر بھی روپیہ یا اسکی قیمت کی کوئی چیز واجب ہے۔ مگر زید کا قیمت لینے سے انکار کرنا

اور اس قیمت کا غلہ طلب کرنا دھوکے میں ڈالنا ہے۔ زید کو اگر غلہ ہی لینا منظور ہے تو اسامی سے روپیہ لیکر بازار سے غلہ منگائے یا خود اسی آسامی کے حوالہ کر دے، کہ ان روپیوں کا غلہ لا کر میرے یہاں بھیج دو ایسی مشتبہ صورت بلاوجہ کیوں اختیار کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۹
مسئلہ۔ از قصیدہ چانو د مار و اڑڈا کخانہ اسٹیشن رانی نور محمد ولد رمضان۔ ۸ جمادی الاول
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص کسی کو ایک من جو اس شرط پر فروخت کرے کہ جو کے عوض میں ایک من گیہوں فصل پر بھگو دینا۔ لہذا جو کچھ حکم شرع شریف ہے مع حوالہ کتاب تحریر فرمادیں؟ کیوں کہ جنس مختلف ہو نیکی وجہ سے اگرچہ بیشی جائز ہے مگر نسیہ جائز نہیں۔ اور یہ حرام اور سود ہو گا یا کیا؟ جناب مولینا مولوی شمس الدین صاحب قادری دہلوی
 کہا ردی سود بتلاتے ہیں کیونکہ یہ دست بدست نہیں ہے اور باقی غلو کا بھی یہی حکم ہے یا کچھ فرق ہے؟ باجرہ دیکر گیہوں لینے یا مکی دیکر باجرہ یا گیہوں لینا سب کیلئے کیا حکم ہے؟
 تحریر فرمادیں اور یہ بیوپار کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اختلاف جنس کی صورت میں کمی بیشی جائز ہے، مگر باوجود اختلاف جنس اگر قدر یعنی ناپ یا وزن میں اتحاد ہو یعنی دونوں ناپ سے بکتی ہوں یا دونوں وزن سے تو ایسی صورت میں اگرچہ تفاضل جائز ہے گیہوں دیکر اس سے دو چند جو لے سکتے ہیں مگر نسیہ کہ ایک اب دیا جائے اور اسکے بدلے کا دوسرا آئندہ لیا جائے یہ ناجائز و حرام ہے۔
 صحیح مسلم شریف میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ فاذا اختلفت هذه الا صناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد
 نیز انھیں سے دوسری روایت مشکوٰۃ میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں ولكن بيعوا الذهب بالورق والورق بالذهب والبر بالشعير والشعير بالبر والتمر بالملح والملح بالتمر يدا بيد كيف شئتم لہ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جنس مختلف ہونے کی صورت میں

اگر دست بدست نہ ہو تو رہا ہے کہ گیہوں جو دونوں کیلی ہیں اور اگر ابام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو لیا جائے تو دونوں آجکل کے عرف کے لحاظ سے وزنی ہیں بہر حال قدر میں اتفاق ہے اور نہ جائز نہیں، درمختار میں ہے۔ وان وجد احدہما ای القدر وحده والجنس حل الفضل وجرم النساء لو مع التصادیٰ۔ یوہیں باقی غلوں کا یہی حکم ہے کہ وہ سب وزنی ہیں کیوں کہ شرع سے اوسمیں کوئی نص نہیں اور جس میں کیل یا وزن کی تنصیص نہ ہو وہ بالاتفاق عرف و عادت پر محمول ہے، یہ تمام کلام اس تقدیر پر ہے کہ جو گیہوں کے بدلے میں بیخ کیا ہو اور اگر الفاظ سوال کی طرف نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گیہوں کے بدلے میں نہیں ہوئی بلکہ فصل میں گیہوں دینے کی شرط ہے اور نمک کچھ اور ہے اگر یوں بھی ہو جتنی چونکہ یہ شرط مقتضائے عقد نہیں، اور اسمیں بائع یعنی جو دینے والے کا فائدہ ہے لہذا یہ شرط فاسد بیع کو فاسد کر دیتی۔ کمافی الہدایہ وغیرہا۔ بہر حال یہ بیع صحیح نہیں اور بلا ضرورت سود کا گناہ لیتا ہے۔ اگر اسکو جو بیچنا ہے تو روپیہ کے عوض بیچے جو نرخ چاہے مقرر کر دے اور خریدار اس وقت نہیں دے سکتا ہے تو فصل پر روپیہ ادا کرنے کی میعاد مقرر کر دے اور اس روپیہ کے گیہوں خریدے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خریدار روپیہ کی جگہ گیہوں دے دے۔ مگر اس میں یہ ضرور ہوگا کہ اس روپیہ کے جتنے گیہوں ملتے ہوں اتنے ہی لے سکتا ہے زیادہ نہیں، یہ شرطاً جائز بھی ہے اور نفع بھی غالباً ہوگا۔ یا بیع سلم کرے کہ اسمیں بھی غالباً نفع ہی ہوتا ہے، اور اسکو شرع نے جائز بتایا ہے۔ بیوپار کیلئے خریدنا بیچنا ہو یا کھانیکے لئے سب کا ایک حکم ہے جائز ہے تو جائز ہے۔ ناجائز ہے تو ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۷۔ درسلہ سید ضمیر الدین احمد رحمہ اللہ آباد محلہ دارالکلیۃ ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۲۹۹ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بکر سے ایک چیز خریدنا چاہتا ہے بکر کہتا ہے کہ جو کچھ آپ اس کی قیمت دین گے لے لوں گا۔ مگر اپنی زبان سے کچھ نہیں کہوں گا

اور بکریہ کہتا ہے کہ جو کچھ آپ دیں گے بخوشی منظور کر دوں گا۔ ایسی حالت میں بیع جائز ہوگی یا نہیں جبکہ زید بکر کا ماتحت ہے۔ اور ایسی چیز جو خاص اللہ تعالیٰ کے نذر کرتا ہے اسکی بیع بھی مستند بالا صورت میں بلا طے کئے جائز ہوگی یا نہیں؟ مثلاً قربانی کا بکرا؟

الجواب :- جبکہ زید نے بکر کو کچھ زر ثمن دینا کہا۔ بکر نے اسے منظور کر لیا اور عقد بیع واقع ہو گیا تو بیع درست و صحیح ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تراخی طرفین سے جبلیکاب و قبول ہو چکا تو عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں اگرچہ زید افسر ہے مگر جب اسنے دباؤ نہیں ڈالا تو کوئی حرج نہیں اور اگر زر ثمن کا زید نے بھی اظہار نہیں کیا اور بکر نے یہ کہہ دیا کہ جو آپ دینگے منظور کروں گا تو یہ بیع نہ ہوئی کہ یہاں ثمن مجہول اور اس طرح بیع نہیں ہو سکتی۔ قربانی کا جافور ہونا اور چیز سب کا ایک حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از تکیہ برہان پور شریف ڈاکخانہ سودھانی اسٹیشن ضلع پورنیہ سید مخدوم شرف الہدی صاحب ۷ ارذی قعدہ ۱۳۹۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندرین صورت کہ زید عمرو کو کچھ روز کیلئے مبلغ ایک سو روپیہ بطور قرضہ یعنی دستکوں دیئے مگر اس شرط پر کہ مبلغ نوے روپیہ کے بدلے مجھے ڈوبہ ہی ملنے چاہئے اور باقی مبلغ غلہ روپے کے عوض پانچ یا چھ من دھان یا کوئی غلہ بعد طیاری فصل خواہ دو مہینے بعد ہو یا چار مہینے بعد مجھے دینا اور نرخ بھی دو یا تین روپے کے حساب سے باہم طے کر لیا یہ صورت بیع و شرائط و نیز قرضہ کی عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟ بینو اتوجروا

الجواب :- روپیہ اسوقت دینا اور بیع آئندہ کسی وعدہ پر لینا اسکو بیع سلم کہتے ہیں اور بیع سلم کی چند شرطیں ہیں۔ ایک شرط یہ بھی ہے کہ مدت مقرر ہو جو ایک ماہ سے کم کی نہ ہو

حدیث میں ہے۔ من اسلف منکم فلیسلف فی کیل معلوم او وزن معلوم اخی اجل معلوم لہذا یہ کہہ دینا کہ چاہے دو مہینے میں دینا یا چار مہینے میں دینا یہ مدت کی تعیین نہیں ہے بلکہ اس صورت میں مدت مجہول ہے لہذا بیع سلم صحیح نہ ہوئی۔ بلکہ فاسد ہوئی۔ اور غلہ کا

مستحق نہیں ہوگا۔ بلکہ اپنے روپیہ کو واپس لینے کا حقدار ہے اگر مدت معین ہو تو فقط ان دس روپوں کا غلہ لے سکتا ہے اس نرخ سے جو وقت عقد سلم باہم طے ہو چکا ہے باقی نوے روپے قرض ہیں کہ ان کے عوض میں روپے ہی کا مطالبہ ہوگا۔ اور اگر مدیون غلہ دے اور یہ لینا چاہے تو وقت ادا جو نرخ بازار کا ہے اس حساب سے لینا ہوگا۔ اس سے زائد کا مطالبہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۔ از بہان پور شریف تکیہ ڈاکخانہ سود ہانی اسٹیشن ضلع پورنیہ مرسلہ جناب شرف الہدی صاحب سجادہ نشین۔

۱۔ زید نے عمرو کو مبلغ یک قصد روپیہ دیا اس شرط پر کہ مبلغ دس روپے کے بدلے دو یا تین روپیہ من کے حساب سے کوئی غلہ دینا اور غلہ کو معین کر لیا اور باقی روپے کے بدلے نقد روپے ہی دیتا؟

۲۔ اگر وہ نوے روپیہ تم اس سال ادا نہ کر سکو تو پھر دس روپے کے بدلے غلہ معین دینا ہوگا اسی بھاؤ کے اعتبار سے جو اد پر مذکور ہوا اور باقی مبلغ انہی روپے نقد دینے پڑیں گے؟

۳۔ اگر دوسرے سال بھی ادا نہ کر سکو تو پھر اس روپیہ کے بدلے نرخ مذکور کے اعتبار سے کوئی غلہ معین دینا ہوگا اور باقی نقد ہلم جہا از عرض نہیں دینے کی تقدیر پر ہر دس کے بدلے نرخ معین کے اعتبار سے غلہ معین ہوگا۔ اس قسم کی بیع و شریا قرضہ جائز ہے یا نہیں؟

اجواب ۱۔ دس روپے کے مقابلہ میں جتنا غلہ دینا قرار پایا ہے اس میں اگر بیع سلم کے جملہ شرائط پائے جائیں۔ تو عقد صحیح ہوگا اور میعاد پر وہ غلہ دینا پڑے گا اور باقی روپیہ کے مقابلہ میں روپیہ ہی دینا قرار پایا ہے اور اگر اس سال روپے ادا نہ کرے تو ان میں سے دس روپے کے بدلے میں اسی حساب سے دوسرے سال غلہ دینا ہوگا۔ یہ عقد سلم نہیں ہے کہ اس عقد کو معلق بالشرط کرتا ہے اور بیع کو معلق بالشرط نہیں کیا جاسکتا کہ بیع اثبات ملک کیلئے ہے اور ضمانت کو خطر پر معلق نہیں کر سکتے کمافی الہدایہ وغیرہ لہذا بقیہ نوے قرض ہے اس مال سلم نہیں ہے

اور جب قرض ہے تو مستقرض سے زیادہ نہیں لیا جاسکتا اور جو کچھ زیادہ لیگا سود ہوگا حدیث میں ہے کل قرض جبر منفعۃ ھمہو رہا اور اگر ان روپوں کے عوض غلہ لیا جائے تو بازار کے نرخ سے نوے روپے کا غلہ لے سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۔ از نصیر آباد ضلع مشرقی خاندس احاطہ بمبئی مرسلہ جناب قاضی سید مظہر علی حنا

۵ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ۔

ایک شخص سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے خود جائیداد نہیں خرید سکتا تھا لہذا اس نے اپنے خانہ کو روپے دیکر اسکے داماد کے نام پر کچھ جائیداد خریدی اور سرکاری کاغذات وغیرہ میں داماد کا نام درج کرایا۔ شخص مذکور کو سوا ایک لڑکی کے دوسری اولاد بھی نہیں تھی البتہ تیلے بھائی تھے جو لڑکی کیساتھ ترکہ کے وارث ہو سکتے تھے۔ داماد کا روپیہ یہ رہا کہ وہ جائیداد کی آمدنی وصول کرتا تھا اور خسر کو لاکر دیدیتا تھا۔ اسکے خود کے اور بیوی بچوں کے کھانے پینے کا خرچ خسر ہی کے ذمہ تھا خسر کے انتقال کے بعد وہ آمدنی اپنی خوشدامن کے پاس دیتا رہا خوشدامن کے انتقال کے بعد بیوی کو نہیں دی بلکہ خود لیتا رہا اب داماد کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب جھگڑا یہ ہے کہ جائیداد خسر کے ورثہ کی تصور کی جائے یا داماد کے ورثہ کی۔ یہ جائیداد خسر کی امانت کے طور پر داماد کے پاس تھی ایسا سمجھا جائے۔ یہ احتمال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ خسر سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے ملازمت کے حدود ہی اپنے نام پر جائیداد نہیں خرید سکتا تھا یا خسر نے عاریت کے طور پر دی تھی کہ تازلیت خود فائدہ اٹھائے اور بعد مرنیکے داماد مالک ہو یا یہ سمجھا جائے کہ خسر نے داماد کو ہبہ کر دی تھی ؟

لیکن داماد رضامندی کے خیال سے اور بیکار ہونا سہنا تھا اس وجہ سے بزرگی کے خیال سے خسر کے پاس آمدنی دیتا تھا۔ اب داماد کے ورثہ شرعاً وراثت کے مستحق ہیں یا خسر کے اگر داماد کے ورثہ خسر کے ورثہ کو حصہ نہ دیں تو آیا روز قیامت ماخوذ و مستحق عذاب ہوں گے ؟

الجواب :- اگر گواہوں سے ثابت ہو کہ جائداد اس شخص نے اپنے لئے خریدی تھی اور دستاویز میں داماد کا نام کسی مصلحت کی بنا پر تھا جب تو اسی شخص کی قرار دیا جیسا کہ کاغذات میں داماد کا نام درج کرنا قابل اعتبار نہ ہوگا۔ اور اگر گواہوں سے ایسا ثابت نہ ہو تو جائداد داماد کی ہے خسر یا خوشدامن کے پاس آمدنی لا کر محض رکھ دینا اسکی دلیل نہیں کہ وہ خسر کی ہی ہے جب یہ دونکے یہاں رہتا تھا اور وہیں کھاتا پیتا تھا تو ہو سکتا ہے کہ بڑا سمجھکر ایسا کرتا ہو۔ رد المحتار میں ہے فی الخیرۃ من کتاب الدعوی سئل عن اخوة اشقاء عائلتهم وکسبهم واحد وکل مفوض لاختیه جمیع التصرفات ادعی احدہم انہ اشترى بستانا لنفسه فاجاب اذا قامت البینۃ علی انہ من شرکتہ المفادۃ تقبل وان کتب فی شک التبايع انہ اشترى لنفسه ^{والله تعالى اعلم}

مسئلہ :- ازاجمیر شریف پٹن بازار شیر محمد پیش امام پٹن مسجد۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ۔

- (۱) ایک شخص ایک بکرا جھٹکے کیلئے دیتا ہے اور جھٹکے کے بعد گوشت تو لاجاتا ہے گوشت کے وزن پر چھ آنہ فی سیر کے حساب سے فروخت کرتا ہے اور کھال بھی خود ہی بیچ دیتا ہے شرعاً یہ تجارت کیسی اور ایسی تجارت کرنا مالے مسلمان کے ساتھ مسلمانوں کا کیا حکم شرعاً صادر ہوتا ہے
- (۲) اگر صرف بکرا فروخت کرے یہ سمجھکر کہ جھٹکا ہوگا نیز اس کیلئے کیا حکم ہے ؟
- (۳) اگر کوئی شخص مردار جانور کی کھال مول لیکر فروخت کرے تو اس کیلئے کیا حکم ہے۔ ان تینوں حالتوں کا کتب معتبرہ کے حوالے سے تفصیل کیسا تھ تحریر فرمایا جائے ؟

الجواب (۱) جانور کو جھٹکے کیلئے دینا کہ کوئی کافر اسے جھٹکا کر دے پھر یہ مسلمان اسے

لے جانور کی گردن پر تلوار کا ہاتھ مار کر اسے جدا کرنے کو۔ جھٹکا کرنا کہتے ہیں۔ اگر کافر ایسا کرے۔ تو وہ جانور حرام و مردار ہوگا۔ کہ اس صورت میں کافر ہی ذاب ہوگا۔ اور کافر کا ذبیحہ حرام۔ ذبیحہ کی حلت کیلئے ذاب کا مسلمان یا کاتبی ہونا شرط ہے۔ در مختار میں ہے۔ وشرط کون الذاب مسلماً أو کتابياً ج ۵ ص ۲۰۸ واللہ تعالیٰ اعلم مصباحی

بیچے یہ حرام ہے۔ پھر اسکو بیچنا یہ دوسرا حرام ہے کہ اب یہ جانور مردار ہے اور مردار کی بیع حرام اور باطل۔ درمختار میں ہے بطل بیع مالیس بھال کالدم والمیتة ولا فرق فی حق المسلم بین التی ماتت حتف انفہا اور یخفق ونحوہ۔ اسکی کھال بھی جب تک پکائی نہ جائے اسکو بیچنا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲) ایسے کے ہاتھ فروخت کرنا نہ چاہیے جسکی نسبت معلوم ہے کہ جھٹکا کرٹکا

مگر بیچا تو یہ بیع باطل و حرام نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۳) مردار کی کھال اگر سوکھی ہوئی ہے تو خرید بھی سکتا ہے بیچ بھی سکتا ہے

ورنہ خریدنا اور بیچنا دونوں حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از کلکتہ مطب سنت الجماعت نارکل وانگہ قصاب بستی ۹ کروں لین کلکتہ

غلام یسین حامدی رضوی ۱۱ شعبان ۱۲۸۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی دوکان

ہے اسمیں تقریباً چالیس پچاس روپیہ کا سرمایہ ہے زید نے وقت ضرورت پر عمر و سے کچھ

روپیہ طلب کیا عمر و نے کہا کہ میں اس شرط پر تمکو پہلے دوں گا کہ تم اپنے منافع میں سے ایک پیسہ

نفع کا مجھے دو اور میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک نہیں جسوقت طلب کروں وہ روپیہ

میں لے سکتا ہوں۔ ہاں اگر کوئی چیز اتفاقاً ٹوٹ پھوٹ جاوے گم ہو جاوے تو میں اسی

حساب سے اپنے منافع میں سے ادا کروں گا۔ زید نے منظور کر لیا عمر و نے دس روپیہ اسکو دیا

زید نے کہا کہ مجھے ایک روپیہ میں ۲ نفع ہونا ہے عمر و نے کہا کہ روپیہ میں ایک پیسہ میرا رہا

اور عمر و ایک مسجد میں مؤذن ہے اور امام کے نہ آنے پر کبھی کبھی امامت بھی کرتا ہے تو یہ سود ہوا

یا نہیں اور اسکے پیچھے نماز ہوئی یا نہیں ؟

الجواب :- کسی کو تجارت کیلئے روپیہ دینا کہ دوسرا اس سے تجارت کرے اور جو کچھ نفع ہوگا اوسمیں سے ایک حصہ معینہ کا یہ شریک ہے مثلاً ایک روپیہ کا نفع ہو تو ۸ یا ۴ یا ۲ یا یکم ویش جو چاہیں ٹھہرائیں اسکو اصطلاح شرع میں مضاربت کہتے ہیں۔ اور شرط یہ جانتے ہے مگر روپیہ اسوقت لے سکتا ہے جب مال فروخت ہو چکا ہو اور مضاربت میں جو کچھ نقصان ہوگا وہ روئے والے کا ہوگا اور یہ شرط کہ اگر مال ہلاک ہو جائے تو میں ذمہ دار نہیں یا دونوں پر اوسکا نقصان ڈالا جائے اس سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے فتاویٰ قاضیخان میں ہے ومنہا اذا شرط

على المضارب ضمان ما هلك في يده والله تعالى اعلم

مسئلہ :- از شہر بریلی مورخہ ۲۱ جمادی الاولیٰ یوم پنجشنبہ ۱۲۵۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک باغ اہل ہندو کا فروخت ہو رہا تھا جسکی قیمت وہ مبلغ چار سو روپیہ مانگ رہا تھا ایک صاحب نے مبلغ تین سو روپے لگائے دوسرے صاحب نے سوا تین سو روپیہ تیسرے صاحب نے تین سو بجاس روپیہ میں طے کیا مبلغ مہربانے کے دیے کل روپیہ پندرہ یوم میں دینے کا وعدہ کیا جس صاحب نے سوا تین سو روپیہ لگائے تھے انھوں نے بیان دینے کے بعد پونے چار سو روپیہ کالے لیا اب ان صاحب کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے اہل ہندو کا فائدہ کرایا اور مسلمان کا نقصان ؟ بینوا تو جروا

الجواب :- بیان سائل سے معلوم ہوا کہ باغ سے مراد اسکی بہار نہیں بلکہ اوسکے درخت کٹوانے کیلئے خریدے تھے جب ساڑھے تین سو روپے میں درخت خرید لئے اور بیعانہ بھی دیدیا جس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ عقد بیع ہو چکا صرف قانونی طور پر کاغذ لکھنا باقی رہ گیا ہے تو یہ درخت خریدار کے ہو چکے کہ عقد فہم ہو جائیکے بعد بیع مشتری کی ملک ہو گئی بائع کو دوسرے کے ہاتھ بیچنا حرام ہوتا ہے اور جس کو یہ بات معلوم ہو اوسے خریدنا حرام ہے حدیث میں ہے لا یبیع الرجل علی بیع اخیه جس نے جان بوجھ کر خریدادہ اس کا مالک نہیں اور جو کچھ اوس سے

نفع اٹھائے گا وہ بھی حرام ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ - مسئلہ مولانا مولوی غلام محی الدین الجیلانی صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ
اندر کوٹ میسرٹھ ۲۹ ذیقعدہ ۱۹۵۴ء

سیدی دامت برکاتہم العالیہ نیاز مندانہ آداب معروض مفادہ عالیہ شریف لاکر عزت افزا
ذره بیقدر ہوا۔ اگر مال میں اشتراک بالا خلاط ہو تو ایک شریک کے بیع کرنے کو اجنبی سے بدون
دوسرے کی اجازت کے فقہار کرام ناجائز فرماتے ہیں۔ علمگیری بطبوع مطبع مصطفائی جلد ۴ ص ۸۸
کتاب البیوع میں ہے اذا كانت الشریکۃ فی المال بسبب الخلط منہما باختيارهما اور بالاختلاف
من غیر اختیار ہما بیعون بیع احدہما نصیبہ من شریکہ ولا یجوز من الاجنبی الا باذن شریکہ
در مختار کی کتاب الشریکۃ ص ۲۶ میں ہے فلا یجوز بیعہ الا باذنه فلو كانت الدار مشترکۃ بینہما
باع احدہما بیئتا معنیاً اور نصیبہ من بیت معین فلا یران یبطل البیع۔ بہار شریعت میں
بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔

در یافت طلب یہ امر ہے کہ یہ بیع باطل ہے یا فاسد یا موقوف اگر باطل ہے یا فاسد ہے
تو حق شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ اسکے ثبوت کیلئے ضروری ہے کہ ملک بائع سے زائل ہو جائے اور ان
دونوں صورتوں میں زائل نہیں ہوتی بلکہ موقوف کی صورت میں بھی زائل نہ ہوگی تا وقتیکہ جسکی
اجازت پر موقوف ہے وہ اجازت زید سے۔ بہر کیف دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید اور عمر کو
ترکہ میں ایک مکان ملا۔ اور ابھی تک تقسیم شرعی نہ ہونے پائی تھی کہ زید نے اپنا حصہ ایک اجنبی
کو بیع کر دیا۔ اور عمر سے اجازت بھی نہ ملی تو اس صورت میں یہ بیع کیسی ہے باطل ہے یا فاسد
یا موقوف اور بہر تقدیر عمر کیا کرے یعنی حاکم کے یہاں شفعہ کا دعویٰ کرے یا حاکم سے بیع باطل کرے
جواب میں عبارت فقہی نقل فرمائیں اور ہر ایک کتاب کے صفحات بھی تحریر فرمائیں تاکہ یہاں باسانی
عبارتیں نکال لی جائیں؟

حاشیہ من کالہ مسلم ج ۲ من ۳ کتاب البیوع۔ مصباحی

الجواب :- صورت مذکورہ میں یہ بیع نہ باطل ہے نہ فاسد نہ موقوف بلکہ صحیح تام نافذ ہے علیگری کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اسکے اوّل اور آخر دونوں کو نقل نہیں کیا معلوم ہوتا ہے اس پر نظر نہیں پڑی ورنہ یہ غلطی نہ ہوتی عبارت کی ابتداء یہ ہے واذا كانت العنطة او الموزون مشتملین کا بین اثنتین فباع احدهما نصيبه من شريكه او من الاجنبی فنقول اذا كانت الشريكة في المال - اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم مکمل و موزون کا بیان کیا جاتا ہے عقار سے اس حکم کو تعلق نہیں۔ ثانیاً یہ حکم خلط و اختلاط کا ہے یعنی ہر ایک شخص کی ملک میں تھی اس سے دوسرے کو تعلق نہ تھا دونوں نے قصد اپنی اپنی چیزیں دوسرے کی چیز میں ملا دیں یا بلا قصد دونوں چیزیں مل گئیں مثلاً بوری پھٹ گئی اور غلہ مل گیا صورت مسئلہ میں نہ خلط ہے نہ اختلاط بلکہ دونوں کی ملک ابتداء ہی یوں حاصل ہوئی کہ باہم شرکت ہے کیونکہ میراث سے جو ملک حاصل ہوگی وہ ابتداء ہی سے متاع ہے نہ یہ کہ متاع ہوا اسکے بعد شرکت ہوئی ہو اسی لئے اس کے بعد الگیری میں جو کلام ذکر کیا وہ یہ ہے واذا كانت الشركة بسبب الميراث او الشراء او الهبة يجوز بيع احدهما نصيبه من شريكه ومن الاجنبی۔ اسکے بعد الگیری کی عبارت بعد اذن شریکے مگر یہ نسخ کی غلطی ہے صحیح یہ ہے کہ بغیر اذن شریکے ہو چنانچہ صحیح محشی نے لکھا کذا فی جميع النسخ ولعل موابہ بغیر اذن شریکے بدلیل المقابلة تامل الخ چنانچہ رد المحتار کتاب شرکت میں خلط و اختلاط کی صورت میں عدم جواز کی وجہ بیان کرتے ہوئے مسئلہ کی جو تصویر کی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ارث و ہبہ و شرا کی صورت میں اجازت کی ضرورت نہیں۔ اجنبی کے ہاتھ مطلقاً جائز ہے عبارت یہ ہے قوله الا في صورة الخلط والاختلاط فانه لا يجوز البيع من غير شريكه بلا اذنه والفرق ان الشركة اذا كانت بينهما من الابتداء بان اشترط حنطة او وراثتها كانت كل حصة مشتركة بينهما فيبيع كل منهما نصيبه شايعا جائز من الشريك والاجنبی بخلاف ما اذا كانت بالغلط او الاختلاط كانت كل حصة مملوكة بجميع اجزائها ليس للاخر فيها شركة فاذا باع نصيبه من غير الشريك لا يقدر على تسليمه الا مخلوطا بنصيب الشريك فتوقف على اذنه بخلاف بيعه من الشريك للتقدم على التسليم والتسليم نعم

اس عبارت نے واضح کر دیا کہ خلط و اختلاط کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں کے ملک میں مطلقاً امتیاز نہ ہو جس طرح وراثت کی صورت میں ہر ایک کا حصہ شایع ہے کہ یہ نہ خلط ہے نہ اختلاط اب صرف یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ غیر شریک کے ہاتھ بیع کرنے میں شریک کا ضرر ہوتا ہے اور اس صورت میں اجازت پر موقوف ہونا چاہیے تاکہ اگر ضرر ہو تو بیع کو رد کر کے ضرر سے محفوظ رہے جس طرح بناء مشترک باغراس وغیرہ کا حکم ہے اسمیں بیع اذن شریک پر موقوف ہوتی ہے اسکا یہ جواب ہے کہ یہاں شریک سے دفع ضرر ممکن ہے کیونکہ شریک لینے شرع نے عقار میں حق شفع رکھا ہے اگر وہ اپنا ضرر سمجھتا ہے تو شفعہ کر کے اجنبی سے واپس کیلئے پھر اسکی اجازت پر بیع موقوف کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ علامہ شامی کتاب السرقہ صفحہ ۳۲۶ میں فرماتے ہیں قلت دیونیدہ ان قوله الا في صورة الخلط والاختلاط استثناء من صحة البيع بلا اذن الشريك وحاصله توقف المصة على اذن الشريك وهذا لا يتأتى في الشفعة فانه اذا ادعى الشفعة فان بيع الحصة من الدار صحيح وان كان الشريك حق التملك بالشفعة فانه اذا ادعى الشفعة يملكها ملكا جديداً وان سقط ببقی ملک المشتري على حاله سواء اذن اولاً۔ در مختار کی عبارت سے یہ بھی استدلال صحیح نہیں کہ اسمیں شریک و دار مشترک سے ایک معین بیت کو بیع کرتا ہے اور معین بیت اسکی ملک نہیں کیونکہ ہر شریک قبل تقسیم جزر شائع کا مالک ہے بیت کے ہر جزر میں دونوں شریک ہیں لہذا تسلیم بیع پر قادر نہیں بخلاف اس صورت کے کہ اپنا حصہ جو دار مشترک ہے مثلاً منجملہ اتنے سهام کے بائع اس شائع کا مالک ہے اور شائع ہی کی بیع کرتا ہے لہذا یہ بیع اجنبی کے ہاتھ بھی جائز ہے جیسا کہ شامی کی پہلی عبارت میں مذکور ہے و بیع کل منها فنصيبه شائعاً جائز البته دوسری صورت میں در مختار کی عبارت یعنی او نصيبه من بیت معین مطلق ہے مگر اس سے مراد نصيب من البناء ہے جیسا کہ اسکے بعد واقعات کی عبارت کی شرح میں علامہ شامی فرماتے ہیں قوله باع احدهما نصيبه ای من البناء فقط كما هو صريح العمادية اما بيع النصيب من الدار يتامها فلا مانع من جوازه افاده لہذا صورت مسئلہ میں شریک اگر چاہے تو شفعہ کا دعویٰ کر سکتا ہے ابطال بیع کا دعویٰ بیکار ہے۔ و الله اعلم

۱۳۵۵ھ

مسئلہ :- مرسلہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سلمہ صدر مدرس سید اسلام میر ٹھکڑہ ۱۷ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ

بیع بالوفا کس صورت میں جائز ہے اور کس صورت میں ناجائز اور کس کس چیز کی ؟

الجواب :- بیع بالوفا میں علماء کے متعدد اقوال ہیں اگر اس کو بیع کہا جائے تو شرط

فاسد کی وجہ سے فاسد ہے اور واقعیت کی طرف نظر کی جائے تو رہن ہے جس سے مرہن منتفع

ہے اور یہ بھی ناجائز لہذا اسکے عدم جواز ہی کا حکم دیا جائیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب محلہ اندر کوٹ میر ٹھکڑہ ۲۵ محرم ۱۳۵۶ھ

سلم فی الحيوان جائز نہیں حدیث میں نہیں وارد ہوئی ہے سلم فی السمک الطری

کس حدیث سے ثابت ہے ؟

الجواب :- سلم فی الحيوان کے عدم جواز کی دلیل حدیث بھی ہے اور قیاس بھی دونوں

قسم کی دلیلیں ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہیں، مچھلی کا اس حکم سے استثناء نہیں ہے کہ استثناء کی دلیل

حدیث سے مانگی جائے بلکہ مچھلی ایسا مائی جانور ہے کہ پانی سے جدا ہونے کے بعد عموماً زندہ نہیں

رہتا بعض زندہ رہیں بھی تو تھوڑی دیر کیلئے۔ جب عموماً یہی ہے کہ زندہ نہیں رہتی ہیں تو سلم الیہ

نے جب تسلیم کیں تو سری ہوئی مچھلیاں اور یہ ظاہر کہ جب وہ زندہ ہی نہیں تو ان کو حیوان کیونکر

کہا جاسکتا ہے کہ حیوان میں حیاۃ ضروری چیز ہے اگر حیوان کہیں بھی تو مجازاً نہ کہ حقیقتہً لہذا معلوم

ہوگا کہ یہ سلم فی الحيوان میں داخل ہی نہیں کہ سلم فی الحيوان کی ممانعت سے یہ بھی ممنوع ہو جائے

ہاں اگر بوقت سلم زندہ مچھلیوں کی شرط ہو تو اسکو سلم فی الحيوان میں داخل کیا جائے گا اور اسے

ممنوع بھی کہا جائے گا کہ ظاہر حدیث کا مقتضی بھی ہے چنانچہ امام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں فان قيل فالسمک الطری مخصوص من عموم الحيوان فجاز فی العصفایر

قیاساً علی الثیاب بقلة التفاوت قلنا انما یتم لو شرط حیاة السمک الطری فی المسلم فیہ

ولیس کذلک بل کیفما کان حتی لو شرط ذلک کان لنا ان نمنع صحۃ السلم فیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- مسئلہ مولوی غلام جیلانی صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ ۱۲ صفر ۱۳۵۶

فتح القدیر میں فرمایا فالسمک الطری مخصوص من عموم الحیوان اس لفظ مخصوص سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ سمک طری عموم میں داخل ہے مگر کسی دوسری دلیل سے اسکا اخراج کیا گیا اور جواب سے ظاہر ہے کہ وہ داخل ہی نہیں نوجب داخل نہیں تو مخصوص ہونے کے کیا معنی ؟

الجواب :- عبارت فتح القدیر کو غور سے نہیں دیکھا ورنہ یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا یہ سمک طری کا مخصوص کرنا معترض کا قول ہے جسکا امام ابن ہمام نے جواب دیا ہے۔ عبارت یہ ہے فان قيل فالسمک الطری مخصوص من عموم الحیوان فجاز فی العصافیر قیاسا علی الثیاب بقلة التفاوت قلنا انما یتیم لو شرط حیاة السمک الطری فی السلم فیہ ولیس کذلک بل کیفما کان حتی لو شرط ذلک ان لنا ان نمنع صحۃ السلم فیہ۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ سمک طری کا مخصوص کرنا جب صحیح و تمام ہوگا کہ زندہ مچھلی مسلم فیہ قرار پائے اور سلم فی السمک میں ایسا نہیں ہوتا اور اگر یہ شرط ہو تو اس سلم کو ہم صحیح نہیں بانٹے لہذا مخصوص کہنا غلط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- مسئلہ حاجی عبدالغفور صاحب دفتر انجمن اشاعت الحق بنارس ۲ شعبان المعظم

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں "کلا تو اودھار خریدنا بلا سود کیسا ہے ؟
 (۲) کلا تو یادیکر چیزیں نقد جس حساب سے بکتی ہے اودھار دینے میں یہ ہوتا ہے ایک آنے روپیہ بڑھا دیتے ہیں ایسا لینا دینا کیسا ہے ؟

(۳) کپڑے کے خریدنے میں یہ رواج ہے کہ جس دوکان پر خرید کرتے ہیں تو ایک آنہ روپیہ آڑھٹ کا خریدار سے لیتے ہیں اور بیچنے والے سے بھی لیتے ہیں یہ پیسہ لینا دینا کیسا ہے ؟

(۴) طوائف مسلمان ہو یا ہندو کے ہاتھ مال بیچنا کیسا ہے ؟

(۵) ایک پیسہ روپیہ میں کم بیچنا یا خریدنا کیسا ہے ؟

الجواب :- (۱) کلا بتوں میں چونکہ چاندی ہی غالب ہے اور وہی مقصود ہے لہذا اسکی ادھار بیع جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) جن چیزوں کی ادھار بیع جائز ہے اگر یوں بیع ہوئی کہ نقد اس حساب سے اور ادھار اتنے کو یہ ناجائز ہے کذا فی الہدایہ اور اگر عقد میں ایک صورت متعین ہو گئی مثلاً ادھار بیع ہے اور اتنے کو تو یہ صورت جائز ہے کہ اب جہالت باقی نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اگر وہ کپڑے خود اسی دکان والے کے ہیں جب تو ثمن سے کچھ زیادہ نہیں لے سکتا اور اگر اس کے نہیں ہیں بلکہ دوسرے کے ہیں اور یہ فروخت کرتا ہے جیسا کہ سوال سے یہی ظاہر ہے تو یہ دلالی کی ایک صورت ہے اور دلالی جائز ہے جبکہ دلال کچھ کام کرتا ہو اور اپنے کام کی اجرت لیتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) طوائف کا حرام مال جبکہ معلوم ہو کہ یہ حرام ہے اسکو اپنے کسی مطالبہ سے ثمن یا اجرت وغیرہ میں نہیں لے سکتا یعنی جبکہ بیع میں حرام مال پر عقد و نقد جمع نہ ہوں تو اگرچہ یہ بیع جائز ہے مگر جب کہ یہ معلوم ہے کہ یہ مال حرام ہے تو ثمن میں لینا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) ایک روپیہ کے پونے سولہ آنے پیسے خریدنا اور بیچنا جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم

لے کلا بتو۔ چاندی یا سونے کے تار جو ریشم پر چڑھا کر بٹنے جاتے ہیں۔ مصباحی

باب القرض

مسئلہ ۱۔ مرسلہ مولوی عبدالحی سلمہ از ہلدوانی ضلع میننی تال ۱۵ صفر ۱۳۵۰ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا قرض عمرو پر ہے اور تھا اور زید کا انتقال ہو گیا
زید کے ورثہ میں کوئی نہیں ہے اس صورت میں عمرو پر کا قرآن شریف ہدیہ لیکر زید کی طرف سے
زید کے ثواب کیلئے دیدے تو قرض سے سبکدوش ہو گا یا نہیں؟ بینوا تو جردا
الجواب۔ اگر کوئی وارث نہ ہو تو یہ مال حق بیت المال ہے اور چونکہ بیت المال یہاں نہیں
لہذا فقر و فساکین پر اوسکی طرف سے تصدق کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۔ از کلکتہ ذکر کیا اسٹریٹ نمبر ۲۲ مرسلہ جناب مولوی عبدالعزیز خان صاحب
کیا حکم ہے شریعت طاہرہ کا زندگی کے بیمہ کرانے کے متعلق اس صورت پر کہ (۱) جس کمپنی سے
بیمہ کرایا جاتے اسکے تمام شرکاء غیر مسلم ہوں (۲) بیس سال تک ہر سال تین ہزار روپیہ کے ختم
سے ادا کرنا ہوگا اور بشرط زندگی بیس سال بعد جملہ اسی ہزار روپیہ کمپنی سے واپس ملے گا اور بیس سال
کے اندر موت ہو جائے تو اسوقت تک جتنا روپیہ دیا جا چکا ہے وہ سب کا سب مزید چالیس ہزار
روپیہ کے ساتھ کمپنی سے واپس ملے گا (۳) جس کمپنی سے بیمہ کرایا جائیگا اسکی مالی ذمہ دار حکومت
کناڈا ہے۔ (۴) اس کا سرمایہ انداز تیس کروڑ روپیہ ہے۔ اگر کوئی شخص برابر بیس سال تک روپیہ
ادانہ کر سکا بلکہ چند سال ادا کرنے کے بعد پھر بند کر دیا تو بیس سال کے بعد اسکو کل روپیہ جتنا کہ اس
نے دیا تھا واپس ملے گا۔

الجواب :- یہ بیمہ ظاہر اس کمپنی کے پاس روپیہ امانت کے طور پر دینا معلوم ہوتا ہے، مگر چونکہ کمپنی سے اسکا مطالبہ ہر وقت نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ مدت پوری ہونے کے بعد مطالبہ ہوگا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ کمپنی اس روپیہ کو تجارت وغیرہ میں لگائیگی۔ لہذا اسکو امانت نہیں بلکہ قرض سمجھنا چاہیے کہ کمپنی قرض لیتی ہے۔ اور ادا کرنے کی ایک میعاد مقرر کرتی ہے۔ اور اس میعاد کے پورے ہونے پر کل روپیہ مع اضافہ دیتی ہے۔ اور اتنا سا میعاد میں مارجانے پر بھی جو کچھ اس نے دیا ہے کمپنی وہ کل رقم مع شئی زائد دیگی۔ یہ اس بیمہ کا خلاصہ ہے۔

رہا اس کے متعلق حکم شرع وہ یہ ہے کہ اگر بیمہ کرانے والے نے اپنی طرف سے زائد لینے کی شرط نہیں کی ہے، اور کمپنی اپنی طرف سے زائد دیتی ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کے روپیہ سے بین نے بہت منفعت حاصل کی ہے، لہذا اپنی طرف سے کچھ زیادہ دینا چاہیے تو یہ لینا دینا جائز ہے۔ اور اسکو سود سے علاقہ نہیں۔ کہ سود اس زیادہ کو کہتے ہیں جو عقد میں مذکور مشروط ہو اور اگر مستقرض مقرض کو بلا شرط دے تو جائز و مباح ہے۔ حدیث صحیح میں ارشاد فرمایا۔ خیارکم احسنکم قضاء۔ اور یہ اس وقت فرمایا کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اوٹ قرض دیا تھا جب ادا کا وقت آیا تو صحابہ سے فرمایا کہ اسکو اوٹ دیدیا جائے۔ لوگوں عرض کی جیسا اسکا اوٹ تھا ویسا موجود نہیں ہے۔ اس سے بہتر ہے۔ فرمایا وہی دیدو چھاپا ہے۔ کہ اچھا دینا اچھے لوگوں کا کام ہے۔ تو اگرچہ یہاں زیادت موجود ہے مگر چونکہ عقد میں مشروط نہ تھی لہذا جائز ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے۔ کان فی علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین فقضانی و نہ ادنی۔ اس محل بھی وہی ہے کہ یہ زیادت غیر مشروط تھی۔ اور اگر زیادت مشروط ہو کہ دیتے وقت یہ کہہ دیا ہو کہ اتنی مدت کے بعد اصل رقم پر اتنا زیادہ لینگے۔ اور اس بیمہ کی صورت میں ظاہر یہی ہے اور اگر شرط نہ بھی کرے مگر چونکہ کمپنی نے یہ طے کر رکھا ہے اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہے۔ لہذا المعروف کا مشروط کے تحت میں داخل ہو کر اسے بھی مشروط کا حکم ہوگا۔ اس صورت میں اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سود ہوگا۔ کہ حدیث میں ارشاد فرمایا

کل قرض جس منفعۃ فہم و سرا ہوا۔ مگر چونکہ یہ مابین المسلمین نہیں اور نہ مابین المسلم و اہل الذمہ ہے۔ بلکہ ان نصاریٰ کے ساتھ ہے جنکو بادشاہ اسلام نے امان نہیں دیا ہے۔ لہذا یہ سود نہیں کہ ایسے لوگوں کا مال اگر مسلمان کو عقد فاسد کے ذریعہ سے مل جائے تو لینا جائز ہے اور یہ سود میں داخل نہیں۔ علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں شرط الربا عصۃ البدلین۔ اس صورت میں جبکہ وہ اپنا مال اپنی خوشی سے دیتے ہیں تو حرج بھی لیا جائے جائز ہے۔ اس میں اصلانہ قباحت ہے نہ یہ سود و المختار میں سیر کبیر اور اسکی شرح سے منقول ہے۔ اذا دخل المسلم دار الحرب یا من فلا بأس باذنہ۔ اخذہ منہم املاہم بطیب انفسہم بای وجہ کان۔ اور یہ امر کہ دار الحرب میں ایسا جائز ہے۔ دارالاسلام میں ایسا نہیں۔ ہم نے اپنے فتاویٰ میں ثابت کیا ہے کہ مدار امان و عہد ہے۔ اور جبکہ دارالاسلام میں کفار معاہدہ ہوں تو انکا مال انکی خوشی سے لینے میں مضائقہ نہیں۔

خصوصاً اس صورت منقولہ میں کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمپنی حکومت ہندوستان سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ ایسی جگہ کی یہ کمپنی ہے جو دارالاسلام نہیں تو اس سے زیادت کا لینا جائز ہے۔ اور اسے سود سے تعلق نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ہندوستان میں بیمہ زندگی میں ایک اہم اور خطرناک شرط یہ لگادی گئی ہے کہ بیمہ دار کے تین سال کی تمام قسطیں بیمہ کمپنی کی قرارداد کے مطابق جمع کرنی ضروری ہیں۔ اگر کسی وجہ سے کچھ قسطیں جمع ہونے سے رہ گئیں تو اسے ایک میعاد پھردی جاتی ہے۔ لیکن اگر یہ تو سیمی میعاد بھی گزر گئی اور بیمہ دار باقی ماندہ قسطیں جمع کرنے سے قاصر رہا۔ تو اس کا کھانا بند کر کے اسکی تمام جمع شدہ رقم ضبط کر لی جاتی ہے۔ جو بیمہ کمپنی کی ملک ہو جاتی ہے اس شرط کی وجہ سے شرعاً عقد بیمہ کی اجازت ہر شخص کو نہیں دی جاسکتی۔ بلکہ اس کے جواز یا عدم جواز کے فیصلہ کیلئے اس پہلو کو سامنے رکھنا ہوگا کہ بیمہ دار کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟ اور اس کے اخراجات کتنے ہیں؟ اور رقم کی بچت کتنی ہے؟ اگر بیمہ دار کی شرح آمدنی اس کے اخراجات سے زیادہ ہے مثلاً وہ تنخواہ دار

مسئلہ:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کے پاس روپیے رکھے تھے اور عمرو کو اختیار دیا تھا کہ تم ان روپیوں کو اپنے کام میں خرچ کر سکتے ہو۔ عمرو نے کہا کہ بہت اچھا جس وقت تمکو روپیوں کی ضرورت ہو اگرے تو آٹھ دس روز پہلے سے خبر دیا کر تو میں روپیہ تیار کر کے دیا کرونگا۔ اسی طرح سے زید اور عمرو کے درمیان یہی معاملہ رہا۔

ایک مرتبہ زید نے عمرو کے پاس روپیے رکھے تھے کہ عمرو نے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اپنے مکان میں چوری ہونے کا واقعہ ظاہر کیا۔ اور زید سے کہنے لگا کہ تم مت گھبرانا تمہارا جب ضرورت پڑے تو میرے سے کہہ دیا کر نا میں روپیہ دیا کرونگا۔ چنانچہ زید نے تھوڑے تھوڑے کر کے دو مرتبہ روپیہ عمرو سے مانگے اور عمرو نے دیدیئے۔ لیکن زیادہ رقم زید کا عمرو کے ذمہ باقی رہا۔ مگر ساتھ ہی زید نے عمرو کے پاس روپیہ رکھنا چھوڑ دیا۔ اب باقی ماندہ رقم جب زید نے عمرو سے طلب کی تو عمرو نے روپیے دینے سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ وہ رقم جس کا سطور بالا میں ذکر ہو چکا، امانت تھی، اس کا دنیا کچھ کو لازم نہیں ہے، تو جواب طلب یہ امر ہے کہ صورت بالا مذکورہ میں زید کا رقم یعنی روپیہ جو عمرو کے پاس تھے بطور امانت ہوئے یا قرض۔ اور کس صورت میں عمرو کو امتحان دینا لازم ہے اور کس میں نہیں۔ کتاب کے حوالے سے جواب عنایت فرمادیا جائے ؟

حاشیہ بقیہ ص ۲۰۱ کا

لازم ہے کہ ہر ماہ ضروری اخراجات کے علاوہ معتد بہ رقم پس انداز کر لیتا ہے۔ یا تاجر وغیرہ ہے کہ اپنی آمدنی سے خطیر رقم بچالیا کرتا ہے۔ جس کی بنا پر بیمہ شدہ رقم کی کم از کم مدت مقررہ یا موسعہ تک قسط وار ادائیگی کا اسے ظن غالب ہو۔ تو ایسے شخص کو شرعیہ اجازت ہوگی کہ وہ زندگی بیمہ کرائے۔ کیونکہ اس صورت میں بیمہ دار کو ایسی کمپنی سے جو حکومت کے زیر انتظام ہے نفع کا حصول منظون بہ ظن غالب ہوگا۔ اور حکومت کفار کی ہے۔ لہذا ایسے شخص کیلئے زندگی بیمہ کرنا ناجائز ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہے جسے اپنی آمدنی پر ظن غالب نہیں کہ ہم قسطیں وقت پر ادا کر سکیں گے تو اسے اجازت نہیں کہ اسمیں مسلمان کے مال کی تفسیع ہے بلکہ بالقصد کافر کو ایضا مال دینا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ آل مصطفیٰ مصباحی

الجواب :- جب زید نے عمرو سے کہہ دیا کہ خرچ کر سکتے ہو تو اب یہ رقم امانت و ودیعت نہیں کہ ودیعت کا بعینہ واپس اور رد کرنا واجب ہے۔ بلکہ یہ قرض ہے جو مثل کے ساتھ ادا کیا جائیگا۔ اور واجب فی الذمہ ہوگا۔ لہذا صورت مذکورہ میں اس رقم کا مالک عمرو ہے اور اسی عمر کو مال ہلاک ہوا زید کو اس سے تعلق نہیں زید کے جتنے روپے عمرو پر ہیں وہ واجب الادا ہیں یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ عمرو نے زید سے کب مانگا تھا جو قرض قرار دیا جائے کہ قرض کیلئے یہ ضرور نہیں کہ مستقرض طلب کرے اور اپنی ضرورت سے مانگے بلکہ بغیر طلب مستقرض کے بھی قرض ہو سکتا ہے اور بطور خود بھی دوسرے کو قرض دیا جاسکتا ہے۔ فقہانے سفتجہ کو قرض ہی میں شمار کیا ہے۔ ہدایہ وغیرہ عامہ کتب میں اسکا قرض ہونا مصرح ہے حالانکہ یہ مقرض اپنی غرض اور فائدے کے لئے دیتا ہے اور بغیر مانگے خود دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ عبداللہ حی از پالی مار وار ۸ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ یوم شنبہ ایک شخص نے اپنا زیور بنئے کے یہاں سود پر گرور رکھا دوسرا شخص مسلمان اس کے روپیہ دیگر زیور چھڑا لاکر زیور والے کو زیور دیتا۔ اب یہ زیور چھڑانے والا اپنا روپیہ زکوٰۃ میں وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ جواب غایت فرمائیں؟ اللہ اجر دے گا

الجواب :- جس نے زیور چھڑایا ہے اگر مالک زیور نے اس کو چھڑانے کے لئے کہا تھا تو اس شخص نے جتنا روپیہ ادا کیا ہے زیور کے مالک سے وصول کر سکتا ہے اور اگر بغیر اس کے حکم کے اس نے اسکا قرض ادا کر کے زیور چھڑایا تو قرض کے ادا کرنے میں متبرع ہوا اب زیور والے سے اس روپیہ کو وصول بھی نہیں کر سکتا اور زکوٰۃ دونوں صورتوں میں سے کسی میں ادا نہیں ہوگی بلکہ اگر زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے تو زکوٰۃ کا روپیہ زیور کے مالک کو بطور ملک دیدے اگر وہ مالک نصاب نہ ہو اور زکوٰۃ کی نیت کرے اب وہ شخص اس روپے سے اپنا زیور چھڑانے تو اس صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور وہ زیور بھی رہن سے چھوٹ جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب الرابع

مسئلہ :- مسئلہ فضل الرشید خان محلہ فراشی ٹولہ بریلی ۲۹ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ زید کہتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان ایک کافر یعنی ہندو سے سودے سکتا ہے اور اس کو سود پر روپیہ دے سکتا ہے، کیا زید کا یہ خیال صحیح ہے ؟

الجواب :- سود لینا دینا حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ احل اللہ البیع وحرم الربوا حدیث میں ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموكله وکاتبه و شاهدیه قال وہم سواء علی سود بہر حال حرام ہے مسلمان سے لیا جائے یا کافر سے۔ ہندوستان میں ہو یا عرب میں ہاں اگر نہ سود کہا جائے نہ سود کی نیت ہو۔ بلکہ ایک مباح مال سمجھ کر لیتا ہو کہ کافر حربی کا مال مسلمان کیلئے مباح ہے جب تک غدر یعنی عہد شکنی نہ ہو تو اس میں حرج نہیں۔ مثلاً ہندو کو سو روپے دے اور ٹھہر لیا کہ سال بھر پر سوا سو لونگا۔ ردالمحتار میں ہے فی کافی الحاکم وان بايعهم الدرهم بالدرهمين نقداً او نسيئة فلا بأس بذلك لان له ان ياخذ اموالهم برفقائهم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ حافظ نبی از نبی تال یکم ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو کچھ روپیہ تجارت کرنے کو دیا اور زید نے اپنی تجارت میں شرکت بھی قائم رکھی، اب زید اپنے روپیہ کے ذریعہ سے بکر کے ذمہ خوراک کھاتا ہے، اور بکر اپنی خوشی سے کھلاتا ہے اور بکر ہر طرح کی خدمت کرتا ہے اور جو وقت زید بکر سے روپیہ لیگا ایک حبہ خوراک کا اپنی جمع میں سے مجرانہ دیگا۔ اب زید نے بکر سے روپیہ لے لیا بکر نے خوراک کھلانا۔ اور خدمت کرنا پھوڑ دی۔ اس صورت میں زید نے

جو خوراک کھائی ہے، اور خدمت کرائی سود تو نہیں ہوا۔ بینوا تو جردا
الجواب: جب زید خوراک کا روپیہ مجرانہ دیگا۔ محض اس وجہ سے کھانا ہے کہ اس کا روپیہ
 بکرے کے پاس ہے تو یہ کھانا جائز ہے اور سود کہ قرض کے ذریعہ سے یہ نفع حاصل کرتا ہے
 اور جب قرض سے کسی قسم کا نفع حاصل کیا ہے تو سود ہے، حدیث میں ہے کہ قرض جو منفعۃ فہو، با۔ والله تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ رشید الدین احمد ضلع نرسنگھ پوری۔ پی ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان شخص
 کا کچھ روپیہ کسی ہندو مہاجن کے یہاں بطور امانت (بنک کے طریقہ پر) رکھا ہے اور مہاجن اس زکوٰۃ
 پر اپنے قاعدہ کے موافق سود دیتا ہے، کیا مسلمانوں کو اس مہاجن سے سود لینا جائز ہے، نیز
 جو بینک گورنمنٹ کی طرف سے پوسٹ آفس میں ہوتے ہیں (سیونگ بینک) اور عام بینکوں سے
 اس میں شرح سود کم ہے۔ اس سے سود لینے کا کیا حکم ہے اور کسی دوسرے بینک کے جو گورنمنٹ
 سے تعلق نہ رکھتے کیا مسلمان ان سے سود لے سکتا ہے در صورت عدم جواز کوئی صورت حلیہ شرعی
 ہندوستان میں نفع حاصل کرنے کیلئے ہو سکتا ہے۔ جس سے وہاں سود لازم نہ آئے؟ بینوا
 بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب:۔ سود حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرم الربوا۔ ہاں کفار غیر ذمی سے جو مال
 بغیر غدر حاصل ہو وہ حلال ہے، اور وہ سود نہیں، اگرچہ وہ کافر سود کہہ کر دیتا ہو مگر اس لینے
 والے کو چاہئے کہ اسے سود نہ سمجھے کہ سود کیلئے مال معصوم شرط ہے، طحاوی علی الدرر میں ہے
 شرط الربا عضة البدلین جمیعاً۔ اور انکے اموال مباح، ہدایہ و فتح القدیر وغنائہ و جامع
 الرموز و جوہرہ نیزہ و بحر الرائق و در مختار وغیرہ عامہ اسفار میں ہے لان ما لہم مباح فی دارہم واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ:۔ مسئلہ محمد عطاء اللہ وار د حال بریلی محلہ گلاب نگر کوٹھی سوار منزل مفت بخشہ ابراہیم حسین صاحب ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ
 علمائے دین و مفتیان شرع متین سے فتویٰ طلب ہے اس بارہ میں کہ زید مدرس
 سرکاری انگریزی میں مدرس تھا۔ اسکی تنخواہ سے آنے فی روپیہ وضع ہوا کرتا تھا اور آدھ آنہ فی روپیہ
 لے لے طحاوی علی الدرر ج ۳ ص ۱۱۲ باب الربا۔ لے ہدایہ ج ۲ ص ۱۸۶ باب الربا۔ مصباحی

کے حساب سے خود سرکار دیتی تھی۔ اس طرح ڈھیر آہ آہ فی روپیہ تنخواہ پر ہر ماہ میں جمع ہوتا رہتا تھا۔ اس مدت کا نام فنڈ تھا۔ دوران ملازمت تا انفکاک ملازمت وہ اس کے واپس لینے کا مجاز نہ تھا۔ آخر سال میں اس روپیہ کا کچھ سود بھی جیسا کہ بینک کا معمول ہے اصل روپیہ میں شامل کر دیا جاتا تھا۔ ۱۹۰۷ء سے یہ قاعدہ بطور پنشن جاری کیا گیا ۱۹۲۳ء میں اختتام ملازمت پر بجائے پنشن انیس سال کے بعد یہ کل رقم مع سود نامیدہ کو حوالہ کر دی گئی۔ اس دوران میں یہ رقم چند مرتبہ حد نصاب زکوٰۃ کو بھی پہنچ چکی ہے اب اموات ذیل قابل استفسار و استفسار ہیں۔

۱۔ موجودہ صورت میں جو روپیہ نوٹوں میں سرکار سے ملا ہے اور سود بھی اسکے ساتھ ہے تو اس سود کا لینا جائز ہے یا نہیں جبکہ زید نے سود لینے سے انکار بھی کر دیا تھا کیا جمع شدہ روپیہ جو زیادہ روپیہ دیا گیا ہے وہ سود کی حد میں داخل ہے ؟

۲۔ اگر یہ زیادتی سود ہے تو اس کو کیا کیا جائے ؟ واپس یا خیرات ؟

۳۔ انیس سال کی زکوٰۃ دینی چاہیے یا صرف سال حال کی جبکہ روپیہ وصول ہوا ہے اور سود کی رقم پر زکوٰۃ دی جائے یا اصل رقم پر صرف ؟

۴۔ یہ روپیہ نوٹوں میں ملا ہے تا وقتیکہ تقری سکہ سے تبدیل نہ ہوں نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟

۵۔ کسی غریب سید یا بیوہ سیدہ کو جبکہ وہ سخت اہل ضرورت ہوں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے ؟

۶۔ اس روپیہ سے حج ہو سکتا ہے ؟

الجواب ۱۔ وہ روپیہ کہ بینک یا گورنمنٹ سے سود کھڑکے دیئے انکا لینا جائز ہے۔

کہ یہ سود نہیں سود اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عقد میں مشروط ہو اور اگر عقد میں شرط نہ ہو وقت ادا کچھ زیادہ دیا تو یہ سود نہیں، اور صورت مسئلہ میں زید نے روپیہ دیتے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ اتنا زائد لونگا بلکہ زید نے دوسرے سے بطور خود یہ روپیہ جمع کیا بھی نہ تھا بلکہ گورنمنٹ ایک آن فی روپیہ اسکی تنخواہ کا ٹکڑ جمع کرتی رہی، اب بینک کے سود کھدینے سے سود نہیں ہو جائے گا ملتے الا بحر میں ہے ہو فضل مال خال عن غرض شرط

لاحد العاقدین^۱۔ تنویر الابصار میں ہے ہو فضل خال من عوض بمعیار شرعی مشروط
 لاحد العاقدین^۲۔ ہاں اسکا خیال رکھے کہ لیتے وقت یہ نیت سود نہ لے کہ سود سمجھ کر لینا
 گویا اپنے طور پر حرام لینا ہے، اور خلاف شرع کرنا ہے اگرچہ یہ نیت مال کو حرام نہ کر لگی مگر یہ فعل حرام
 ہوگا۔ بلکہ اس نیت سے لینا چاہئے کہ ایک شخص اپنی خوشی سے اپنا مال دے رہا ہے۔ مجھے اسکا
 لینا مباح ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ یہ زیادتی مشروط نہیں مگر چونکہ یہ معروف و مشہور ہے
 لہذا حکماً مشروط کہ المعروف کا مشروط اور اس نے اگرچہ خود نہیں دیا گورنمنٹ نے دیا ہے عقد
 وکیل موکل کیلئے ہوتا ہے اور فضولی کا عقد قبول مالک پر موقوف ہوتا ہے، تو عاقہ حقیقتہً زید
 ہی ہوا مجمع الانہر میں ہے عقد الوکیل عقد للموکل وعقد الفضولی يتوقف على قبول
 المالك فیصير العاقد حقيقةً الموکل او المالك۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اگر مسلمان کا بانک
 ہو اور اسکے یہاں سودینا معروف ہو تو یہ ہو سکتا ہے مگر یہاں کے کفار سے جو اموال ان کی
 خوشی سے ملیں وہ مطلقاً جائز ہیں، اور سود نہیں لان شرط الربا عممة البدلین کا
 فی الطحطاوی وما لهم غیر معصوم جوہرہ تیرہ میں ہے اذا اخذه على هذا الوجه
 بطبيعة نفسه كان اولى بالجواز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۔ زکاة ایس سال کی دینی ہوگی، جبکہ وہ اس وقت سے مالک نصاب ہو۔ اور سال
 گزر چکا ہو ورنہ جب سے مالک نصاب ہو کر ایک سال پورا ہو گیا ہو ہر سال کی زکاة دے، مگر
 سال اول میں جتنا روپیہ تھا اتنے ہی کی زکاة واجب ہے، یہ نہیں کہ جتنا وصول ہوا، بسبکی
 زکاة ہر سال دی جائے یو ہیں سال دوم میں دو سال کے جتنے روپیے ہوئے، انکی زکاة دے
 بلکہ سال اول زکاة کی رقم نکال کر اب جو کچھ باقی بچے، اگر نصاب یا نصاب ثانی کا یا پانچواں حصہ ہے
 تو چالیسواں حصہ زکاة دے اور اگر نصاب ثانی کے خمس سے کم ہو تو صرف نصاب اول کی زکاة،

اور وہ زیادتی کہ خمس سے کم ہے معاف ہے، مثلاً سال اول میں وہ رقم دو سو درہم تھی اور دوسرے سال چار سو تو پہلے سال کی زکاة پانچ درہم ہوتی دوسرے سال میں اس رقم کے نکالنے کے بعد پانچ کم چار سو ہوئے تو صرف تین سو ساٹھ درہم کی زکاة ہوئی کہ ۳۵ درہم خمس نصاب سے کم ہے، و علیٰ ہذا القیاس ہر سال کا حساب کر لیں اور زکاة صرف اس رقم پر ہے جو اسکی تنخواہ ہے ایک آنہ روپیہ کٹ کر جمع ہوتا گیا باقی آدھ آنہ فی روپیہ جو گورنمنٹ جمع کرتی رہی، اور وہ رقم کہ بنک نے سود کھردی انکی زکاة واجب نہیں کہ یہ رقیں وصول ہونے سے قبل اسکی ملک ہی نہیں، ہاں اب وصول ہونیکے بعد جب اور اموال کا سال پورا ہوگا تو ان کے ساتھ انکی بھی زکاة دیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ نوٹ حکم میں پیسوں کے ہیں کہ پیدائشی ثمن نہیں مگر عرف نے انھیں ثمن قرار دے رکھا ہے، لہذا نوٹ پر بھی زکاة واجب ہے سونے یا چاندی سے بدلنے کی کچھ ضرورت نہیں، اور ادائے زکاة کے وقت وہی قیمت لگائی جائیگی جس قیمت کا کہلاتا ہے، واللہ اعلم

۵ سادات کرام کو نہ زکاة دینا جائز نہ انکا لینا جائز اور ان کو دینے سے زکاة ادا نہوگی۔ حدیث میں فرمایا۔ انما الصدقات اوساخ الناس لا تعل محمد ولا آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ فقیر کو دیں، پھر وہ فقیر اپنی طرف سے سید یا سیدہ کی نذر کرے۔ اگرچہ بیشتر اس فقیر سے یہ تذکرہ ہو چکا ہو۔ کذا فی الدر المختار واللہ تعالیٰ اعلم

۶ جب یہ رقم جائز ہے تو اس سے حج بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- مسئلہ محمد امین محلہ بھٹور متصل دیوان خانہ ضلع بریلی، اردی الحجہ ۱۳۱۰ء کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس عمر دے اور یہ کہے کہ میرے پاس بیس روپیہ کے نوٹ ہیں اسکے مجھکو روپیہ دیدو۔ زید اس سے یوں کہے کہ میں سمجھکو دو آنہ کم بیس روپیہ دوں گا۔ تیرا جی چاہے سمجھکو ضرورت ہو تو دو آنہ کم بیس روپیہ لیجا اور بڑے کا

زید و عمرو کے درمیان لفظ نہ آئے۔ عمرو رضامند ہو کر زید سے دو آنہ کم پیش روپیہ لے لئے اور زید اسکو دے دیے۔ زید اس پیسہ کو اپنے صرف میں لاوے۔ تو اس صورت سے اس کو لینا جائز ہے یا نہیں۔ اور زید کو بھی ایسا ہی موقعہ درپیش آوے اور زید عمرو کو چار آنہ یا آٹھ آنہ کم دیدے تو زید کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- نوٹ کو کم و بیش پر خریدنا بیجا جائز ہے۔ مثلاً دس کا نوٹ آٹھ روپے یا بارہ میں بیجا کچھ حرج نہیں، اور اگر دس کا نوٹ قرض دیا ہے تو پیسہ ادھر دس روپے لینا بھی جائز نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ محمد امین محلہ بھوڑ ضلع بریلی ۱۷ ار ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخص مسلمان کہ جنکا نام کڑے و پیر بخش ہے۔ یہ دونوں آدمی سود کھاتے ہیں۔ علانیہ طور سے اور بڈھا فقیری مسماۃ نصیبین سلار بخش یہ سب لوگ بھی سود کھاتے ہیں۔ انکو برادری میں رکھنا سلام کلام کرنا ایک جگہ ان کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جوان شخصوں کا شریک ہو اس کے واسطے شرع شریف سے کیا حکم ہے؟

الجواب :- سود لینا حرام، حرام شد حرام ہے۔ حدیث میں ہے الربا سبعون جزءا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ۔ سود ستر گناہ ہے ان سب میں ہلکا یہ کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے باقی اُنہتر اس سے بھی بدتر ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ان سب لوگوں پر توبہ فرض ہے اگر توبہ کر کے اپنی اس ناپاک حرکت سے باز نہ آئیں تو مسلمان ان سے مقاطعہ کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ حاجی نعمت علی حنا ضلع مظفر پور ڈاکخانہ رائے پور ساکن پنڈول ۱۴ صفر ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ کسی شخص نے سود پر روپیہ لیا یا غلہ لیا

پھر ادا کرتے وقت اصل دیا اور سود نہ دیا تو اس پر مواخذہ شرعی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اگر بلا ضرورت شرعیہ سود پر روپیہ یا غلہ لیا تو یہ عقد ربا بہر حال حرام ہے اور سود دیا تو یہ دوسرا حرام ہوا۔ اگر ادا کرتے وقت سود نہ دیا جب بھی انشاء عقد حرام کا گناہ

تو اسکے ذمہ رہا۔ اس سے توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ آفتاب الدین طالب العلم مدرسہ اہلسنت و جماعت بریلی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ء
کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کفار کے مال حیلہ

و بہانہ سے اپنی عزت بچا کر لینا جائز ہے یا نہیں مع دلائل ارشاد فرمائیے ؟

الجواب :- کافر حربی کا مال مباح ہے۔ یعنی عہد شکنی نہ ہو۔ کہ غدر حرام ہے۔ اور وہ صورت بھی جائز نہیں کہ ذلت کا سامنا ہو۔ کہ مسلمان کو عزت کا تحفظ نہایت ضروری ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ منشی عبدالعزیز خان صاحب از کلکتہ ذکر یا اسٹریٹ ۲۲

بینک میں جو روپیہ رکھا جاتا ہے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- سود حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وحوم الربوا۔ ہاں اگر سود سمجھ کر نہ لیں بلکہ یہ کہ کافر اپنی خوشی سے اپنا مال دیتا ہے اگر بینک والا سود ہی کہتا ہے مگر یہ نہ کہے نہ سود سمجھے تو اس نیت کے ساتھ لینے میں اصلاً مضائقہ نہیں کہ بیناہ فی قوادینا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ محمد عبدالقادر محلہ ملوکپور بریلی ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محکو ڈیڑھ سو روپیہ کی ضرورت ہے اور دائن بھی مسلمان ہے سود سے بچے کیواسطے شرعی طور سے روپیہ دین اور منافع بھی اٹھادیں ؟

الجواب :- اگر سود کے لین دین سے بچنا چاہیں تو دائن کو چاہئے کہ روپے بطور قرض بلا شرط دیدے اور مدیون دائن کے پاس کوئی چیز قینچی چا تو وغیرہ رکھ دے اور یہ کہہ دے کہ

اسکی حفاظت کا معاوضہ اتنا ماہوار دیا کریگا یوں ہر ایک سود سے بچ گیا اور دائن کو نفع بھی مل گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱: مسئلہ مولوی شفا الرحمن طالب علم مدرسہ اہلسنت بریلی ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ کوئی غریب بحالت
مجبوری مہاجن سے کچھ غلہ یا روپیہ سود پر لیکر دفع ضرورت کیا اور یہ باظاہر ہے کہ اس زمانہ میں
بلا سود کے نہ مسلمان ٹکاپیہ دینے والے ہیں نہ ہندویہ کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟

مسئلہ ۱۲: مضمون حدیث کا سود کے کھانے والے دینے والے کتابت کرنیوالے وکالت
کرنیوالے شہادت دینے والے سب پر وعید شدید بتلا رہا ہے پھر اس زمانے میں کوئی کھاتا ہے
کوئی کھلاتا ہے کوئی گواہی کرتا ہے کوئی کتابت کرتا ہے شاید ہی کوئی اس سے بچا ہو پھر عمل کی
کیا صورت ہوگی ؟ بینوا تو جروا

الجواب (۱): اگر واقعی ضرورت ہو تو لے سکتے ہیں۔ الضرورات تبیح المحذورات مگر شادی
عنی کی بیجار سمیں یا جائداد خریدنے یا تجارت بڑھانے کیلئے سود پر روپے لینا جائز نہیں
کہ یہ کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) عمل اس پر کرے جو اللہ و رسول کا حکم ہے نہ اس پر جو شیطان اسے تعلیم دے جو بچنا
چاہے اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے۔ مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ
حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ اور خود مبتلا ہونا چاہے تو وہ غنی عن الغلین ہے لوگ بلا وجہ حرام کو ترک
نکریں تو وہ خود گنہگار ہونگے وہ حرام حلال نہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳: از کوہا پورہ ملک مارواڑ ڈاکخانہ گڑیا مرسلہ پیر زادہ سید مولا بخش
صاحب ۳ رذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

ایک شخص نے دوسرے شخص کو روپیہ دیا اور وعدہ یہ کیا کہ جب تک تم روپیہ ادا
نہیں کرو گے جب تک ہمارا فلاں کام کرنا ہوگا ہمارے روپے کا بیاج نہیں یعنی سود اور
تمہارے کام کی مزدوری نہیں یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قرض دیکر یہ ٹھہرا لینا کہ جب تک ادا نہ کرے میرا کام کرنا ہو گا یہ سود ہو کہ یہ کام اسی روپیہ کے نفع میں لے رہا ہے اور سکا یہ کہنا کہ سود نہ لیکنا مہمل ہے آخر یہ کام کس چیز کے عوض میں لیتا ہے حدیث میں ہے کل قرض جرم منفعة فهو سوا قرض کے ذریعہ سے جو نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از در گاہ کھیلٹی اجیر شریف۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سرکار گورنمنٹ ہند نے جنگ کے وقت امداد کیلئے قرضہ مبلغ دو ہزار روپیہ خزانہ درگاہ شریف سے لیا وہ رقم تو بدستور موجود ہے اور اس میں کچھ کمی نہیں لیکن علاوہ اصلی رقم قرضہ کے کچھ زائد روپیہ اضافہ ہو کر وہ رقم اضافہ کیسا تھ درگاہ شریف میں آیا کرتی ہے اور وہ خزانہ درگاہ شریف میں شامل ہو کر استعمال میں لائی جاتی ہے تو ایسا روپیہ شرعاً داخل سود ہے یا نہیں؟ بینا تو جروا۔

الجواب :- سود کیلئے یہ ضرور ہے کہ قرضہ دیتے وقت مقرض نے مستقرض سے ٹھہرا لیا ہو کہ جتنا دیا جاتا ہے اس سے زائد لیا جائے گا۔ اور اگر اس وقت ایسا نہ ہوا اور مستقرض نے بطور خود یہ سمجھ کر کہ اس نے ہماری ضرورت کے وقت رقم دیکر ہمارا کام چلا دیا۔ یا اس کو صاحب حاجت جان کر یا کسی دیگر وجہ سے کچھ زائد دیا تو یہ ربوا نہیں۔ نہ اس پر ربوا کی تعزیر صادق۔ ربوا اگرچہ لغتاً مطلقاً زیادت کو کہتے ہیں۔ مگر شرعاً ہر زیادت نہ ربوا، نہ حرام، بلکہ ایک خاص قسم کی زیادتی کو کہتے ہیں۔ اور اس کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں۔ کہ اگر وہ مستحق نہ ہوں تو شرعاً ربوا نہیں۔ مثلاً عدیات میں ایک اخروٹ کو دو اخروٹ کے بدلے میں بیچا ربوا نہیں۔ اگرچہ زیادتی ایک جانب میں موجود ہے۔ یا ایک لپ گہیوں دو لپ کے بدلے میں بیچے یہ بھی سود نہیں یا ایک معین پیسہ کو دو معین پیسوں کے بدلہ میں خریدا مثلاً یوں کہا کہ اس پیسہ کے بدلے میں وہ روپیہ خریدے یہ بھی سود نہیں۔ ہدایہ وغیرہ عامہ کتب میں ہے

ويعجز بيع البیضة بالبیضتين والتمرة بالتمرتين والجوزة بالجوزتين لانعدام المعیار

فلا یتحقق الربوا ویجوز بیع الفلوس بالفلسین یا عیالہ نہما۔ باوجودیکہ ان صورتوں میں عقد معاوضہ یقیناً ہے۔ اور ایک طرف زیادت بھی یقیناً موجود ہے۔ بلکہ وہ زیادت عقد میں یقیناً داخل ہے پھر بھی جائز ہے۔ اور سود نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ شرع مطہر نے اس کے تحقق کیلئے کوئی خاص معیار قرار دے رکھا ہے۔ کہ اسی صورت میں ربوا ہوگا۔ اور حرمت کا حکم دیا جائیگا لہذا پہلے اسکی شرعی تعریف بیان کی جاتی ہے اسی سے معلوم ہو جائے گا کہ صورت متفقہ اس حد کے اندر داخل ہے یا نہیں۔ اور حکم بھی وہیں سے واضح ہو جائے گا۔

در مختار میں ہے۔ ہولغۃ مطلق الزیادۃ وشرعاً افضل خال عن عوض معیار شرعی وھو الکیل والوزن مشروط ذلک الفضل لاخذ المتعاقدين فی المعاوضۃ یعنی عقد معاوضہ میں احد المتعاقدين کیلئے جو زیادت کی ایسی ہو کہ اس کے مقابل میں دوسری جانب عوض نہ ہو اور اس کیلئے کوئی شرعی معیار بھی یعنی ناپ یا تول ہو تو سود ہے۔ جب ان سب قیدوں کا تحقق ہوگا اسی وقت سود کہہ سکتے ہیں، ورنہ نہیں، لہذا مقرض نے قرض دیتے وقت اگر زیادت کا ذکر نہ کیا تو عقد میں زیادت متحقق نہ ہوئی، اور سود نہ ہوا اگرچہ مستقرض نے بطور خود وہ چیز دے دیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل اور ارشاد سے بھی اسکا جواز ثابت۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ کان لی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دین فقضانی و زادنی۔ میرا کچھ قرضہ حضور کے ذمہ تھا حضور نے اسے ادا فرمایا اور زیادہ دیا۔ رواہ ابو داؤد۔ شیخ محقق محدث دہلوی فرماتے ہیں لم یکن الزیادۃ مشروطۃ فی ملب العقد یہ زیادت نفس عقد میں مشروط نہ تھی لہذا جائز ہے۔ البوراف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص سے اونٹ قرض لیا تھا جب حضور کے پاس اونٹ آگئے مجھے حکم فرمایا کہ اس کے قرض کا اونٹ ادا کروں

میں نے عرض کیا ان میں سب اونٹ انکے اونٹ سے بہتر ہیں ارشاد فرمایا یہی دے دو
 فان خیر الناس احسنهم قضاء رواہ مسلم البتہ یہ زیادتی جو مدیون نے دی اور نفس عقد
 میں نہ تھی اگر حد شہرت کو پہنچی ہو کہ مدیون جس سے لیتا ہے اسے علاوہ دین کے بھی کچھ ضرور
 دیتا ہے۔ تو ظاہر یہی ہے کہ اس نے جو اسے دیا یہی سمجھ کر دیا کہ زیادہ ملیگا تو اگرچہ ایسی زیادتی
 کا عقد میں ذکر نہ ہوا مگر المعروف کامل شرط کے تحت میں داخل ہو کر ناجائز ہوگی کہ کل
 قرض جرم منفعۃ فہو ربوا۔ ہاں اگر بوقت عقد دونوں میں سے ایک نے بھی زیادہ
 لینے یا دینے سے انکار کر دیا اور بروقت ادا مستقرض نے زیادہ دیا تو حرام نہیں کہ الصریح
 یفوق الدلالہ۔

یہاں تک کہ جو کچھ کہا گیا اس کا حکم ہے کہ جہاں سود ہو سکتا تھا۔ اور چونکہ داخل عقد
 نہیں لہذا سود نہیں اور بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ خصوصیت عاقدین اسے ربوا ہونے
 سے خارج کر دیتی ہے۔ اگرچہ زیادتی نفس عقد میں مذکور ہو مثلاً کافر حربی جو دارالاسلام
 میں امان لیکر نہ آیا ہو اس سے اگر اس قسم کا عقد کیا جائے جو دو مسلمان یا مسلم و ذمی کے
 مابین ہوتا تو سود ہوتا اس کافر حربی سے یہ عقد ربوا نہیں۔ حدیث میں ہے لا ربوا بین
 المسلم والحربی فی دار الحرب۔ بظاہر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ربوا ہے اور جائز ہے یہ
 ان کی غلطی ہے جب قرآن مجید میں مطلق وارد کہ حرم الربوا تو ربوا احلال کیونکر ہو سکتا ہے
 بلکہ حقیقت حال یہ کہ یہ سود ہی نہیں جس کیلئے حکم حرمت ہوا اسی واسطے حدیث شریف میں
 لا ربوا فرمایا کہ یہ سود ہی نہیں نہ یہ کہ یجوز الربوا کہ سود تو ہے مگر جائز ہے۔ اور خود صاحب مذہب
 امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ سود نہیں۔ و بینہما بون بعید۔

اب رہا یہ معاملہ کہ ہندوستان دار الحرب ہے یا دارالاسلام اگر دار الحرب ہو جیسا کہ
 بعض نے کہا۔ جب تو مسئلہ صاف واضح ہے کہ حدیث اور امام اعظم کا قول ہوتے ہوئے کلام
 کی کیا جگہ۔ اور اگر دارالاسلام ہے اور یہی صحیح و مختار ہے کہ دارالاسلام ہونے کے بعد دار الحرب

بننے کیلئے جو شرائط ہیں وہ یہاں مفقود۔ اس تقدیر پر یہ بات قابل غور ہے کہ دارالحرب میں رہا ہونے کی علت کیا ہے۔ اگر وہ علت یہاں موجود ہے تو یہاں بھی رہا نہیں۔ کہ حکم علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے اور اسکی علت ہم اپنے دل سے تراشیں تو کیوں مسوم ہو۔ لہذا فقہاء کی طرف نظر معطف کی جائے۔ اور انھیں کے کلام سے استدلال کیا جائے۔ یہی ادنیٰ والنسب جب ان کے کلام میں اس حکم کی کوئی علت ملے تو اسی پر حکم کا مدار ہوگا۔ اور ظاہر ہو جائے گا کہ فی دارالحرب کی قید اتفاقی ہے۔ مقصود صرف اتنا ہے کہ ذمی و مستامن سے ایسا عقد رہا ہے۔ کہ ذمی کیلئے خود حدیث کا نص صریح لھم مالنا وعلیہم ما علینا انکو خمر وخنزیر کی بیع وشرار کے سوا تمام معاملات میں حکم مسلم میں قرار دیتا ہے۔ اور مستامن کو چونکہ اپنے دنوں کیلئے امان دی گئی۔ لہذا اس زمانہ تک ذمی کے حکم میں ہے۔ باقی بغیر امان اگر دارالاسلام میں گھس آئے۔ تو اسے یہاں چھوڑ کب سکتے ہیں۔ کہ لوگوں سے معاملہ خرید و فروخت اقراض و استقراض کرے کہ وہاں یہ سوال پیدا ہو سکے کہ سود ہوگا یا نہیں۔ بلکہ اسکا مال شرعاً مباح ہے۔ جو چاہے جس طرح چاہے لے سکتا ہے پھر کیسا سود اور کیسی حرمت اسی واسطے ردالمحتار میں فرمایا و قید بہ لانه لو دخل فی دارنا بامان فباع منه مسلم درہا بدرہمین لا یجوز اتفاقاً و طعن مسکین۔ اس سے بخوبی معلوم ہوا کہ امان کیوجہ سے اسکو معاملات میں وہی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ جو ایک ذمی کے لئے ہیں۔ اور اگر امان کیساتھ اسکا آنا یا قیام کرنا نہ ہو تو وہ حربی محض ہوگا۔ اور اسکے لئے دارالاسلام میں کوئی ایسی مراعات نہ ہوگی جو ذمی کیلئے ہے۔ مسلم و حربی میں رہو امحقق نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ رہو کیلئے مال کا معصوم ہونا شرط ہے۔ اور حربی کا مال دارالحرب میں معصوم نہیں لہذا غدر و عہد شکنی کے سوا جس طرح بھی ان کا مال حاصل ہو مباح ہے۔ طحاوی علی الدر

میں ہے۔ شرط الربو اعصمۃ البدلین جمیعاً۔ اور یہ شرط مال حربی میں مفقود۔ اسلئے
ہدایہ فتح القدیر و عنایہ و جامع الرموز و جوہرہ نیّرہ و بحر الرائق و درر و در مختار و غیرہ عالم فہار
میں فرمایا۔ لان مالہم مباح فی دارہم۔ ان کا مال دار الحرب میں مباح ہے۔ نبای
طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحاً اذالم یکن فیہ غدر۔ مسلمان اس مال کو جس طرح
لے۔ مال مباح کو لینا ہوگا۔ جب تک غدر نہ ہو۔ ثابت ہوا کہ مال مباح میں ربوا اور حرمت کا تحقق
نہیں ہو سکتا۔ ورنہ لازم آئے کہ مباح بھی ہو اور حرام بھی۔ اور ان دونوں کا اجتماع نہیں
ہو سکتا۔ نیز صاحب ہدایہ کی یہ عبارت کہ بخلاف المستامن منہم لان مالہ صار معظوراً
لعقد الامان۔ صاف طور پر بتاتی ہے کہ اس کا مال ایمان لینے کی وجہ سے ممنوع ہو جاتا ہے۔
جب تک امان نہ ہو مباح ہوتا ہے اور اس میں ربوا کا تحقق نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ مسلمان جب دار الحرب میں گیا تو اسے کوئی ایسا نفل جائز نہیں جو عہد شکنی
ہو۔ اور اس کے علاوہ انکی خوشی سے انکا مال ہر طرح لے سکتا ہے۔ اگرچہ کسی ایسے عقد کے ذریعہ سے
ہو جو مال معصوم میں حرام ہو۔ بحر الرائق میں ہے لان مالہم مباح و یعقد الامان منہم
لم یصم معصوماً الا انہ التزم ان لا یتعرض لہم بغدر لا لہما فی اید یہم یدون
رضاہم فاذا اخذ برضاہم اخذ مالا مباحاً بلا غدر فیملکہ بحکم الاباحۃ السابقۃ
اسی کے مثل تبیین اور دیگر کتب میں ہے۔ در مختار میں ہے۔ فیحل برضاہ مطلقاً بغدہ
طحاوی میں ہے و لو یعقد فاسد۔ غرض یہ ہے کہ اصل علت عدم ربوا کی اباحت مال ہے
اب اگر فرض کیجئے کہ دارالاسلام میں کفار مقیم ہوں یا کفار کی حکومت ہو جائے تو مسلم کو ان
سے عہد شکنی جائز نہ ہوگی۔ اور انکی خوشی و رضامندی سے اگر کوئی مال ہمارے ہاتھ آئے
اگرچہ کسی عقد فاسد کے ذریعہ سے ہو یا وہ اسے سود لکھ کر دیتے ہوں تو یہ حقیقتہً سود نہیں۔

اور اسکا لینا جائز۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مدار کا عصمت و اباحت ہے۔ دارا الحرب کی قید ضروری نہیں۔ لہذا اگر ایسی صورت دارالاسلام میں متحقق ہو جائے تو یہاں بھی جائز۔ امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اصل علت اباحت ہے اور وہ حدیث جو اوپر مذکور ہوئی اگر نہ بھی ہوتی جب بھی حکم یہی ہوتا۔

حيث قال ان المطلقات مراد بمحلها المال المحظور ابعث لما لکھ و مال الحربی ليس محظوراً الا لتوقى الغدر و هذا التقدير في التحقيق يقتضي انه لو لم يرد خبر معلول يكون اجازة النظر المذكور اعني كون ماله مباحاً الا لعرض لزوم الغدر۔ جب حکم ایسے اکابر اجلہ کی تصریحات سے معلول ٹھہرا۔ تو ضرور علت ہی کی طرف نظر ہوگی۔ اور دارالاسلام میں بھی علت کے تحقق سے اخذ مال جائز ہوگا۔ نیز اس سے بھی صریح تردید مختار اور اس کے متن تنویر الالبصار کی عبارت ہے جسکا محصل یہ کہ جو شخص دارالحرب میں مسلمان ہو اور ابھی تک اس نے ہجرت نہ کی ہو اگر اس سے اس قسم کا عقد ہو تو وہ بھی ربوا نہیں۔ عبارت یہ ہے۔ وعلم من اسلم في دار الحرب ولم يهاجر كسبي فللمسلم الربا معه خلافاً لهما لان ماله غير معصوم۔ جب مابین المسلمین ربوا نہ ہوا کہ مال غیر معصوم ہے حالانکہ وہاں قید بین المسلم و الحربی تھی۔ اور غیر حربی میں بھی بوجہ علت متحقق نہ ہونے کے سود نہ ہوا۔ تو غیر دارالحرب میں علت ربوا کی عدم تحقق کی صورت میں ربوا کیوں ہوگا اب رہا یہ امر کہ ہندوستان کے کفار کس قسم کے ہیں۔ یہ تو ظاہر کہ ذمی نہیں۔ جب تک اسلامی سلطنت تھی اس وقت تک بے شک ذمی تھے۔ جب سلطنت گئی اس کے ساتھ ساتھ عہد و ذمہ بھی رخصت ہوا۔ انکو ذمی کہنا ایسا ہی ہوگا کہ اندھے کو آنکھوں والا کہا جائے۔ مستان بھی نہیں کہ یہاں سکونت پذیر ہیں۔ اور مستان کیلئے ایک محدود زمانہ تک کی اقامت کی اجازت ملتی ہے، نیز کسی بادشاہ اسلام نے انھیں امن نہ دیا کہ مستان ہوں وہ تو ہندوستان سے مسلمانوں ہی کو

نکالنے کی ہی فکر میں ہیں۔ پھر ہم ان کو متاثر کہے جائیں۔ کیسی حیالت ہے، اور جب یہ دونوں نہیں تو ضرور حربی ہیں۔ اگر حکومت کا خوف نہ ہوتا تو اپنی حریت کا ظاہر ثبوت دیدیتے۔ ادولاب بھی جب موقعہ پاتے ہیں کیا اٹھا رکھتے ہیں۔ اپنے دوسرے ملک کے غیر مسلم وہ یہاں بطور حکومت ہیں۔ یا انکے ہم قدم۔ نہ وہ ہمارے ذمہ میں ہیں نہ وہ ہماری امان میں غرض ذمی یا متاثر کا وجود سلطنت اسلام سے وابستہ ہے۔ اور جب سلطنت نہیں تو نہ ذمی نہ متاثر لہذا ہم کو غدر جائز نہیں۔ اور انکے اموال جو انکی خوشی سے ہمیں ملیں لینا جائز۔ سلطنت یا کوئی بنک جسکے پاس روپیہ رکھا گیا اگر اصل سے زائد کر کے کچھ رقم دے۔ اسکا لینا حلال طیب، تصریحات بالا سے ثابت کہ وہ ہرگز سود نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ دینے والے اسے سود کہہ کر دیتے ہیں انکے کہنے سے سود نہیں ہو سکتا۔ کہ جو چیز سود نہ ہو اسے سود کوئی کہہ دے تو سود نہ ہوگی۔ کیا بکری کو کسی نے سور کہہ دیا تو سور ہو جائے گی۔ اور اس کا کھانا حرام ہو جائیگا ہرگز نہیں۔ ہاں لینے والے کو چاہیے کہ نہ اسے سود کہے نہ سود سمجھے بلکہ ایک مال حلال تصور کرے کہ اسے سود سمجھ کر لینا گویا اپنے ذہن میں اپنے کو حرام کا مرتکب قرار دینا ہے۔ اور فعل حلال کو بہ نیت حرام کرنا بھی گناہ ہے۔ مثلاً ایک لکڑی پر کپڑا پڑا ہوا ہے۔ اندھیرے سے اس نے اسے عورت تصور کیا اور اسکی طرف چلا۔ اور ہاتھ بڑھایا تو معلوم ہوا کچھ اور ہے اگر یہ اجنبی عورت کا خیال کر کے ایسا نہ کرتا تو یہ افعال اسکے گناہ نہ ہوتے۔ مگر اسکی نیت نے اسے گناہ میں مبتلا کر دیا۔ غیر مصرف زکوٰۃ کو مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ مصرف نہیں تو ثواب ملے گا۔ اور جان بوجھ کر کرنا تو جائز نہ تھا۔ حدیث شریف میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال قال رجل لا تصدق اللیلة بمدة فخرج بصدقة فوضعها فی ید سارق فاصبحوا يتحدثون تصدق اللیلة علی سارق۔ فقال اللهم لك الحمد علی سارق لا تصدق بمدة فخرج بصدقة فوضعها فی ید زانیة فاصبحوا يتحدثون تصدق اللیة علی زانیة قال اللهم لك الحمد علی زانیة لا تصدقن

بصدقة فخرج بصدقة فوضعها في يد غني فاصبحوا يتحدثون تصدق الليلة على غني فقال الله لهم لك الحمد على سارق وزانية وغني فأتى فقيل له اما مدينتك على سارق فلعله ان يستغف عن سرقة واما الزانية فلعلها ان تستغف عن زناها واما الغني فلعله يعتبر فينفق مما اعطاه الله رواد البخاري ومسلم وله نظائر كثيرة لان طيل الكلام بذكرها مسئلة حاضرة اگرچہ بہت بسط چاہتا ہے مگر انصاف پسند کو اتنا ہی کافی اور نہ ماننے والے کیلئے دفتر نادانی و اللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں سود لینا جائز ہے اور خصوصاً اہل ہنود سے ؟

الجواب :- سود حرام ہے نہ ہندوستان میں جائز نہ دوسرے ملک میں قال اللہ تعالیٰ و احل الله البيع و حرم الربوا یہ حکم مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائیگا، ہاں کافر حربی کا مال اسکی خوشی سے لینا جائز ہے۔ اگرچہ کسی ایسے عقد کے ذریعہ سے یہ لینا ہو جو مابین المسلمین جائز نہ ہو۔ اور یہ ربوا نہ ہوگا کہ ربوا کیلئے عصمت بدین شرط ہے طحاوی علی الدر میں ہے شرط الربوا عصمت البدین اور حربی کا مال معصوم نہیں۔ غدر کے سوا جس طرح لے گا جائز ہوگا۔ بحر الرائق میں ہے۔ لان ما لهم مباح و بعقد الامان منهم لم يصرمعصوما الا انه التزم ان لا يتعرض لهم بغدر ولا لهما في ايديههم بدون رضاهم فاذا اخذ برضاهم اخذ ما لا مباحا بلا غدر فيملكه بحکم الاباحة السابقة۔ واللہ اعلم

مسئلہ :- ازگر مشکال ڈاکخانہ ناراین پیٹھ ریاستت حیدر آباد کن مرسلہ مولوی اسرار الرحمن صاحب ۱۸ رجب ۱۳۶۶ھ

سود کا اس زمانہ میں جواز و عدم جواز کے بڑے تین مسائل ہیں (الف) عام طور پر

ہندوستان دارالحرب ہے۔ لینا جائز ہے بعض کا قول (ب) صرف کفار سے لینا جائز ہے مسلمان سے نہیں لینا (ج) سیونگ بنک کا سود لینا چاہئے نہ لیں تو وہ رقم گرجاؤں کو دیدی جاتی ہے (د) مسلمان رئیسوں کے ریاست میں نہ لینا، جہاں کفار کا تسلط ہے لینا چاہئے (ہ) ایسے مصارف جہیں بمجبوری رقم دینی پڑتی ہے جیسے غیر مسلم اقوام کیلئے کچھ چندہ لیا جاوے یا فیس منی آرڈر وغیرہ میں سود لیکر صرف کر سکتے ہیں ان پانچوں صورتوں کے مفصل جواب باصواب مرحمت فرمائے جائیں

الجواب :- صحیح یہ ہے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے، دارالحرب نہیں۔ اور قرآن پاک میں سود کو مطلقاً حرام فرمایا گیا۔ وحریم الربوا۔ اس میں نہ دارالاسلام کی قید ہے نہ مومن کی۔ پھر تخصیص کہاں سے آئی یہ ضرور ہے کہ کافر حربی سے اگر کوئی مال ہاتھ آئے اگرچہ کسی عقد معاوضہ کے ذریعہ جو مابین المسلمین فاسد رہو تو بر بنائے حلت اصلہ وہ مال حلال ہوگا۔ اور سود نہ ہوگا۔ یہ نہیں کہ سود ہے اور حلال ہے، بلکہ یہ سود نہیں ہے اسوجہ سے حلال ہے۔ حدیث میں ہے لاوبوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب یعنی سود ہی نہیں ہے کیونکہ سود کیلئے عصمت بدلیں شرط ہے، طحاوی علی الدر میں ہے شرط الربوا عصمت البدلین اور جبکا مال معصوم نہیں تو سود کیونکر ہو۔ لہذا ہندوستان کے کفار سے جو رقم انکی خوشی سے دستیاب ہو۔ اگرچہ وہ کچھ کہہ کر دیں مگر جب لینے والا سود سمجھ کر نہ لے تو جائز ہے۔ اور سود سمجھ کر لینا ناجائز۔ اسلامی ریاست کے کفار جو رئیس کے عقد ذمہ میں ہوں ذمی ہیں انکے اموال معصوم ہیں، معاملات میں انکے لیے مسلم کے احکام ہیں۔ لہم مالنا وعلیہم ماعلینا۔

سیونگ بنک اگر وہ رقم گرجا میں دے تو اسکا فعل ہے اسکا مواظہ دوسرے نہیں۔ اسکو بھی وہی سمجھ کر لے سکتے ہیں کہ کافر نے اپنا مال اپنی خوشی سے دیا۔ سود سمجھ کر لینا ناجائز، فیس منی آرڈر تاجرت ہے۔ ان کو ناجائز کیوں کہہ سکتے ہیں، ہاں اگر کوئی رقم مجبوری سے دی ہو۔ تو اسکی واپسی کی نیت سے بھی سود والی رقم لیجا سکتی ہے کہ یہ سود لینا نہیں، بلکہ اپنا آنا ہوا۔ وصول کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ از دھوراجی کاٹھیاواڑ مرسلہ جناب سید دوست محمد ابن عبدالقادر صاحب پیش امام نیکینہ مسجد محلہ پھولواری۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مسلمان مشرکوں کیساتھ اس شرط سے یعنی مدت سے مال بیچتے ہیں کہ اس مال کا اتنا روپیہ اتنی مدت پر لیں گے اگر مدت پر ادا نہ کرو گے تو بعد مدت کے ان روپیہ کا بیاج لیں گے، آیا یہ بیاج ان مشرکوں سے لینا کیسا ہے، کیونکہ اگر بیاج نہ لیں تو مدت کے بعد روپیہ نہیں دیتے، اور بیاج کے خوف سے جلد وصول ہوتے ہیں۔ اب جو بیاج کہ مدت کے بعد لیا گیا ہے اس روپیہ کو کس جگہ صرف کرنا چاہیئے؟ کیونکہ وہ شخص بیاج کا لین دین نہیں کرتا۔ صرف جلد روپیہ وصول ہوں، اسلئے مدت کے بعد کا بیاج لیتے ہیں، تو مدرسہ و مسجد یا یتیم خانہ یا خانقاہ وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- سود لینا حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرّم الربوا۔ ایسے اعذار کی وجہ سے حرام حلال نہیں ہو سکتا یہ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:- از ہوڑہ مرسلہ محمد عبدالستار صاحب منور عبدالحامد محمد شکر اللہ خان سنی حنفی قادری ناظم انجمن اظہار الحق ۱۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا صرف سود کا

سود لینا ناجائز و حرام ہے۔ لہذا کسی عذر سے لینا بھی ناجائز و حرام ہوگا۔ لیکن اگر مسلمان، مشرک عربی سے مال فروخت کرنے کے بعد مدت گزرنے پر وہ زائد رقم بیاج اور سود کہہ کر نہ لے بلکہ مال مباح سمجھ کر لے تو لینا جائز و حلال ہے۔ کہ کافر عربی کا مال کسی ایسے عقد کے ذریعہ بھی لینا جائز ہے۔ جو مابین المسلمین ناجائز۔

لہذا مدت گزرنے پر نہ کوہ زائد رقم لینا سود نہ ہوگا۔ کہ یہاں بد لین میں ایک جانب عصمت مفقود ہے۔ اور تحقق ربائیہ بد لین کا معنی ہوتا ہے کہ مراداً۔ البتہ ایک مباح مال کو سود سمجھ کر لینے کا گناہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم آل علیہ الصلوٰۃ

کاروبار ہے، ایسے شخص کے یہاں تقرب شادی بیاہ میل جول رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور سود دینے والا دلانے والا لینے والے کے بارے میں کیا حکم ہے، ایک مولوی صاحب نے کہا کہ سود کے مسئلہ میں ۷۳ درجہ ہے ۷۳ وال درجہ یہ ہے کہ جس نے سود کا کاروبار کیا کہ گویا اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ ایسی حالت میں سود خور کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا مسلمان کو اس سے ربط و ضبط جائز ہے؟ اپنے گھر میں بل کر اپنے برتن میں کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟ بحوالہ کتب و سنت ارقام فرمادیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب :- سود خوار کے یہاں کھانا پینا اس کے ساتھ میل جول کرنا نہ چاہیے، حدیث میں ہے۔ **لِیَا تَیْنِ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقَیْ مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبَا فَإِنْ لَمْ یَاكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ مَخَارِجٍ وَغَبَارَةٍ**۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سب سود خوار ہو جائیں گے اگر خود کوئی سود نہ کھائے تو اسے بھی سود کا بخار و غبار پہنچے گا۔ رواہ احمد والبوداؤد والنسائی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ **لَمَعَاتُ شَرْحِ مَشْكُوٰةٍ** میں ہے۔ **وَذَلِكَ بِأَنَّهُ كَوْنُ مَوْكَلًا أَوْ شَاهِدًا أَوْ كَاتِبًا أَوْ سَاعِيًا أَوْ أَكَلَ مِنْ ضِيَا فِتْنَةٍ أَوْ هَدِیْتَهُ**۔ اس کا بخار پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ سود دے یا اس کا گواہ بنے یا کاغذ لکھے یا دینے والے کی کوشش کرے یا اسکی ضیافت یا ہدیہ میں سے کھائے۔ یعنی سود خوار کے یہاں ضیافت کھانا بھی اسکا بخار پہنچنے کا سبب ہوتا ہے۔ جب طرح سود کھانا حرام ہے سود دینا بھی حرام ہے۔ اور سود لانا بھی حرام ہے۔ **قَالَ اللَّهُ تَعَالَى تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَی الْإِثْمِ وَالْعَدْوَانِ**۔ حدیث میں ہے **لَعْنُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَىٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَكْلَ الرِّبَا وَمَوْكَلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَهُ وَقَالَ وَهُمْ سَوَاءٌ**۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور سود دینے اور اسکا کاغذ لکھنے والے اور اسکی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں۔ رواہ مسلم عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث میں ہے

درهم ربایا کله الرجل وهو یعلم اشد من ستة وثلاثین زینة - ایک درہم سود کار یعنی تخمیناً ۱۰۴) والستہ کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدتر ہے۔ رواہ احمد والدارقطنی عن عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک دوسری حدیث ہے الربا سبعون جزء ایسراہان بنکج الرجل امہ۔ سود ستر گناہ کا مجموعہ ہے ان میں سب سے کم درجہ کا گناہ اس کے مثل ہے کہ اپنی ماں سے زنا کرے۔ رواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ تہتر کی روایت میرے پیش نہیں ہے۔ مگر ستر کیا کم ہیں۔ جن میں ادنیٰ مرتبہ اپنی ماں سے زنا کرنے کی مثل ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ :- از پنجاب مرسلہ جناب میان دین محمد صاحب خوشابی ۲۵ رذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین زادہم اللہ شرفاً و تعظیماً مسئلہ ذیل میں بنک میں بطور حفاظت روپیہ جمع کرتے ہیں اس پر بنک والے اپنے قاعدہ کے مطابق کچھ زیادتی دیتے ہیں جسکو وہ سود سے تعبیر کرتے ہیں اسکا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اسکو لیکر مدرسہ یتیم خانہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- سود لینا دینا دونوں حرام ہے۔ مگر جبکہ بینک کفار غیر ذمی کا ہو جیسا کہ یہاں کے بینک کہ نہ مسلم کے ہیں نہ ذمی کے، اور بینک والے اس کے روپیہ سے کچھ زیادہ دیتے ہیں، اور اسے سود کہتے ہیں یہ حقیقتہً سود نہیں لہذا اگر لینے والا سود سمجھ کر نہیں لیتا ہے بلکہ یہ جان کر لیتا ہے کہ یہ کافر کا مال ہے جو اپنی خوشی سے دیتا ہے، تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں، اور اس سے لیکر مدارس یا یتیم خانہ میں صرف کر سکتے ہیں، اور اس مسئلہ کی تحقیق فقیر نے اپنے فتاویٰ میں کی ہے۔ لہذا نفس حکم پر اکتفا کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از کھردہ جمعہ مسجد اکخانہ انٹیا گڑھ مرسلہ شاہ محمد صا ۱۳ محرم ۱۳۵۸ھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین

اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کیا بعد چند روز کے ایک بیک ڈاکہ روپیہ سود کا لیکر زید کے پاس پہنچا۔ زید نے دریافت کیا کہ روپیہ کس نے بھیجا تو ڈاکہ کہتا ہے کہ جو روپیہ تم نے ڈاک گھر میں جمع کیا ہے اسی کا سود ہے زید نے روپیہ لیکر تیسیم خانہ میں دیدیا تو کیا وہ تیسیم خانہ میں یا مدرسہ میں یا کسی بیوہ یا کسی مسکین کو دیدینا جائز ہے اگر جائز ہے تو دلیل شرعی سے ثبوت کیا ہے یہ سوال ہے ایک سردار تیج کا وہ کہتے ہیں کہ بذات خود کھانا منع ہے دوسرے کو دیدینا منع نہیں ہے ؟

الجواب :- بینک سے جو رقم زائد ملتی ہے وہ سود نہیں۔ اسکو کسی نیک کام میں خرچ کرنا بھی جائز ہے۔ کاغذ غیریومی سے جو مال بلا غدر حاصل ہو اس میں اصلاً حرج نہیں۔ اگرچہ وہ کچھ ہی کہہ کر دیں مگر اسے سود سمجھکر لینا ناجائز ہے کہ جب سود سمجھکر لیا تو قصداً گناہ کیا لہذا اس طرح لینا ناجائز ہے۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از ہوڑہ پچین تلاب صدر بخشی لائن محمد اسلام میان کی باٹری مرسلہ عبد الکریم صاحب ۲۳ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل مندرجہ ذیل میں کہ
۱۔ ڈاک خانہ یا بینک میں روپیہ جمع کرنا کیسا ہے جبکہ اسکا سود بھی ملتا ہو ؟

۲۔ پراوینڈنٹ فنڈ کا سود کیسا ہے ؟

الجواب :- روپیہ جمع کرنے میں کوئی ممانعت نہیں یہ کیا ضروری کہ یہ جمع کرنے والا سود بھی لے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

۳۔ پراوینڈنٹ کے معنی معلوم نہیں لہذا اسکا حکم کیونکر لکھا جاسکتا ہے۔

۱۔ پراوینڈنٹ فنڈ (PROVIDENT-FUND) وہ رقم جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کر لی جاتی ہے اور ملازمت کے خاتمہ پر اُسے واپس ملتی ہے۔ یہ گورنمنٹی محکموں میں ہوتا ہے۔ ملازمت کے خاتمہ پر رقم اضافہ کے ساتھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مسئلہ :- از پبلی بھیت محلہ منیر خاں قریب مسجد مرسلہ محمد احسان صاحب
ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کر نیکاجو بنیک ہوتا ہے اسمیں روپیہ جمع کرنا اور اسکا منافع لینا
مسلمانوں کیلئے کیسا ہے، مشہور تو یہ ہے کہ اسوجہ سے جائز ہے کہ گورنمنٹ جو رعایا سے مالگذاری
یا ٹیکس لیتی ہے وہ بہت زائد ہے، اس بنا پر وہ منافع سود نہ ہوگا بلکہ اپنے حقوق کے بدلے
میں وصول کرتا ہے۔ اب اسمیں دو باتیں عرض کرنا ہے، ایک تو یہ کہ ڈاکخانہ کا حکم گورنمنٹ
سے علیحدہ ہے دوسرے یہ کہ مالگذاری اور ٹیکس سب لوگ نہیں دیتے تو کیا اسکے لئے بھی
جائز ہے جو نہیں دیتے اور ٹیکس وغیرہ دینے والوں کو اسی ہی قدر لینا جائز ہے جتنا زائد دیا
یا جتنا مل سکے سب جائز ہے اور مالگذاری اور ٹیکس کی زائد مقدار کس طرح معین کرے شریعت
مطہرہ میں بادشاہی حق فی صدی کتنا ہے ؟

الجواب :- اگر وہ بینک صرف کفار کا ہے اور اسمیں روپیہ جمع کیا ہے اور وہ بینک والے
کچھ زائد رقم دیتے ہیں تو مسلمانوں کو اس نیت سے لینا جائز ہے کہ کافرا اپنا ایک مال اپنی خوشی
سے دیتا ہے سود کی نیت سے لینا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- مرسلہ محمد محمود محلہ قاضیان الورا سٹیٹ

استاذنا المحترم۔ السلام علیکم باعث تصدیعہ یہ ہے کہ ڈاکخانہ میں جو روپیہ جمع کیا
جاتا ہے اور وہاں سے زائد رقم سود کے نام سے ملتی ہے اسکے جواز عدم جواز کی تحقیق سے آگاہ
فرما کر ممنوں فرمائیں ؟

بقیہ حاشیہ ۲۲۴ کا۔ گورنمنٹ، ملازم کو ادا کرتی ہے۔ وضع کی گئی رقم پر امان فی رقم کو گورنمنٹ سود کہہ کر دیتی ہے، لیکن
چونکہ سود کا تحقق اموال محذورہ میں ہوتا ہے۔ اور گورنمنٹ کی یہ امان فی رقم مال محذور نہیں۔ لہذا یہ حقیقت سود نہیں۔ اس لئے
مال مباح سمجھ کر اسے لینا جائز و حلال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

معفت علیہ الرحمہ کے زمانہ میں یہ چیز بالکل نئی تھی۔ اور اب تو گورنمنٹ ملازمت کا لازمہ بن چکا ہے۔ آلہ صفتہ سبائی

الجواب :- ہندوستان کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن لہذا شق ثالث متعین اور

ذمی حکم حدیث لھم مالنا وعلیہم ماعلینا۔ معاملات میں مسلم کا حکم رکھتے ہیں اور مستامن جب تک امن میں ہے ذمی کے حکم میں ہے، حربی کا مال معصوم مال نہیں نہ ان اموال کے لئے مسلم ذمی کے مال کا حکم ہے البتہ ایسی صورت جس میں مسلم کی ذلت و بے آبردی کا اندیشہ ہو یا ان کے ساتھ غدر کیا جائے یہ تو بیشک ناجائز ہے، اور اسکے علاوہ جس طرح ان کا مال دستیاب ہو اگرچہ ایسے عقد کے ذریعہ سے جو بائین المسلمین ناجائز و فاسد ہو۔ وہ مال مسلمان کئے لینا جائز و درست ہے۔ ڈاکخانہ سے جو رقم دستیاب ہوتی ہے وہ سود نہیں اگرچہ وہ سود کا نام لیتے ہیں کہ طحاوی علی الدر میں ہے۔ شرط الربا عمۃ البدلین۔ اور یہ مال معصوم نہیں اور یہاں غدر بھی نہیں ہے تو اس کو ایک مال حلال سمجھ کر لینا جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دس روپیہ کا نوٹ بارہ روپیہ میں فروخت کر سکتا ہے یا نہیں ؟ اور اس قیمت کی وصولی بحساب ایک روپیہ ماہوار کر سکتا ہے یا نہیں۔ نیز ایک روپیہ کے پیسے سولہ آنہ یا زائد پر بیع ہو سکتی ہے یا نہیں یا اور بعد کسی قدر مدت لے سکتے ہیں یا نہیں ؟ بینوا تو جروا

الجواب :- دس روپیہ کا نوٹ بارہ روپیہ میں بیچنا جائز ہے کہ دونوں ایک جنس نہیں

وہ کاغذ ہے اور روپے چاندی جس طرح ایک گنی کو پندرہ سے زیادہ پر بیچنا جائز ہے حدیث میں فرمایا اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم۔ اور چونکہ دونوں میں کیل یا وزن کا اشتراک نہیں کہ روپیہ وزنی ہے کیونکہ چاندی ہے اور نوٹ عددی ہے لہذا مجلس عقد میں تقابض بدین بھی ضروری نہیں کہا ہو مفرح فی الہدایہ وغیرہا۔ جب مجلس عقد میں قبضہ کرنا ضروری نہ ہوا تو اختیار ہے کہ قسط کے ساتھ وصول کیا جائے یا ایک ساتھ، پیسوں کو روپیہ سے خریدنا بیچنا جائز ہے اختیار ہے کہ روپیہ کے پندرہ آنے خریدے یا بیچے یا سترہ آنے اور چونکہ یہ بمن خلقی نہیں بلکہ اصطلاحی ہیں متبایان اسکی ثنیت کے ابطال کا حق رکھتے ہیں اور ان میں بھی اگر وصولی کی کوئی میعاد مقرر کی جائے تو ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱:- مسئلہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سلمہ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۵۵ھ

بینک اور ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود کیوں نہیں ؟
لاریبوا بنین المسلم والعربی فی دار الحرب۔ میں دار الحرب قید اتفاقی ہے کس کتاب میں اس کی تصریح ہے :-

مسئلہ ۱۲:- آجکل کے کفار کو دس روپیہ مثلاً قرض دیکر واپس لے سکتے ہیں یا نہیں ؟
الجواب :- حربی اگر دارالاسلام میں آئے اس کی دو صورتیں ہیں۔ امان لیکر آئے گا یا بغیر

امان اگر دوسری صورت ہے تو اس سے اتنا موقع کب دیا جائیگا کہ وہ بیع و شراء اقرض و استقراض کرے، سلطنت اسلامی کے حدود میں بغیر امان دوسرا داخل ہو تو اس کا مال و جان محفوظ نہیں ہو جاتا ہے تلف کر ڈالے۔ کوئی مطالبہ نہیں ہو سکتا اب بھی ایک سلطنت کا آدمی دوسری میں بغیر استیذان نہیں جاسکتا، اور پہلی صورت میں اس محدود زمانہ تک وہ ذمی کے حکم میں ہو جاتا ہے ثمہم مالنا وعلیہم ما علینا۔ کے تحت میں آجاتا ہے اس لئے رد المحتار میں فرمایا و قید بہ لانہ لو دخل فی دارنا یا امان فباع منه مسلم درہا بدرہین لایجوز اتفاقاً۔ یعنی دار الحرب کی قید اس لئے ہے کہ اگر دارالاسلام میں امان لیکر داخل ہوگا اور کمی بیشی کے ساتھ مسلم اس سے بیع کر لے گا تو ضرور ناجائز ہوگی اس سے صاف ظاہر ہے کہ امان کی وجہ سے عدم جواز کا حکم ہے نیز ہدایہ میں فرمایا کہ بخلاف المستامن منہم لان مالہ ہمارا مخطور باعقد الا امان۔ اس عبارت میں تصریح ہے کہ عقد امان ہی عدم جواز کی علت ہے پس معلوم ہوا کہ دارالاسلام میں حربی سے ربا اور سود ہونے کی وجہ عقد امان ہے کہ اسی سے اس کا مال معصوم و مخطور ہو جاتا ہے اور یہ عصمت سبب حرمت ہوتی ہے چنانچہ طحاوی علی الدرر میں ہے شرط الرباعیۃ البدلیۃ

اور جب عقد انان نہ ہو مال معصوم نہ ہوگا پھر رہا کا تحقق نہ ہوگا۔ ہندوستان اگرچہ بنا بر مبادیہ صحیح دارالاسلام ہے مگر یہاں کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن کہ بادشاہ اسلام نے انکو امان نہیں دی ہے کہ معاملات میں ان کیلئے وہ احکام ہوں جو مسلم کے لئے ہوتے ہیں بلکہ انگریزی معاہدہ کا خلاف نہ کرتے ہوئے انکے اموال جس طرح حاصل کئے جا سکیں جائز ہے کہ اسلامی احکام کی پابندی نصاریٰ کے امن دینے سے لازم نہیں ہوتی ان امور کی پابندی لازم ہوگی جو اسکے معاہدہ کی رو سے ہو اس مختصر تقریر سے بات واضح ہو گئی کہ قید کیسی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب :- جائز ہے جب کہ انھیں تک محدود رکھے اگر خواہنا خواستہ اسکی عادت پڑ جائے کہ مسلمانوں سے بھی اسطرح کے معاملے کرنے لگے تو ناجائز و حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کیا فرماتے ہیں علمائے دین امر ذیل میں۔

مسئلہ ۱ :- ہندوستان دارالحرب ہے کہ نہیں ہمارے اطراف میں جہاں چاہا قربانی بند کر دی جاتی ہے ایسی ہی مساجد کے قصبے ہیں کیا ایسے امور سے ہمارے حضرت امام عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہندوستان دارالاسلام رہیگا ؟

جواب :- ہم مسلمان اگر ہندوستان دارالحرب ہے تو مسلمان مستامن ہونگے یا دارالحرب میں رہنے سے حربی کہنے جائیں گے ؟

جواب :- اگر ہندوستان دارالحرب ہے تو ہندوؤں سے سود لینا سود ہوگا یا نہیں ؟

جواب :- ایک شخص کہتا ہے کہ ہندوستان اب دارالحرب ہے اور کہتا ہے کہ کتب فقہ میں لادبا بین المسلم والعربی فی دارالحرب لکھا ہے لہذا ان (ہندوؤں) سے سود لینا سود نہیں ہے ایسے شخص کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے ؟

جواب :- لادبا بین المسلم والعربی میں مسلم سے عام مسلم مراد ہے خواہ دارالحرب میں رہتا ہو۔ یا دارالاسلام کا مسلم مراد ہے ؟ اور حربی سے حربی کافر مراد ہے یا عام شخص دارالحرب رہنے والا مراد ہے خواہ مسلم ہو۔

۷۔۔۔ شخص مذکور ملازم افسر ڈاکخانہ ہے کہتا ہے کہ جو روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کیا جاتا ہے اس سے تجارت نہیں کی جاتی جس سے نقصان کا بھی احتمال ہو ٹکٹ وغیرہ بنائے جاتے ہیں نقصان کی صورت نہیں ہے محض انتظاماً نفع کی رقم معین کی ہے اسلئے اسکا سود سود نہیں ہے بخلاف بینک کے کہ اس میں تجارت کی جاتی ہے۔ لہذا نفع و نقصان میں شرکت ہونی چاہیے۔ پس ایسی صورت میں کیا ڈاکخانہ کا سود واقع میں سود نہیں ہے ؟

الجواب (۱) ہندوستان دارالاسلام ہے اسکو دارالحرب قرار دینا غلطی ہے اسمیں اصلاً شک نہیں کہ یہاں زمانہ دراز تک اسلامی سلطنت رہ چکی ہے اور مستقل طور پر مسلمان بادشاہ حکمران تھے لہذا اسکا پیشتر زمانہ میں دارالاسلام ہونا یقینی اور مسلم ہے، پھر یہ ملک مسلمانوں کے قبضہ سے نکلا کفار کے قبضہ میں آگیا، اب سوال پیدا ہوا کہ دارالحرب ہو گیا یا بدستور دارالاسلام ہے پس یہ امر غور طلب ہے کہ جو ملک دارالاسلام تھا وہ محض کفار کے قبضہ میں آنے سے ہی دارالحرب ہو جائیگا یا اس کیلئے کچھ دیگر شرائط بھی ہیں فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب بننے کیلئے تین شرطیں ہیں (۱) پہلی شرط اہل شرک کے احکام جاری ہوں اور اسلام کے احکام جاری نہ ہوں (۲) دارالحرب سے اسکا اتصال ہو جائے (۳) کوئی مسلم یا ذمی امان اول پر باقی نہ ہو۔ تنویر الابصار متن درمختار میں ہے۔ لا تصیر دارالاسلام دار حرب الا باجواء احکام اهل الشرك و باتصالها بدارالعرب و بان لا یبقی فیہا مسلم و ذمی امان بالامان الاول۔ رد المحتار میں ہے قولہ۔ باجواء احکام اهل الشرك اعلی الاشتہاد وان لا یحکم فیہا بحکم اهل الاسلام ہندیہ و ظاہرہ انہ لو اجریہ احکام المسلمین و احکام اهل الشرك لا تکلون دار حرب قولہ و باتصالها بدارالعرب بان لا یختل بینہما بلدۃ من بلاد الاسلام ہندیہ۔ ہندوستان میں اگرچہ کفر و شرک کے احکام جاری ہیں مگر بہت سے احکام اسلام بھی

جاری ہیں نیز دارالاسلام سے اسکا اتصال بھی ہے لہذا یہ دارالاسلام ہی ہے ہندو کا قربانی کے معاملہ میں یا مساجد کے متعلق کہیں کہیں نزاع کرنا اسکو دارالاسلام ہونے سے خارج نہیں کرے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۲) ہم مسلمان ہیں اور ہندوستان دارالاسلام لہذا یہ ہمارا دار ہے مستامن نہیں واللہ اعلم
ج (۳) اگرچہ ہندوستان دارالاسلام ہے مگر یہاں کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن۔ ان سے بذریعہ عقود فاسدہ ان کے اموال لینا جائز ہے۔ وہ سود نہیں کماحقہ فانی فتاوانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم
ج (۵) مسلم عام ہے۔ اور حربی وہ کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن کہ یہ بھی مدت معینہ تک کے لئے حکم ذمی میں ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۶) جسے ڈاکخانہ سود کھڑ دیتا ہے وہ سود نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- جناب عبدالغفور صاحب از دفتر انجمن اشاعت الحق بازار سدا ندر بار ۱۶ رجب ۱۳۵۷ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو دس روپے کی سخت ضرورت تھی۔ اسکا تیس روپہ پائیش روپہ کا نقصان ہو نیکی امید تھی اس نے اپنے قریب کے ایک آدمی سے کہا کہ اسوقت دس روپہ ہیں دو اس نے کہا میں دوسرے سے دلا دوں گا تو تم اسکو کیا زیادہ دو گے۔ اس نے کہا دس روپہ کے بجائے ساڑھے بارہ روپہ میں دوں گا ایک ماہ میں۔ یہ سنکر اسکو اسی شخص نے دس روپہ کا نوٹ دیا۔ یہ خیال کر کے کہ یہ ساڑھے بارہ روپہ دیگا تو نصف یعنی ساڑھ روپہ میں لے لوں گا۔ سو اوپہ انجمن میں کار خیر میں دوں گا تحقیق طلب یہ ہے کہ یہ زائد روپہ لینا جائز ہے یا نہیں۔ اور انجمن یا مدرسہ میں جو زائد ملے اسکا نصف یا کل لگایا جاسکتا ہے کہ نہیں ؟

الجواب :- یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے قرض کی ہے اور قرض میں جو کچھ لیا جائے

ہ ہندوستان کو دار الحرب کہنے میں یہ شخص غلطی ہے کہ۔ ہندوستان اب بھی دارالاسلام ہے۔ البتہ اس شخص نے دوسرا مسئلہ صحیح بتایا۔ بہر حال اسکی یہاں کھانا کھانے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ آل مصطفیٰ معصیاتی

اس کی مثل قرض لینے والے پر واجب ہے اس میں زیادت کی شرط ناجائز اور سود ہے۔
حدیث میں ہے کل قرض جو منفعتہ فہو ربنا۔ لہذا یہ زائد رقم جو لیگئی نہ اسے انجمن
میں دیا جاسکتا ہے اور نہ کسی اور کام میں صرف کیا جاسکتا ہے بلکہ جس سے لی ہے اسے
واپس دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- آمدہ از پالی مار و اطرحلہ چھپساں علاقہ جو دیپور مرسلہ عثمان غنی ولد
عبدالرحمن جی سوخت والے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام مسئلہ ذیل میں
بینک میں روپیہ جمع کر نیکے بعد جو ہم کو سیکڑا کے حساب سے نفع ملتا ہے اسکا لینا کیسا ہے۔
اور کس بینک سے یہ نفع لینا جائز ہے اگر صرف گورنمنٹ کا بینک ہو تو اسکا نفع ہمارے لئے
جائز ہے یا نہیں اور اگر ہندو مسلم شرکت کا ہو تو کس صورت میں اسکا نفع جائز ہے اگر صرف
مسلم بینک ہو تو اسکا کیا حکم ہے؟ کس صورت اور کس بینک سے نفع ہوگا اور کس سے سود؟
الجواب :- بینک اگر صرف کفار کا ہو اور بینک والے کچھ رقم زائد دیں۔ تو اس قصہ
سے لینا جائز ہے کہ کافر غی رضا و خوشی سے یہ چیز ہم کو دے رہا ہے۔ سود کی نیت ہرگز نہ کرے
یہ حقیقتاً سود نہیں اور اگر مسلمانوں کا بینک ہو یا اس بینک میں مسلمان بھی شریک ہوں تو
اس زائد رقم کا لینا حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ عبدالغفار و عبداللطیف صاحبان گوڈیل از دیو راجی کاٹھیاوار ۲۸ محرم
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ذیل کے مسائل مسطورہ میں کہ
ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارحرب، اگر دارالاسلام ہے تو دور حاضر میں کون سا
ملک دارحرب ہے؟

س ۲ ہندوستان کے کفار نصاریٰ و یہود و مجوس و ہندو حربی ہیں یا غیر حربی؟
س ۳ ہندوستان میں اہل اسلام اور مرتدین کے سوا کفار میں کوئی ایسی قوم بھی ہے جو حربی نہ ہو؟

س "لادبا بین المسلم والعربی فی دار الحرب" میں "فی دار الحرب" کی قید احترازی ہے یا اتفاقی، اور قید احترازی ہے تو پھر اس صورت میں کہ ہندوستان دارالاسلام اور ہندوستان کے کفار حربی ہوں، زندگی کا بیمہ کرنا ناجائز ہو گیا نہیں؟

س دیوبند کے مفتی کفایت اللہ گنگوہی نے جواب دیا ہے کہ، زندگی کا بیمہ کرنا ناجائز نہیں ہے کہ رہا یعنی سود یا قمار (جوا) ہے۔ مفتی مذکور کا جواب صحیح ہے یا غلط؟ ہر ایک سوال کا جواب مدلل غنایت کیا جائے؟

الجواب:۔ اس میں شک نہیں کہ نصاریٰ کی حکومت سے پہلے ہندوستان دارالاسلام تھا مسلمانوں کی یہاں حکومت تھی مسلمان بادشاہ تھا اور اسلامی احکام جاری تھے۔ اب چونکہ نصاریٰ کی یہاں حکومت ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار کی حکومت کی وجہ سے ہندوستان دارالحرب ہو گیا یا اب بھی دارالاسلام ہی ہے جیسے پہلے دارالاسلام تھا۔ فقہاء کی تصریحات سے اگر یہ ثابت ہو کہ تحض کفار کی حکومت دارالحرب ہو جانے کیلئے کافی ہو جب تو بیشک دارالحرب ہو جائیگا اور اگر اسکے سوا اور باتوں کی بھی ضرورت ہو تو دیکھا جائے کہ وہ باتیں پائی جاتی ہیں یا نہیں، ائمہ کے ارشادات کی طرف توجہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو جگہ دارالاسلام ہو اسکے دارالحرب ہونے کیلئے فقط اتنی بات نا کافی ہے کہ کفار کی وہاں حکومت ہو جائے بلکہ اس کیساتھ اور تین چیزوں کی ضرورت ہے (۱) اہل شرک کے احکام علی الاعلان جاری ہوں اور اسلامی احکام بالکل جاری نہ ہوں (۲) دارالحرب سے اس کا اتصال ہو جائے (۳) کوئی مسلم یا ذمی امان اول پر باقی نہ ہو۔ تنویر الابصار متن در مختار میں ہے ولا تمیر دارالاسلام دار الحرب الا بجزاء احکام اهل الشرک و باقصالہما بدار الحرب و بان لا یبقی فیہما مسلم او ذمی امانا یا امان الاول۔ رد المحتار میں ہے قوله ولا تمیر دارالاسلام دار الحرب الا بجزاء اهل الحرب علی دار من دورنا او دار قد اهل مصر وغلبوا و اخر و احکام الکفر و لنقض اهل الذمة العهد و تغلبوا علی دارهم ففی کل من هذه الصور لا تمیر دار الحرب

الابہذہ الشرط الثلاثۃ یعنی ممالک اسلامیہ میں سے کسی ملک پر اگر اہل حرب کا غلبہ تسلط ہو جائے یا کسی شہر کے سب لوگ معاذ اللہ مرتد ہو جائیں اور اپنا تسلط قائم کر لیں اور کفر کے احکام جاری کر لیں یا اہل ذمہ عہد توڑ کر مسلط ہو جائیں ان سب صورتوں میں وہ جگہ دار الحرب نہیں ہوگی جب تک وہ تینوں باتیں نہ پائی جائیں جنکا ذکر ہوا قولہ باجراء احکام اہل الشرک ای علی الاشتہار وان لا یحکم فیہما بحکم اہل الاسلام ہندیہ و ظاہرہ انہ لواجریت احکام المسلمین و احکام اہل الشرک لا تکن دار حرب یعنی احکام اہل شرک کے جاری ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ علی الاعلان جاری ہوں اور اسلامی حکم بالکل جاری نہ ہوں اس سے یہ ظاہر ہے کہ اگر احکام مسلمین و احکام اہل شرک دونوں جاری ہوں تو وہ جگہ دار الحرب نہیں ہوگی اسی شرط اول کو اگر دیکھا جائے تو اسی سے ثابت کہ ہندوستان دارالاسلام ہی ہے دار الحرب نہیں کہ بحمدہ تعالیٰ اب بھی ہندوستان میں بہت کچھ احکام اہل اسلام جاری ہیں، شعائر اسلام باقی ہیں اذانیں ہوتی ہیں جمعہ و عیدین ہوتی ہیں ترکہ و میراث میں شریعت مطہرہ کے موافق فیصلہ ہوتا ہے وغیرہ ذلک، لہذا اگرچہ یہاں اہل شرک کے احکام جاری ہیں مگر جب کہ اہل اسلام کے احکام بھی جاری ہیں تو بموجب تصریح علامہ سید احمد طحاوی اور علامہ سید ابن عابدین دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما ہندوستان دارالاسلام ہی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس زمانہ میں کون ملک دار الحرب ہے اس کی تفصیل کی حاجت نہیں مگر اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جو ممالک اب تک حکومت اسلام کے تحت میں نہیں تھے اب بھی دار الحرب ہیں یورپ کا کثیر حصہ ایسا ہی ہے، اور اس کے سوا بھی کچھ ممالک ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ج ۵۔ کفار کی تین قسمیں ہیں ذمی، مستامن، حربی، ذمی وہ ہیں جو بذریعہ عہد و پیمان دارالاسلام میں سکونت رکھتے ہیں، مستامن وہ ہیں کہ امان لیکر کچھ دنوں کیلئے دارالاسلام

میں آگے ہیں ظاہر ہے کہ اب جو کفار ہیں انھوں نے بادشاہ اسلام سے نہ کوئی عہد و پیمان کیا ہے نہ امن لیکر آئے ہیں لہذا یہاں کے سب کفار قسم سوم میں داخل ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۲۔ ہندوستان کے تمام کفار حربی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۳۔ دارالحرب کی قید احترازی نہیں بلکہ یہ قید اتفاقی ہے اسلئے کہ یہ حکم کہ دارالحرب ہیں، بین المسلم و الحربی ربا نہیں، معلول بعلت ہے، اور جو حکم کسی علت کی وجہ سے ہوتا ہے وہ اسی علت کیساتھ دائر رہتا ہے اس کی علت یہ ہے کہ ربا اس وقت ہوتا ہے کہ وہ مال معصوم ہو جیسا کہ طحاوی حاشیہ در مختار میں فرمایا شرط الربا عمۃ البدلین اور یہ شرط مال حربی میں مفقود ہے اسلئے ہدایہ فتح القدیر و عنایہ و جامع الرموز و جوہرہ نیرہ و بحر الرائق اور در مختار وغیرہ عامہ اسفار میں فرمایا لان مالہم مباح فی دارہم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالہا اذالم یکن فیہ غدر۔ اون کا مال اون کے دار میں مباح ہے مسلمان اون کے مال کو جس طرح لے مال مباح کو لینا ہو گا جب تک غدر و عہد شکنی نہ ہو معلوم ہوا کہ مال مباح میں ربا نہیں ہو سکتا کہ ربا اگر ہو تو ایک چیز حلال بھی ہو اور حرام بھی اور مال کی عصمت و حرمت جب ہی ہوگی کہ مسلمین سے ان کا معاہدہ ہو کہ اس صورت میں لہم مالنا وعلیہم ماعلینا کے تحت میں داخل ہو کر اون کے اموال کا وہی حکم ہو گا جو اموال مسلمین کا ہے یا عقد امان کی وجہ سے وہ حکم ذمی میں داخل ہونگے اور انکے اموال حرام ہونگے اسی وجہ سے صاحب ہدایہ نے یہ فرمایا کہ بخلاف المستامن منہم لان مالہ صار معظوراً بعقد الامان یعنی کفار مستامن کا مال دارالاسلام میں اس وجہ سے ممنوع قرار پایا کہ انھوں نے امان حاصل کر لیا ہے اور رد المحتار میں فرمایا وقید بہ لانه دخل فی دارنا بامان فباع منہ مسلم درہماید ہمین لایجوز اتفاقاً، دارالحرب کی قید اسلئے ہے کہ اگر کافر دارالاسلام میں امان لیکر آیا اور کسی مسلم نے اس سے ایک روپیہ کو دو روپیہ میں بیچا تو یہ سب کے نزدیک ناجائز ہے۔ ان تصریحات فقہار سے ثابت ہوا کہ مدار کار عقد امان ہے اگر یہ پایا جائے تو عقود میں وہی

احکام ہونگے جو مسلم ذمی کے ہیں ورنہ نہیں اور یہاں کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن
لہذا عقود فاسدہ کے ذریعہ سے انکے اموال حاصل کرنے میں وہ احکام نہیں جو کہ مسلم و
ذمی کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۵۔ اگر یہ کمپنیاں خاص کفار کی ہوں تو بیمہ کروانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ مسلم انقصان
نہ ہو اور اس کو ربا و قمار قرار دیکر حرام کہنا صحیح نہیں جیسا کہ سوال نمبر چار کے جواب سے
ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ مسئلہ یاد علی صاحب وارثی مہنداول ضلع بستی ۷، محرم ۱۳۶۷ھ
ہمارے قصبہ میں جب کوٹہ کا سوت تقسیم ہوا اس وقت جن برادران کے پاس
روپیہ نہیں تھا وہ بہت پریشان تھے۔ اس لئے ایک مالدار مسلمان نے ان کو اس شرط پر روپیہ
دیا کہ فی کارخانہ کے سوت کا جو دام ہوگا ہم دیگے اور ڈھیر روپیہ فی کارخانہ کے حساب سے
زیادہ لینگے یعنی ایک کارخانہ کا دو گڈہ سوت ملا اور مبلغ اٹھائیس روپے سواست آنہ
دو گڈہ کا دام ہوا اسی طرح اس مالدار مسلمان نے جس کو اٹھائیس روپے سواست آنے دیا تھا
اس سے اونیس روپے سوا پندرہ آنہ لیا یا جنکے ذمہ ابھی باقی ہے ان سے اتنا ہی لے گا
یعنی فی کارخانہ کے روپے پر ڈھیر روپیہ زیادہ لیتا ہے لہذا ایسا لینا اور دینا کیسا ہے؟ بنو اتو جروا
الجواب۔ : ظاہر ہے کہ یہ روپیہ جو وہ شخص دے رہا ہے کارخانہ والوں کو بطور قرض دیتا
ہے تاکہ وہ لوگ کوٹہ والوں سے سوت خرید کر کام چلائیں اور قرض میں جتنا دیا ہے اس
سے زیادہ لینا سود ہے ہدایہ وغیرہ میں ہے کل قرض جو منفعۃ فہو بواجب قرض
کے ذریعہ نفع حاصل کیا جائے تو یہ سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ مرسلہ مولوی محمد یوسف صاحب از نیپال ترائی موضع بیلا ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ
ہندوستان از نیپال دارالحرب بیلا دارالاسلام اگر دارالاسلام ہے تو نیپال میں راجہ
بعض احکام سے منع کرتا ہے، مثلاً گائے کی قربانی کرنا۔ دارالحرب اور دارالاسلام سونے کیلئے

کیا کیا شرائط ہیں ؟ بینوا تو جروانی الدارین خیرا

الجواب :- ظاہر ہے کہ پہلے ہندوستان میں اسلامی سلطنت تھی اور یہ دارالاسلام تھا اور اب اس پر نصاریٰ کا قبضہ ہے۔ اور جو جگہ دارالاسلام ہو چکی ہے اس کے دارالحرب ہونے میں تین شرطیں ہیں۔ کہ اگر وہ سب پائی جائیں تو دارالحرب ہو جائے گی۔ اور ایک بھی ان میں سے مفید ہو تو دارالحرب نہیں۔ دارالاسلام ہی ہے۔ شرط اول یہ ہے کہ اہل شرک کے احکام جاری ہوں اور احکام اسلام وہاں سے اٹھالیے گئے ہوں۔ شرط دوم یہ کہ اس کا اتصال دارالحرب سے ہو جائے دارالاسلام سے منقطع ہو۔ شرط سوم یہ کہ کوئی مسلم یا ذمی امان اول پر باقی نہ ہو درمختار میں ہے لاتمیر دارالاسلام دارحرب الا بماورثاۃ باجراء احکام اهل الشرک و باقتسامها بدارالعرب و بان لا یبقی فیہا مسلم اذھی امتنا بالامان الاول ردالمحتار میں شرط اول کے متعلق فرمایا تولہ دباجراء احکام اهل الشرک ای علی الاشتمار وان لا یحکم فیہما اهل الاسلام۔ ہندیہ و ظاہرہ انہ لواجریت احکام المسلمین و احکام اهل الشرک لا تكون دارحرب۔ اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اب بھی احکام اسلام مثل جمعہ و عیدین وغیرہ جاری ہیں۔ لہذا شرط اول نہیں پائی گئی۔ اور ہندوستان دارالحرب نہ ہوا اور دوسری شرط یعنی اسکا اتصال دارالحرب سے ہو گیا ہو۔ اس کے متعلق ردالمحتار میں فرمایا ای بان لا یتخلل بینہما یلدة من بلاد الاسلام اس شرط کے اعتبار سے بھی ہندوستان کو دارالاسلام ہی کہا جائے گا کہ اس کا اتصال اب تک بلاد اسلام سے باقی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

لہ اب محمد اللہ تعالیٰ نصاریٰ کا قبضہ ختم ہو چکا ہے۔ اب ہمارے ہندوستان میں جمہوری حکومت ہے۔ مصباحی

مسئلہ ۱۔ مرسلہ ایجنٹ سنلائٹ انشورنس کمپنی آف کینڈا ساکن بنارس محلہ بھوتی ملی کیا فرماتے ہیں علمائے دین جان کے بیمہ کے بارہ میں (۱) جسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے ڈاکٹری تشخیص کے ذریعہ سے ایک مدت دس یا پندرہ برس یا اس سے کم و بیش مقرر کر لی جاتی ہے پھر جسکی جتنی حیثیت ہوتی ہے اتنا روپیہ مقرر ہوتا ہے مثلاً ایک ہزار یا دس برس ہزار روپیہ۔ اب اتنا روپیہ کمپنی میں چاہے ایک دم سے جمع کر دیا جاوے یا تھوڑا تھوڑا روپیہ مدت مقررہ کے اندر جمع کرتا رہے جب مدت پوری ہو جاتی ہے اور پوری رقم کمپنی میں پہنچ جاتی ہے تو یہ رقم بیمہ کرانے والے کو واپس مل جاتی ہے اور اگر مدت مقررہ کے اندر بیمہ کرانے والا فوت ہو گیا اگرچہ پورا روپیہ کمپنی نے نہیں پایا ہے مگر اسکے بال بچوں کو کمپنی پورا روپیہ دیتی ہے اسی فائدہ کے خیال سے لوگ بیمہ کراتے ہیں۔ (۲) مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ کا جان بیمہ دس برس کیلئے کرایا ہے اور سو یا دو سو روپیہ جمع کیا تھا کہ آمدنی بند ہو گئی یا اور کوئی مجبوری ایسی ہوئی کہ بقیہ روپیہ کمپنی میں جمع نہ کر سکا تو اس صورت میں جتنا جمع کرتا ہے وہ سب نہیں واپس ہوتا بلکہ کچھ کم کر کے مثلاً آدھا یا تہائی یا کمپنی میں جو قاعدہ ہو پس سوال یہ ہے کہ اس طرح جان کا بیمہ کرانے میں شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے اکثر مسلمان بیمہ کرانا چاہتے ہیں مگر ان کو حکم شریعت اسلامیہ کا انتظار ہے۔ لہذا مدلل و مفصل جواب بحوالہ کتاب لکھ کر مطلع فرمائیے ؟

الجواب :- کمپنی بیمہ کو جو روپیہ دیا گیا ہے وہ قرض ہے اور قرض کا حکم یہ ہے کہ جتنا دیا ہے اتنا ہی وصول کرے اس سے زیادہ لینا ناجائز ہے کل قرض جو منفعۃ فہور یا اس کمپنی کا محض کفار کی ہونا یا نہ ہونا دونوں کا اس صورت میں وہی حکم ہے کیونکہ اگر یہ کمپنی خالص کفار کا نہ ہو جب تو ظاہر ہے کہ زیادہ لینا ناجائز ہے اور اگر خالص کفار کی ہو تو اگرچہ انکی رضامندی سے ایسی زیادتی میں کوئی حرج نہیں۔ اور وہ سود نہیں مگر چونکہ یہاں دو صورتیں ہیں۔ مرجاتے ہیں تو ورثہ کو پوری رقم جو معین کی گئی ہے ملتی ہے

اگرچہ کل رقم جمع نہ کی ہو اور یہ ایک صورت فائدہ کی ہے مگر دوسری صورت کہ کسی وجہ سے رقم جمع کرنا بند کر دیا تو جو کچھ جمع کیا ہے وہ بھی پورا نہیں ملتا یہ صورت سراسر نقصان کی ہے اور کفار سے اس طرح پر عقد فاسد کے ذریعہ رقم حاصل کرنے میں جواز اذسی وقت ہے جبکہ نفع مسلم کا ہو۔ فتح القدیر پھر رد المحتار میں ہے لا یغنی ان هذا التعلیل انما یقتضی حل مباشرة العقد اذا كانت الزیادة ینالها المسلم۔ نیز فرمایا وقد التزم الامحاب فی الدرر ان مرادهم من حل الربا والتمسار ما اذا حصلت الزیادة للمسلم نظرا الی الحلة وان كان اطلاق الجواب خلافه۔ پھر اوسی رد المحتار میں ہے فانظر کیف جعل موضع المسالة الاخذ من اموالهم برضاہم فعلم ان المراد من الربا والتمسار فی کلامہم ما کان علی هذا الوجه وان کان اللفظ عاما لان الحكم یدور مع علته غالباً اور پہلی صورت کہ آثار مدت میں مر جائے اگرچہ موت کا وقت معلوم نہیں ہو سکتا ہے کہ مدت میں مرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدت کے بعد بہت دنوں تک جیتا رہے مگر ظاہری طور پر ڈاکٹری کر اگر کمپنی نے اطمینان کر لیا ہے کہ یہاں کوئی سبب عادی ظاہری نہیں ہے لہذا کمپنی نے اس صورت میں بھی اپنا ہی نفع ملحوظ رکھا ہے کہ وہ رقم جو داخل کرے گا اس کو اوتنا ہی ادا کرنا پڑے گا اور سود کا بیوپار کر کے اس کے روپیہ سے کمپنی نفع اٹھائے گی اور اگر ناگہانی طور پر کوئی مر بھی جائے تو جہاں اتنے لوگوں سے نفع حاصل کیا ہے ایک جگہ کچھ نقصان ہی سہی اسی کے لالچ میں لوگ بیمہ کر آئینگے اور ان کے اموال سے کمپنی خاطر خواہ نفع حاصل کرے گی پس یہ بیمہ حقیقتہً ہر صورت میں کفار ہی کو نفع پہنچنے کیلئے ہے بعض نادور صورت میں بیمہ کرنے والے کا فائدہ ہے۔ لہذا ایسا بیمہ شرعاً ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ قاضی طیب علی صنادیر مدر اسلامیہ اہلسنت مقام لاڈنون کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ حسب ذیل میں عموماً آجکل زندگی کا بیمہ ہونے کی کئی کمپنیاں جاری ہیں اکثر بیشتر افراد اس کام میں حصہ لیتے ہیں اور ظاہر اسباب فائدہ کی

صورت ہے یا یہ جائز ہے یا نہیں کوئی سود کی خرابی تو نہیں ہوگی یا ہوگی دس سال پندرہ سال بیس سال تک جتنا روپیہ دیا جاتا ہے اسکا دونا منافع حاصل ہوتا ہے کئی بیمہ زندگی کے ہیں کہ بعد مرنے تک کے ہوتے ہیں جس سے آپ صاحبان واقفیت حاصل کئے ہوئے ہیں ؟

الجواب :- اگر یہ کمپنیاں صرف کفار کی ہوں اور اسکے شرکاء میں کوئی مسلم نہ ہو اور بیمہ بھی اس طرح ہو جس میں مسلم کا فائدہ ہی فائدہ ہو یہ نہ ہو کہ بعض صورت میں فائدہ ہو اور بعض صورت میں نقصان تو یہ بیمہ جائز ہے کہ جتنا دیا ہے کمپنی اس سے زائد دیتی ہو اسکو یہ سمجھ کر لینا جائز ہے کہ کافر اپنا مال اپنی خوشی سے دیتا ہے کیونکہ کافر کا مال بدعہدی کے سوا جس طرح حاصل ہو حرام نہیں۔ اور اگر مسلمانوں کی کمپنی ہو تو بیمہ کرنا جائز نہیں۔ وہو تعالیٰ اعلم

مسئلہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سلمہ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ ۱۴/ رجب الآخر ۱۳۵۵ھ زندگی کا بیمہ جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو کس دلیل سے ؟

الجواب :- زندگی کے بیمہ کی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں بعض میں نفع نقصان دونوں ہوتے ہیں یہ ناجائز ہے اور بغیر ایسی صورت ہے کہ نقصان نہیں ہوتا یہ بیمہ اگر کفار سے ہو تو جو کچھ زیادہ ملے لینا جائز ہے ورنہ نہیں جائز

مسئلہ مدرسہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سلمہ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ ۱۴/ رجب الآخر ۱۳۵۵ھ لائری میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو کس دلیل سے ؟

الجواب :- یہ جواز اور حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لے کوئی عقد شرعی نہیں۔ لہذا ناجائز و حرام ہے۔ ارشاد ہے۔ یا ایہا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانساب والاذلام جس من عمل الشیطان فاجتنبہ لعلکم تفلحون ہ۔ لائری حرص و طمع کا ایک جال ہے اس میں شریک ہونے والا امید موبہم پر پائے ڈالتا ہے۔ اور یہی اصل جواز اور رد جواز ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ القمار من القمار الذی یزید و ینقص و ینتی القمار

الذی کل واحد من المقامرین ممن یعوز ان ینزہب ماله الی صاحبہ و یعوز ان یتفقہ مال صاحبہ۔ یعنی فقط قمار ہے بنا ہے جو گھٹنا بڑھتا رہتا ہے۔ قمار کو قمار اسلئے کہتے ہیں کہ جو اکیلے والوں میں سے ہر آدمی کے اندر یہ امکان رہتا ہے کہ اسکا مال اس کے مقابل کو مل جائے یا اسکا مال دوسرے کی طرف چلا جائے۔ ماوی علی الجلائین میں ہے۔ قوله القمار من المقامرة وہی المقالبۃ لذلک لا یرید المقالبۃ لصاحبہ ربحاً ص ۱۳۶۳۔ لہذا لائری میں شریک ہونا کسی طرح جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ آل مصطفیٰ مصباحی

باب القضاء

مسئلہ: مرسلہ عبدالحمید خاں افسر مسلح خانہ نقچہ پوری دروازہ ۱۲، شوال ۱۳۴۱ھ
 چرمی فرمایند علمائے دین متین و متقیان شرع سید المرسلین کثر ہم اللہ تعالیٰ الیوم الدین
 دریں صورت کہ دو شخص مسلمانان و امرے متخاصم و متنازع شدہ در محکمہ عدالت حجاز مقدمہ و قضیہ
 دائر کردند۔ آخر الامر محکم عدالت حجاز آن فریقین را حکم کرد کہ شما حسب شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
 فیصلہ منظور کنید۔ ہر دو فریقین فیصلہ حکم شرعی منظور و مقبول نمودند کہ عالمے شرعی فیصلہ مقدمہ
 بایاں نماید، آیا دریں صورت عالمے شرعی در دیار بایاں قاضی و حکم خواهد شد یا نہ؟ بینوا بالکتاب والسنۃ
الجواب: ہر مسلمانان اتباع شرع واجب و لازم است، و عدول ازوے روانیست
 و جمیع معاملات خود بر شرع پیش کنند، بآنکہ شرع حکم کنند مطیع و منقاد شوند، قال تعالیٰ: فَإِنْ
 تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ سَوِّیةٌ۔ و بر حکام فرض است کہ قطع نزاع و رفع خصومت
 مطابق شرع کنند۔ قال تعالیٰ: مَنْ لَمْ یَحْکَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِکَ هُمُ الْکَافِرُونَ۔ وقال جل مجدہ
 مَنْ لَمْ یَحْکَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِکَ هُمُ الظَّالِمُونَ، وقال عز اسمه: مَنْ لَمْ یَحْکَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِکَ
 هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ یہ نظر آن حکم اور الکنند کہ عالم علم دین باشد، و اگر نہیں نباشند پس لازم است کہ اور جوع
 بعلم کنند تا فیصلہ اش بر طبق شرع واقع شود و ہر دو فریق اتباع آن لازم گردد و منصدق فضلوا و اضلو
 نشود و در تنویر الابصار فرمود حکما راجلا نعلم بینہما بینۃ و اقرارا و نکول مع لونی غیر حد و تود و دیتہ علی عاقلہ اہ

۱۔ سورہ نسا بارہ ۵، رکوع ۵۔ پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔
 ۲۔ سورہ بکہ ۱۱، سورہ مائدہ۔ اور جو اللہ کے آراء پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ ۳۔ حوالہ مذکور۔ اور جو اللہ کے آراء پر حکم نہ کرے
 تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ ۴۔ ایضاً۔ اور جو اللہ کے آراء پر حکم نہ کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ مصباحی

وفي الهندية ولكل من الحكمين ان يرجع مالهم ميكلهم بينهما واذ احكم لزمهما. والله تعالى اعلم

مسئلہ :- مسئلہ علی بخش صاحب قلم شیخ ساکن بریلی۔ محلہ کانکر ٹولہ ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

شرعی فیصلہ کسی بے علم مسلمان کو کرنا کیسا ہے۔ شرعی فیصلہ عالم کا مکروہ جاننا کیسا ہے؟

الجواب :- جو شخص علم نہ رکھتا ہو اس کا فیصلہ کرنا جائز نہیں اور حدیث میں اس پر وعید

آئی اور عالم نے جو فیصلہ موافق شرع کیا اس کو مکروہ جاننا حکم شرع کو مکروہ جاننا ہے ایسے شخص کو

توبہ کرنی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱) مسئلہ ہاشم غلام محمد منشی احمد باد گجرات۔ اسٹوڈنٹس انجمن اسلامیہ اسکول

۲ جمادی الآخر ۱۳۳۳ھ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ

بیٹی کا حصہ اپنے ماں باپ کے مال میں نہیں؟

ایسا قانون اپنی جماعت کا ٹھہرا کر اس پر بھروسہ کرنا کی کوشتش کرے اور قرآن شریف کے

حکم کے خلاف اس حکم کو منوانے کی کوشتش کرے ایسے شخص پر شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ (۲) ایک جھگڑے کو ایک مکروہ قرآن شریف کے حکم کے موافق فیصلہ کرنا چاہتا ہے

مگر فریق دو سراجاعت کے رکن کے موافق فیصلہ کرنا چاہتا ہے شریعت کے فیصلہ سے دوسرا

فریق راضی نہیں اس دوسرا فریق پر حکم شرعی کیا ہے؟

مسئلہ (۳) اس قانون پر بھروسہ عمل کرنے سے انکار کرنے کی وجہ سے کسی شخص کو جماعت

سے خارج کرنے والوں پر شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ (۴) جماعت سے خارج کر نیوالوں اور جماعت سے خارج سمجھنے والوں سے مسلمانوں

کو کیسے تعلق رکھنا چاہئے؟

مسئلہ (۵) آیا یہ حکم ان لوگوں پر عائد ہوتا ہے یا نہیں جو شخص ایسی فساد کی بات اٹھاویں

جس سے حکم خدا و سنت رسول جاری نہ ہو اور کافروں کا رسم قائم رہے یا جاہلوں کو کہنے سننے

کا خیال کر کے خدا و رسول کا حکم قبول نہ کریں، تو یہ سب قسم کے لوگ کافر ہوتے ہیں، عورتیں

ان کے نکاح سے باہر ہو جاتی ہیں نماز اور روزہ کچھ قبول نہیں، کھانا کھانا پانی پینا ان لوگوں کے ہاتھ سے ہرگز درست نہیں اور اپنی شادی وغی میں ان کو نہ بلا دیں اور نہ انکے خازنہ میں جاویں، بنوا تو جروا

الجواب :- اللہ عزوجل فرماتا ہے ان الحكم الا الله۔ حکم نہیں مگر اللہ کیلئے۔ اللہ عزوجل نے جن لوگوں کے جو کچھ حصے مقرر فرمادیئے انھیں نہ دینا نہایت سخت ظلم ہے اللہ عزوجل نے لڑکے اور لڑکی دونوں کے حصے والدین کے مال میں رکھے لڑکیوں کو نہ دینا حرام قطعی ہے، فرمایا ہے

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ اور فرمایا۔ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْעَالِمِ لَتَأْكُلُوا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حکام کے پاس لے جاؤ کہ لوگوں کے کچھ اموال گناہ کے ساتھ کھا لو حالانکہ تم جانتے ہو۔

قرآن مجید کے حکم کے خلاف قانون بنوانیکی کوشش کرنا بلکہ اس پر جبر کرنا پہلوئے کفر رکھتا ہے اگر حکم الہی کو ناپسند کرتا ہے تو یقیناً کافر ہے، ارشاد فرماتا ہے۔ مَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ۔ اُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔ اُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ۔ اور ایسا قانون بنوانیوالا ضرور خلاف ما انزل اللہ پر حکم کرانیکی کوشش کرتا ہے اور یہ اعانت علی الاثم والعدوان، اور کم از کم حرام و فسق ہے فرماتا ہے۔ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور اس قانون پر عمل کرنے میں یتیم لڑکیاں اپنے حصوں سے محروم رہ جائیں گی اور یتیم کا مال کھانا آگ کھانا ہے اور آخرت میں اس کا عذاب بھڑکتی آگ، ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰی ظُلْمًا اَنۡهٰی يَأْكُلُوْنَ فِيۢ بُطُوۡنِهِمْ نَارًا وَّسَيُصْلَوْنَ سَعِيۡرًا۔ جو لوگ یتیموں کے مال ظلماً کھا جائے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔

آیت ۱۲ سورہ نسا۔ مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کیلئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے ترکہ، تھوڑا ہو یا بہت، حصہ ہے اندازہ بانہا ہوا

آیت ۱۷ سورہ بقرہ۔ آیت ۱۲ سورہ مائدہ۔ نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ آیت ۱۲ سورہ نسا۔ مصباحی

اور عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہونگے۔ ان کا مال کھانا تو کھانا اچھے کے بدلے میں انھیں برا دینا بھی حرام ہے فرماتا ہے وَاللّٰوِ الْيَتْمٰی اَمْوَالُهُمْ وَلَا تَمْنَدُوا الْيَتْمٰی بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا اَمْوَالَهُمْ اِلٰی اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوبًا کَبِیْرًا یہ یتیموں کے اموال انھیں دید و اور اچھے کے بدلے میں نہ دو اور ان کے اموال اپنے مالوں میں ملا کر نہ کھاؤ بیشک یہ بڑا گناہ ہے، میراث کے احکام اللہ عزوجل نے بیان فرما کر یہ ارشاد فرمایا اس وعدہ و وعید کو مسلمان غور سے پڑھیں اور احکام الہی کے سامنے گروں جھکا میں سرکشی نہ کریں: فرماتا ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ یُطِعِ اللّٰهَ وَمَا سُوْلُهُ یُدْخِلْهُ جَنَّۃً تَجْرٰی مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْهَارُ خَالِدٍ فِيْہَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ وَمَنْ یَعْصِ اللّٰهَ وَمَا سُوْلُهُ یُجْعَلْ لِّہٖ سُلٰلٰتٌ مِّنْ اَعْدَابٍ مِّمَّا وُعدَ اللّٰہُ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ یہ اللہ کی حدیں باندھیں ہوئی ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا اسے جنتوں میں داخل فرمائیں گاجن کے نیچے نہریں بہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ و رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے اسے آگ میں داخل کریگا اس میں ہمیشہ رہنا ہے اور اس کے لئے ذلت

کا عذاب ہے۔ اعاذ باللہ منہا ومن عذابہا والمؤمنین، واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲): شریعت کے حکم پر راضی نہ ہونا اور اس پر اپنے بنائے ہوئے قانون کو ترجیح دینا کفر ہے فتاویٰ علمگیری میں ہے اِذَا قَالِ الرَّجُلُ لَغِیْرَہٗ حُکْمَ الشَّرْعِ فِیْ ہٰذِہِ الْعَادَۃِ کَذٰلِکَ اَقَالَ ذٰلِکَ الْغِیْرُ مِنْ بَرَسَمِ کَارِیْ کُنْمَ نہ بشرع یکفر عند بعض المشائخ حکم شرع سے اعراض کرنا اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر راضی نہ ہونا منافق کا کام ہے، مومن کی شان نہیں، ارشاد فرماتا ہے یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اطِيعُوا اللّٰهَ واطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولٰٓئِیْ اَلَا مَرِضٌ کُمْ فَاِنْ تَنٰصَرْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلٰی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا اَلَمْ تَرَ اِلٰی الَّذِیْنَ یُزَعَمُوْنَ اَنْہُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَعٰلَمُوْا اِلٰی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّنْزِلَ اَنْ یُفْلِتُوْا مِنْہَا لَا یَعْبُدُوْنَ اِذَا قِیلَ لَہُمْ تَعٰلَوْا اِلٰی مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلٰی الرَّسُوْلِ رَاٰی النَّفِیْقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ مَدُوْدًا

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں صاحب امر ہیں اور اگر تم میں باہم کسی شئی میں نزاع ہو تو اسے اللہ و رسول کی حضور پیش کرو اگر تم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اسکا مال پسندیدہ کیا تم نے ان کو نہ دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا اور اس پر جو تم سے قبل نازل کیا گیا وہ چاہتے ہیں کہ شیطان کے پاس فیصلہ کو جائیں۔ حالانکہ انھیں حکم دیا گیا کہ اسکے ساتھ کفر کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر دے دور کی گمراہی میں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اسکی طرف آؤ جو خدا نے اتارا اور رسول کی طرف تو دیکھو گے کہ منافقین تم سے اعراض کرتے ہیں۔ اور فرماتا ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُخْلُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا یعنی تیرے رب کی قسم وہ ایمان والے نہ ہونگے جب تک تمہیں حکم نہ بنائیں۔ ان امور میں جن میں باہم مختلف ہوئے پھر جو تم نے فیصلہ کر دیا اس سے اپنے دل میں تنگی نہ پائیں اور

اے پورے طور پر مان نہ لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۳) :- جو حکم خلاف شرع ہے اس سے بیشک انکار ہی کیا جائیگا اور اس پر عمل کرنے والا یا لوگوں کو عمل کرنے پر مجبور کرنا والا اور نہ عمل کریں تو جماعت سے خارج کہنے والا سخت فاسق فاجر گنہگار و مستحق نار و غضب جبار ہے، اس پر توبہ لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۴) :- لڑکیوں کا حصہ انھیں نہ دینا رسم کفار ہے، اور اگر کوئی مسلمان ان کی پابندی کرنے تو نہایت سخت مجرم مسلمانوں کو تو قرآن نے یہ حکم دیا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اَدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآثَةً وَلَا تَتَّبِعُوا اُخْطَاۗءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ فَاِنْ زُلَلْتُمْ مِّنۢۢ بَعْدِ مَا جَآءَ تَكْوِيْمُ الْبَيِّنٰتِ فَاَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اے ایمان والے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے پھر اگر ظاہر و لیلیوں کے آنیکے بعد اس سے مائل ہوئے تو جان لو بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ باپ دادا کے کفری رسموں پر اڑے رہنا

کافروں کا طریقہ ہے مسلمان پر تو احکام خدا و رسول کی پیروی لازم، اللہ عز و جل کافروں کی صفت بیان فرماتا ہے۔ **وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاءُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ**۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اس کا اتباع کرو تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اسکی پیروی کرینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا تو کیا اگرچہ ان باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور راہ پر ہوں جب بھی انھیں کی پیروی کرینگے، پھر قرآن عظیم کے ایسے واضح و بین ارشادات ہوتے ہوتے نصوص قطعیہ کے خلاف پر عمل کرنا اور اس پر اڑے رہنا بلکہ لوگوں کو اسکے عمل پر مجبور کرنا کسی مسلمان کی ہرگز شان نہیں ہو سکتی قرآن عظیم نے تو یہ کام منافقوں کا بتایا ہے، **فَرَمَاتَا هِيَ - الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ**، منافق مرد اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے سے ہیں بری بات کا حکم دیتے ہیں اور اچھی بات سے منع کرتے ہیں۔ اور مومن و مسلم کی وہ شان ہونی چاہیے جو **فَرَمَاتَا هِيَ - وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** مومن مرد اور عورتیں بعض بعض کے دوست ہیں اچھی بات کا حکم دیتے ہیں اور بری بات سے منع کرتے ہیں، اور یہ جماعت سے خارج کرنے والے یا سمجھنے والے بیشک امر بالمعروف اور نہی عن المعروف کرتے ہیں، ان سے میل جول سلام کلام سب ترک کر دیا جائے جب تک تائب ہو کر قرآنی ارشاد کی پابندی پر راضی نہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۵)۔ اگر ان لوگوں نے ان احکام کو ماننا نہ ہو اور ان پر ایمان نہ لائے تو اسلام سے خارج، کہ پورے قرآن پر انکا ایمان ہی نہیں اور بے اسکے مسلمان نہیں، **أَنفُسُهُمْ يَكْفُرُونَ** بَعْضُ الْكُتَّابِ وَيَكْفُرُونَ بَعْضُهُمْ اور اگر پہلے مانا تھا اور اب انکار کرتے ہیں تو اب کافر و مرتد ہو گئے، ان کی عورتیں نکاح سے خارج ہو گئیں، اور اس صورت میں ان سے میل جول

لے پارہ ۲۵ سورہ بقرہ - لے پارہ ۱۰ رکوع ۱۵ سورہ توبہ - لے ایضا - مصباحی
لے تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔

شادی بیاہت ان کے ساتھ کھانا پینا سب حرام۔ اور ان کے جنازہ کی نماز حرام اور ان پر تمام وہی احکام ہیں جو مرتدین کے ہیں اور اگر قرآنی احکام حق جانتے ہیں اور سچ جانتے ہیں ان پر ایمان ہے مگر شامت نفس اور شیطان کے دھوکے میں گرفتار ہیں کہ انکی پیروی نہیں کرتے اور شیطان کے بھلاوے میں پڑے ہیں تو سخت فاسق فاجر ہیں تو بہ کریں اللہ تعالیٰ تو بہ قبول کرے والا ہے ورنہ مسلمان ان سے قطع تعلق کریں اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ **وَمَا يُنْسِيكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَعْدُ بَعْدَ اِذْ كُورِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ**۔ اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ **وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ**

مسئلہ :- مرسلہ عبد الحکیم صاحب شہر کانپور۔ محلہ مصری بازار، مسجد محمد تقی، ۳ رجب ۱۳۲۲ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ مسائل شرعیہ عبادات میں غیر مسلم کے فیصلہ کی طرف رجوع کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے باوجودیکہ امیر شریعت موجود ہیں؟

اجواب :- کفار کے پاس فیصلہ لیما نامنوع ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ **اَلَمْ تَرَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیدُوْنَ اَنْ یَّتَحٰلَفُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یُکْفِرُوْا بِهٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُضِلَّهُمْ فَلَا یُعِیْدُ**۔ (و اللہ تعالیٰ اعلم)

مسئلہ :- مرسلہ عبد المجید صاحب محلہ لائیکان متصل جونی بال مسجد ریاست جوہ پور ماڑ واڑیکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ

علمائے مذہب اخاف سے نہایت ادب کیساتھ التماس ہے کہ ہمارے یہاں اکثر اشخاص مسائل ذیل کے متعلق گفتگو کرتے رہتے ہیں، اور بارہا مقدمہ بازی کی نوبت آجاتی ہے، اس لئے محبتہ اللہ امورات مندرجہ ذیل کا جواب کتب معتبرہ مذہب اخاف سے

۱۔ پارہ ۷ رکوع ۱۴ سورہ انعام۔ ۲۔ کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا۔ اور اس پر جو تم سے پہلے اترا، پھر جاتے ہیں کہ شیطان کو اپنا بیچ بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اٹھانے میں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انھیں دوزخ بھگا دے۔ پارہ ۵ رکوع ۶ سورہ نسا۔ مصباحی

مع حوالہ کتب مزین بمواہر عنایت فرمادیں اسکا اجر اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے پاویں ؟
 ۱۔ قاضی کا نفقہ یا روزینہ یا نحوہ کا بیت المال سے مقرر کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟
 ۲۔ اس وقت جبکہ ہندوستان میں بیت المال نہیں ہے اگر قاضی کا نفقہ اہل اسلام پر ڈالا جائے تو جائز ہے یا نہیں ؟

۳۔ ہمارے یہاں ہندو ریاستوں میں قاضی کے متعلق صرف نکاح خوانی اور نماز عیدین کی انجام دہی ہے اور بنا براسناد شاہی مہاراجگان ریاست مارواڑ بھی وقتاً فوقتاً اسناد نکاح خوانی عطا فرماتے آئے ہیں۔ نیز وقت نزاع فیما بین اہل اسلام متعلقہ نکاح و طلاق و مہر وغیرہ قاضی کے رجسٹر سے عدالت ریاست مقدمات کے فیصلہ کرنے میں مدد حاصل کرتی ہے اور رجسٹر مذکورہ کو مستندان کر بموجب احکام شریعت حکم نافذ فرماتی ہے ریاست مذکورہ نے قاضی مذکور کی اس خدمت کے صلہ میں بطور نفقہ کچھ رقم فی نکاح مقرر کر دی ہے جس کو ناکہ خواں منکوہہ بردقت ایقاع نکاح ادا کرتے ہیں آیا یہ نفقہ جو راج نے مقرر کر دیا ہے قاضی کو لینا جائز ہے یا ناجائز ؟

۴۔ ایسے قاضیوں کی بیاض یا رجسٹر میں اگر کوئی اپنا نکاح درج نہ کرائے اور بالا بالا بلا اجازت پڑھ لے حالانکہ سرکار سے یہ حکم صادر ہو چکا ہے کہ کوئی بلا اجازت قاضی نکاح نہ پڑھائے تو ایسے لوگوں کا یہ فعل کیسا ہے۔ حسب اللہ مسئولات بالا کا جواب بادلہ و بحوالہ کتب معتبرہ و مستندہ سے استنباط و تدقیق منبع فرما کر مع مہر مزین فرمادیں ؟

الجواب :- قاضی کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کیا جائیگا جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے مصارف بیت المال سے لئے کہ جب قاضی اپنا وقت امور مسلمین میں صرف کرتا ہے تو مصارف اگر بیت المال سے دیئے جائیں تو گذارہ کی کیا صورت ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے۔ و مصروف البخریۃ و الخراج مصالحنا کسد ثغور و بناء قنطرة و جسر و کفایۃ العلماء و الفقہاء انتہی ملتقطاً واللہ تعالیٰ اعلم (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الجواب (۲) :- اگر ہندوستان میں بیت المال نہیں ہے تو قاضی بھی نہیں جن کے لئے تکلیف کرنے کی حاجت ہو، رہے علماء یہ نوکری وغیرہ کر کے خدمت دین بھی کرتے ہیں اور گزراوقات بھی کر لیتے ہیں، غالباً مسائل کی مراد قاضی سے وہ لوگ ہوں جو شاہی زمانہ کے قاضیوں کی اولاد سے ہیں اگر یہ ہے تو نہ وہ قاضی ہیں نہ ان کیلئے مصرف مقرر کرنے کی حاجت کہ قضاۃ کوئی میراث نہیں ہے نہ یہ نسب کی صفت ہے کہ باپ قاضی ہو تو بیٹا بھی قاضی بلکہ ان لوگوں کو براہ ادب مجازاً قاضی کہتے ہیں جیسے علماء کی اولاد کو مولوی صاحب مشائخ کی اولاد کو شاہ صاحب وغیرہ کہتے ہیں قضاۃ ایک عہدہ ہے جو بادشاہ کی طرف سے لوگوں کو دیا جاتا ہے اور اس کیلئے تقلید شرط ہے، یعنی جس شخص کو قاضی بادشاہ نے بنایا وہی قاضی ہے وہ مر جائے یا معزول ہو جائے تو اب قاضی نہیں۔ اور قاضی کے متعلق معاملات کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے اور اس عہدہ کی وہی نوعیت ہے جیسے انگریزی سلطنت میں جج کی ہے تو جس طرح جج کی اولاد جج نہیں اسی طرح قاضی کی اولاد قاضی نہیں اور آج کل لوگ انھیں بھی قاضی کہتے ہیں جو نکاح پڑھا دیا کرتے ہیں حالانکہ نکاح پڑھانا ان امور میں نہیں جو قاضی کے سپرد ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۳) :- نکاح خوانی پر اجرت لینا جائز ہے راج نے مقرر کیا ہو جب بھی لے سکتے ہیں اور نہ مقرر کرے ادسوقت بھی لے سکتے ہیں اس کے عدم جواز کی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۴) :- نہ مسلمانوں کے ذمہ شرعاً یہ لازم کہ نکاح قاضی ہی سے پڑھوائیں نہ یہ واجب کہ نکاح خواں کے دفتر میں نکاح درج کرائیں۔ اگر راج اندراج پر مجبور کرے تو یہ ریاست کا حکم ہوگا جو مسلمانوں پر واجب الاتباع نہ ہوگا بلکہ اس کو مذہبی دست اندازی تصور کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب الاقتار

مسئلہ :- مرسلہ محمد حسین از بمبئی ۱۹ ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں مینڈک و تمساح وغیرہ حلال ہے یا حرام ؟ بینوا توجروا

الجواب :- ہم سے جب کسی مسئلہ کی نسبت سوال ہو کہ امام شافعی کا اس بارہ میں کیا قول ہے تو فقہائے کرام کا یہ حکم ہے کہ یوں جواب دو کہ امام اعظم کا اس امر میں یہ ارشاد ہے، اور حق فرمایا کہ ہمیں اپنے ہی مذہب کے متعلق فتویٰ دینے میں کس قدر دشواریاں پیش آتی ہیں، نہ کہ مذہب دیگر امام جتنے مذہب سے کافی اطلاع نہیں، نہ اس مذہب کی کتابیں موجود، اور ان کے اقوال جو ہماری کتابوں میں منقول، کیا علم کہ وہ کس درجہ کے اقوال ہیں، آیا وہ اس مذہب میں معمول بہا و مفتی بہا ہیں یا نہیں، اس امام کا وہ مذہب ہے یا محض ایک روایت ہے، اور مذہب میں وہ قول یا قوت ہے یا نہیں، لہذا اگر سائل شافعی الذہب ہے تو مفتیان شافعیہ کی طرف اسے رجوع چاہیئے مینڈک و تمساح وغیرہ مچھلی کے سوا تمام پانی کے جانور ہمارے مذہب میں حرام ہیں، درمختار میں ہے ولا یحل حیوان مائ الا السمک غیر الطافی جوہرہ نیرہ میں ہے ولا یوکل من حیوان الماء الا السمک، ہاں امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے تمام دریائی جانوروں کو حلال فرمایا اور بعض نے انسان و کلب و خنزیر کا استثنا کیا، ہدایہ میں ہے ولا یوکل من حیوان الماء الا السمک وقال مالک وجباۃ من اهل العلم باطلاق جميع مائ البحر واستثنى بعضهم الخنزير والكلب والانسان وعن الشافعي انه اطلق ذالك كله والخلاف في الاكل والبيع واحد لهم قوله تعالى اُجِّلْ لَكُمْ مَيْدُ الْبَحْرِ، من غیر فصل، وقوله عليه السلام في البحر

هو الطهر، ماءؤه والعل ميتته۔ ولانه لادهم في هذه الاشياء اذ الد موى لا يسكن الماء والمعتم هو الدم فاشبه السمك، قلنا قوله تعالى ويحرم عليهم الغبائث وما سوى السمك خبيث، ونهى رسول الله عليه السلام عن دوائه تغذيه الصفد، ونهى عن بيع السرطان والصيد المذكور فيما تلى محمول على الاصطيا وهو مباح فيما لا يعمل والميتة المذكورة فيما روى محمولة على السمك وهو حلال مشتق من ذالك لقوله عليه السلام اهلنا ميتتان ودمان اما الميتتان فالسمك والجراد واما الدمان فالكبد والطحال۔ وهكذا هو المذكور في كتب اخر۔ والله تعالى اعلم

مسئلہ :- مرسلہ مولوی محمد یوسف صاحب از اترسراج مسجد متصل عید گاہ ۱۹ دیکھو

کیا کتاب صلوات مسعودی کے مسائل عند الحنفیہ درست ہیں اور قوی ہیں یا ضعیف ؟
الجواب :- کسی کتاب کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسکے تمام مسائل قوی ہیں، اس میں کوئی ضعیف نہیں، ہدایہ وغیرہ کتب معتبرہ مستندہ کے بعض مسائل پر جب فتویٰ نہیں دیا گیا تو صلاۃ مسعودی تو صلاۃ مسعودی ہے، مصنفین سے بعض مواقع میں لغزش واقع ہونا کیا مستبعد، یا بی اللہ العصمۃ الا لکلامہ او کلام رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر یہ حکم علی الاطلاق کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ اسکے تمام مسائل صحیح و مفقہا و معمول بہا ہیں، کہ بعض مسائل بوجہ اختلاف عصر و مصر و ملک و عادت و غیرہ وجوہ سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ اور صلاۃ مسعودی تو کوئی ایسی کتاب بھی نہیں کہ علماء و فقہار اسکے اقوال سے استناد کرتے ہوں، فقیر نے کتب متداولہ میں کہیں نہ دیکھا کہ اس کے اقوال سے استناد کیا ہو اور اگر کسی نے اسکا حوالہ دیا ہو تو یہ نظر فقیر سے نہیں گذرا اور اگر استناد کیا بھی ہو اور اسکا کوئی قول عامۃ کتب معتبرہ کے خلاف ہو یا اسکے خلاف پر فتویٰ ہو یا جہود کے خلاف ہو تو عمل اس پر ہو گا جسکی ترجیح ہو اور مختار میں ہے۔ امانحن فعلینا اتباع مارحجہ، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ قاسم علی خاں بمقام اسلام پور ریاست جے پور ۵ جادی الاخریٰ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر غیر مقلدین

اور وہابی کا بہت بڑا دور و شور ہو رہا ہے تو کیا ان کے مسائل پر اور ان کے طریقے پر عمل کرنا جائز یا نہیں!
اجواب :- ان کے طریقے پر چلنا گمراہی اور ان سے مسائل پوچھنا اشہد حرام کہ یہ جب گمراہ ہیں تو تمہیں
 گمراہ کرنے میں کیا کمی کریں گے کہ جب جاہلوں سے فتویٰ پوچھنا ناجائز ہے اتنے بیدار علماء و دانشور
 اور یہ تو بدترین کہ رعہ از خویش تن گم است کرا رہی کند! واللہ تعالیٰ اعلم۔

کَلِمَةُ الْبَنَاتِ الْأَمْجِدِيَّةِ

بچیوں کی اعلیٰ دینی تعلیم و تربیت کے لئے علمہ ایک نظم و باضابطہ شعبہ
 بنام "کَلِمَةُ الْبَنَاتِ الْأَمْجِدِيَّةِ" پوری ذمہ داری کے ساتھ مصروف
 عمل ہے۔ جہاں سے ہر سال قوم کی بچیاں عالمہ و فاضلہ ہو کر فارغ
 ہو رہی ہیں۔

بیرونی طالبات کے لئے دارالاقامہ (ہسٹل) کی تعمیر جاری ہے۔ اس
 تعمیر میں حصہ لے کر ثواب دارین سے مالا مال ہوں۔

رابطہ

علماء المصطفیٰ قادری کلیمۃ البنات الامجدیہ گھوسی منٹو

کتاب الدعوی

۴۴۷

مسئلہ :- از ضلع ناسک نیل باوڑی کی مسجد مرسلہ رحمت اللہ علیہ امام یکمین الاول
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے نوکر نے عمرو سے کہا کہ میں نے
پانچ ہزار کا مال خریدا ہے۔ اور وہ نوکر مر گیا۔ حالانکہ وہ نوکر جنون کی حالت میں تھا۔ اور زید سے
بین کے فاصلہ پر تھا اور زید کو کچھ معلوم نہیں تھا اب عمرو زید کے اوپر دعویٰ کرتا ہے
کہ تمہارے نوکر نے ہملو کہا ہے کہ مینے پانچ ہزار روپیہ کا مال تمہارے واسطے خریدا ہے وہ دینا
یہ مال کا خریدنا زید کو بالکل معلوم نہیں ہے اور نوکر نے بھی نہیں خریدا صرف ایک دعویٰ
کرتا ہے اب عمرو زید کے اوپر تقاضا کرتا ہے یہ دعویٰ عمرو کا زید کے اوپر صحیح ہے یا غلط ؟

الجواب :- جب وہ نوکر مجنون تھا تو اسکی بات کا اعتبار ہی نہیں نہ اسکے تصرفات
صحیح ہو سکتے۔ کہ بیع و شرار کیلئے عاقل ہونا ضرور ہے۔ اور مجنون عاقل نہیں حدیث میں فرمایا
رفع القلم عن ثلث (الی ان قال) ومن المجنون حتی یفیک و رخصتار میں ہے۔ و شرطہ اہلیۃ
المتعاقدين رد المحتار میں ہے ای بكونہما عاقلین نیز اسی میں بحر ہے فشرائط انعقاد
اشان الثقل والعدد فلا ینعقد بیع مجنون و صبی لا یعقل الخ اور اگر مجنون نہ بھی ہو تو
محض اسکا اتنا کہ دنیا کے میں نے تیرے واسطے پانچ ہزار کا مال خریدا ہے۔ اس سے عمرو کو دعویٰ
کا اختیار نہیں جبکہ نہ عمرو نے اسے وکیل کیا نہ خریدنے کے بعد اپنی رضا ظاہر کی۔ اور اگر فرض بھی
کیا جائے کہ عمرو نے اسے وکیل کیا تھا تو اس پر یا مرنے کے بعد اسکے ورثہ پر دعویٰ کر سکتا ہے
زید سے کیا تعلق ہے زید کا نوکر تھا جب مر گیا تو زید سے کوئی تعلق نہ رہا نہ زید پر کوئی مطالبہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الاقرار

مسئلہ ۱۱۔ مسئلہ سید اکبر شاہ امام مسجد شریف سو بھرازار کرانچی ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۴ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ متوفی اپنے تین مکان چھوڑ کر فوت ہوا، مگر مکان دوکان جسکو خرید کیا ایک رسید موجود ہے، اس میں خریدار منکو حہ متوفی کا نام ہے، اور اسکے ساتھ ایک قطعہ اسٹامپ آٹھ آنے کا بطور اقرار نامہ ہمراشتہ ہے۔ مضمون اقرار نامہ اس طرح ہے کہ اس دوکان کی مالک زوجہ منقر ہے اور خریدی ہوئی اسکی ہے، جو حاصل ہوگی وہ سب خرچہ مجرا کر کے باقی منکو حہ مذکورہ کو دیا کرونگا، لیکن بیعنامہ اپنے نام کرا لیتا ہوں، اسلئے کہ عورت پردہ نشیں میں میرا اور میرے وارثوں کا کوئی حق نہ ہے نہ رہے گا۔ اس کے بعد پھر ایک ہبہ نامہ بلا عوض اسی دوکان کے متعلق لکھا ہے۔ اس کے والد صاحب نے ادیریہ لڑکا اس منکو حہ سے ہوا ہے۔ حین حیات متوفی کے وہ دوکان قبضہ میں اسکے تھی اور اب تک ہے حین حیات زوجہ مذکورہ کے متوفی نے دوسری عورت کی اس سے چار فرزند ہوئے، تب متوفی نے داخل خارج ان چار بچوں کے نام پر کیا ہے، اور جسکو کہ ہبہ نامہ لکھا تھا اسکو کچھ حصہ نہیں دیا۔ لیکن اس نے قبضہ نہیں چھوڑا ہے

س ۲۔ دو مکان دوسرے بھی چار بچوں کے نام پر کئے ہیں اسمیں بھی کوئی حق نہیں دیا۔ اب آپ از روئے شرع محمدی کیا فتویٰ فرماتے ہیں، تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ خداوند تعالیٰ آپکو دونوں جہان کی عزت بخشے؟

الجواب۔ جب شخص مذکور نے خود اقرار کیا اور کاغذ لکھ دیا کہ یہ مکان زوجہ کی ملک ہے

اسی نے خرید لیا ہے بیعنامہ میں اپنا فرضی نام محض اسلئے لکھوایا کہ مسماۃ پردہ نشیں ہے تو اب

وہ ملک زوجہ ہی قرار پائے گا۔ اور زوجہ اولیٰ کے لڑکے نام جو ہبہ کیا یہ کوئی چیز نہیں کہ دوسرے

کی ملک کو ہبہ کر نیکا اسے کیا اختیار، اور زوجہ ثانیہ کے بچوں کے نام داخل خارج کرنا باطل محض

کہ اگر زوج کی ملک ہوتی بھی تو جب وہ پہلی عورت کے ٹکے کو ہبہ کر چکا تو اب ان چاروں کے نام کس طرح کر سکتا ہے کہ اس صورت میں تو ہبہ سے رجوع بھی نہیں کر سکتا۔ مجمع الانہر میں ہے: ينقطع حق الرجوع اذا كان الموهوب له ذارحم محررم منه، امير المؤمنين عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ فرماتے ہیں من دهب هبة لذی رحم فلیس له ان یرحم فیہا۔ لہذا یہ دکان زوجہ ثانیہ کے ٹکوں کے نام نہیں کر سکتا، اور داخل خارج محض باطل۔ واللہ اعلم ج ۲۔ اس شخص کو اپنی زندگی میں اپنے مال کا اختیار ہے۔ جسے چاہے دیدے اگر مرض الموت سے پہلے زوجہ ثانیہ کی اولاد کو دیدیا تو اب دوسرے وارثوں کو کوئی حق نہ رہا۔ مگر انکو دینا اگر دوسرے وارثوں کو محروم کر نیکی نیت سے ہو تو بہت برا کیا۔ حدیث میں فرمایا۔ من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنة۔ یعنی جو اپنے وارث کی میراث قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی میراث جنت سے قطع فرما دے گا۔ اور اگر مرض الموت میں ان چاروں ٹکوں کے نام کیا تو یہ حکم وصیت میں ہے۔ اور وصیت وارث کے حق میں بغیر اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں۔ حدیث میں فرمایا۔ ان اللہ تعالیٰ اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیة للوارث۔ ہدایہ میں ہے لا یجوز الوصیة لوارثہ الا ان یجیزھا الورثة۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ رائے بہادر سند رلال۔

۱۔ حکم شرع یہ ہے کہ جب اقرار کاذب کی صورت ہو تو سوائے اسکے کہ مقررہ سے حلف لیا جائے اور کوئی چارہ کار مقرر کے واسطے نہیں ہے ؟

۲۔ اور اب کہا جاتا ہے کہ مکروہ کو جسے ڈر کی وجہ سے چھوٹا اقرار کیا تھا ثبوت پیش کر نیسکا تو قیام دیا جائے گا اور خاص اس صورت میں مقررہ سے حلف نہ لیا جائے۔ بد نصیب جاہل دنیا دار آخر کس راہ پر چلے ایک جگہ کچھ حکم ہے دوسری جگہ کچھ اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ شرعی

لہ روی فی مشکوٰۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۲۶۶ باب الوصایا۔ وظلہ ابن ماجہ و
السیہقی فی شعب الایمان عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ ۱۳ مشکوٰۃ ص ۲۶۵ باب الوصایا۔ مصباحی

کوئی روایت ایسی بتائی جائے کہ صورت ۲ میں حکم ۱ نہیں ہو اور اگر اقرار مکرمہ اقرار کاذب سے مشتقی نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حکم کلی کا انطباق اس فرد خاص پر نہ ہو؟

الجواب :- اقرار کی صحت کیلئے رضا شرط ہے، جو اقرار بغیر رضامندی مقرر کے ہو وہ اقرار اقرار ہی نہیں، اور اقرار کے جتنے احکام ہیں اس پر وارد ہی نہیں۔ جبر و تعدی کے ساتھ جو اقرار ہوگا وہ صرف صورت اقرار ہے نہ کہ حقیقتہً و شرعاً۔ شریعت مطہرہ نے ایسے اقرار کو جو جبراً ہو صحیح نہ مانا۔ تو ایسے اقرار کا مقرر شرعاً کچھ اثر نہیں۔ قاعدہ کلیہ ہے۔ اذافات الشش طافات المشروط فتاویٰ خیرہ میں ہے۔ لا یصح الاقرار مع الاکراه بالاجماع۔ فتاویٰ علیگیری میں ہے۔ وکذا الرضا والطوع شرط حتى لا یصح اقرار المکره کذا فی النہایۃ۔ در مختار میں ہے فلواکره بقتل او ضرب شدید او جس حتی باع او اشتري او اقرا او آجر فسخ ما عقد ولا یبطل حق الفسخ بمت احدھا ولا بمت المشتري ولا بالزیادة المنفصلة وتضمن بالتعدی وسیجی انہ یسترد وان تداولتہ الایدی او امضی لان الاکراه الملعنی و غیر الملعنی یعد مان الرضا والرضا بشرط لصحة هذه العقود وکذا لصحة الاقرار لیس اکراه سے جو اقرار ہو اس میں مقرر کو اختیار رہتا ہے کہ اگر وہ چیز مقررہ کو نہ دی ہو تو نہ دے اور دیدی ہو تو واپس لے اگرچہ مقررہ نے اسے بیچ ڈالا یا اور کوئی تصرف کر لیا ہو اور اگر اقرار مکرمہ اقرار صحیح ہو تا تو یہ احکام نہوتے۔ فتاویٰ خیرہ میں ہے۔ لا ینفذ اقراره اذ الرضا شرط لصحة الاقرار فیفسد الاقرار عند فوات الرضا وهذا باجماع المسالین فله الامتناع عن دفع المقربہ للمقرله ان لم یکن دفعه فله استردادہ منه ان کان دفعه له مکرها والا کراه یعدم الرضا ویفسد کل امر تتوقف صحته علیه وقد رفع عن هذه الامة بقوله صلى الله تعالى علیه وسلم رفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرهوا علیه لیس ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ دعویٰ اقرار بالاکراه دعویٰ اقرار کاذب نہیں کہ اقرار کاذب میں سوا اس کے کہ مقررہ سے حلف لے، مقرر کو کچھ اختیار نہیں مقرر اگر دعویٰ اکراه کرے تو ضرور اس سے ثبوت طلب کیا جائے گا۔ بینہ پیش کر دے

تو وہ اقرار کا عدم قرار دیا جائے گا محض یہ خیال کر کے کہ وہ تو اقرار کر چکا ہے اس دعویٰ الکرہ کو تناقض قرار دیکر رد کر دینا (جیسا کہ مدعی علیہ کے پیش کردہ فتویٰ میں ہے) بالکل عقل و نقل کے خلاف ہے اگرچہ مقرر نے بوقت اقرار یہ بھی کہا ہو کہ یہ اقرار برضا و رغبت ہے جیسا کہ قنادی علیگیر یہ کی آئندہ عبارت سے واضح ہوگا اگر اسی کا نام تناقض ہو تو جس سے چاہیں مار پیٹ کر دھکی دیکر بیع و ہبہ اور ہر قسم کا اقرار کرا لیا کریں اور اس مظلوم کی نہ داد ہو نہ فریاد کہ دعویٰ کرنے کو جائے تو تناقض قرار دیکر خارج کر دیا جائے اور اس مظلوم کی ایک نہ سنی جائے۔ اگر قسمت سے دعویٰ مسوع بھی ہوا تو اگرچہ ہزاروں آدمیوں کے سامنے اس پر جبر و تشدد ہو اور سب گواہی و شہادت بھی دیں مگر کسی کی گواہی کا کچھ اثر نہیں۔ بس مدعی علیہ سے حلف لیکر مظلوم کی داد رسی کا خاتمہ کر دیا جائے کہ یہ تو اقرار کا ذب ہے اور اقرار کا ذب میں محض مدعی علیہ پر حلف ہے وہیں بھلا اسکو دعویٰ اقرار کا ذب سے کیا تعلق۔ مقرر نے صورت موجودہ میں کب دعویٰ اقرار کا ذب کیا ہے اسکا دعویٰ تو الکرہ کا ہے نہ اقرار کا ذب اقرار کا نفس الامر کے مطابق نہ ہونا اور بات ہے اور کذب اقرار کا دعویٰ کرنا شے دیگر۔ کیا اگر کسی مجنون نے حالت جنون میں اقرار کیا اور بعد افاقہ دعویٰ کیا کہ اسوقت مجنون تھا تو اسے یہ کہا جائیگا کہ یہ اقرار کا ذب کا دعویٰ ہے یا یہ ہوگا کہ اگر جنون کا ثبوت دے تو اقرار لاشے مانا جائے گا۔ اقرار کا ذب اور دعویٰ اقرار کا ذب میں فرق نکرنا عجیب ہے کیا اگر مقرر کا اقرار واقع میں کاذب ہو اور دعویٰ اقرار کا ذب نکرے تو قاضی خواہ مخواہ مقررہ پر حلف رکھ سکتا ہے ہرگز نہیں تو معلوم ہوا کہ دونوں باتوں میں فرق بتین ہے۔ مقرر اگر کذب کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ امام اعظم و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نامسموع ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ پر حلف ہے اور بوجہ فساد زمان اسی پر فتویٰ۔ بالجملة یہ مسئلہ اختلافی ہے اور اقرار مکروہ بالا جماع نامعتبر پھر دونوں کو ایک سمجھنا اسکو اسکی فرد قرار دینا کیونکر جیسا کہ قنادی خیر یہ کی عبارت مذکورہ بالا سے ظاہر و روشن تر ہے، ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ دعویٰ اقرار کا ذب و دعویٰ الکرہ دو چیزیں ہیں۔ ورنہ جس طرح دعویٰ اقرار کا ذب کو امام اعظم و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے نامعتبر و نامسموع فرمایا۔

اور مدعی علیہ سے انکے نزدیک اسمیں حلف بھی نہ لیا جائیگا اسی طرح چاہئے تھا کہ دعویٰ اکراہ کو
نامسموع فرماتے، حالانکہ یہ دعویٰ بالاجماع مسموع ہے، اور خود یہ اقرار ہی بالاجماع نامعتبر۔ لہذا
ضرور ہیکہ اگر مقرر اکراہ کا دعویٰ کرے تو اس سے بینہ طلب کیا جائے اور اس بینہ کا اعتبار ہوگا زیری
دعویٰ اقرار کا ذب قرار دیکر بینہ کو رد نہ کریں گے قادی علیگیر یہ ہے۔ لہذا کہ علی ان یقر بانہ
لم یزوجه هذه المرأة وانه لا بينة له عليها بذلك او على ان هذا ليس بعبد وانه حر لا
فاقراره بذلك باطل لان الاكراه دليل على انه كاذب فيما اقربه فلا يمنع ذلك قبول بينتها
على ما يدعى من النكاح والرق بعد ذلك كذا في المبسوط۔ بلکہ اگر مدعی علیہ طوع ورضا بینہ
سے ثابت کرے تو مدعی کے بینہ کو مدعی علیہ کے بینہ پر ترجیح ہے۔ بینۃ الاکراہ ادلی من
بینۃ الطوع۔ بلکہ صورت مستفسرہ میں خود مدعی علیہ نے جو قویٰ پیش کیا ہے اسکے نمبر ۲ میں
یہ عبارت مذکور ہے۔ اگر وقت یح میں شرائط اکراہ جو شرع میں ہے موجود ہوں اور بینہ سے
ثابت ہوں تو یہ یح مکروہ ہے جو منعقد غیر لازم ہے رضا بائع پر موقوف ہے وہ چاہے فسخ کرے
چاہے جائز رکھے۔ مفتی کی یہ عبارت خود بتاتی ہے کہ مقرر کے بینہ کا اعتبار ہے۔ اور یہ اقرار
کاذب میں داخل نہیں ورنہ بینہ سے ثبوت کی کیا حاجت تھی۔ مدعی علیہ کے حلف پر مدعی کا فائدہ
کر دیا جاتا کتب فقہ میں بکثرت روایات موجود ہیں کہ اقرار بالا کراہ میں مقرر کے بینہ مقبول ہیں
اور اس اقرار کا کچھ اثر نہیں فتاویٰ اسعدیہ میں ہے۔

سوال فی حرمة هذ هانر وجهها بالسلاح وهو يقول لها اذا لم تقری لی عند القاضي
بان لی فی ذمتک المقدامر الفلا فی وتصادقنی علی دعوی التی ادعی بها علیک الاتینک
ويعلف ويغلظ الايمان اذا لم توافقني على ذلك قتلک فوافقت على ذلك واقترت
عند القاضي فقال لها القاضي عندک ما ادعی به زوجک واقترت عند القاضي فسجل
عليها ذلك الاقرار فهل لها اذا اثبت التمهيد منه لها اقرار ام لا وهل محتاج الى
الاثبات على التمهيد ام لا افتونا۔ الجواب ان اقامت بينته على ذلك لا يعتبر اقرارها

مع الاکراه ولا يلزمها شئ مما اقررت به والعالة ما شرع الله^{تعالى} اهل^{له} ان^{له} اقر^{له} مقرر^{له} گواه
اکراه نہ پیش کر سکے تو اکراه ثابت نہوگا اور مقرر^{له} کے حلف پر فیصلہ ہوگا اور بصورت^{تین} تینہ حلف نہیں
فتاویٰ خیر یہ میں ہے۔ سئل فی رجل اشترى من اخر ثلثی من ربحی بشئ قدره ستون قرشاً و اتر
بقبضها و مات فدعت ورثته ان الاقرار بقبض الثمن کان تلجئة ولم يقبض منه شيئاً
فما الحكم فی ذالك اجاب يلزم المقر له الحلف بالله تعالى نقدا اقراراً صحيحاً فان حلف
على ذلك منع الحكم الورثة عنه وان نكل عن اليمين لزمه ما ادعته الورثة وان اقامت
الورثة المذكورون البيئنة على ما ادعوا قبلت والله اعلم بالجملة ان عبارات سے بخوبی خارج
ہوا کہ اقرار کا کذب و اقرار مکرہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اگرچہ اقرار مکرہ بھی بظاہر اقرار کا کذب ہی
معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتہ یہ اقرار ہی نہیں جیسے مجنون کا اقرار۔ اقرار کا کذب طوع و رضا کے
ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً عام طور پر رواج ہے کہ قبل وصول زر ثمن اقرار نامحبات میں لکھا جاتا ہے
کہ زر ثمن تمام و کمال وصول پایا حالانکہ اس وقت تک وصول نہ کیا تھا بلکہ بعد میں ملے گا اسی عام
رواج کی بنیاد پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے کذب کے دعویٰ کو مسوع رکھا اور مدعی علیہ پر حلف
عائد کیا قرۃ العیون میں ہے۔ وجہ ان العادة جرت بین الناس انهم اذا ارادوا الاستلانة
يكتبون الصک قبل الاخذ ثم ياخذون المال فلا يكون الاقرار دليلاً على اعتبار هذه
العالة فيحلف عليه لتغير احوال الناس وكثرة الغداع والغیانات۔ اور امام اعظم نے نامسوع
فرمایا اور اسکی وجہ بھی اسی قرۃ العیون میں یہ لکھی۔ لان الاقرار حجة تلزم شرعاً كالبيئنة
بل ادعى لان احتمال الكذب فيه ابعدا و رطابہر ہے کہ بصورت اکراه کذب ہی کا پہلو غالب ہے
تو اسے دعویٰ اقرار کا کذب میں داخل کرنا خود دلیل ائمہ ثلاثہ کے خلاف ہے، والله تعالى اعلم

لہ فتاویٰ امعدیہ ج ۲ ص ۳۴۴ کتاب الاکراه۔ لہ فتاویٰ خیر یہ ج ۲ ص ۹۶ کتاب الاقرار۔

کتاب الہبۃ

مسئلہ :- مسئلہ از شہر کہنہ محلہ کانکر ٹولہ مرسلہ ظہور محمد خان صاحب ایک شخص کے چند لڑکے لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے بعض جوان ہو گئے۔ بعض کی والدین نے شادی کر دی۔ بعض جوان بلا شادی کے ہیں۔ بعض کمسن ہیں۔ اگر والدین کوئی شئی جیسے مکان زمین وغیرہ تقسیم کرنا چاہیں تو جو جوان اور بچہ کمسن سب کا برابر ایک مطابق حق سمجھ کر تقسیم کریں یا والدین کی رضامندی پر موقوف ہے؟

الجواب :- اگر انہیں کوئی اولاد دینی ترجیح رکھتی ہے تو اسکو زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ورنہ تمام اولاد کو برابر دیں۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو انکے والد نے ایک غلام عطا فرمایا تھا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی میں نے اپنے اس لڑکے کو غلام دیا ہے، ارشاد فرمایا کیا تم نے اپنی اور اولاد کو بھی اسی کے مثل دیا ہے عرض کی نہیں، فرمایا فار جعہ تو واپس کر لو، اور ایک روایت میں ہے فاتقوا اللہ واعدوا بین اولادکم۔ خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔ اور ایک روایت میں ہے

لا تشہد علی جور۔ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ عبداللہ از موضع دروۃ ضلع میننی تال ۱۳ صفر ۱۳۴۵ھ

زید نے اپنے لڑکے کی منگنی بکر کی لڑکی کیسا شہ کی بعد منگنی زید بکر کے یہاں ۲۵۲۰ھ آویں کیساتھ عیدی لیکر آیا۔ عیدی میں لڑکی کو کپڑے اور زیور دے گیا۔ بعد کو زید کا اور زید کے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ اب وہ کپڑے تو لڑکی نے پہن کر بھاڑ ڈالے۔ لیکن وہ زیور باقی ہے اب وہ زیور وارثوں کو دینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب :- اگر لڑکی کو اس زیور کا مالک کر دیا۔ یا وہاں کا عرف یہی ہے کہ شادی سے پہلے جو کچھ دیتے ہیں۔ لڑکی کو اس کا مالک کر دیتے ہیں۔ تو اب واپس نہیں لے سکتے کہ سبب صحیح ہو گیا

اور موت احد العاقدین مانع رجوع فی الہبہ ہے۔ ہدایہ میں ہے ادموت العاقدین^۱۔ اور اگر مالک نہیں
کیا ہے نہ وہاں کا ایسا چلن ہے بلکہ پہننے کو دیا ہے اور ملک اپنی باقی رکھی ہے تو واپس لے سکتے ہیں یہ ہبہ نہیں^۲۔
مسئلہ:- مسئلہ جمہیل اختر موضع شہباز پور۔ پورنیاں ضلع مظفر پور، ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں حامی حمایت دین و مفتی شرع شین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زندگی
میں اپنی لڑکی کو کوئی چیز ہبہ کیا اور اسکی لڑکی نے اس کی زندگی میں قبضہ کر لیا اب بعد وفات
زید کے اس کا لڑکا چاہتا ہے تقسیم کر لیں یہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- جب ہبہ کر چکا اور لڑکی نے قبضہ بھی کر لیا تو یہ ہبہ تمام ہو گیا اور زید کے
لڑکے کو اس میں کچھ دعویٰ نہیں پہنچتا۔ مگر ہر منصوص علیہ فی کتب الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم^۳۔
مسئلہ:- مسئلہ جناب مولوی ممتاز علی صاحب از کانپور محلہ پریٹ مکان شیخ منصور صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنی کل جائداد غیر منقولہ کے
دو غیر مساوی حصے کر کے ایک چھوٹا اپنے واسطے رکھا ایک حصہ کو اپنی چار لڑکیوں کے حق میں مساوی
طور پر بذریعہ دستاویز ہبہ نامہ رجسٹری شدہ ہبہ کیا۔ اور اس حصہ موہوبہ کے ایک جزو میں
دو اجنبی شخص جنکا اب انتقال ہو گیا ہے۔ اور شریک تھے۔ اب ان دونوں کے ورثہ موجود ہیں
اور ان اجنبی شخصوں کے مقابلہ میں بھی اس وقت تک کوئی تقسیم نہیں ہوئی۔ اور ہندہ کی ان چار
لڑکیوں میں ایک لڑکی نابالغہ تھی۔ ہندہ نے اپنے کو اسکی ولیہ سمجھ کر کیوں وہ ہندہ کی عیال داری
میں تھی۔ عمل درآمد کیا۔ اور ہبہ کے وقت سے تین چار سال تک جائداد اصلی صورت پر غیر
منقسم رہی۔ مگر رجسٹر میونسپلٹی میں صرف نام کا داخل خارج کر دیا اور کیرا یہ بعض جائداد موہوبہ
کا خود وصول کر کے لڑکیوں کی دیتی رہیں۔ اور بعض جائداد غیر منقسم کا کیرا یہ لڑکیاں خود وصول
کرتی رہیں۔ بعد اس کے جائداد موہوبہ کی ایک جزو کو چاروں موہوبہ لہم نے چار حصوں پر
تخمینی مساوی تقسیم کر کے اس میں جداگانہ حد بندی قائم کر لی۔ اور جائداد موہوبہ کا دوسرا
قطعہ غیر منقسم یعنی مشاع رہا۔ یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے دو لڑکیوں کا انتقال ہو گیا۔ اور

مرمت کل جائداد موہوبہ کی بندہ ہی کرتی رہیں۔ اس وقت تک جائداد کا دوسرا قطعہ غیر منقسم یعنی مشاع ہے۔ اور سماء ہندہ خود حیات ہے۔ اور دو لڑکیاں بھی۔ اور دو متوفیہ لڑکیوں کے ورثہ بھی موجود ہیں۔ بصورت مذکورہ بالا سماء ہندہ کا اپنی لڑکیوں کو ہبہ کر دینا شرعاً مفید ملک ہے یا نہیں۔ اور جس جزو جائداد کو چند سال بعد موہوبہ ہم نے نظری مخمینی طور پر دے دی۔ تقسیم کیا ہے۔ کیا اس جزو پر اس طرح کا قبضہ ہو جانے سے پوری جائداد موہوبہ پر شرعاً قبضہ تسلیم کیا جائے گا۔ یا کل جائداد پر قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اس جزو منقسمہ اور غیر منقسمہ دونوں پر اعتبار کیا جائے گا۔ یا صرف جزو منقسمہ پر اعتبار کیا جائے گا۔ اور غیر منقسمہ پر نہیں کیا صرف نام کا داخل خارج کرنا اور بقدر اپنے حصے کے کرایہ پانا اور جائداد کے برابر غیر منقسم یعنی مشاع رہنے کی حالت میں شرعاً قبضہ تسلیم کیا جائے گا۔ یا نہیں۔ اگر یہ ہبہ مفید ملک نہیں تو دو لڑکیوں متوفیہ کے ورثہ اپنے مورث کے کل اس جائداد موہوبہ کو اس کے بعض حصہ کو ترکگی حیثیت سے پاسکتے ہیں یا نہیں۔ ایک لڑکی نے جائداد کا ایک ٹکڑا ایک لڑکے کو دیا اور ایک نے اس پر عارت بنوالی ؟

الجواب :- یہ ہبہ کہ ہندہ نے کیا ہبہ مشاع ہے۔ اور ہبہ مشاع ناجائز قباوی ہندہ میں ہے۔ ہبۃ المشاع فیما یحتمل القسمة لا تبجوز۔ ہدایہ میں ہے ولا تبجوز الہبۃ فیما یقسم الامعوزۃ مقسومۃ۔ نیز اسی میں ہے وان وهبها واحد من اثنين لا یجوز عنده۔ بلکہ یہ ہبہ مذکورہ فی السؤال بالاتفاق ناجائز ہے۔ اس میں وہ خلاف کہ امام صاحبین میں دربارہ شیوع ہے، نہیں پایا جاتا۔ اسلئے کہ موہوب ہم میں ایک نابالغہ لڑکی ہے اور وہ ہندہ ہی کے عیال میں ہے ایسی صورت میں صاحبین کے طور پر بھی یہ ہبہ ناجائز۔ فتاویٰ قاضیخاں میں ہے۔ وھب دارہ لابن لہ احدھا صغیر فی عیالہ کانت الہبۃ فاسدۃ عند النکل۔ در مختار میں ہے۔ وھب اثنان دار الواحد صغیر لعدم الشیوع و یقلبه لکبیرین لا عنده للشیوع فیما یحتمل القسمة قید نابکبیرین لانہ لو وھب لکبیر وصغیر فی عیال الکبیر ولا بنیۃ صغیر وکبیر لم یجوز اتفاقاً۔ جب یہ ہبہ فاسد ناجائز ہے

تو اگر شیوع کے ساتھ مؤتب لہم نے اس پر قبضہ کیا تو ظاہر الروایت یہی ہے کہ مفید ملک نہیں
 اور موبوب لہم کے اس میں تصرفات نافذ نہوں گے اور تصرف کیا ہو تو ضمان دیں و مختار
 میں ہے۔ ولو سلمہ شائعاً لا يملكه فلا ينفذ تصرفه فيه فيضمنه وينفذ تصرف الواهب
 رد المختار میں ہے قال في الفتاوى الغيرية ولا تنفيذ الملك في ظاهر الرواية قال الزيلعي
 ولو سلمه شائعاً لا يملكه حتى لا ينفذ تصرفه فيه فيكون مضموناً عليه وينفذ فيه تصرف
 الواهب ذكره الطحاوي وقاضيان وافتى به في العامدية ايضا والتاجية وبه
 جزم في الجوهرية والبحر وفي نور العين عن الوجيز الهبة الفاسدة مضمونة
 بالقبض ولا يثبت الملك فيها الا عند اداء العوض نص عليه محمد في المبسوط وهو
 قول ابي يوسف اذا الهبة تنقلب عقد معاوضة اه و ذكر قبله هبة المشاع فيما
 يقسم لا تنفيذ الملك عند ابي حنيفة وفي القهستاني لا تنفيذ الملك وهو المختار كما في
 المضمرات وهذا مروى عن ابي حنيفة وهو الصحيح اه۔ جب یہی قول ظاہر الروایت ہے
 اور اسی کو صحیح اور مختار بتایا گیا پھر محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر
 نص فرمایا اور خود امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی تو بعض مشائخ کا اسے مفید ملک ٹھانا
 کیا مفید ہوگا۔ پھر بھی جو مفید ملک کہتے ہیں اسے ملک خبیث واجب الرد قرار دیتے تو ایسی
 ملک موبوب نہ کیلئے کیا مفید جبکہ ہندہ پر ان کے نزدیک بھی واجب ہے کہ یہ جائیداد موبوب لہم
 سے واپس لے۔ رد المختار میں ہے۔ و ذکر عصام انها تنفيذ الملك وبه اخذ بعض المشائخ
 اه۔ ومع افادتها للملك عند هذا البعض اجمع الكل على ان الواهب استرادها
 من الموهوب له ولو كان ذا رحم محرم من الواهب۔ عبارات مذکورہ بالا سے یہ
 بھی معلوم ہو گیا کہ یہ ہبہ مفید ملک نہیں۔ نہ موبوب لہم کے تصرفات نافذ۔ تو اس جائیداد کے

بیچ کا بھی موہوب لہم کو کوئی حق نہیں ردالمختار میں ہے۔ نقل عن المبتغی انہ لو باعہ
 الموهوب لہ لا یصح۔ غلگی میں ہے۔ ونص فی الامل انہ لو وهب نصف دارہ
 من اخر وسلمها الیہ فباعها الموهوب لہ لم یجز ونص فی الفتاویٰ انہ هو المختار
 کذا فی الوجین الکروری۔ اور یہ امر اظہر ہے کہ موہوب لہم کا باہم تقسیم کرنا یا انکے نام کا داخل
 خارج ہونا کچھ مفید نہیں نہ جزو منقسم کے مالک ہیں نہ غیر منقسم کے کچھری کے کاغذ میں
 اندارج نام قبضہ نہیں اور قبضہ ہوتا بھی تو ملک نہ ہو جاتی لہذا اس جائداد موہوبہ کی
 ہندہ ہی مالک ہے لڑکیاں جو فوت ہو چکی ہیں انکی ملک ہی نہیں تو ترکہ کیوں کر ہو سکے
 اور ورثہ کا کچھ استحقاق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ مبارک علی طالب علم مدراسنت وجماعت بریلی ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہم سب اہل محلہ
 میلاد شریف کی واسطے کچھ روپیہ چندہ کیا تھا۔ لہذا میلاد شریف ختم ہونے کے بعد کچھ روپیہ
 باقی ہے۔ متولی مسجد کی رائے یہ ہے کہ وہ روپیہ مسجد کے امام کو دینا چاہیئے وہ کتاب
 خرید کر بیگا۔ دیگر چند لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس روپیہ سے جو مکان مسجد کے نام ہے
 وہ تعمیر کرانا چاہیئے۔ اب اس روپیہ کو کیا کرنا چاہیئے ؟

الجواب :- چندہ جس کام کیلئے لیا گیا اس سے کچھ بچ رہا اگر معلوم ہے کہ یہ روپیہ
 فلاں کا ہے تو اسے واپس دیں یا اس کی اجازت سے جس کام میں چاہیں صرف کر دیں اور معلوم
 نہ ہو سکے تو بقیہ کو اس جیسے کام مثلاً میلاد شریف کیلئے لیا اور بچا تو میلاد شریف میں صرف
 کر دیں۔ اور یہ نہ تو صدقہ کر دیں اور اس صورت میں اگر امام حاجت مند ہے تو اس کو
 دے سکتے ہیں درمختار باب الجنائز میں ہے۔ فان فضل شیء رد للمصدق ان علم
 والا کف بہ مثله والا تصدق بہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از بریلی محلہ سوداگران مرسلہ سید قناعت علی صاحب امین جماعت

رضا مصطفیٰ ۱۳ شعبان ۱۲۳۵ھ
جو ماں باپ اپنی اولاد کو اپنی زندگی میں کتنی بڑھتی دیتے ہیں ان کے لئے اللہ

در رسول کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- زندگی میں جو کچھ اولاد کو دینا چاہے سب کو برابر دے یہاں تک کہ لڑکے اور لڑکی میں بھی برابری ملحوظ رکھے۔ لحدیث النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان اباه اُتی بہ الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال انی نعلت ابنی هذا غلاما فقال اکل ولدک نعلت مثله قال لا قال فارجه و فی رواية انه قال ایسرک ان یکونوا الیک فی البر سوا ذلک بلی قال فلا اذا ۱۔ ہاں اگر کم و بیش دینا کسی مصلحت شرعیہ کی بنا پر ہو اضرار مقصود نہ ہو مثلاً ایک خدمت دین میں مشغول ہے کہ کسب معیشت میں مشغول ہو تو اس خدمت میں نقصان واقع ہوگا اور دوسرا ایسا نہیں یا ایک فاسق فاجر ہے کہ مال ضائع کر دینگا تو ایسی صورتوں میں کمی بیشی جائز ہے اور اگر اضرار مقصود ہے تو گناہگار ہے فتاویٰ امام قاضی خان پھر در مختار میں ہے لا باس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانہا عمل القلب و کذا فی العطایا ان لم یقصد به الا ضرار و ان قصدت لیسوی بینہم یعطى البنت کالابن عند الشافعی و علیہ الفتویٰ و لو ذهب فی صحبہ کل المال للولد جاز و اشم ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از لاہور مرسلہ صوفی احمد دین صاحب ۲۰ رجب ۱۲۳۵ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پھوپھی نے زید کے حق میں جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ہنبہ کی۔ اور قبضہ موہوب الیہ کو دیکر

دست بردار ہوئی، ازید عرصہ تک اس پر قابض و متصرف رہ کر فوت ہو گیا اور اپنے ورثہ میں ایک زوجہ حاملہ اور ایک ہمیشہ اور دو بچھو بھی حیات چھوڑیں۔ زید کی وفات کے بعد اسکی بیوی کو لڑکا پیدا ہوا اور چند یوم زندہ رہ کر فوت ہو گیا اب واسبہ اس جائداد موہوبہ کو اپنی ملکیت بنانا اور اس پر پھر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ آیا زید کی بیوہ کل جائداد موہوبہ کی وارث ہے یا دیگر ورثہ زید بقدر حصص شرعیہ کس قدر کے مالک ہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب :- جب سب کے قبضہ بھی دلا دیا تو تمام ہو گیا اور چونکہ یہ سبہ بھتیجے کو ہوا جو ذی رحم محرم ہے۔ لہذا اسکی زندگی میں بھی اگر رجوع کرنا چاہتی تو نہ کر سکتی کہ ذی رحم محرم ہے سبہ واپس نہیں ہو سکتا نہ کہ اب کہ زید کا انتقال ہو گیا کہ موت موہوب لہ بھی مانع رجوع ہے ہدایہ میں ہے۔ او موت احد المتعاقدين لان موت الموهوب له ينتقل الملك الى الورثة فصار كما اذا انتقل في حال حياته۔ نیز اسی میں ہے وان ذهب هبة لذي رحم محرم منه لم يرجع فيها لقوله عليه السلام اذا كانت الهبة لذي رحم محرم لم يرجع فيها۔ لہذا اس جائداد بلکہ زید کی جملہ جائداد میں بحسب شرائط فرائض اٹھ سہام ہوں گے ایک سہم زوجہ کو اور سات سہام اس کے لڑکے کو ملیں گے اور لڑکے انتقال کے بعد اگر کوئی عصبہ ہو تو اس کے حصہ میں سے ایک ثلث اسکی ماں کو اور دو ثلث عصبہ کو ملیں گے اور عصبہ نہ ہو تو کل اسکی ماں کو ملیں گے زید کی ہمیشہ اور بچھو بھی بہر حال محرم ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- سرسلہ محمد ذکریا تمباکو فروش سیلیس روڈ ہٹورہ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں اور زید خود جاہل لیکن بڑے لڑکے حافظ قرآن اور درس عربی پر بھی دخل رکھتے ہیں زید کی دونوں لڑکی کی شادی ہو چکی ہے زید کو ۱۹۲۶ء میں اداسے حج کا خیال ہوا قبل حج کے جس قدر جائداد تھی اس جائداد کو اپنے دونوں لڑکے کے نام سبہ کر دیا

اور دونوں لڑکی کو ایک دم محروم کیا اب اسکے متعلق جو کاغذی کارروائی ہوئی یعنی دستاویز لکھنا اسکے مضمون کے اصلاح کیواسطے زید کے جو بڑے لڑکے حافظ قرآن ہیں چند محکمہ ڈویژن میں دکلاؤں سے صلاح و مشورہ کیا اسکے بعد دستاویز تعمیل ہوا زید جاہل ہیں اگر ان کے لڑکے پڑھے لکھے نہ ہوتے تو ایسا مضمون جس سے دونوں لڑکی ایک دم محروم ہوتی ہیں زید سے انجام نہیں ہوتا زید کی یہ کارروائی از روی شریعت جائز ہے یا ناجائز اگر ناجائز ہے تو زید پر کیا حکم ہے۔ اور زید کے لڑکے اپنے نفع کے باعث اس کارروائی میں حصہ لیا ہے جائز ہے یا ناجائز اگر ناجائز ہے تو زید کے لڑکے پر کیا حکم ہے اور اس دستاویز پر جو گواہ ہوئے ہیں ان پر کیا حکم عائد ہوتا ہے جواب بحوالہ کتب ارسال فرماویں۔ بینوا تو جردا

الجواب :- زندگی میں جو جائیداد اپنی اولاد کو دینا چاہے تو سب کو برابر دے یہاں تک کہ لڑکی کو بھی اتنا ہی دے جتنا لڑکے کو دیا اگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ بعض اولاد کو دیا بعض کو نہ دیا تو برا کیا جیسا کہ حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اکل ولدک منحت مثل هذا اور فرمایا لا شہد علی جوہر پھر بھی اگر دے دیا تو بہہ ہو گیا جیسا کہ اسی حدیث کی بعض روایات میں آیا شہد غیری میرے سوا کسی اور کو اس پر گواہ کر لو۔ زید کے لڑکے نے جو سعی و کوشش کی اس نے بھی اچھا نہ کیا برا کیا کہ برے کام کے متعلق کوشش بھی بُری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از چوری پٹی دینا چور پر سبہ جناب حاجی شیخ عظیم اللہ انصاری صاحب صفحہ ۳۷۰ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے چار لڑکے ہیں کیا زید ان چاروں لڑکوں کے حقوق جو ان کو اس سے ملنے والے ہیں اپنی زندگی میں یک لخت غیر شخص کو دے سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر موافق شرع کے زید کو اختیار بھی ہو تو کیا لڑکے بالکل اس سے محروم ہیں اور ان کا کوئی حق نہیں پہنچتا ؟

الجواب :- ہر شخص کو اپنے مال کا زندگی میں اختیار ہے چاہے کل خرچ کر ڈالے یا باقی رکھے مگر اس غرض سے دوسرے کو دینا تاکہ ورثہ میراث سے محروم ہو جائیں ناجائز و حرام ہے۔ بلاوجہ شرعی وارث کو محروم کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔ حدیث میں فرمایا من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنة۔ جو شخص اپنے وارث کی میراث کو قطع کرے گا اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کو قطع کر دیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از نابیل بازار بنارس مرسلہ جناب خان محمد و عظیم اللہ گوٹہ فروش کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حاجی یار محمد مرحوم ساکن محلہ ہنومان پھاٹک شہر بنارس نے اپنے کل حقوق و جائداد مکان نمبری ۳۳ اور زیر مکان مرحوم کی موروثی خرید کردہ جو زمین ہے اور مکان نمبری ۳۳ میں سے نصف حصہ جسکے مالک اور حصہ دار ہیں۔ اپنے حین حیات میں موجودہ پسران دلی محمد و حبیب اللہ اور دونوں پوتے عظیم اللہ و مطیع اللہ کو ہبہ کامل کر کے مالک و قابض کر دیا۔ اور احتیاطاً ایک ہبہ نامہ بھی عدالت سرکار میں رجسٹری کرادیا۔ جسکے مضامین یہ ہیں۔ ہم مقرر کے تین بیٹے ہیں اس میں دو بیٹے ایک دلی محمد اور ایک حبیب اللہ زندہ موجود ہیں اور ایک خان محمد پسر کلان فوت ہو گئے ان کے دو بیٹے ایک عظیم اللہ بعمر ۱۴ سال و ایک مطیع اللہ بعمر ۹ سال نابالغان موجود ہیں۔ اور میں ان سب سے خوش و رضامند ہوں اور یہ سب خدمت و طاعت کرتے ہیں۔ اور مجھے خوش رکھتے ہیں اور اب بعوض ان کے خدمت و تابعداری کے مکان نمبری ۳۳ مذکور الصدر یعنی مسلم مکان مع زمین و عمارت و تمامی حقوق و مرافق متعلقہ مکان مذکور بحق دلی محمد و حبیب اللہ اپنے پسران مذکور و نیز بحق عظیم اللہ و مطیع اللہ پسران نابالغان خان محمد متوفی ساکنان محلہ مذکور کو ہبہ کرتا ہوں و دیدیتا ہوں اس تصریح سے کہ دلی محمد و حبیب اللہ مذکورین ایک ایک سیوی و عظیم اللہ و مطیع اللہ مذکورین ایک ایک سیوی حصہ میں دونوں نصف نصف کے مالک و حقدار ہیں۔ آج کی تاریخ سے دلی محمد

ایک سیومی کے مالک و قابض ہیں اور حبیب اللہ ایک سیومی کے مالک و قابض ہیں۔ اور عظیم اللہ و مطیع اللہ ایک سیومی حصہ میں نصف نصف کے مالک و قابض ہیں۔ اور ہم مقبر نے اپنا قبضہ مالکانہ اٹھا لیا اور موبہوب علیہم کو مالکانہ قابض و ذخیل کر دیا۔ اور ایسا ہی مکان نمبری ۳۳/۴ معززین و عمارت مذکورہ میں سے جو میرا نصف حصہ ہے اسکو بھی مذکورین کے حق میں ہسبہ کر دیا۔ اسی تصریح کیساتھ اور اس ہسبہ کو موبہوب علیہم نے قبول و منظور کیا اور عظیم اللہ و مطیع اللہ کایں ولی شرعی ہوں انکی طرف سے اس ہسبہ کو میں نے قبول و منظور کر لیا ہے۔ اب میرا میرے وارث کا مکانات موبہوبہ میں کوئی حق باقی نہیں ہے۔ اگر خدا نخواستہ کوئی دعویٰ کرے تو ناجائز و باطل ہو اس واسطے یہ چند کلمہ بطریقہ ہسبہ نامہ تحریر کر دیا کہ وقت پر کام آئے اور سند کامل رہے۔ لہذا از روئے شرع شریف یہ ہسبہ نامہ درست ہے یا نہیں اور پوتوں کو روزگار و اثاث البیت سے حصہ ملیگا یا نہیں؟ بالتصریح فرمادیں؟ اور ثواب دارین حاصل کریں۔ بینوا تو خبروا

الجواب :- ہسبہ نامہ کی عبارت محل ہے حاجی یا محمد نے اپنے دونوں مکان اپنے دونوں بیٹوں اور دونوں پوتوں کو ہسبہ کئے۔ اسکی دو صورتیں ہیں آیا ہر ایک کا حصہ متعین و ممتاز کر کے ہسبہ کیا، اور قبضہ دلا دیا یا بغیر تقسیم و تعیین ایک ایک ثلث ولی محمد و حبیب اللہ کو اور ایک ثلث عظیم اللہ و مطیع اللہ کو ہسبہ کیا اگر پہلی صورت ہے کہ تقسیم کر کے قابض کر دیا ہے جب تو یہ صحیح و تام و نافذ، اور اگر دوسری صورت ہے تو یہ ہسبہ تام و نافذ نہ ہو کہ وقت عقد شیوع پایا گیا اور ایسا شیوع مانع تمامیت ہسبہ ہے، بلکہ موبہوب لہم میں بعض بالغ اور بعض نابالغ ہیں، لہذا یہ ہسبہ صاحبین کے نزدیک بھی درست نہ ہو گا ہدایہ میں ہے، افادہ ب اشان من واحد دار اجازان و مہبہا واحد من اثنين لا یعوز عند ابی حنیفہ و قالا یصح در مختار میں ہے و ہب اشان دار الواحد مع لعدم الشیوع و بقلبه لکیرین لا یشعہ لودھب لکیرین و صغیر فی عیال الکبیر و لابینہ صغیر و کبیر لم یجز اتفاقاً۔ اور پوتے اپنے دادا کے اس صورت میں وارث نہیں کیوں کہ ان سے اقرب ان کے چچا موجود ہیں۔ البتہ جو کچھ انھوں نے کمایا ہے اس کے مالک ہیں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الحبارۃ

مسئلہ :- از شہر بریلی محلہ بہار پور ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اچکن جامہ دار کی درزی سے سلائی اور مبلغ ۴۰ کا صرف کپڑا ہے، علاوہ سلائی کے، لیکن تراش میں اولٹا سیدھا ہو گیا۔ یعنی بڑیوں کا سرا پر ہونا چاہیے۔ وہ نیچے ہو گئے۔ اور وہ نقص اب نہیں جاسکتا۔ لہذا ایسی صورت میں درزی سے قیمت لینی جائز ہے یا نہیں۔ اور اسکی مزدوری دینی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر زیادہ تفاوت ہو یعنی اس کام کے کرنے والے یہ کہیں کہ بہت فرق ہے تو اختیار ہے کہ کپڑے کی قیمت لے یا وہی سلا ہوا کپڑا، اور اس صورت میں سلائی وہ دے جو اس خراب سلے ہوئے کی ہونی چاہئے، نہ وہ جو باہم ٹھہر چکی ہے اور تھوڑا فرق ہو تو تاوان لینا جائز نہیں اور صورت مسئلہ میں چونکہ بہت زیادہ تفاوت نہیں کہ کپڑا الٹا نہیں سیا گیا بلکہ بڑیوں کا رخ جو ادھر کو ہونا چاہیے نیچے ہو گیا، معمولی درزیوں کو اسکی تمیز بھی نہیں ہوتی، لہذا تاوان جائز نہیں، اور وہ سلائی دے جائے جو اسکی ہونی چاہیے نہ وہ جو باہم ٹھہر چکی ہے، بحر الرائق میں ہے فی الخلاصۃ لو صبغ ردیانا لمریکن فاحشا لا یضمن وان کان فاحشا بعیت یقول اهل تلك الصناعة انه فاحش یضمن قیمتہ ثوب ابیض وفيہما ایضا رجل دفع الی خیاط ثوبا وقال اقطعه حتی یمیب القدم وکمۃ خمسة اشبار وعرضہ کذا فجاء بہ ناقصا ان کان قدما اصبع ونحوہ فلیس بشئ وان کان اکثر یضمنہ۔ اگر رنگر نے کپڑا خراب رنگ دیا اگر فاحش خرابی نہ ہو تو اس سے تاوان نہیں لیا جائے گا۔ اور اگر زیادہ خرابی ہے کہ اس کام کے کرنے والے اسے زیادہ خراب بنا دے ہوں تو اس سے سفید کپڑا کی قیمت کا تاوان لے۔ ایک شخص نے درزی کو کپڑا دیا اور یہ کہا کہ اتنا نیچا قطع کرو کہ قدم تک پہنچ جائے اور اس کی آستین پانچ بالشت کی ہو۔ اور

چوڑائی بھی اسکی ایسی ہو، کو چھوٹا کر لایا اگر بقدر ایک انگلی سے چھو ہو تو اسکا کچھ اعتبار نہیں اگر زائد چھو ہو تو تاوان - واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- ہر سلسلہ مولوی قادر بخش صاحب از چوہدری کوٹ تحصیل بارکھانہ ملک بلوچستان غرہ جمادی الاول ۱۲۸۷ھ

چہ می فرماید علماء کرام علیہم الرضوان اندریں مسئلہ کہ آیا ملازمت و نوکری قوم نصائی کردن جائز است یا نہ - خصوصاً شخصے حاجی و مولوی و متقی بمشاہدہ خمس و عشرین بعہدہ معلمی در نوکری مصروف است بعضے عالمان بعدم جوازاں مشاہرہ قائل ؟

الجواب :- بعض ملازمت ناجائز است مثلاً ملازمت حکم کردن خلاف ما انزل اللہ و ملازمت رجسٹری کہ کاغذ سود بنویسد - بر و گواہ می باشند - وغیرہما - و اگر در کار پائے متعلقہ مخدور سے نبود - جائز ہست - بچنین تعلیم کہ اگر بتعلیم امر مباح مامورست مثلاً حساب اقلیدس وغیرہ اجارہ جائز ہست و اگر بتعلیم عقائد باطلہ و امور منہیہ اشتغال دارد ناروا - واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- مسئلہ عبد الغنی متعلم مدرسہ منظر اسلام ۸ ربیع الاول شریف ۱۲۸۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان زمیندار نے اپنی رعیت سے دو یا تین سال کے باقی خراج وصول کرنے کے وقت اصل خراج سے کچھ زیادہ لیا - اس غرض سے اگر یہ خراج زمیندار کے قبضے میں ہوتا تو اس سے نفع حاصل کرتا - چونکہ رعیت نے ادا کرنے میں تاخیر کی اس سے زمیندار کا نقصان ہوا - آیا اس قسم کی زیادتی لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور یہ سود ہو گا یا نہیں ؟ بینوا تو جرو

الجواب :- کھیت کی جو مالگزاری مقرر ہو چکی ہے - زمیندار آتنا ہی لے سکتا ہے اگرچہ کاشتکار نے کئی سال تک ادا نہ کی ہو اس زیادہ لینا حرام ہے - واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- مسئلہ جناب عبدالعزیز صاحب محلہ سکر وال قصبہ مانڈہ ضلع فیض آباد ۲۸ رجب ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو مسلمان ایسے ہوٹل میں ملازم ہوئے کہ جس میں گوشت خنزیر کا پکتا تھا اور بھی ہر قسم کا گوشت پکتا تھا ان دونوں میں سے ایک کا یہ کام تھا کہ ڈھکی ہوئی رکابی اٹھا کر ایک دوسرے مسلمان کو دیتا تھا جو میز پر رکھتا تھا لیکن ان

دونوں کو علم نہ تھا کہ اس ڈھکی ہوئی رکابی میں کیا ہے جو کہ ظاہر میں گوشت خنزیر سے پرہیز کرتا تھا اب دونوں کے حق میں کیا حکم ہے۔ آیا شرعاً کوئی کفارہ ہے جو ادا کر کے یہ دونوں برادری میں شامل ہو جائیں؟

الجواب :- جبکہ یہ معلوم تھا کہ اس ہوٹل میں خنزیر کا گوشت پکتا ہے اور ان دونوں کے متعلق یہ کام تھا کہ کھانا میز تک پہنچائیں۔ تو ایسے ہوٹل میں انھیں ملازمت ہی نہ چاہئے تھی۔ تو بہ کر کے برادری میں شامل ہو جائیں، حدیث میں ہے التائب من الذنب

کمّن لا ذنب لہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ فیض اللہ ساکن محلہ معماران بریلی ۱۳۸۶ھ ۲۹ سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام بارہ اس شرط پر کہ پانچ روپیہ ماہواری کو سرکاری مدرسہ نسوانی کی واسطے دیا گیا تھا کہ کلام مجید اور شرع کی کتابیں پڑھائی جاوینگیں اب کلام مجید اور مسائل کی کتابیں نہیں پڑھائی جاتی ہیں، حساب اور اردو کی کتابیں سہ کی تعلیم کی پڑھائی جاتی ہیں اور عیسائیئین اگر امام بارہ میں لڑکیوں کا امتحان لیتی ہیں۔ اب امام بارہ ان سے خالی کر لیا جاوے یا ان کے پاس رہنے دیا جاوے اسمیں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو بردا

الجواب :- مسلمان لڑکیوں کے پاس عیسائی عورتوں کا آنا اور ان کا امتحان لینا اخلاق خراب ہونے کا سبب ہے اور انھیں دیکھ کر لڑکیاں بھی آزادی پسند ہو جائیں گی۔ اور یہ قسنہ کا دروازہ ہے ایسے مدرسہ میں مسلمان اپنی لڑکیوں کو نہ بھیجیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے واما ینسبک

الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔ اگر مسلمان عورتیں تعلیم قرآن مجید و مسائل شرع کی دیں اور عیسائی عورتوں سے سابقہ نہ پڑے تو مکان دیا جائے ورنہ سزا اٹھا دیا جائے؟ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ رحمت حسین ساکن محلہ بہاری پور بریلی یکم ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں امام بارہ نیچائی عرصہ دراز سے خالی پڑا رہا تھا جس میں کہ غلاظت کرتے تھے اور جو وغیرہ ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے گیراہ پر چنگی کو دے دیا گیا۔ جس میں سہر تعلیم نسوان جاری ہو گیا۔ اسمیں تعلیم اردو و قرآن شریف کی ہوتی ہے۔ کافروں کی

کوئی زبان نہیں سکھائی جاتی۔ اس کے کیرایہ کی آمدنی تعمیر و مرمت مسجد میں صرف ہوتی ہے۔ کثرت رائے مدرسہ قائم رکھنے کی ہے۔ چند آدمی اسکے خلاف ہیں۔ اس میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ آیا مدرسہ قائم رکھا جاوے یا خالی کر لیا جائے؟

الجواب :- اگر اس مدرسہ میں لڑکیوں کو قرآن مجید و مسائل شرع کی تعلیم دی جاتی ہو تو مسلمان اپنی لڑکیوں کو اسمیں پڑھوا سکتے ہیں جبکہ عیسائی عورتیں یا دیگر کفار عورتوں کی صحبت مسلمان لڑکیوں کو نہ ہوتی ہو۔ اور وہ امام بارہہ جو گنگی کو کیرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا حکم ہے علمائے دین و خلیفہ مرسلین کا مسائل ذیل میں کہ کہنوں کی مسجد کی دکان کسی تصویر کھینچنے والے کو دی جاسکتی ہے یا نہیں درانحالیکہ اس مسجد کے گرد و پیش ایسے ہی دوکاندار ہیں جو انگریزوں کے ہاتھ کاروبار کرتے ہیں، نیز مسجد مذکور کے جو ممبر اور خدیوہ دہندہ ہیں ان کا بھی کام و کاروبار انگریزوں سے ہے؟

الجواب :- اس شخص کو دکان کیرایہ پر دی جاسکتی ہے۔ مگر یہ ہلکے نہ دیں کہ اس میں تصویر کھینچے۔ اب یہ اسکا فعل ہے کہ تصویر بناتا ہے اور عذاب آخرت مولیٰ لیتا ہے۔ پھر بھی بہتر یہ ہے کہ مسجد کے آس پاس خصوصاً دکان مسجد کو محرمات سے پاک رکھیں، اور ایسے کو کیرایہ پر دیں جو جائز پیشہ کرتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ اسمعیل صالح محمد از رانا داد ضلع کاٹھیاوار ۴ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت پر قرآن شریف پیسہ لیکر پڑھا جائے کہ نہیں اور قرآن شریف پڑھ کر پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قرآن مجید کی تلاوت پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ اور اس طرح پڑھوانے کا کچھ ثواب نہیں۔ بلکہ گنہہ ہے، جو ہرہ نیزہ میں ہے و اختلافوا فی الاستعجار علی قراۃ القرآن

مدۃ معلومۃ قال بعضهم لا يجوز و هو المختار۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- مرسلہ محمد فاروق از رسترا بلیا ۶ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

بکری اس طرح چرانے کو دینا کہ اسکے بچوں میں نصف چرانے والے کو دیے جائیں جائز

ہے یا نہیں ؟

الجواب :- بکری یا مرغی یا کوئی جانور چرانے کو اس طرح دینا کہ بچے نصف نصف تقسیم کر دیے جائیں گے۔ یعنی چرائی میں آدھے بچے دیے جائینگے یہ ناجائز ہے۔ در مختار میں ہے۔ ولو دفع غزلا لآخر لیسجد له بنصفه ای بنصف الغزل او استاجر بغدا لیجمل طعامه ببعضه او ثورا لیطعن بره ببعض دقیقه فسدت فی الکمل لانه استاجره بجزء من عملہ والاصل فی ذالک نہیہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تفیز الطحان۔ ہاں اگر بکری کے مثلاً دو بچے ہیں اور ایک معین کر کے چرواہے کو دیا اور دوسرا اپنے لئے رکھا تو جائز ہے۔ یعنی جبکہ بکری کو بچے دینے کے بعد چرانے کو دیا۔ اور بیانے سے قبل یہ صورت ہو نہیں سکتی۔ در مختار میں ہے والعیلۃ ان یفرزلہ الاجر اولاً یا ما ہوا ریاسلانیہ چرائی مقرر کر کے دیں جیسے گائے بھینس چرانے کو دیتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔ و ہنو تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ مولوی عبد العزیز امام کلس داخلی سیر ضلع ہزارہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۱۴ھ

میت کی واسطے قرآن عظیم کا ختم پڑھانا میت کو ثواب حاصل ہو سکتا ہے یا نہ ؟

الجواب :- قرآن مجید پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانا جائز بلکہ مستحسن ہے، ہاں قرآن مجید

کی تلاوت پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے کہ طاعات پر اجارہ صحیح نہیں۔ الاما استثنی المتأخرون

وہذہ لیست منہ اور جب اجرت پر پڑھنے کا کچھ ثواب ہی نہیں تو میت کو کیا پہنچائیگا۔ واللہ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ شاہ قمر الدین صاحب امام مسجد کلاں جامع مدرسہ معینیہ از

پوکرن ماڈر ریاست جو دھپور ۲ ربیع الاول شریف ۱۲۲۴ھ

شادی کے موقعہ پر جو قوم خدمت گار ہے۔ مثل سقہ و خاکروب و ثنائی وغیرہ کو حق خدمت

کچھ دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- مواقع خوشی میں ان لوگوں کو اگر بطور انعام کچھ دیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ حفیظ اللہ طالب علم الآبادہ محلہ یاقوت گنج مدرسہ عالیہ صباح العلوم
درجہ عالم ۲۲، ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے امام کے متعلق متولیان مسجد یہ طریقہ رائج کریں کہ جس وقت کے نماز میں وہ امام نہ آئے اس وقت کی تنخواہ وضع کرتے ہیں یعنی اس وقت کی تنخواہ نہیں دیتے کیا یہ عند الشرع جائز ہے اور اس میں امام کی کوئی توہین تو نہیں ہوگی فقط - بینوا توجروا اور کسی جزئیہ سے اسکا ثبوت تحریر کریں ؟

الجواب :- جب وہ امام نماز پڑھانے کیلئے نوکر ہے تو جن وقتوں کی نماز نہ پڑھائے گا ان وقتوں کی تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا کہ اجیر خاص جب تک تسلیم نفس نہ کرے مستحق اجر نہیں اور اگر یہ پڑھانے کیلئے تیار تھا مگر لوگوں نے دوسرے سے پڑھوائی تو مستحق اجر ہے۔ درمختار میں ہے۔ ویستحق الاجر بتسلیم نفسه فی المدة وان لم يعمل - طحاوی میں ہے۔ فیستحق الاجر بذالک رای بتسلیم نفسه عمل اولم يعمل اه ذیل علی الا اذا ابی العمل ولو حکما مکرم و مطر فلا اجر لہ اہ درصنفقہ۔ و لکن تعالیٰ و علم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اجرت تعلیم قرآن کا کیا حکم ہے آیا جائز ہے یا نہیں ؟

یہاں یہ طریقہ ہے کہ ختم سورہ انعام تین بار پڑھتے ہیں اور ثواب مردہ کو بخشتے ہیں اور اس کا ہدیہ بھی لیتے ہیں اور کھانا بھی کھاتے ہیں آیا مردہ کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اجرت تعلیم متاخرین فقہاء حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ایصال ثواب کیلئے جو قرآن مجید پڑھوایا جاتا ہے اسکی اجرت لینا دینا جائز اور بغیر اجرت ایصال ثواب کیلئے تلاوت قرآن مجید محمود اور پڑھنے والے کو کھانا کھلانا یا کچھ ہدیہ دیدینا بھی جائز اگر المعروف کا مشروط کی حد کو نہ پہنچا ہو۔ ورنہ پیشتر نفی کر دیجائے کہ اس کا عوض کچھ نہ دیں گے

پھر جو ہو سکے اسکی خدمت کی جائے اس میں اصلاً حرج نہیں کہ، الصریح يفوق الدلالة، واشد علم
مسئلہ:- ازبالی مارواڑ ریاست جو دھپور میں سید قمر الدین صاحب امام مسجد جامع ۲۸ شوال ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں قصبہ پالی ملک مارواڑ ریاست جو دھپور میں
 قاضی کو نکاح خوانی کی اجرت اکثر لوگ دیتے ہیں اور بعض تو میں سید و پیر زادہ وغیرہ نہیں دیتے
 ہیں اسلئے کہ وہ خود نکاح پڑھاتے ہیں، مجھ قمر الدین پیش امام مسجد جامع نے اپنے قیدی دستور
 کے موافق اپنی ہمشیرہ اور ہر سہ برادر نے وہاں کا نکاح پڑھایا۔ قاضی نے اجرت نکاح کا دعویٰ
 عدالت میں پیش کیا اور پے در پے ہر سہ عدالت سے ڈگری حاصل کر کے آخر کار اب ایک
 رپورٹ چیف جج صاحب کے اجلاس سے یہ دعویٰ مدعی احکام شرع کی محتاج طے پایا جا کر
 بقائمی سقینات و تحقیقات و تجویز بعد دیکھنے عدالت ماتحت میں واپس رکھا گیا ہے اس لئے
 سوالات مندرجہ ذیل کے جوابات از روئے شرع شریف بحوالہ کتب فقہ و حدیث پاک مفصل
 تحریر فرما کر اجر عظیم حاصل فرمادیں ؟

(۱) از روئے شریعت قاضی جبراً اجرت نکاح کے حاصل کرنے کا مستحق ہے یا نہیں ؟

(۲) مسائل نکاح و محرمات و رضاعت و طلاق و عدت وغیرہ سے ناواقف ہو وہ
 شخص قابل عہدہ قضاہ ہے یا نہیں ؟

(۳) عہدہ قضاہ کون کون کتب تحصیل کرنے اور کس قدر علم کی ضرورت ہے ؟

(۴) قاضی کو احکام شریعت کے مقابلہ میں ریاست ہذا کا حکم غالب سمجھنا چاہیئے یا نہیں ؟

الجواب:- نکاح خوان جسکو لوگ قاضی کہتے ہیں یہ شرعاً قاضی نہیں اس کا قاضی کہنا

عام لوگوں کی اصطلاح ہے لہذا شرائط قضا کی بھی اس میں ضرورت نہیں عموماً نکاح خوان

ایسے ہوتے ہیں جنکو قاضی کہنا عہدہ قضا کو ذلیل کرنا ہے یہ قاضی عرفی و کیل و معبر ہوتا ہے

کہ الفاظ ایجاب کہہ کر قبول کرنا اس کام ہوتا ہے اس کیلئے بس اتنی ہی ضرورت ہے کہ ایجاب

و قبول کے الفاظ صحیح طور پر کہہ سکے اور کہلا سکے اسکے لئے نہ عالم ہونی کی ضرورت نہ نکاح و طلاق

کے مسائل جاننے کی حاجت نکاح خواں کو اجرت نکاح خوانی لینا جائز ہے۔ مگر اجرت اس وقت لے سکتا ہے جب اس نے نکاح پڑھایا بھی ہو ورنہ بغیر عمل گھر بیٹھے ہوئے اجرت ہرگز نہیں لے سکتا بلکہ یہ بھی ضرور نہیں کہ یہی لوگوں کے نکاح پڑھائے نکاح کرنے والوں کو اختیار ہے جس سے چاہیں پڑھوائیں اور اگر اس قاضی نے جبراً اجرت لی تو گناہ و حرام ہوگا۔ قال اللہ

تعالى ولا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل وتدلو ابها الى الحكام لتاكلوا فريقا من اموال الناس بلا شئ وانتم تعلمون۔ حکم شریعت کے مقابلہ میں کسی کا حکم نہیں ان الحكم الا الله اگر حکم خدا کے مقابل دوسرے کے حکم کو حق جانا تو کفر ہے من لم يعصكم بما انزل الله فاذنك هم الکافرون

از جگہ صلح چوبیس پر گنہ مرسلہ عبد الوحید ۱۷ محرم الحرام ۱۲۷۶ھ
مسئلہ (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے تنخواہ مسجد میں نماز پڑھاتا ہے۔ لوگ اسے عیالدار سمجھ کر صدقہ فطرہ و قربانی کے چٹرہ دیا کرتے ہیں اب کچھ عرصہ سے بعض غیر مقلدوں نے لوگوں کو ورغلا یا ہے کہ صدقہ فطرہ اور پوست قربانی کھانے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے۔ اسے صدقہ فطرہ اور پوست قربانی نہ دینا چاہئے۔ لہذا لوگ امام کے پیچھے نماز پڑھنے اور فطرہ و پوست قربانی دینے سے باز رہے۔ اسکی بابت صحیح حکم کیا ہے اور ایک ایک دور روپیہ امام کو دینا یہ فطرہ ہے یا نہیں؟

۲۔ اور اگر زید سے قبل کہا گیا ہو کہ مسجد میں امامت کرو۔ تمہاری حاجت کو ہم لوگ فطرہ عید و چرم قربانی سے پوری کر دیا کریں گے۔ اسکی بابت کیا حکم ہے؟

۳۔ اگر کسی کی تنخواہ مقرر نہ ہو۔ اور تعلیم و تدریس دیتا ہو۔ اور لڑکوں کے والدین بوجہ مفلسی کے مشاہرہ نہ دیتے ہوں۔ تو اس حالت میں مدرس چرم قربانی اور فطرہ عید سے اپنی تنخواہ لے سکتا ہے؟

۴۔ زید قبل اپنی تنخواہ مقرر کرتا ہے۔ کہ میں اس قدر تنخواہ لوں گا تو امامت کروں گا؟

الجواب (۱)۔ صدقہ فطر کا مصرف وہ ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے درختار میں ہے۔ و صدقۃ الفطر کا لزکۃ فی المصارف۔ لہذا اگر امام اسکا اہل ہو تو اسے دے سکتے ہیں۔

اور حرم قربانی امام کو دینے میں اصلاً کوئی مضائقہ نہیں، حدیث شریف میں ہے کلو ادا دخوا
 و انتجوا۔ اگر امام مذکور عیال دار ہے اور اسے صاحب حاجت سمجھ کر دیں تو باعث ثواب ہے
 در مختار و عالمگیری وغیرہ میں ہے۔ ویتصدق بجلدها۔ صدقہ فطر میں اگرچہ افضل نہیں ہے
 کہ ایک شخص کا صدقہ ایک کو دیا جائے اور اگر ایک صدقہ چند فقیروں پر تقسیم کر دیں یا چند
 صدقے ایک فقیر کو دیں جب بھی جائز ہے در مختار میں ہے۔ و جاز دفع کل شخص فطرہ
 اخی مسکین او مساکین علی ما علیہ الاکثر و بہ جزم فی الولو الجبۃ والغانیۃ والبدائع
 والمحیط و تبعہم الذیعی فی الظہار من غیر ذکر خلاف و صححہ فی البرہان فکان
 ہو المذہب کتفریق الزکاة والامر فی حدیث اغنہم للندب۔ یونہی گہوں یا جو وغیرہ
 کی جگہ انکی قیمت دینا بھی جائز ہے بلکہ بعض صورت میں افضل، تنویر الابصار میں ہے ودفع التیمۃ
 افضل من دفع العین علی المذہب۔ در مختار میں ہے و هذا فی السعة اما فی الشدة فذفع
 العین افضل کما لا یخفی۔ لہذا اگر صدقہ فطر میں سے دو ایک پیسہ کسی کو دیا جائے تو دے
 سکتے ہیں یعنی صدقہ کی قیمت متعدد فقرا پر تقسیم کر سکتے ہیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ صدقہ
 فطر دو سو تیرہ قربانی کھانے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی وہ غلط کہتا ہے اگر وہ اہل ہے
 تو صدقہ فطر لینے میں کون سا گناہ ہوا اور پوسٹ قربانی تو محتاج ہو یا نہ ہو بہر حال دے سکتے ہیں
 پھر اس کے پیچھے نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۲۔ اگر یہ کہنا براہ ہمدردی وعدہ کے طور پر ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں وہ لوگ دے سکتے
 ہیں اور وہ شخص لے سکتا ہے اور اگر اس سے مقصود اسکو نوکر رکھنا ہے تو یہ اجارہ فاسد ہے
 کہ اجرت مجہول ہے اور امام نے نماز پڑھائی تو اجرت مثل دینی پڑگی یعنی اتنوں دنوں نماز پڑھانے
 کی اجرت ہونی چاہئے وہ اسے دیا جائے، در مختار میں کہ تفسد الاجارۃ بالشرط المخالفۃ
 لمقتضی العقد فکل ما یفسد البیع یفسدہا کجہ مالہ ما جبر او اجرة الذی نیز اسی میں ہے
 وحکم الاول وهو الفاسد وجوب اجر المثل بالاستعمال، اور اس صورت میں صدقہ فطر اور

پوست قربانی اجرت میں نہیں دے سکتے صدقہ فطر تو ظاہر ہے کہ وہ مثل زکوٰۃ کسی معاوضہ میں نہیں دیا جاسکتا اور پوست قربانی اس شخص کو دیے دے سکتے ہیں اجرت میں نہیں دے سکتے کہ اجرت میں دینا بمنزلہ بیع کے ہے اور حدیث میں آیا ہے . من باع جلد افضیۃ فلا افضیۃ لہ . واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۲ تنخواہ میں نہ صدقہ فطر دیا جاسکتا ہے نہ حرم قربانی جیسا کہ نمبر ۲ میں مذکور ہوا۔ ہاں اگر اس شخص نے مفت بلا تنخواہ پڑھایا اور اس نے اسکو مستحق سمجھ کر صدقہ فطر اور حرم قربانی دیا تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۳ امام کو نوکر رکھنا اور اسکی تنخواہ کا پیشتر معین کر لینا متاخرین نے جائز کہا اور اب اسی پر فتویٰ ہے در مختار میں ہے ویفتی الیوم بصحتها لتعليم القرآن والفقہ والامامة والاذان ویجیر المستاجر علی دفع ما قبل فیجب المسحی بعقد واجر المثل اذا لم تذکر مدۃ شرح وھانیہ من الشریکۃ . واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ مسئلہ جناب ابراہیم محمد عمر و صاحب از بھروج گجرات ۔

کیا حکم ہے شرع مطہر کا کہ ضلع بھروج گجرات میں ہر جگہ امام کو نماز پڑھانے پہ کوئی تنخواہ مقرر نہیں بلکہ اہل دیہات نے یہ مقرر کیا ہوا ہے کہ شادی غمی میں مثلاً ختم خوانی یا نکاح خوانی کے وقت کوئی رقم مقرر کی ہوئی ہے۔ اگر مقرر رقم نہ کی جائے تو بعض خود غرض ایک پائی بھی نہ دیوے۔ بعض جگہ علاوہ مقررہ رقم کے قدرے زمین بھی دی ہوئی ہے۔ جو گذر کیلئے غیر کافی ہے۔ اور یہ بات بھی مشکل ہے کہ چندہ جمع کر کے امام صاحب کو تنخواہ دی جاوے اور جہاں تک گذر ہوا امام صاحب کا قائم رہنا بھی مشکل ہے۔ مذکورہ مقررہ رقم کے سوائے دوسری سبیل گذر کی نہیں ہے۔ اب یہ رقم اہل دیہات کا مقرر کرنا جائز ہے یا ناجائز اور کیا مسجد کی رقم سے امام کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب۔ مسجد کی آمدنی سے امام کو تنخواہ دی جاسکتی ہے کہ حسب فتویٰ متاخرین

جب امام کو نوکر رکھنا جائز ہے۔ اور اب اسی پر عمل ہے۔ تو آمدنی مسجد کو اس کام میں صرف کیا جاسکتا ہے کہ امام کو رکھنا بھی ضروریات مسجد سے ہے۔ یونہیں امام کو نکاح خوانی کی اجرت بھی دی جاسکتی ہے۔ تلاوت قرآن پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے۔ ہاں اگر بطور احسان اسکو کچھ دیا جائے نہ بطور اجرت تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- ازربیلی شریف ڈاکخانہ انبریٹ نگر ساکن صالح نگر فرسہ جناب حاجی کفایت حسین صاحب، شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ

آئے کشتی، بڑھتی، اور سازی وغیرہ کے کام کر نیوالا کاریگر اکثر کارخانہ دار سے قرض روپیہ لے لیتے ہیں۔ اور وعدہ ادا کرنے کا کرتے ہیں مگر کوئی بھی ادا نہیں کرتے۔ بعض کے دستاویز تک ہو جاتے ہیں۔ اب وہ روپیہ کارخانہ دار کو جب ملیگا جب کاریگر کسی اور کارخانہ دار کے یہاں جائے ورنہ نہیں۔ اگر کام نہیں کرے تو روپیہ مل نہیں سکتا۔ اگر اور کوئی کام کرے جب ملیگا جب بھی روپیہ نہیں مل سکتا ہے۔ لہذا یہ روپیہ کس حیثیت پر ہے کہ روپیہ میں کاریگر رہن ہوتا ہے۔ یا روپیہ کاریگر کی قیمت ہے اگر کاریگر فوت ہو جائے تو قرضہ ساتھ جائے گا؟

الجواب :- آدمی نہیں رہن ہے اسکا روپیہ اسکے ذمہ ہے جس طرح چاہے وصول کرے ہاں اگر اس روپیہ کی وجہ سے اجرت میں کمی کیجاتی ہو تو یہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید میونسپلٹی میں ملازم ہے، اور اسکے سپرد کام یہ ہے کہ بھینسے جو میونسپلٹی کی جانب سے غلیظ و کوڑا وغیرہ اٹھوانے کو پالے گئے ہیں۔ انکی نگرانی کھانے پینے کا انتظام کرے، زید کو میونسپلٹی سے بھوسہ دانہ وغیرہ ملتا ہے، ان چیزوں میں سے زید اپنے صرفہ میں و نیز اپنے اعزہ کے صرفہ میں بھی لاتا ہے، اسکا خیال یہ ہے کہ یہ کافر حربی کا مال ہے، اور بلا غدر ملتا ہے، لہذا میں اپنے صرفہ میں کیوں نہ لاؤں، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے، میونسپلٹی کی چیزیں گورنمنٹ کی سمجھی جائیگی یا نہیں، کیونکہ اگرچہ گورنمنٹ نے میونسپلٹی ہندوستانیوں کے ہاتھ دیدی ہے، لیکن

جس وقت جو کچھ چاہے گورنمنٹ کر سکتی ہے ایسی حالت میں مینوسپلٹی گورنمنٹ کی سمجھنا چاہئے یا نہیں؟ شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- زید چونکہ مینوسپلٹی کا ملازم ہے، اور مینوسپلٹی کے جانوروں کی خوراک وغیرہ کا انتظام اس کے سپرد ہے۔ لہذا زید کو ہرگز یہ جائز نہیں کہ ان چیزوں میں تصرف کر کیا اپنے اعزہ کو کھلائے کہ ملازم کے پاس جو چیزیں کسی کام کیلئے دی جائیں وہ امانت ہوتی ہیں، اور انکے غیر میں صرف کرنا خیانت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تمخولوا الامانات لاہلہا، امانت میں خیانت حرام ہے، حدیث میں فرمایا آیۃ المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف فاذا ائتمن خان، اور ایک روایت میں ہے۔ واذا عاهد غدر، کوئی معاہدہ کر کے اسکے خلاف کرنا بھی منافق کی علامت ہے، اسکا یہ خیال کہ یہ مال بلا غدر ملتا ہے غلط خیال ہے یہ کھلا ہوا غدر موجود ہے، کہ جب اس نے ملازمت کی اتمام امور کا جو اس ملازمت سے متعلق ہیں عہد کر لیا، اور جو کام شرائط ملازمت کے خلاف کرے گا غدر ہو جائیگا۔ غدر کے معنی عہد توڑنے کے ہیں اور بلاشبہ اس نے عہد کو توڑا پھر غدر کیوں نہ ہو اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ اس نے کوئی معاہدہ نہیں کیا ہے، لہذا غدر نہیں ہے تو امانت میں خیانت تو اب بھی ہے اور خیانت بھی غدر ہے، لہذا کافر حربی نے اگر اسکے پاس کوئی امانت رکھی ہو تو اس میں بھی خیانت نہیں کر سکتا۔ وختار میں ہے ولا یضمن ماہلک فی یدہ وان شرط علیہ الضمان لان شرط الضمان فی الاہانۃ باطل کالمودع، یعنی اجیر کے پاس جو چیز ہے وہ امانت ہے ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم نہیں اگرچہ بوقت اجارہ شرط کر لیا ہو کہ ہلاک ہونے پر تاوان دیگا۔ کہ امانت میں ضمان کی شرط باطل ہے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مینوسپلٹی کی چیزیں گورنمنٹ کی ہیں۔ چونکہ اس حد کی آمدنی کو گورنمنٹ نے رفاہ عام میں خرچ کر نیکی واسطے طے کر لیا ہے۔ لہذا اس میں خرچ کرتی ہے اور اسکا انتظام ہندوستانیوں کے سپرد کر دیا ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گورنمنٹ کو اس سے تعلق نہیں واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سب رٹاری مثل تحصیلداری وغیرہ کے ناجائز کیوں ہے، اور سب رٹاری کی تنخواہ اعلیٰ حضرت نے ناجائز فرمایا ہے، اسکے وجوہ مفصل مطابق شرع شریف کے بیان فرمائیے ؟

الجواب :- سب رٹاریا رٹاریا دستاویز کا گواہ ہوتا ہے، جب تک اس کے دستخط نہیں دستاویز کی تکمیل نہیں ہوتی، اگرچہ اپنے نام کے ساتھ وہ گواہ شدہ لکھے مگر وہ یقیناً گواہ ہے بلکہ جس دستاویز میں کوئی لین دین ہو تو روپیہ اسکے سامنے دیا جاتا ہے جسکو وہ خود گن کر لکھتا ہے کہ میرے سامنے آناروپیہ دیا گیا۔ اور مقدمہ میں ضرورت ہوتی ہے تو رٹاریا بھی گواہی کیلئے جاتا ہے اور گواہی دیتا ہے پس جبکہ وہ گورنمنٹ کی طرف سے اس واسطے مقرر ہے کہ اسکی گواہی کے ثبوت ہونے کے بعد دستاویز قابل قبول و تسلیم ہوتی ہے ورنہ نامقبول و مردود تو چونکہ دستاویز اکثر سودی بھی ہوتی ہے جس میں سود کا لین دین بھی تحریر ہوتا ہے۔ اور یہ اسکا گواہ ہوتا ہے اور اسکی تصدیق و گواہی سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ گورنمنٹ کی طرف سے اسی کام پر مامور ہے۔ لہذا سودی دستاویز پر بھی اپنی گواہی ثبت کرنی ضروری ہے اور سودی دستاویز پر گواہی حرام ہے۔ لہذا یہ نوکری جسکے لوازم سے سودی گواہی بھی ہے حرام ہوئی صحیح مسلم شریف میں مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی وہ فرماتے ہیں لعن رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم اکل الربا و موکلہ و کاتبہ و شاهدیہ قال وہم سواء۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود لینے والے اور سود دینے والے اور اسکی دستاویز لکھنے والے اور اسکی گواہی کرنے والوں پر لعنت فرمائی کہ یہ سب برابر ہیں والعیاذ باللہ تعالیٰ، واللہ اعلم

مسئلہ :- از مقام چنگا نل مسجد ڈاکخانہ چکاسی ضلع ہٹورہ مرسلہ مولوی محمد سائق صاحب کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بھری عمر کو اس شرط پر دی کہ تم اسکو چراؤ اور اسکی پرورش کرو جب بچہ پیدا ہونگے تو نصف ہمارا اور نصف تمہارا اور اگر ایک بچہ پیدا ہوگا تو اسکی قیمت آپس میں تقسیم کر لینگے تو کیا اس طرح کا لین دین جائز ہے

اور زید کے حصہ میں جو بچہ آیا اسکی قربانی جائز ہے اگر ناجائز ہے تو کیوں؟ بنو اتو جودا
الجواب :- جانور کو اس طرح چرائی پر دینا کہ جو بچہ پیدا ہوگا۔ اسکے نصف کا حق دار
 چرانے والا ہوگا ناجائز ہے اور یہ اجارہ فاسدہ ہے، اولایہ کہ جو اجرت مقرر ہوئی وہ مجہول
 ہے معلوم نہیں بچہ زندہ پیدا ہوگا یا مردہ پیدا ہوگا۔ اور زندہ پیدا ہو تو معلوم نہیں ایک
 پیدا ہوگا یا کئی ہونگے۔ اور اجرت مجہول ہونے سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے۔ درختار میں ہے
 وفسد بجمالة المسخى كله اذ بعضه ثانیا یہ اجیر جس چیز میں کام کریگا یعنی جو
 جانور چرائے گا اسی میں سے ایک حصہ اپنی اجرت میں لیگا۔ اور ایسا اجارہ صحیح نہیں۔

ہدایہ میں ہے۔ ومن دفع الى حائك غزلا لينسخه بالنصف فله اجر مثله و
 وكذا اذا استاجر حمارا يحمل عليه طعاما بقبض منه فالاجارة فاسدة لانه
 جعل الاجر بعض ما يخرج من عمله فيصير في معنى قبض الطعان وقد نهى
 النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عنه۔ بالجملة یہ اجارہ صحیح نہیں بکری کے جتنے بچے
 پیدا ہوں گے سب کا مالک زید ہی ہے کہ بچے اسی کی ملک ہوتے ہیں جسکی بکری ہو۔ عمر کو
 اس صورت میں اتنے دنوں کی چرائی کی اجرت مثل دیجائیگی۔ یعنی اتنے دنوں تک چرانے
 کی جو اجرت دیجاتی ہو وہ ملے گی۔ بشرطیکہ وہ اجرت مثل نصف بچوں کی قیمت سے زائد نہ ہو
 اور اگر زائد ہو تو صرف نصف بچوں کی قیمت ہی دی جائیگی۔ زیادہ نہیں کہ اجارہ فاسدہ

کا حکم یہی ہے ہدایہ میں ہے۔ والواجب في الاجارة الفاسدة اجر المثل لا يجاوز
 به المسخى، اور جبکہ بچے زید کے ہیں تو ان بچوں کی زید قربانی کر سکتا ہے البتہ عمر کو اگر اجرت
 میں کھلا ہو تو یہ عمر واسکی قربانی نہیں کر سکتا کہ عمر اس بچہ کا مالک نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- از بلیا مرسلہ مولوی عبد العظیم صاحب ۲/ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ

ما قولكم ايها العلماء الكرام في هذه المسئلة رحمكم الله الملك العلامة
 کسی کو گائے بکری وغیرہ اس شرط پر دیا کہ اسکی پرورش کر داس سے جو بچے پیدا ہونگے

ان میں ہم دونوں آدھے آدھے شریک رہیں گے۔ چنانچہ اگر بکری کے دو بچے ہوئے تو دونوں ایک ایک لے لیں یا ایک اور تین بچہ ہونے کی صورت میں ایک کی قیمت دونوں آپس میں تقسیم کر لیں۔ یا دونوں شخصوں میں سے اس ایک بچے کو ایک ہی رکھ لے اور آدھی قیمت دوسرے کو واپس دیدے بچہ پیدا ہونے کے بعد تقسیم کیلئے کوئی مدت بھی پہلے سے مقرر نہ ہو جب دونوں کی رائے متفق ہو جائے اس وقت تقسیم کر لیں تو جائز ہے یا ناجائز؟ ۹۔ بینوا تو جردا

الجواب :- یہ اجارہ کئی وجوہ سے فاسد ہے۔ اول یہ کہ یہاں اجرت مجہول ہے معلوم نہیں کہ ایک بچہ ملیگا یا آدھا ملے گا یا کچھ نہ ملیگا۔ دوم یہ کہ مدت مجہول ہے تیسرے یہ کہ یہ اجارہ اٹلاف عین کے ساتھ ہے۔ اور ایسا اجارہ ناجائز ہے۔ یعنی جس چیز میں اجیر کام کرے گا اسی میں سے ایک جزرہ اجرت قرار پائے۔ جسکو قیصر طمان کہا جاتا ہے۔ یہ اجارہ فاسد ہے۔ اور اس اجارہ کا حکم یہ ہے کہ وہ بچہ یا کل بچے مستاجر کی ملک ہیں، اسی کو بیچے اور اجیر کو اجرت مثل دی جائے گی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ دفع بقرۃ الی رجل علی ان یعلفھا وما یكون من اللبن والسمن بینھما انصافا فالاجارۃ فاسدۃ وعلی صاحب البقرۃ للرجل اجر قیامہ وقیمۃ علفھ ان علفھما من علفھ ہو ملکہ لاما سرحھا فی الدرعی ویرد کل اللبن ان کان قائما وان ائلف فالمثل الی صاحبھا لان اللبن مثلی نیز اسی میں ہے۔ وکذا لودفع الدجاج علی ان یكون البیض بینھما وایزر الفیلق علی ان ینکون الابریسم بینھما لایخوز والعادۃ کلہ لصاحب الدجاج وایزر کذا فی الوجیز للکردی نیز اسی میں ہے۔ لو استاجر عبد ایتھم بنصف ربح مال البئر او رجلا یرعی غنما بلبنھا او بعض لبنھا او صرفھا لم یجز ویجب اجر المثل کذا فی التائمر غانیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی موضع میں ایک مدرسہ ہے جس میں صرف طوائف کا پیسہ آتا ہے۔ اور ان طوائف کے پاس جتنی آمدنی ہے وہ

سب حرام اور ناجائز طریقے کی ہے۔ اور اسکا مدرس احتیاط چاہتا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس مدرس کے چلنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ نیز یہ کہ طوائف کے پاس جو باجہ وغیرہ بجانے والے رہتے ہیں انکی آمدنی حلال ہے یا حرام بینوا تو جردا

الجواب :- جبکہ یہ معلوم ہے کہ یہ پیسہ حرام ہے تو اس کا اجرت میں لینا جائز نہیں مدرس کو ایسی ملازمت نہ کرنی چاہئے جس میں جان بوجھ کر حرام پیسہ لینا پڑتا ہے۔ باجہ بجانے کی اجرت بھی حرام ہے درمختار میں ہے۔ لاتصح الاجارة لاجل المعاصی مثل الخلاء

والنوح والملاهی - والله تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- آمدہ از جامع مسجد لکھنؤ ضلع گوجرانوالہ پنجاب مسئلہ مولوی سمر احمد عبد الصبور بیگ منشور ہزاروی :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ آجکل ہر قسم کی منڈیوں میں مندرجہ ذیل ذرائع سے آڑھٹ کا جو کام کیا جاتا ہے اسکے جائز و ناجائز کے متعلق تسلی بخش تفصیلاً جواب سے سرفراز فرمایا جاوے، ایک صاحب منڈی میں اپنا مال برائے فروخت لاتا ہے اور اسکے فروخت کرنیکی تمام ذمہ داری آڑھٹی کے سپرد کرتا ہے۔ آڑھٹی اس مال کو خریدار کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے مالک کے مال کو فروخت کرنے کے معاوضہ میں فروخت کنندہ اور خرید کنندہ ہر دو سے وصول شدہ رقم پر ایک آنہ فی روپیہ یا اس سے کم و بیش رقم وصول کر لیتا ہے نیز بکنے والی جنس سے کچھ خریدار کی رضامندی سے سبزی یا جو چیز بھی ہو لے لیتا ہے، جواب کا نہایت بے چینی سے انتظار ہوگا ؟

الجواب :- فروخت کنندہ کو اپنے اس کام کی اجرت بائع یا مشتری سے لینا جائز ہے اور اشیاء فروختی میں سے اگر فروخت کرنیکے بعد خریدار نے اپنی رضامندی سے کوئی چیز فروخت کنندہ کو دے دی یہ بھی فروخت کنندہ کے لئے جائز ہے۔
والله تعالیٰ اعلم

کتاب الغصب

مسئلہ ۱۰۔ مسئلہ فضل حسین صاحب محلہ خواجہ کتب بریلی۔ ۲۰ رجب الآخر ۱۳۲۲ھ
انگریزی ۱۹۰۷ء میں مولوی فخر الدین مہاجر مدنی نے مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا انکی حقیقت
زمینداری ضلع بریلی میں واقع ہے، اس پر مولوی حامد حسین ۱۸۹۰ء سے مختار عام تھے ۱۹۰۷ء میں
مولوی حامد حسین نے مصلحتاً حقیقت مذکورہ پر اپنے نام کا داخل خارج کرالیا تھا ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۶ء
تک حقیقت مذکورہ پر خود متصرف رہے آخر ۱۹۱۶ء میں مولوی حامد حسین کا انتقال ہو گیا ۱۹۱۱ء
میں غفور الدین نے حقیقت مذکورہ پر مولوی فخر الدین کے دربار مسماۃ نصیر النساء و مشکور النساء
ہمشیرگان و لطف النساء زوجہ پردعویٰ عصبہ کیا کہ میں فخر الدین کا عصبہ ہوں۔ ۱۹۱۸ء میں
غفور الدین کو اس دعویٰ میں کامیابی ہو گئی آخر ۱۹۱۶ء میں جب حامد حسین کا انتقال ہو گیا
حقیقت مذکورہ کے تحصیل میں کاغذات میں نام حامد حسین کا تھا اس وجہ سے بیجا اور غلط
داخل خارج امت الرحیم و خیر و حکیم النساء و عباسی بیگم زوجگان حامد حسین کا ناجائز روپیہ میں
اپر ہو گیا اور ۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۸ء تک کا منافع بھی ناجائز حقیقت مذکورہ کا دختر و زوجگان حامد حسین
روپیہ میں ۱۰ اربا پاتی رہیں۔ اب ۱۹۲۱ء میں دربار مولوی فخر الدین کی اولاد نے بوجہ انتقال
نصیر النساء و مشکور النساء ہمشیرگان و لطف النساء زوجہ فخر الدین کے وارثان نے دعویٰ
استقرار حق اس امر کا کیا کہ جائیداد مذکورہ مولوی فخر الدین کا متروکہ ہے، حامد حسین کا نہیں ہے
امت الرحیم و عباسی بیگم حکیم النساء مدعا علیہا سے حقیقت مذکورہ واپس دلائی جاوے۔ چنانچہ
دعویٰ بحق وارثان لطف النساء و اوزحق وارثان نصیر النساء و مشکور النساء حقیقت دلائی گئی، وارثان
نصیر النساء و مشکور النساء میں حامد حسین مذکور بھی حصہ دار تھے اس وجہ سے دعویٰ استقرار

مذکورہ میں وہ ترکہ حامد حسین کا ان کی دختر امت الرحیم و عباسی بیگم و حکیم النساء زوجگان و محمود حسین برادر کو ملا اب غفور الدین نے دعویٰ عصوبہ مندرجہ بالا ۱۹۱۱ء کا خرچہ و زر واصلات چاہا ہے۔
 وارشان لطف النساء کہتے ہیں کہ ہم پر نہیں پڑنا چاہیے وارشان نصیر النساء و مشکور النساء کہتے ہیں کہ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۶ء تک کی آمدنی حقیقت متنازعہ مندرجہ بالا کی حامد حسین کے تحت و تصرف میں رہی اور اس لیے مستفیض دختر و زوجگان حامد حسین رہے اور بعد وفات حامد حسین کی آمدنی بھی کل حقیقت متروکہ فخر الدین کی ناجائز و داخل خارج مذکورہ بالا کی وجہ سے تین سال تک امت الرحیم و عباسی بیگم و حکیم النساء لیتی رہیں جسکو اب وہ واپس نہیں کرتے لہذا خرچہ و زر واصلات حامد حسین کے ترکہ مندرجہ بالا پر پڑنا چاہیے۔

دو شمار حامد حسین کہتے ہیں کہ سب پر پڑنا چاہیے یعنی کل متروکہ فخر الدین اور حامد حسین پر پڑنا چاہیے اس بارہ میں دریافت طلب یہ ہے کہ حکم شرع شریف کا کیا ہے کس پر اور کس ترکہ پر خرچہ و واصلات پڑنا چاہیے حکم صادر فرمایا جاوے؟

الجواب :- اپنے حق کے حاصل کرنے میں جو کچھ صرف ہو گا وہ شرعاً اسی پر ہے، نہ کہ مدعا علیہ پر۔ یہ صرف مدعا علیہ سے کبھی عقد کے معاوضہ میں لیا جاسکتا ہے، شرع سے وہ چیز مدعی کو ملے گی جسکا اس نے دعویٰ کیا اگر اپنے دعویٰ کو ثابت کر دے۔ یوہیں زر واصلات بھی مدعی کو نہیں مل سکتے۔ بلکہ اگر مدعا علیہ غاصب ہے تو اس پر واجب ہے کہ جو کچھ آمدنی ہے وہ فقہار پر تصدق کرے اور اگر حقیقتہً غاصب نہیں ہے تو ملک خبیث بھی نہیں نہ تصدق واجب۔ بہر حال مدعی کو زر واصلات کا شرعاً بالکل استحقاق نہیں کہ وارشان لطف النساء سے لینا جنھوں نے نہ غضب کیا نہ منافع جائداد مغضوبہ سے انھیں سروکار ہوا۔ ان سے یا ہمشیرگان حامد حسین سے خرچہ و زر واصلات لینا سراسر ظلم اگر غفور الدین کا حق غضب کیا تھا تو حامد حسین نے کہ انھوں نے اپنے نام داخل خارج کرایا اگر پڑتا تو حامد حسین کی جائداد پر پڑتا نہ کہ دوسروں پر اور شرعاً حامد حسین یا حامد حسین کی جائداد پر بھی نہیں تنویر الابصار میں ہے۔ دان استقلالہ

تصدق بالغلة - رواحتار میں ہے۔ اصلہ ان الغلة للغاصب عندئذ لان المنافع لا تقوم الا بالعقد والعاقدة هو الغاصب فهو الذي جعل منافع العبد مالا بعقدہ فكان هو اولیٰ ببذلہا ویؤمن ان تصدق بہا لا استفادتہا ببدل خبیث وهو انصرف فی مال الغیر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از محلہ خواجہ قطب الدین بریلی مسئلہ خورشید -

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایک یتیم بچہ کا ترکہ یا حق تلف کرنا یعنی ضائع کرنا چاہتا ہے اور دو فریق بلا وجہ اسکا حق ضائع کر کے اپنا حق ظاہر کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں اور چند آدمی اس امر کی جھوٹی شہادت دینے کو تیار ہیں ایسے شخصوں کے بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اور جو شخص اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ یتیم کا حق یتیم کو ملنا چاہئے ان کے بارے میں کیا حکم شرع شریف ہے؟ بینوا تو جہا

الجواب :- یتیم کا مال کھانا سخت حرام اور آخرت کا وبال ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

الذین یا کون اموال الیتی ظلما انما یا کون فی بطونہم ناسرا او سیصلون سعیرا جو لوگ یتیم کے مال بے عدل کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور عنقریب دہتی آگ میں داخل ہونگے صحیح مسلم شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں عن ادعی مالیس لہ فلیس منا ولیتوا مقعدہ من الناس۔ جو برای چیز کا دعویٰ کرے وہ ہم میں سے نہیں اسے چاہئے کہ جہنم کو اپنا ٹھکانا بنائے۔ جھوٹی گواہی دینا بھی کبیرہ شدید ہے حدیث میں فرمایا۔ عدلت شہادۃ الزور بلا شرک باللہ۔ جھوٹی گواہی شرک کے برابر کی گئی یعنی دونوں کو قرآن شریف میں ایک ساتھ ذکر فرمایا۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔ اس میں شرکت دینے والے کوشش کرینے والے سب پر شرعاً جرم ہے قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ مسلمانان موضع کسرہ بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ملان پیر بخش و کمپوٹ سے وندھ جی چند

ولد رمضان ان تینوں شخصوں کے پاس جمعہ میں ہفتہ روپیہ چندہ مسجد مرت کرانے کے واسطے جمع کئے تھے۔ انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ ہم کل کام شروع کرا دیں گے جس کے آج ۱۵ دن کے بعد ان سے پوچھا کہ کام شروع نہ کرائے گا کیا سبب ہے انھوں نے اس پر جواب دیا کہ ہم نہ کام شروع کرائینگے نہ ہم روپیہ دیں ہم نے کھالیا۔

تم سے اگر عدالت میں نالش کر کے لیا جاوے تو لے لینا۔ اب جو شریعت کے موافق ان شخصوں کیلئے جرم ہو وہ تحریر فرمائیں۔

الجواب۔ یہ مسجد کے روپے جو ان لوگوں نے مار لئے اسکی وجہ سے شرعاً سخت مجرم و غاصب ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ جائز کاروائی سے ان سے روپیہ وصول کریں اگر مسجد کے روپے دینے سے انکار کریں تو ان سے میل جول ترک کریں انکا حقہ وغیرہ بند کر دیں جب تک اس سے توبہ نہ کریں اور روپیہ نہ واپس دیں انھیں برادری میں شامل نہ کریں۔ **مسئلہ**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تین روپیہ ہے اس میں سے

ایک روپیہ حلال ہے اور دو حرام۔ یہ معلوم نہیں کہ کون سا روپیہ حلال ہے اسمیں سے اگر ایک روپیہ کوئی سالے لے یہ کہہ کر کے ہم نے حلال رقم لی ہے تو جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب۔ پر ایسا مال اگر اپنے مال میں خلط کر لیا کہ امتیاز جاتا رہا۔ اس خلط سے اس کا مالک ہو جائیگا اور اس پر اسکا تاوان لازم ہے اور جب تک ضمان نہ دے ملک خبیث ہے **مسئلہ**۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کفار و مشرکین سے روپیہ قرض لے کر غصب کر لینا کیسا ہے جبکہ فساد ہونے کا کوئی اندیشہ نہ ہو ؟

الجواب۔ جب قرض لیا ہے تو ادا کرنا ضرور ہے یا یہا الذین امنوا و فوا بالعقود۔ واللہ اعلم

لے ہاں اگر قرض نہ لیا، محض غصب کیا اور فساد کا اندیشہ نہیں، تو لینا جائز ہے۔ کہ کافر حربی کا مال غدر و بدعہدی کے علاوہ جس طرح چاہے سکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے لَانْ مَا لَمْ يَمْلِكْ فَبِأَيِّ طَرِيقٍ اخَذَهُ الْمُسْلِمُ اخَذَ مَا لَمْ يَمْلِكْ، وَوَسَّه تَعَالَى اعْلَمْ مَسْأَلَتِي

باب الضمان

مسئلہ ۱۔ از بنارس کچی باغ فرسیدہ جناب مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب ۲۱ شوال ۱۳۹۹ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر اہل ہنود اپنی عناد و دشمنی سے مساجد اہل اسلام
 کو نقصان پہنچائیں اور منہدم کریں تو اسکا تاوان ان سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا اگر اہل ہنود مشورہ
 کر کے مساجد کو جو منہدم کر دیا ہے۔ اپنے رویہ سے تعمیر کرنا چاہیں تو جائز ہے یا نہیں؟ یا بنو باکتب توجردا۔
الجواب :- بلاشبہ ان سے عمارت کا تاوان لیا جائے گا۔ اور اس رقم سے تعمیر کرائی جائے یا وہ خود
 اپنے اہتمام سے تعمیر کرا دیں دونوں صورت ممکن ہے، بحر الرائق رد المحتار وغیرہا میں ہے۔ اعلم ان تعمیر انہما
 یکون من غلۃ الوقف اذ الم یکن الخراب بقتع احد ولذا قال فی الولو الجیۃ رجل اجر دار الوقف
 فجعل المستاجر رواۃھا صریطاً یربط فیہ الدواب وخر بہما یقتن لانہ فعل بغير اذن اہل اور
 صورت مذکورہ میں تاوان نہ لینے کے معنی یہ ہونگے کہ جسکا جی چاہے مسجدوں کو برباد کیا کرے اور اسکو توڑ پھوڑ
 کر کے برابر کر دیا کرے کہ جب مسلمان تاوان بھی نہ لے تو اب مسجدوں کے برباد کرنے میں کیا شئی مانع ہوگی
 اور یہ خیال نہ کیا جائے کہ اس صورت میں مسجد کے بنانے والے کفار ہوئے یا انکے رویہ سے مسجد بنی۔
 اس لئے کہ صورت مذکورہ میں مسجد کے بنانے والے نہ کفار ہیں نہ انکے رویے سے بنے گی کہ مسجد تو وہ پہلے
 ہی سے ہے اور مسجد تو مسلمان ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ اگر کوئی کافر اسے توڑ ڈالے تو اسکی مسجدیت باطل نہیں
 ہوتی کہ جس جگہ مسجد بن گئی وہ قیام قیامت تک مسجد ہی ہے ان دیواروں اور حقیوں کے گر جانے سے یہ نہیں
 ہوا کہ وہ مسجد نہ رہی تاکہ مسجد کے بانی کا فر قرار پائیں نیز یہ کہ جب انھوں نے نقصان پہنچایا تو شرعاً انکے
 ذمہ تاوان ہو گا نہ کہ کاخیر اور مسجد پر وقف کرنا۔ کہ اسمیں نیت ثواب شرط ہو۔ اور کافر اسکے اہل نہیں کہ
 ضمان دینا تقرب و عبادت نہیں کہ کافر کو بوجہ عدم اہلیت اس سے مستثنیٰ کیا جائے۔ بہر حال
 اولہ شرعیہ و عقلیہ سے یہی ثابت کہ ضرور تاوان لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الرَّدَّةِ

مسئلہ :- مسئلہ نفع بریلی محلہ جیولی ۲۲، صفر ۱۳۴۱ھ

جو شخص علمائے المسند و جماعت کثر ہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کو نہ مانے اور ان کو نیز ان کے اقوال کو لغو و مہمل جانے اس کیلئے شرع شریف کیا حکم فرماتی ہے ؟

الجواب :- عالم نے جو حکم شرع بیان کیا اس کو نہ ماننا شرع کو نہ ماننا ہے۔ اور اس کو لغو و مہمل بتانا حکم شرع کی توہین ہے اور حکم شرع کی توہین کفر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- ازہر پورہ محلہ کرشنا پٹنہ پٹنہ مرسلہ حکیم ابو محمد عبد الرزاق صاحب امام مسجد مورخہ ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید موم و صلوة کا پابند ہے اور کسی قدر علم بھی رکھتا ہے۔ اور اسکی راتے پردس بیس آدمی چلتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر دوران گفتگو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اب اس کے مخالفین اسی قول کو گرفت کر کے کفارہ مقرر کیا ہے، کہ اس قول سے خدائی دعویٰ کرنا ثابت ہوتا ہے اور زید کہتا ہے کہ میرا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں (چنانچہ برابر محاورے میں کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کسی کا کہنا نہیں مانتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے یا فلاں شخص ایسا ہے کہ جوارادہ کیا اسکو کر ہی دیا یا فلاں شخص جوارادہ کرتا ہے کر ہی ڈالتا ہے، تو ان سب محاورات پر بھی کفر یا کفارہ ہونا چاہیے ؟ اگر ایسا ہے تو روزمرہ ہزاروں آدمی کافر ہوتے ہوں گے) نہ کہ صفت خداوندی میں قادر مطلق ہوں لغو و باطل ہے ہم زید پر مخالفین نے بطور کفارہ چالیس فقیر کو کھلانا مقرر کیا۔ اور توبہ بھی کرایا اور اگر نہیں کھلایا تو برادری سے خارج۔ مجبوراً زید نے ایک ایک دو دو چار چار کر کے چالیس عدد فقیر کو کھلایا۔ اور پھر مخالفین کہتے ہیں کہ چونکہ ایک دفعہ چالیس فقیر کو نہیں کھلایا ہے اسلئے یہ کفارہ درست و صحیح ادا نہ ہوا

اور برادری سے خارج کرتے ہیں تو دریافت طلب یہ ہے کہ آیا اس کلمہ سے کفر یا خداوندی صفت آتی ہے یا نہیں، بصورت آنے کے یہ کفارہ صحیح ہوا یا نہیں، اور یہ کفارہ برادری کے لوگ بطور نجات طے کر سکتے ہیں یا جو علماء فتویٰ دیں اس پر عمل ہو سکتا ہے خلاصہ مع ثبوت ارقام فرمادیں تاکہ یہ مخالفت مٹ جائے ؟

الجواب :- محاورہ میں یہ لفظ خود مختاری اور کبر اور کسی کی بات نہ ماننے وغیرہ معانی میں بولا جاتا ہے بہر حال زید کو محض اس وجہ سے کہ چند شخص اسکا کہنا مانتے ہیں اسکے کہنے پر چلتے ہیں، یہ تکبرانہ لفظ نہ بولنا چاہئے تھا۔ تو یہ کرے، یہ کافی ہے۔ اس پر شرعاً کوئی کفارہ مالی لازم نہیں، جبراً اس سے فقیر کو کھلوانا منع ہے کہ یہ جبراً نہ ہے اور مالی جبراً نہ ممنوع، بجز الرائق وغیرہ میں ہے التعزیر بالمال منسوخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الْفَدِيَةِ

مسئلہ :- یہ مسئلہ مولوی عبدالعزیز امام مسجد کلس داخلی سیرت ہزارہ الرزوی الحجۃ ۱۴۱۰ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف کا دوران کرنا ساتھ چند روپیہ کے واسطے جلد اسقاط میت کو ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اسقاط کیلئے جو طریقہ پنجاب کے بعض اطراف میں جاری ہے کہ معاذ امیر وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ میت کے گناہ ہم اپنے سریتے ہیں یہ ناجائز و حرام ہے۔ کہ گناہ کو ہلکا جانے کا پہلو ہے اور لا ینزہ ذنوبہ و ذنوبہ آخری کو فراموش کرنا ہے اور مصحف شریف کو یہ جھک دینا کہ یہ بیش بہا شے ہے یہی میت کے تمام روزہ و نماز کا فدیہ ہو جائیگا یہ بھی غلطی ہے ایوں فدیہ ادا نہ ہوگا بلکہ اتنی ہی نمازوں یا روزوں کا فدیہ ہوگا جو اسکا بازار میں ہدیہ ہے اور اس قیمت میں جتنے گناہوں آئیں یہ جتنے صدقہ فطر کی مقدار کو پہنچیں بلکہ اسکا طریقہ یہ ہے کہ میت کے ذمہ کی تمام نمازیں اور روزے شمار کر لیں اور کچھ روپے حسب استطاعت فدیہ میں فقیر کو دیں اور یہ حساب کر لیں کہ ان روپوں کے جتنے گناہوں آئیں گے وہ اتنی نمازوں کا فدیہ ہیں، پھر وہ فقیر دوسرے فقیر کو اپنی طرف سے اس میت کے نماز و روزہ کے فدیہ میں دے پھر وہ اسی پہلے یا کسی اور کو دے اور دور کرتے رہیں یہاں تک کہ تمام نماز و روزہ کے فدیہ ادا ہو جائیں ؟ واللہ اعلم

کتاب الشفۃ

مسئلہ (۱) از پہان ٹولی ریاست شہر جاوہر ملک بالوہ مرسلہ جناب محمد صدیق صاحب ۲ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ ہندہ جو غیر مذہب کی ایک عورت ہے اپنا مکان فروخت کرنا چاہتی ہے۔ ہندہ کے مکان کے مشرقی جانب زید کا مکان اور مغربی جانب بکر کا مکان ہے۔ دونوں ہمسایگان میں سے کس کو مکان خریدنے کیلئے حق شفۃ از روئے شریعت پہنچتا ہے۔ نوٹ۔ ہندہ کے مکان کا مشرقی چاندہ یعنی دیوار درمیانی ہندہ ہی کی ملکیت ہے زید کا کوئی حق ملکیت اس میں شامل نہیں ہے۔ برعکس اسکے ہندہ کے مکان کے مغربی جانب کی دیوار بکر کی ملکیت ہے مکان مبیعہ کے عقب میں زمین افتادہ زید کی ہے لیکن مکان مبیعہ کا اس میں نکاس کا کوئی دروازہ نہیں ہے۔ مکان مبیعہ کا دروازہ آمد و رفت صرف ایک ہی جانب جنوب شارع عام پر ہے۔ مکانات زید و بکر کے دروازہ بھی جانب جنوب ہیں ؟

مسئلہ (۲) ہندہ نے زید کو ارادہ بیع مکان کی اطلاع مکان بیع کرنے سے کئی ماہ پیشتر دی اور بیع کرنے کیلئے مکان بھی فروخت کرنے سے دو ماہ قبل خالی کر دیا اور عزیزان زید کے مکان میں کرایہ سے جاری اور دو ماہ بعد مکان خود بدست بکر فروخت کر دیا اور عدالت میں باقاعدہ رجسٹری بھی کرا دی اور مکان مبیعہ پر قبضہ بھی دلادیا اور زید نے ٹروس میں رہتے ہوئے گیارہ ۱۰ تک کوئی اعتراض نہیں کیا اور بعد گزرنے گیارہ ماہ کے حق شفۃ کا دعویٰ مکان مبیعہ کی بابت کر دیا کیا زید کا دعویٰ چل سکتا ہے ؟

الجواب (۱) ہندہ کو اختیار ہے جسکے ہاتھ چاہے مکان کو فروخت کرے اور فروخت کرنے کے بعد شفیع کو حق شفیعہ حاصل ہوگا۔ اور جبکہ زید و بکر دونوں جاری بلاسق ہیں اور شریک و خلیط ان میں کوئی نہیں۔ دونوں شفیعہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ میرا شخص خریدے اور ان میں سے ایک نے خریدا تو دوسرا شفیعہ کر سکتا ہے کہ سبب شفیعہ یعنی اتصال ملک ہر ایک میں پایا جاتا ہے درمختار میں ہے۔ و سببھا اتصال ملک الشفیع بالمشتري بشركة او جوار۔ اور زید کی دیوار مکان ہندہ کے ایک جانب ہونا یا زید کی افتادہ زمین مکان ہندہ کے ایک جانب ہونا ان میں سے کسی کو زیادہ حقدار نہیں کرتا کہ اصل وجہ شفیعہ جوار ہے اور وہ دونوں میں حاصل ہے ردالمحتار میں ہے۔
والملاصق من جانب واحد ولو بشبر كالملاصق من ثلثة جوانب فہما سواء۔ اور یہ حق شفیعہ اسی وقت حاصل ہوگا جب ہندہ اپنا مکان بیع کر دے قبل بیع شفیعہ نہیں درمختار میں ہے و تجب لہ لعلیہ بعد البیع۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲) شفیعہ کے لئے یہ ضرور ہے کہ جس وقت مکان یا زمین مشفوعہ کی بیع ہو تا معلوم ہو فوراً بلا تاخیر طلب مواثبت کرے یعنی اپنی زبان سے کہے میں اسکا شفیعہ ہوں اگر فوراً نہ کہا تو حق شفیعہ جاتا رہے گا اور دعویٰ کرنے کا حق نہ رہے گا ہدایہ میں ہے اعلم ان الطلب علی ثلثة اوجہ طلب المواثبة وھو ان یطلبھا کاعلم حتی لو بلغ الشفیع البیع ولم یطلب شفیعته بطلت الشفیعۃ لما ذکرنا و لقولہ علیہ السلام الشفیعۃ لمن واشبھا۔ لہذا اگر زید نے طلب مواثبت نہیں کی اور بیع کی خبر سن کر خاموش رہا تو شفیعہ کا حق جاتا رہا اور اب دعویٰ کر کے اس مکان کو نہیں لے سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الذبائح

مسئلہ :- مرسلہ عبد الرزاق صاحب رضوی از کوہ شملہ مقام لکڑ بازار سیلون ہاں از ذی الحجۃ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس چھری میں پرگ یا لکڑی کا دستہ
نہ ہو صرف دستہ میں جوڑ ہو اور لوہا ہو اس چھری سے کوئی حرام گوشت کاٹا جائے آیا وہ چھری صاف
کر کے اس سے قربانی یعنی ذبح کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ اور وہ گوشت حلال ہو یا نہیں ؟
الجواب :- جس چھری سے جانور ذبح کیا جائے خواہ قربانی ہو یا کچھ اور اس میں لکڑی
وغیرہ کسی چیز کا دستہ ہو تا ضروری نہیں حدیث میں ہے ما انہر الدم و ذکر اسم اللہ
فکلی۔ یو ہیں اگر چھری ناپاک ہو گئی ہو تو اسے پاک کر کے ذبح کر سکتے ہیں اور گوشت دونوں
صورتوں میں حلال ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس سوال میں
کہ ہر ایک شہر میں دستور ہے کہ قصاب لوگوں کے یہاں قاضی شہر کی جانب سے ذباحت
کیلئے آدمی مقرر ہے وہ شخص بکری جاموس وغیرہ جانور ذبح کرتا ہے اور آج کل ایسے
کام کرنے کو کوئی شخص ملتا نہیں۔ اور نہ آمادہ ہوتا ہے کہ ذبیحہ کا کام کرے اس لئے
وہی شخص بیویاری مسلمان قصاب جاموس بکری وغیرہ کسی مسلمان سے ذبح کرالینوے
تو اس ذبیحہ کا گوشت کھانا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :- ذبیحہ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ قاضی کا مقرر کیا ہو جب ہی حلال ہو
ملکہ جو مسلمان بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دے جانور حلال ہو جائے گا۔ جبکہ اکثر
رگیں موضع ذبح کی کٹ جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

مسئلہ۔ امر سلۃ عبدالغنی اسمعیل اینڈ سنس کیو تھ مرچنٹ صدر بازار راکھ پور ۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گائے نہیں کھائی ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ گائے کا گوشت کھایا ہے۔ آیا ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

مسئلہ (۲) مچھلی کس زمانہ میں حلال ہوئی ہے۔ اور کس پیغمبر نے حلال کیا ہے

زید کہتا ہے کہ بغیر حلال کرنے کے کھانا حرام ہے۔ ولیکن زندہ کو حلال کرنا مری ہوئی مچھلی مطلقاً حرام ہے حرام ہے حرام ہے۔ دلیل سے ثابت کر دو؟

الجواب (۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گائے کی قربانی کی یہ امر

احادیث سے ثابت صحیح بخاری شریف میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سے مروی قالت عائشہ فدخل علينا يوم النحر بلعم بقر فقلت ما هذا فقیل

ذبح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن اذ واجهہ مگر کھانا یا نہ کھانا ثابت نہیں

لہذا زید و عمرو دونوں غلطی پر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۲) غالباً سائل کی مراد حلال سے ذبح ہے۔ مچھلی ذبح کر نیکی چیز نہیں

ذبح کرنے سے مقصود رگوں سے خون نکالنا ہوتا ہے، اور مچھلی میں خون نہیں۔ لہذا

مری ہوئی مچھلی حلال ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں احدث لنا

میتان و دمان المیتان الحوت والعراد والدمان الکبد والطحال۔

نیز فرمایا ہوا الطہور ماء وہ والحل میتتہ۔ دریا کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ

(یعنی مچھلی) حلال ہے۔ ہاں جو مچھلی پانی میں سر کر تیر جائے وہ حرام ہے حدیث

میں ہے ما القاء البحر وجزر عنہ الماء فکلوہ ومامات فیہ وطفًا فلا تاكلوہ۔ زید کا قول بالکل غلط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(حاشیہ)۔ گائے کے چار رگیں ہیں (۱) حلقوم جس میں سانس آتی جاتی ہے (۲) مری جس سے کھانا پانی

اترتا ہے (۳ و ۴) ودجین جس میں خون کی روانی ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی بھی تین رگ کا کٹ جائز کھانہ کی

صحت کیلئے پہلی اور بنیادی شرط ہے، تنویر الابرار و درختار میں ہے وحل المذبوح بقطعم ای ثلاث منها۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۔ از دہلی محلہ چوری دالان مسئلہ مولوی یار محمد صاحب محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اہلسنت والجماعت کہ مولوی اشرف علی تھانوی اپنے رسالہ اغلاط العوام میں لکھتے ہیں کہ ذانح کے معین پر بسم اللہ اکبر کہنا واجب نہیں ہے اور ہم نے ہدایہ اور درمختار اور فتاویٰ برہنہ اور عالمگیری اور فتاویٰ عبدالحی وغیرہ میں دیکھا ہے کہ ذانح کے معین پر تسمیہ کہنا واجب ہے حتیٰ کہ معین اگر قصداً ترک کر دے تو وہ ذبیحہ مطلق حرام ہے تو مہربانی فرما کر اسکا جواب مصرح مع دستخط علماء اہلسنت عنایت ہوتا کہ ہم لوگ مسئلہ مخصوصہ سے مطلع ہوں جواب حوالہ کتب سے ہو ؟

الجواب :- بیشک معین ذانح پر تسمیہ واجب ہے، مگر معین ذانح سے مراد وہ شخص ہے کہ چھری چلانے میں اسکا مددگار ہو کہ اس صورت میں دونوں نے ملکر ذبح کیا اگر ایک نے بھی عمدتاً تسمیہ ترک کیا، جانور حرام ہے اور ذبح کے وقت جانور کے ہاتھ پاؤں پکڑنے والے پر تسمیہ واجب نہیں کہ یہ معین ذانح نہیں کہ فعل ذبح میں اسکو دخل نہیں۔ واللہ اعلم

لہٰذا کیونکہ درحقیقت دونوں ہی ذانح ہیں تو دونوں پر تسمیہ ضروری تو یہ دُرّ میں ہے۔ بشرط التسمیۃ من الذابح رد المحتار میں ہے۔ شمل ما اذا كان الذابح اثنين فلو سمي احدهما وترك الثاني عمداً حرم الکلاہ جلد ۵ ص ۱۲۱۔ معین ذانح کی توضیح یہ ہے کہ ذبح کرنے میں ذانح کا معین و مددگار ہو اس طرح کہ مثلاً ذانح کا ہاتھ ضعیف ہو اسکی قوت سے ذبح نہ ہو سکتا ہو۔ کوئی شخص نفس فعل ذبح میں اسکی مدد کرے۔ ذانح کے ساتھ چھری برہاتھ رکھ کر چھری پھیرے اور دونوں کی قوت سے ذبح واقع ہو۔ ایسی صورت میں اگر کسی ایک نے بھی جان بوجھ کر بسم اللہ نہیں پڑھا تو ذبیحہ مردار ہو جائیگا۔ درمختار میں ہے وضع یدہ مع ید القصاب فی الذبیح واعانہ علی الذبح سمي کلاہ وجوباً فلو ترکھا احدہما او ظن ان تسمیۃ احدہما یکفی حوفاً۔ شرح نقایہ میں ہے۔ بشرط تسمیۃ من اعان الذابح بحيث وضع یدہ علی الذبیح كما وضع الذابح حتی لو ترک احدہما

مسئلہ :- از ہورہ محلہ کرستان پائرہ مرسلہ حکیم ابو محمد عبد الرزاق آروی امام مسجد
۳۷۳، ۲۷، صفر ۱۲۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر بروقت ذبح
ذبیحہ کا سر جدا ہو جائے مثلاً مرغی و کبوتر وغیرہ تو اسکا کھانا درست ہے یا نہیں۔ غالباً ذبیحہ
عورت کے ہاتھ کا کھانا جائز ہوگا۔

الجواب :- قصد ایسا کرنا مکروہ ہے بلکہ حرام مغضت تک چہری کو پیرا دینا مکروہ ہے مکروہ
جانور حرام نہ ہوگا۔ اس کا کھانا حلال ہے اور بلا قصد گردن کٹ گئی تو حرج نہیں مجمع الانہر
میں ہے۔ وکرمہ قطع الراس۔ علمگیری میں ہے۔ ویستحب الاكتفاء بقطع الادواح
ولایباین الراس ولو فعل یکرہ لیس عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے علمگیری میں ہے
المرأة المسلمة والکتابیة فی الذبح کالرجل۔ مجمع الانہر میں ہے۔ ویوکان الذابح
امراً او صبیاً او مجنوناً یعقلان حل الذبیحة بالتسمیة۔ وشرعاً تعالیٰ وعلیم
مسئلہ :- مسئلہ مولوی شفا الرحمن طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۶، ربیع الآخر ۱۲۳۳ھ
کیا فرماتے ہیں حامی سنت و ماحی بدعت علمائے دین و مفتیان شرع متین اس

بقیہ خاشیہ ص ۷۷ کا۔ التسمیة لا یحل۔ والله تعالیٰ اعلم۔
لے جانور کا بدن اور اسکے ہاتھ پاؤں پکڑنا لا معین ذابح نہیں۔ ہاتھ پاؤں پکڑنا تو اسی ری کے مثل ہے جس کے جانور کے
پاؤں باندھے جائیں۔ نہ اس پر تسمیہ لازم اور نہ ہی اسکا مسلمان یا کتبی ہونا شرط۔ اگر جانور کے ہاتھ پاؤں پکڑنا لا مشرک و میت
پرست ہو جب بھی ذبیحہ میں غلن نہ آئے گا کیونکہ تسمیہ ذابح پر بشرط ہے اور نفس فعل ذبح میں شرکت دینوالے پر
اور جانور کے ہاتھ پاؤں پکڑنا لا نہ ذابح ہے نہ معین ذابح لہذا اس پر تسمیہ بھی واجب نہیں۔ والله تعالیٰ اعلم
لے کیونکہ اس میں جانور کو بلا فائدہ تکلیف دینا ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ وفی قطع الراس
نزیادة تعذیب الحيوان بلا فائدة وهو منهي عنه۔ والله تعالیٰ اعلم۔ آل مصطفیٰ معبائی

مسئلہ میں کہ سوکھائی ہوئی مچھلی یا گوشت بودار ہو یا بلا بو کھانا جائز ہے یا نہیں ؟
 بینوا بالکتاب تو جہدایوم الحساب -

الجواب :- خشک گوشت یا مچھلی کا کھانا جائز ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قدید (خشک گوشت) کھانا ثابت صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ ان خیاطاد عا البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لطعام صنعہ فذهبت مع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقرب خبز شعبی و مرقا فیہ دبء و قدید قرأت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتبع الدباء من حوالی القصبة فلم ازل احب الدباء بعد یومئذ۔ ایک درزی نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کی تھی ایک کھانے کے لئے جس کو دو سائے تیار کیا تھائیں بھی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ گیا تھا اس شخص نے جو روٹی اور شوربا جس میں خشک گوشت اور کدو پڑا ہوا تھا حضور کے سامنے پیش کیا میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ پیالہ کے اطراف و جوانب سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے تناول فرماتے تھے اس روز کے بعد سے مجھ کو کدو پسند آنے لگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مقتیان شرع متین اس مسئلہ میں مذہب حنفیہ میں اہلسنت جماعت کے نزدیک جو کہ مندرجہ ذیل تحریر ہے اگر گوشت نظر سے غائب ہو گیا ہو اور کسی کافر کے ہاتھ میں گیا ہو تو اس کا لینا اور کھانا جائز ہے یا نہیں ؟
الجواب :- اگر مشرک کے پاس گوشت رہا اور نظر مسلم سے غائب ہو گیا تو اب اس کا کھانا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ مولوی شفاء الرحمن طالب علم مدر اہل سنت بریلی ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ماکول اللحم جانور کی آئین و بت و تلی و پیچہ پڑا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- تلی اور پھیپھڑا حلال ہیں ان میں کراہت نہیں۔ تلی کی نسبت خود حدیث میں ارشاد ہوا۔ احلت لنا میتتان ودمان المیتتان المحوت والجراد والدمان الکبد والطجاء۔ ہمارے لئے دوسرے جانور حلال ہیں یعنی مچھلی اور ٹڈی اور دو قسم کے خون حلال ہیں جگر و طحال۔ آنتیں مکروہ تحریمی ہیں اور علت وہی ہے جو لحم جلالہ کی حرمت میں ہے حدیث میں فرمایا ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل الجلالۃ والبانہا۔ غلیظ خوار جانور کے گوشت اور دودھ سے منع فرمایا۔ اور آنتیں خود معدن نجاست ہیں۔ بٹ کی نسبت فقیر کو اس وقت کوئی روایت دستیاب نہ ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ مولوی عبدالعظیم صاحب مدر منظر العلوم علیہ سکندر بیاض ص ۲ صفحہ ۴۵ ہنگال میں ایک مچھلی جھینگا سے بالکل مشابہ ہوتی ہے جسے گوڑا کہتے ہیں اور جھینگا سے کچھ بڑی ہوتی ہے بعض آٹھ انگشت بعض ایک بانشت تک مگر اکثر و بیشتر چار چار پانچ پانچ انگشت کی ہوتی ہے اور بہت سے لوگ اسے جھینگا ہی کہتے ہیں۔ انکا کھانا جائز ہے یا ناجائز ؟۔ سینوا یا بسط والتفصیل توجرو عند اللہ الملک الجلیل بالا حرا الجلیل۔

الجواب :- جھینگا کے مچھلی ہونے میں اختلاف ہے بعض اسے مچھلی قرار دیکر جائز کہتے ہیں مگر بظاہر ان میں مچھلی کی شکل صورت نہیں اسکی بالکل جداگانہ صورت ہے کسی اجنبی کے سامنے پیش کیا جائے تو ہرگز اسے مچھلی نہ کہیگا بلکہ ایک دریائی کیڑا خیال کریگا ایسی حالت میں اس سے اجتناب ہی چاہئے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از نو نسہ شریف ضلع ویرہ غازی خان مرسلہ غلام سدید الدین صاحب خلف سجادہ نشین صاحب یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر ذبح اعلیٰ الحلق فوق العقدہ واقع ہو تو کیا عند الماخاف جائز ہے یا نہیں ؟۔ سینوا بالبرہان توجرو عند الرحمن

الجواب :- اگر چاروں رگوں میں تین رگیں کٹ گئیں ذبح ہو گیا اگرچہ فوق العقد ہو

کہ حدیث میں تمام ذبح مابین اللبتہ واللمین فرمایا گیا نیز بسوط میں یہ فرمایا الذبح مابین اللبتہ واللعین۔

مسئلہ :- جنبی مرد یا عورت اور نابالغ لڑکے کو جانور ذبح کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :- درست ہے۔ جبکہ ذبح کرنا جانتے ہوں۔ درختار میں ہے۔ فتعل ذبیعتہما

ولوالذابح امرأة او صبياً یعقل التسمیة والذبح ویقدس۔ ورواہ تعالیٰ وعلما

مسئلہ :- از قصبر فتح کھلڈا تعلقہ مہر ضلع بلڈانہ ملک براری پی محمد اسلم خاں ولد محمد سرفراز خاں

ہماری طرف کھنوں یعنی کھیتی کی فصل کا اناج تیار کرتے وقت مسلمان ملا صاحب کے

ہاتھ سے بت کے سامنے بکرا ذبح کرتے ہیں۔ اور اس کا گوشت مسلمان بھی کھاتے ہیں ؟

الجواب :- مسلمان کو یہ نہ چاہیے کہ بت کے سامنے جا کر بکرا ذبح کرے پھر بھی اگر اشتر

کے نام سے ذبح کیا بکرا حلال ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از کلکتہ لین نمبر ۱۶ مرسلہ جناب منظور احمد صاحب

مانی زمانہ یہودیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ مسلمان کھا سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :- یہود کا ذبیحہ جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے اگرچہ قرآن پاک

سے مطلقاً اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہونا ثابت ہے مگر نصاریٰ نے ذبح کرنا چھوڑ دیا ہے

لہٰذا چنانچہ ارشاد ہے۔ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُذُنُوا الْكِتَابِ حَلَالٌ لَّكُمْ رِبً ۚ (سورہ بائدہ) اور طعام سے

مراد ذبیحہ ہے تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ اِنَّ الْمَلَا ذِ بِالطَّعَامِ الذَّبَائِعُ۔ تو آیت کا معنی یہ ہوا۔

اور کتابیوں کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے۔ لیکن اس زمانہ کے نصاریٰ کے بارے میں تحقیق سے ثابت

ہے کہ وہ ذبح نہیں کرتے، گلا گھونٹ دیتے ہیں، یا ذبح میں موضع ذبح کی رگیں نہیں کاٹتے، بکیر نہیں

کہتے ہیں۔ لہٰذا ان کا ذبیحہ حرام ہو گا۔ اس زمانہ کے یہودیوں کا حال معلوم نہیں۔ اگر وہ بطریق شرعی ذبح

کرتے ہوں۔ جانور کے موضع ذبح کی رگیں کاٹتے ہوں، بکیر کہتے ہوں جب تو ان کا ذبیحہ حلال ہو گا۔ ربیعہ اگلے صفحہ پر

اور یہود اب تک تسمیہ کے ساتھ ذبح کرتے ہیں اس واسطے کتب فقہ میں ہے انصاف فی لادبیعہ لہ
مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عید اضحیٰ میں بکرا
 ذبح کیا۔ لیکن بسم اللہ اللہ اکبر نہیں کہا۔ قصاب کا بیان ہے کہ میں نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ
 لیا ہے ایسی حالت میں صحیح طور پر جانور ذبح ہو گیا یا نہیں ؟

الجواب :- اگر بسم اللہ کہنا بھول گیا تو ~~کچھ~~ گیا۔ جانور حلال ہے حدیث میں ہے
 المسلم ینذیع علی اسم اللہ سبی اولہ یسم اور قصدا ترک کیا تو ذبح نہوا۔ اور
 جانور حرام۔ قال تعالیٰ ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ قصاب کا تسمیہ کہنا
 معتبر نہیں اور سکا کہنا نہ کہنا یکساں ہے جبکہ وہ ذبح نہ کرتا ہو بلکہ جانور کو پکڑے ہو یا
 کھڑا ہو ذبح کرنے میں ذابح کا تسمیہ کہنا شرط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ سید ضمیر الدین احمد صاحب ازالہ آباد محلہ دارالخج ۲۰ جمادی الآخرہ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گوشت مسلمان ذبح کرتا ہے مسلمان
 فروخت کرتا ہے مگر ایک مسلمان کسی کافر گوشت فروخت کی دوکان سے گوشت منگواتا
 ہے۔ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- کافر سے مراد اگر مشرک ہے کہ وہ گوشت فروخت کرتا ہے تو اسکے یہاں کا
 گوشت خریدنا اور کھانا اسوقت جائز ہے کہ مسلمان نے ذبح کیا ہو اور اسوقت سے خریدنے کے وقت
 تک برابر نظر مسلم کے سامنے رہا ہو کیسوقت بھی نظر مسلم سے غائب نہوا ہو۔ اگر یہ دونوں باتیں
 نہ ہوں تو خریدنا بھی حرام اس کا کھانا بھی حرام اور دونوں باتیں ہوں تو خریدنا بھی جائز ہے
 مگر مسلمان کی دوکان ہوتے ہوئے مشرک کی دوکان سے خریدنا اچھا نہیں خصوصاً گوشت
 جیسی چیز کہ بے احتیاطی سے حلال کا حرام ہو جائے ، واللہ تعالیٰ اعلم

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۰) ورنہ ان کا ذبیحہ بھی حرام و مردار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ آل مصطفیٰ مصباحی

کتاب الاضحیۃ

مسئلہ :- سید شرف الدین صاحب اشرفی جیلانی متعلم ہذا اہلسنت ۲ ذوقعدہ ۱۴۱۱ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ~~میں~~ متین اس مسئلہ میں کہ سات لڑکے یا سات لڑکیوں
کا عقیقہ ایک گائے یا ایک اونٹ پر ہو سکتا ہے یا نہیں بمع حوالہ کتاب سے مطلع فرمائیے بنوادیب
دیگر عقیقہ کا گوشت لڑکے والدین کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا غنی بھی گوشت مذکورہ کھا سکتے ہیں؟
الجواب :- عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو بجزریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح

کرنا سنت ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن الغلام شاتان وعن البجاریۃ شاة۔ اور یہ ثابت
کہ گائے اور اونٹ کا ساتواں حصہ قربانی میں ایک بکری کے قائم مقام ہے۔ اور کتب فقہ میں
مصرح کہ گائے یا اونٹ کی قربانی میں عقیقہ کی شرکت ہو سکتی ہے۔ طحاوی علی الدین ہے
لو اراد والقربۃ الاضحیۃ او غیرها من القرب اجزاہم سواء کانت القربۃ واجبۃ
او تطوعاً وکذا لک ان اراد بعضهم العقیقۃ عن ولد ولد لہ من قبلہ کذا ذکرہ محمد
فی فوائد الضحایا۔ شلبیہ علی الزلیعی میں بدائع سے ہے۔ وان اراد احدہم العقیقۃ عن
ولد ولد من قبل جاز لان ذالک جہۃ التقرب الی اللہ بالشکر علی ما انعم من الولد۔
توجیب قربانی میں عقیقہ کی شرکت جائز ہوتی تو معلوم ہوا کہ گائے یا اونٹ کا ایک جزر
عقیقہ میں ہو سکتا ہے، اور شرع نے ان کے ساتویں حصہ کو ایک بکری کے قائم مقام رکھا ہے
لہذا لڑکے کے عقیقہ میں دو حصے ہونے چاہیے اور لڑکی کیلئے ایک حصہ یعنی ساتواں حصہ کافی ہے تو
ایک گائے میں سات لڑکیاں یا تین لڑکے اور ایک لڑکی کا عقیقہ ہو سکتا ہے۔ بعض عوام
میں یہ مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت والدین نہ کھائیں، غلط ہے۔ والدین بھی کھا سکتے ہیں
اور غنی کو بھی کھلا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ مولوی محمد یوسف صاحب ازام ترسجام مسجد متصل عید گاہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ

صلوٰۃ مسعودی میں بھی ہے اور علامہ مرحوم مولانا مولوی غلام قادر جنتا بھٹی وی امام مسجد سلیم شاہی لاہور اپنے سلسلہ قادریہ اسلام کی ساتویں کتاب فصل الضحیہ میں قربانی کا جانور کون کون جائز ہے۔ اور کون کون ناجائز۔ (بجسہ عبارت لفظ بہ لفظ درج کرتا ہوں) جس کے سینک اصلی نہ ہوں یا کان نہ ہوں یا دُم نہ ہو تو وہ جائز ہے حالانکہ ہدایہ جلد ۲ باب الاضحیہ میں ہے۔ السکاء وہی اللتی لا اذن لہا خلقۃ لا تعجز اور اسی طرح جوہرہ نیرہ ص ۲۵۴ میں ہے اور اسی طرح سے احکام العیدین والا کہتا ہے آیا جس کے خلقی کان یا دُم نہ ہو عند الخفیہ درست ہے یا نہیں اگر درست نہیں تو سلسلہ قادری جو خفیہ کا ایک مستند پچوں کی واسطے سلسلہ تعلیم ہے تو درست ہونی چاہیے ؟

اجواب :- جس جانور کے کان بالکل نہ ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں، ہدایہ کی عبارت خود سائل ہی نے نقل کی اور جوہرہ نیرہ میں بھی یوں ہے، انکے علاوہ بدائع و علیگیری و درمختار و تبیین وغیرہ میں مذکور کہ اسکی قربانی جائز نہیں، بلکہ اگر ایک کان ہو اور ایک نہ ہو اسکی بھی قربانی جائز نہیں، علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں۔ اما اللتی لہا اذن واحدة خلقۃ لا تعجز کہانی النہدیہ، یوں جس کی دم نہ ہو اسکی بھی قربانی ناجائز۔ اور ایسا جانور جس کے کان نہ ہوں اسکی قربانی کے عدم جواز میں ان کتب مذکورہ میں کسی کا خلاف بھی منقول نہیں کہ ترجیح کی حاجت پڑے، سلسلہ قادریہ میں یہ قول جواز شاید غلطی کا تب ہو یا مولانا مرحوم کی مراد یہ ہو کہ جس کے چھوٹے چھوٹے کان ہوں اور اسکی قربانی جائز ہے۔ درمختار میں ہے فلولہا اذن صغیر خلقۃ اجزأت زلیعی طحطاوی میں ہے۔ ای اذنان صغیرتان ای قسمی عرفا اذنا کما فی الخانیۃ۔ جوہرہ نیرہ میں ہے واما اذا كانت لہا اذن صغیرۃ خلقۃ جاز لان العضو موجود وصغره غیر مانع علیگیری میں ہے و تعجز السکاء وہی صغیرۃ الاذن فلا تعجز مقطوعۃ احدی الاذنین

بالجملہ عبارت سلسلہ قادریہ ضرور درست کرنی چاہیئے کہ عوام غلطی میں نہ پڑیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ مولوی خلیل الرحمن صاحب بنارس محلہ کچی باغ ۴۲ رزیع الاول ۱۲۸۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کرنا بکرا خصى یعنی بدھیا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قربانی خصى یعنی بدھیا جانور کی جائز نہیں ہے پس از روئے شرع شریف جو حکم اس بارے میں ہو بیان فرمائیے اور اجزا اسکا خدائے تعالیٰ سے حاصل کیجئے؟

الجواب :- خصى کی قربانی غیر خصى سے افضل ہے تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔ ویصح بالجاء والخصی وعن ابی حنیفۃ ہواوی لان لحمہ اطیب، وغرلاکام میں ہے۔ وصح الجعاء والخصی۔ شربلالیہ میں بدائع سے ہے۔ وافضل الشاة ان یکون کبشا املح اقرون موجوءا۔ مجمع الانہر شرح ملتقى الابحر میں ہے۔ ویجوز الخصى وعن الامام ان الخصى اوی لان لحمہ الذواطیب۔ وشرع تعالیٰ وعلم

مسئلہ :- مسئلہ عبد القادر طالب العلم مدرسہ المسند بریلی گیارہ رزیع الآخر ۱۲۸۲ھ

ما قولکم وحکم اللہ تعالیٰ قربانی کا چمڑا فروخت کر کے مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اگر کسی نے ایسے عمل کر لیا تو اس کیلئے کیا حکم ہے آیا وہ خرچ کردہ شدہ روپیہ یا چمڑا اعادہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب :- جرم قربانی کا صدقہ کرنا واجب نہیں۔ بلکہ خود اپنے صرف میں بھی لاسکتا ہے مثلاً اسکی جائز یا جلد یا چلنی یا ڈول وغیرہ بنوا کر استعمال کر سکتا ہے یا اسے کسی باقی رہنے والی چیز کے ساتھ بھی بدل سکتا ہے۔ در مختار میں ہے۔ ویصدق بجلدها ویعمل منه نحو غربال وجراب وقریۃ وسفرة ودلوا ویدلہ بہا ینتفع بہ یا قباکامر لا بہستہلک کغل ولحم ونحوہ کدراہم فان بیع اللحم او الجلد بہ ای بہستہلک او بدراہم تصدق بشمنہ۔ یوہیں اسے ہر نیک کام میں بھی صرف کر سکتا ہے خواہ مسجد کو دے یا کسی اور اچھے کام میں لگائے حدیث میں فرمایا۔ کلوا وادخروا وابتعدوا۔

ہاں اگر اپنے لئے شے مستہلک کے بدلے میں بیع کیا ہے تو اب تصدق ثمن کا واجب اور یہ ثمن مسجد میں نہیں صرف ہو سکتا کہ یہ ملک خبیث ہے اور اسکی سبیل تصدق ہی ہے اور اگر مسجد میں صرف کرنے کیلئے بیچا ہے تو مسجد میں صرف کرے کوئی ممانعت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ معین الدین صاحب محلہ قلعہ بریلی ۲۹ رجب الاولیٰ ۱۲۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندرین مسئلہ علاوہ بکری کے اور کسی جانور کا عقیقہ میں ذبح کرنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا آپ کے اصحاب سے ثابت ہے یا نہیں، اگر ثابت ہے تو کون کون جانور اور عقیقہ کا جانور کیسا ہونا چاہئے؟

مسئلہ :- گائے بھینس اونٹ کا عقیقہ میں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں بر تقدیر جواز ایک گائے یا بھینس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں اس صورت میں لڑکا یا لڑکی کے جدا جدا احکام بحوالہ کتب معتبرہ تحریر ہو؟

الجواب :- عقیقہ میں وہی جانور ذبح کئے جاسکتے ہیں جنکی قربانی ہو سکتی ہے اگر گائے بھینس یا اونٹ سے عقیقہ کریں تو انہیں سات حصے تک ہو سکتے ہیں لڑکی میں ایک حصہ کافی ہے اور لڑکے کے لئے دو چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ منشی شوکت علی۔ محلہ ذخیرہ بریلی ۲ رجب ۱۲۲۲ھ

کیا حکم ہے شریعت کا کہ قربانی خصی کی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- خصی کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے حدیث میں ہے۔ ذبح الذبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الذبیح کبشین اقربین موجدین رواہ ابو داؤد وابن ماجہ والدارقنی عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

الخصی افضل من الفحل لانه اطیب لجبا کذا فی المحیط۔ ورواہ تعالیٰ وتمام

مسئلہ :- مرسلہ عبدالعزیز خان صاحب از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۲

ایک گائے میں چار آدمی زندہ اور تین آدمی مردہ ایک ساتھ قربانی کرنا جائز ہے

یا نہیں جیسے ایک شخص نے قربانی کے واسطے گائے خرید کیا اس میں اپنا نام اور اپنے مال کے نام اور اپنے مردہ ماں باپ کے نام ایک ساتھ قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں غرض مردہ اور زندہ ایک ساتھ قربانی کر سکتا ہے کہ نہیں ؟

الجواب :- ایک گائے میں زندہ اور مردہ دونوں شریک ہو سکتے ہیں۔ جبکہ مردہ کی طرف سے اسکا وئی وغیرہ کوئی زندہ قربانی کراتا ہو۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اذا اشتري سبعة بقرة ليضحي بهن فان احد السبعة وقالت الورثة وهم كبار اذ بعهن وعنه وجاز استحساناً۔ قربانی میں شرکت کے جواز کیلئے یہ ضرور ہے کہ وہ سب حصہ دار کی طرف سے قربت کی نیت سے ذبح ہو کسی کا مقصود محض گوشت نہو اسی میں ہے۔

لا يشارك المضحي فيما يحتمل الشركة من لا يريد القرية وانسانا شارك لم يجز عن الاضحية۔ رہا یہ کہ اس میں سے کوئی حصہ میت کی طرف سے ہو تو اسکی وجہ سے قربانی ناجائز نہ ہوگی کہ میت کی طرف سے قربت ہو سکتی ہے بدائع الصنائع میں امام مالک العلماء فرماتے ہیں۔ لان الموت لا يمنع التقرب عن الميت بدليل انه يجوز ان يتصدق عنه وقد صح ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين احدهما عن نفسه والاخر عن لا يذبح من امنه وان كان منهم من قدم مات قبل ان يذبح۔ والله تعالى اعلم

مسئلہ :- مسئلہ از بنگال ۲۱ محرم ۱۲۷۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ جلد قربانی اور اسکی قیمت زکوٰۃ فطرہ ایسے مدارس میں دین جہاں کچھ علم دینی اور انگریزی پڑھائی ہوئی ہو اور انگریز گورنمنٹ کی کچھ ماہواری تائید بھی ہو۔ یعنی اشیاء مذکورہ بالا اس قسم کے مدارس اسکیل میں دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا تو جزوا

الجواب :- قربانی کی کفالت ہر نیک کام میں صرف کر سکتے ہیں اگر وہ در تعلیم علم دین کیلئے ہے اور تھوڑی سی انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہو مگر غالب علم دین ہے تو ایسے مدرسہ

میں چرم قربانی دے سکتے ہیں، اگر اصل میں انگریزی ہی پڑھائی جاتی ہو اور علم دین برائے نام ہو تو نہ درس، اور زکوٰۃ و صدقہ فطر میں فقراء مسکین کو مالک کرنا ضرور ہے مدرسہ میں جو طلبہ ایسے ہوں ان طلبہ کو دے سکتے ہیں، تنخواہ ملازمین یا خرید کتب یا ضروریات مدرسہ میں نہیں صرف کر سکتے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ فقیر احسان علی عفی عنہ منظر پور فیض پوری حال قیام بریلی ۲۲ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دہر و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی کی قیمت مسجد میں مصلیٰ ڈول و لوٹا وغیرہ خرید کر کے رکھا جائے تو جائز ہے یا نہیں و نیز مرمت میں صرف کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں ؟

مسئلہ ۲۔ کھال قربانی اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا نہیں ؟۔ بیوا تو جرو۔

الجواب ۱۔ چرم قربانی مسجد میں صرف کر سکتا ہے یونہیں بچکر اسکی قیمت سے مسجد کی مرمت کرنا یا لوٹا وغیرہ سامان مسجد خریدنا بھی جائز ہے جبکہ اسکی نیت سے بچا ہو یا متولی مسجد کو چڑا دیدیا کہ اس نے بچکر ان چیزوں میں صرف کیا ہو فتاویٰ منلگیری میں ہے واللحم بمنزلۃ الجند۔ اور حدیث میں فرمایا۔ کلو وادخروا وائتبعوا۔ اور اگر داموں سے بچا اور مقصود یہ ہے کہ اپنے صرف میں لائیگا تو اب مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں کہ یہ ملک خبیث ہے اور اب فقرا پر تصدق کرنا ضرور ہے۔ منلگیری میں ہے۔ ولا یبیع بالذہاب لیففق الذہاب علی نفسه و عیالہ۔ و در مختار میں ہے۔ فان بیع الذہاب و الجلد بہ ای بمستہلک ابدا مہم تصدق ثمنہ۔ و دشر تعالیٰ و علم

الجواب ۲۔ چرم قربانی بیعہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے کہ اسکا مصلیٰ بنالے یا ڈول چلنی وغیرہ اسکی بنوا کر استعمال کرے یا کتابوں کی جلد بنوائے منلگیری میں ہے۔ او یعمل منه نحو غریبال و جراب۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چرم قربانی سے کوئی باقی رہنے والی

چیز خریدے یعنی اسکے بدلے کھاں پیچہ یہ نہیں کہ روپے سے بیچ کر پھر روپے سے یہ چیز خریدے کہ یہ جائز نہیں اور اب تصدق واجب ہوگا، درختاریں ہے۔ ویتصدق بجلالہا او یعمل منہ نحو غریبال وجراب وقریباتہ وسفرۃ ودلوا ویبدلہ بہا ینتفع بہ باقیہا کمرا لا یستہلک کخل ولحم ومنعہ کدراہم۔ ووفد تعالیٰ ونام

مسئلہ :- از ہوڑہ سرسلہ جان محمد رضوی ماحرم الحرم ۴۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اے کہ گائے وغیرہ کی قربانی میں زندہ ہی آدمی کا نام ہونا چاہیے۔ زید کہتا ہے کہ کچھ زندہ کچھ مردہ ایک ساتھ کرنے سے جائز نہیں جو جانور کہ مردہ کے نام ہو۔ اسمیں کل مردہ کے نام ہونا چاہیے۔

مسئلہ :- کسی نے جنگل سے ایک بچہ ہرن پکڑ لایا۔ یا شکاری سے خرید کر کے بہ نیت قربانی پرورش کیا تو اسکی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ :- بکرا یا دنبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے نام کرنے سے ثواب ملے گا یا نہیں زید کہتا ہے کہ نہیں کیونکہ ہر معصیت سے پاک و مختار کل و افضل الخلاق ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ بیٹو اتوجروا۔

الجواب :- قربانی میں شرکت کیلئے نیت تقرب شرط ہے ان میں کوئی ایسا نہ ہو جس کا مقصود گوشت ہو۔ اور میت کی طرف سے نیت قربت ہو سکتی ہے لہذا شرکت بھی جائز۔ زید کا قول صحیح نہیں درختاریں ہے۔ وان مات احد السبعة المشترکین فی البدنۃ وقال الوارثۃ اذبحوا عنہ وعنکم صح عن الکل استحسانا لقصد القریۃ من الکل۔ اسکی شرح میں علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں۔ غیر ان بعضهم ضعی عن بعض قال المصنف والتضعیۃ عن الغیر عرفت قریۃ لانه علیہ الصلاۃ والسلام ضعی عن امتہ اھ۔ امام ملک العلماء ابو بکر بن مسعود کا سامی رحمۃ اللہ تعالیٰ بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں۔ وان کان احد الشراکاء ممن یضعی

عن میت جاز۔ نیز فرماتے ہیں۔ ان الموت لا یمنع التقرب عن میت بندلیل
 انه یجوز ان یتصدق عنه ویحج عنه وقد صح ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم ضعی بکبشین احدہما عن نفسه والاخر عن لا یدبح من
 امته وان کان منہم من قد مات قبل ان یدبح فدل ان میت یجوز ان
 یتقرب عنه فاذا ذبح عنه صار نصیبہ للقربة فلا یمنع جوار ذبح الباقین۔ واللہ تعالیٰ اعلم
الجواب :- ہرن یا نیل گائے وغیرہ وحشی جانور کی قربانی نہیں ہو سکتی بدایع میں
 فرماتے ہیں۔ ولا یجوز فی الاضاحی شئ من الوحش لان وجوبہا عرف بالشرع و
 الشرع لم یرد بالایجاب الا فی المستانس۔ بلکہ اگر وہ انسان میں رہتے رہتے مانوس
 ہو گیا وحشت جاتی رہی جب بھی اسکی قربانی جائز نہیں اسی میں ہے۔ وان ضعی بظبیہ
 وحشیۃ الفت اربقرة وحشیۃ الفت لم یجز لانہا وحشیۃ فی الاصل والجوہر
 فلا یبطل حکم الاصل بعارض نادر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب :- بیشک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل خلایق اور بیشک معصوم
 ہیں مگر ایصال ثواب کیلئے اسکی حاجت نہیں کہ جسے ایصال کیا جائے وہ گنہگار ہو حضور کے نام
 قربانی کی یہ مثال سمجھو۔ جیسے سلاطین کے یہاں نذر دیجاتی ہے کیا کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ
 بادشاہ تمہاری نذر کا محتاج ہے اسکی وجہ سے اسکے خزانہ میں کیا ایسا اضافہ ہو گیا۔ ہاں اسکی
 وجہ سے یہ شخص مقرب بارگاہ ہوا اسی طرح حضور کے نام جو کچھ نذر کرے اس سے خود اس کا
 مرتبہ بھی بڑھتا ہے جیسے درود شریف کہ اللہ عزوجل سے طلب رحمت ہے کیا اگر کوئی درود
 نہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت حضور پر نازل نہ ہو حاشا وکلا ہاں تو رحمت کی بارش لگاتار ہے
 بلکہ حضور خود رحمت الہی ہیں۔ مگر درود شریف سے خود یہ شخص رحمت الہی کا مورد بنتا ہے
 جیسا کہ حدیث صحیح میں فرمایا۔ من صلی علی مرة صلی اللہ علیہ عشاء ثم ایک بار

درود پڑھو تو دس رحمتیں تم پر آئیں صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ جمعین وبارک وسلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- از جوہر صبور مار وار محلہ موتی چوک مسولہ عبدالغفار و عبدالرحمن خاٹا تارکش ۹ محرم ۱۳۳۳ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کا ڈول و ناٹری بنا کر مسجد
 میں دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- چرم قربانی کا ڈول بنا کر خود اپنی صرف میں بھی لاسکتا ہے اور مسجد
 میں دیدیا تو اور بہتر۔ ناٹری کے معنی سمجھ میں نہ آئے اگر یہ چیز چمڑے بن سکتی ہے تو بنا کر
 مسجد میں دے سکتے ہیں اور اپنے صرف میں بھی لاسکتے ہیں در مختار میں ہے۔ ویتصدق بجلدھا
 او یعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلوا ویدلہ بما ینفع
 بہ باقیہ۔ وهو تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسولہ مولوی شفا الرحمن طالب العلم بدر منظر اسلام ۶ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ
 کیا فرماتے ہیں حامی سنت و ماحی بدعت علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ
 میں کہ قربانی کرنے کے عوض میں قیمت جانور کی مصرف کو دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قربانی اراقت دم بروجہ قربت کا نام ہے علمگیری میں ہے۔ وہی فی
 الشرع اسم لحيوان مخصوص بسن مخصوص یذبح بنية القرية فی یوم مخصوص
 عند وجود شرائطها و سببها کذا فی التبیین واما رکنھا فذبح ما یجوز ذبحه فی
 الاضحية بنية الاضحية فی ايامها لان رکن الشئ ما یقوم به ذلک الشئ
 والاضحية انما تقوم بهذا الفعل فکان رکنها۔ ودر مختار میں ہے۔ رکنھا ذبح
 فتجب اراقة الدم۔ رد المحتار میں ہے۔ لان الاضحية انما تقوم بهذا الفعل

عہ غالباً ناٹری سے مراد رسی ہے۔ بعض مرتبہ چمڑے سے بھی رسی بنائی جاتی ہے۔ اگر چرم قربانی کی رسی بنائی گئی

تو اسے اپنے صرف میں بھی لاسکتا ہے اور مسجد میں بھی دے سکتا ہے ۱۲ منہ مد فیوضہ

فكان ركنًا. جب قربانی کا رکن اراقت دم ہوا تو جس پر قربانی واجب ہے وہ اگر بجائے قربانی ان ایام میں ایک جانور تو کیا کئی جانوروں کی قیمت تصدق کرے قربانی ادا نہ ہوگی گنہگار ہوگا جب تک اس واجب کو ادا نہ کرے بلکہ خود جانور قربانی کو تصدق کرے جب بھی بری الذمہ نہ ہوگا ملک گیر میں ہے۔ لا یقوم غیرہا مقامہا فی الوقت حتی لو تصدق بعین الشاة او قیمتہا فی الوقت لا یجن ثلہ عن الاضحية۔ ہاں اگر ایام قربانی گزر گئے اور اس نے قربانی کی تاب جانور قربانی یا اسکی قیمت تصدق کرنی ہوگی اسی میں ہے۔ انہا تقضی اذا فاتت عن وقتہا ثم قضاءھا قد یكون بعین الشاة حیة وقد یكون بالتصدق بقیمۃ الشاة۔ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ

مسئلہ :- سرسہ حکیم عبدالحمید بنارسی معرفت حضرت مولانا ابوالقمر مطیع الرضا محمد شمس اہدی صاحب لکھنؤ مدرس عالیہ ۲ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

قربانی کرنے والا شخص اس جانور کی کھال فروخت کر کے اپنے صرف میں یا کسی غیر کو اس غرض سے کہ وہ کتاب وغیرہ خرید کر پڑھے آیا کوئی صورت ایسی ہے کہ ان مصارف میں لاسکتا ہے یا جو صورت جواز و عدم جواز کی ہو اسکے جواب سے مطلع فرمائیں یہاں چند انخاص سے دریافت کیا مگر قابل اطمینان جواب نہ ملا اسلئے حضور کی خدمت میں عرضیہ حاضر کیا :-

الجواب :- چرم قربانی کو اپنے صرف میں بھی لاسکتا ہے مثلاً اسکا ڈول یا مصلیٰ یا اور کوئی چیز بنائے یا کتابوں کی جلد بنوائے اور اگر بیچنا چاہے تو ایسی چیز کے بدلے میں بیچے جو باقی رہے مثلاً اسکے عوض کتاب خریدے اور اگر روپے یا ایسی چیز کے بدلے میں بیچا جو باقی رہنے والی نہ ہو تو اس چیز کا تصدق کرنا واجب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کھال کسی اور کو دیدے اب اسے اختیار ہے جو چاہے کرے چاہے اسکی کو تصرف میں لائے یا اسکی کوئی چیز خریدے اگر قربانی کرنے والے نے اپنے نیچا ہوا بلکہ اسلئے بیچا کہ اسکی قیمت کسی اور کو دیگا تو اس میں بھی حرج نہیں آزادی ملگاری میں ہے۔ ویتصدق بجلدہا او یعمل منہ نحو غرابال وجراب ولا باس بان یشتري ما ینفع بعینہ مع بقاءہ استعسانا وذلک مثل ما ذکرنا ولا یشتري بہ ما لا ینتفع بہ

الابعد، الاستهلاك، نحو الاعم والطعام ولا يبيعه بالدينارهم لينفق الدينارهم على نفسه وعياله والله تعالى اعلم وجل علام مجده اتم واحكم

مسئلہ :- سرسہ حافظ دین محمد صاحب حامدی رضوی مٹا اصرار بخششی لین شہر لاہور ۱۶ محرم ۱۳۴۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی یا اور کسی قسم کا صدقہ یا اجرت امام مسجد لے سکتا ہے یا نہیں۔ اور اہل محلہ جو کہ چندہ کر کے امام مسجد کو دیتے ہیں اس میں حقیر طبقہ کے لوگوں کا پیسہ ہوتا ہے مثلاً شرابی سود خوار زانی وغیرہ تو ایسا پیسہ امام کس صورت سے لے سکتا ہے کہ اکثر حضرات ان ہر دو مسئلہ میں الجحد پڑتے ہیں کہ بہار شریعت میں یہ لکھا ہے اور اعلیٰ حضرت کے وصایا شریف میں یہ لکھا ہے لہذا ان ہر دو مسئلوں کو بحوالہ کتاب و سنت و معہ مہر و دستخط مع تصدیقاً خلاصہ کر کے جواب باصواب سے آگاہ فرمادیں ؟

الجواب :- چرم قربانی خود بھی استعمال میں لا سکتے ہیں اور دوسرے کو بھی دے سکتے ہیں اگر امام کو دیا جب بھی حرج نہیں بشرطیکہ یہ دینا اجرت امامت میں نہ ہو بلکہ بغیر امامت ہو درمختار میں ہے ویتصدق بجلدھا او یعمل منہ نحو غریباں و جراب۔ یوہیں صدقہ بھی امام کو دے سکتے ہیں ہاں اگر صدقہ واجبہ ہے جیسے صدقہ فطر اور امام غنی ہو تو اسے نہیں دے سکتے اور اجرت امامت میں بھی نہیں دے سکتے امام کو نوکر رکھنا مثلاً ماہانہ اتنا دیا جائیگا یہ جائز ہے مگر یہ اجرت صدقہ فطر یا زکوٰۃ یا چرم قربانی سے ادا نہ کیجئے بلکہ مسجد کی آمدنی سے یا چندہ کر کے تنخواہ ادا کریں چندہ جو سود خوار وغیرہ سے لیا گیا اگر معلوم ہے کہ یہ مال بے حد حرام ہے تو ایسا مال امام کو لینا جائز نہیں اور معلوم نہ ہو تو حرام نہیں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بہ ناخذ ما لم نعرف شیئاً حراماً بعینہ وھو قول ابی حنیفہ پھر بھی جسکے پاس زیادہ تر مال حرام ہو اس کے مال سے بچنا ہی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۔ مرسلہ مولوی حافظ مجید الدین حنا مقام ادنیٰ محالہ سلیم پور بنارس ۲۰ صفر

ماقولہکم رحمکم اللہ تعالیٰ اندریں مسئلہ قربانی میں ہمیشہ سے یہ عمل درآ رہا ہے کہ ایک بکری ایک شخص کی طرف سے اور ایک گائے سات شخصوں کی طرف سے قربانی ہوا کی اور شرکار میں سے ہر شخص ساتواں حصہ قیمت کا ادا کرتا اور ساتواں حصہ گوشت لیتا مثلاً سات روپیہ کی ایک گائے میں سات شریک ہوئے تو فی کس ایک روپیہ ادا کرتا اور اگر تین شریک ہوتے تو ایک چار حصہ کا اور ایک دو حصہ کا اور ایک ایک حصہ کا ہوا۔ چار حصہ والا چار روپیہ دو حصہ والا دو حصہ اور ایک حصہ والا ایک روپیہ دیتا اور گوشت اسی پرتہ سے لیتا۔ اب بعض جگہ تین اور چار شریک حصہ مساوی قیمت میں شریک ہوں اور حصہ مساوی گوشت لیتے ہیں مثلاً گائے سات روپیہ کی ہے چار شریک ہوئے تو پونے دد د روپے دیا۔ اور تین ہوئے تو ہر شخص نے دو روپیہ پانچ آنہ چار پائی دیا۔ اور گوشت حسب پرتہ لیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب ایک گائے برابر سات بکری کے ہے۔ اور ایک شخص ایک بکری یا ایک گائے یا سات شخص ایک گائے کر سکتے ہیں تو جب چار شریک ہوئے تو ہر شخص نے چوتھائی یعنی پونے دو بکری قربانی کیا۔ اور اگر تین شخص شریک ہوئے تو فی کس نے ۳ حصہ گائے حصہ مساوی قربانی کیا ایک یا زیادہ بکری تو ضرور ایک شخص کر سکتا ہے یہ پونے اور ڈیوڑھا اور سوائی کی قربانی کیسی لہذا بدلائل معتبرہ بالتصریح و توضیح قول مفتی بہ تحریر فرما کر عند اللہ اسکا ثواب حاصل فرمائیں ؟

الجواب :- گائے اونٹ میں سات شخص شریک ہو سکتے ہیں یعنی ایک گائے کے سات مساوی حصے ہو سکتے ہیں سات حصے کرنا ضروری نہیں کہ سات سے کم ہوں تو قربانی ہی نہ ہو اگر دو یا تین یا پانچ یا چھ حصے کئے گئے جب بھی جائز ہے یعنی کوئی حصہ ساتویں سے کم نہ ہو اور زیادہ ہو تو حرج نہیں ہدایہ میں ہے۔ و تعجز عن خمسة او ستة او ثلثة ذكره محمد في الاصل لانه لما جاز عن سبعة نعم دونهم اولى ولا تعجز عن ثمانية اخذ بالقياس فيما لا نص فيه وكذا اذا كان نصيب احد هم اقل من السبع لا يعجز عن الكل لانهم

وصف القربة فی البعض ولو كانت البدنة بین اثنتین نصفین تمجوز فی الاصح
لانه لما جاز ثلثة الاسباع جاز نصف السبع تبعاً له در مختار میں ہے ولولا حدھم
اقل من السبع لم یجوز عن اھد وتجزی عمادون سبعة بالاولی۔ رد المختار میں ہے۔
اطلقه فشمّل ما ذالقت الانبیاء قدر الاول لکن بعد ان لا ینقض عن السبع ولو
اشترک سبعة فی خمس بقرات او اکثر مع لان لكل منهم فی بقرة سبعها لاثمانية
فی سبع بقرات او اکثر لان کل بقرة علی ثمانية اسهم فلكل منهم اقل من السبع۔ والله تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خضی بکری کی قربانی جائز ہے یا نہیں
حدیث میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- جائز ہے بلکہ بہتر ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھنوں کی قربانی
کی جن کے انشین کوٹے ہوئے تھے امام احمد والوداؤد ابن ماجہ ودارمی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے راوی، فرماتے ہیں ذبیح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح كبشین اقرنین الطمین
موجوین فلما وجههما قال اینی وجهت الی ہمارے امام اعظم نے فرمایا افضل ہے لاثنتہ
اطیب لعمراً۔ اسکا گوشت اچھا ہوتا ہے اس حدیث کو امام محمد رحمہ اللہ نے موطاء میں ذکر کر
کے فرمایا کہ خضی کی قربانی جائز ہے۔ والله تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از سکندر پور ضلع بلیا مرسلہ مولوی عبد العظیم سلمہ ۱۳ رزی الحجہ ۱۲۶۶ھ
جس پر قربانی واجب ہے وہ اگر اپنے لڑکے یا بی بی وغیرہ کے نام سے کرے تو اس کے

لے ہادیہ ج ۴ ص ۳۴۴ کتاب الاضعیۃ ۱۲ لے در مختار وزد المختار ج ۵ ص ۲۲۲ کتاب الاضعیۃ۔

لے ابوداؤد ج ۲ ص ۳۸۶ کتاب الفحایا۔ ابن ماجہ ص ۲۲۵ ابواب الاضاحی

ترجمہ :- نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی کے دن سنگوں والے، سفید سیاہ رنگ والے خضی کے ہوئے دو مینڈھنوں کو
ذبح کیا۔ تو جب ان دونوں کو قبلہ رخ ٹھادیا تو یہ دیکھ کر پڑھی۔ اینی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض علی ملۃ
ابراہیم حنیفاً ما اتانا من المشاکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک
أمرت وأنا من المسلمین اللهم منك ولک عن محمد وعلی اللہ علیہ وسلم وامتہ " مصباحی

فہم کا واجب ساقط ہو گا یا نہیں؟ اور یہ قربانی صحیح ہوگی یا اسکی صحت معلق رہے گی اس پر کہ وہ خود اپنے نام سے بھی قربانی کرے یا ایام نحر گزرنے کے بعد قیمت صدقہ کرے؟

الجواب: جس پر قربانی واجب ہے، اسکو خود اپنے نام سے قربانی کرنی چاہئے۔

رط کے یا زوجہ کی طرف سے کریگا تو واجب ساقط نہ ہوگا۔ اپنے نام سے کرنیکے بعد جتنی قربانیاں کرے۔ مضائقہ نہیں، مگر واجب کو ادا نہ کرنا اور دوسروں کی طرف سے نفل ادا کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ پھر بھی دوسروں کی طرف سے جو قربانی کی، ہوگئی، اور ایام نحر باقی ہوں تو یہ خود قربانی کرے، گزرنے پر قیمت اضحیہ تصدق کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ایک عزیز سے کہدیا کہ ایک بکریا بھیڑ میرے لئے بھی لے لینا، اور قربانی کے بعد یا قربانی کے ایام ختم ہونے پر قیمت ادا کی، تو قربانی کا ثواب ملیگا یا نہیں، اور قرض لیکر قربانی کرنا کیسا ہے؟

الجواب: وہ عزیز جو خرید کر لایا ہے زید کا وکیل ہے اسکو یہ اختیار تھا کہ بغیر قیمت وصول کئے زید کو جانور نہ دیتا مگر جب زید کو اس نے دیدیا تو زید اسکی قربانی کر سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں قربانی کی قیمت پہلے ہی ادا کر دینا ضرور نہیں، ہاں ملک ضروری ہے اور وہ حاصل، اگر قربانی ادا سپر واجب ہے اور اس وقت اس کے پاس روپیہ نہیں تو قرض لیکر یا کوئی چیز فروخت کر کے قربانی کا جانور حاصل کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کے فرش وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں اور اپنی مسجد میں ضرورت ہوتے ہوئے کسی دوسری مسجد یا مدرسہ میں کھال کی قیمت یا چندہ دینا کیسا ہے؟ پہلے حق کس کا ہے؟

الجواب: قربانی کی کھال مسجد میں بھی دے سکتے ہیں حدیث میں ہے۔ کھلاوا

ادخروا و استجروا۔ البتہ اگر وہ کھال اس لئے بیچی کہ قیمت اپنے تصرف میں لائے تو اب اس قیمت کو مسجد میں صرف نہیں کر سکتا، بلکہ اس کا تصدق مساکین پر

واجب ہے، اپنی مسجد کا حق زیادہ ہے مگر دوسری مسجد یا مدرسہ میں بھی دینا جائز ہے۔

اور جہاں زیادہ ضرورت ہے وہاں زیادہ مناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بقر عید کی نماز کے قبل قربانی
 کر دے تو خلاف حکم شرع شریف نہ ہوگا؟

الجواب۔ جہاں عیدین کی نماز جائز ہے، یعنی مصر و فنائے مصر یہاں قربانی کا وقت
 بعد نماز ہے، جب تک نماز نہ ہوئی ہو قربانی نہ ہوگی، بلکہ گوشت کا جانور ہوگا، اور جہاں نماز

لے چونکہ اپنی مالداری کے لئے قربانی کی کھال بیچنا ناجائز و گناہ ہے۔ اسکی وجہ سے کھال کی قیمت پر اس کی ملک
 ملک خبیث ہوگی جس کو دور کرنا واجب۔ اور یہاں اس کی صورت یہی ہے کہ فقراء و مساکین پر تصدق کر دیا جائے، کہ اس
 صورت میں یہ صدقہ واجبہ کے قبیل سے ہوگا۔ اور صدقہ واجبہ میں تملیک فقیر شرط ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔ حقیقۃ الصدقۃ
 تملیک الفقیر۔ اس لئے اس قیمت کو مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ لیکن اس تصدق کا واجب ہونا ایک عارض کی وجہ سے ہے
 اس کی ذات کی وجہ سے نہیں۔ ہر ایہ میں ہے۔ درلایشتی بہ مالاینتفع بہ الا باستہلاکہ کالغسل و
 الا بازیروا اعتباراً بالبیع بالدرہم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول۔ ولوباع الجلد
 او اللحم بالدرہم تصدق بثمانہ۔ لان القربۃ انتقلت الی بدلہ ۱۰۱۔ حاشیہ ہر ایہ عینی میں ہے
 رد قولہ والمعنی انہ تصرف علی قصد التمول وهو قد خرف عن جہۃ التمول فاذا التمولہ بالبیع
 وجب التصدق لان هذا الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثاً۔ فیجب التصدق ۱۰۲۔ (ہر ایہ حاشیہ ہر ایہ جلد ۱ ص ۱۷۸)
 اور اگر اپنے تصرف میں لانے کی غرض سے نہ بیچے۔ بلکہ صدقہ کرنے کی نیت سے بیچے۔ تو جائز، اور اس کی قیمت پر
 ملک، ملک طیب۔ لہذا اس کا تصدق بھی غیر واجب۔ اور مصرف ہر کار خیر و ثواب۔ خواہ مسجد کی تعمیر و مرمت ہو یا
 سامان مسجد کو یا معنی وغیرہ یا مدرسین و امام و مؤذن کو بطور امداد و اعانت دی جائے۔ ان سب میں اس کا
 استعمال جائز و حلال۔ عالمگیری میں ہے۔ ولاینبیعیہ بالدرہم لیسفک الدرہم علی نفسہ و عیالہ
 ولوباعہما بالدرہم اہم یتصدق بہما جائز لانہ قربۃ کا تصدق (ج ۲ ص ۸۲) واللہ تعالیٰ اعلم آل مصطفیٰ مصباحی

جائز نہیں مثلاً گاؤں وہاں دسویں ذی الحجہ کی طلوع فجر سے قربانی کا وقت ہو جاتا ہے
 تنویر الابصار میں ہے۔ واول وقتہا بعد الصلوة ان ذبح فی مصر وبعد طلوع فجر
 یوم النحر ان ذبح فی غیرہ۔ جناب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں شہادت
 الاضحیٰ یوم النحر مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نلم یفد ان صلی و فرغ
 من صلاتہ وسلم فاذا هو یری لحم اضحیٰ قد ذبحت قبل ان یفرغ من صلاتہ
 فقال من کان ذبح قبل ان یصلیٰ او یصلیٰ فلیذبح مکانہا اخریٰ لے میں یوم النحر میں
 نماز عید میں حضور کے ساتھ حاضر تھا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی حضور نے قربانیوں کا گوشت
 ملاحظہ کیا۔ فرمایا جس نے نماز سے قبل قربانی کی ہے وہ اسکی جگہ دوسری قربانی کرے۔ روایہ
 الشیخان وغیرہما۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از مقام حاجی نگر چنگل ضلع چوہیس پر گنہ مرسلہ جناب محمد باب اللہ شاہ
 پیش امام مسجد۔

اگر کوئی معلم حرم قربانی کو مدرسہ کے نام سے یوں حالانکہ اسکی تنخواہ دوسرے
 طریقہ سے معقول ملتی ہو، مدرسہ کے طلبہ میں کوئی غریب فرماں بردار طالب علم بھی نہیں جس کی
 بھی ضرورت ہو بلکہ وہ خود ہی بچکر انکی قیمت اپنے تصرف میں لاتا ہے آیا اس صورت میں اس
 کو حرم قربانی لینا اور دوسروں کا اسکو دینا جائز ہے یا ناجائز نیز حرم قربانی کے مصارف کیا ہیں ؟
الجواب :- مدرسہ کی اعانت کیلئے حرم قربانی دیا جاسکتا ہے۔ اگر خود اس معلم کو
 لوگ دیں تو دے سکتے ہیں۔ جبکہ اجرت میں دینا لینا نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ سید ضمیر الدین احمد صاحب از آلہ آباد محلہ دارالکلیۃ ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۲۹۹ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عید الفصحی میں لوگ قربانی کر کے کفار

کو بھی گوشت بانٹتے ہیں اس کے بابت کیا حکم ہے ؟

الجواب :- یہاں کے کفار کو قربانی کا گوشت نہ دینا چاہئے۔ کہ یہاں کے کفار حربی

ہیں، اور حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از شیورامپور ڈاکخانہ بانٹ دیہ ضلع بابیا مرسلہ جناب عبدالغنی رضا ۱۹ دیکھو

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو بکرا قربانی ہوتا ہے بہت سے بھائی ہندو بھائی کے گھر اپنے دوست آشنا کو ہندو بھائی کو تقسیم کرتے ہیں بہت سے لوگ منع کرتے ہیں کہ دوسری قوم میں نہ دینا چاہئے بہت سے دوسرا بکرا لاکر ہندو بھائی کو تقسیم کرتے ہیں ؟

الجواب :- ہندو تو مسلمانوں کو ذبح و قتل کرنے پر تیار ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ان دشمنان دین کو اب تک آپ لوگ بھائی اور دوست ہی تصور کئے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید

میں فرمایا۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ**۔ اے ایمان والوں میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ سوال کا جواب یہ ہے کہ ان کافروں کو نہ قربانی کا گوشت دینا جائز ہے نہ اور دوسرا بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت دینا جائز کہ جو جانور خدا کی عبادت کیلئے ذبح کیا گیا اور سکا گوشت خدا کے دشمن کو دیکر خدا کی خوشنودی حاصل ہوگی، یا ناخوشی۔ اسکو ہر عاقل جان سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از ضلع بلدا۔ مرسلہ مولوی عبدالعظیم صاحب ۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

ماقولکم ایہا العلماء الکرام فی ہذہ المسائل رحمکم اللہ الملک العلام

سٹ ہندوستان میں عموماً قربانی کے جانور ایام نحر سے پہلے ہی خرید لیتے ہیں اور خریدنے کے بعد اسی معین جانور کی قربانی کی نیت ایام نحر سے پہلے کر لیتے ہیں، بلکہ خریدتے وقت ہی قربانی کی نیت ہوتی ہے اور اسی قربانی ہی کی نیت سے خریدتے ہیں اور قبل از ایام نحر جانور اس وجہ سے خرید لیتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کریں تو خاص ایام نحر میں بسا اوقات جانور میر نہونگے اکثر افراد ایسا بھی کرتے ہیں کہ ایام نحر تو کجا ماہ ذی الحجہ سے بھی مہینوں پہلے ہی نیت قربانی

جانور خرید کر پرورش کرتے ہیں یا خانہ زاد جانور ہے اور مہینوں پیشتر قربانی کی نیت کر لیتے ہیں چنانچہ ہر صورت میں پوچھنے پر یہی جواب دیتے ہیں کہ قربانی کیلئے خریدایا رکھا ہے، مالدار وغریب دونوں ہی ایسا کرتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ کیا کن صورتوں میں وہ خریدایا جانور معین جانور جسکی قربانی کی نیت کی گئی ہے نذر ہو گیا، کیا ان صورتوں میں مالداروں پر یا غریبوں پر جو ایام نحر میں مالدار ہو گئے دوسری قربانی بھی بہ سبب غنی واجب ہے اگر نہیں تو رد المحتار کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے جو۔ ولو تركت التضحية ومضت ايامها تصدق بهما حية ناذر لعينة۔ کی تحت میں ہے وہی ہذہ بدائع کی عبارت نقل کر کے اس کے اس حصہ اوقال جعلت هذه الشاة اضحية کے متعلق فرماتے ہیں وقد استفيد منه ان يجعل المذكور نذر۔ بینوا توجروا

سب ایام نحر سے پہلے خریدنے کے علاوہ عموماً اپنے متعلقین و اجباب کے سامنے لوگ قربانی کا ارادہ ظاہر کرتے اور بہ نیت قربانی جانور کے خریدنے کا تذکرہ اور چرچہ کرتے ہیں کہ اس سال میں بکر قربانی کروں گا۔ یا گائے قربانی کروں گا۔ فلاں تم ذرا میرے ساتھ فلاں دن یا فلاں وقت چلنا قربانی کیلئے جانور خریدنا ہے۔ اور سب کی نیت بھی یہی ہوتی ہے کہ خدا ہی کیلئے قربانی کروں گا۔ اگرچہ اس تذکرہ اور چرچہ میں مالداروں کی نیت اسی قربانی کی ہوتی ہے۔ جو منجانب شرع بہ سبب غنی ان کے ذمہ واجب ہوتی ہے۔ لیکن عبارات بدائع و شامی اس تذکرہ و چرچہ کو بھی نذر ٹھہرا کر ایام نحر میں مالدار ہونے کی تقدیر پر دو قربانیاں واجب کرتی ہیں۔ چنانچہ اسی عبارت سابقہ کے سلسلے میں اولاً بدائع سے نقل فرمایا۔ ولو قبل ايام النحر لم يذبح شاتان بلا خلاف لان الصيغة لا تحتمل الاخبار عن الواجب اذ لا وجوب قبل الوقت وكذا لو كان معسر اثم انيسر في ايام النحر لم يذبح شاتان الخ۔ اب علامہ شامی خود فرماتے ہیں۔ ومقتضى هذا ان الموسر اذا نذر في ايام النحر وقصد الاخبار لم يكن ذلك منه نذراً حقيقياً وان لزوم اشارة عليه

بایجاب الشرع۔ اما اذا اطلق ولم يقصد الاخبار او كان قبل ايام النحر او كان معسراً
فایسر فیہا فانه وان لم یتم شاة اخرى بالنذر لكنها لم تكن واجبة قبل الواجبة
غیرها فهو نذر حقیقة وعلى كل فلم یوجد نذر حقیقی بواجب قبله فانفع الحال
وطاح الاشكال ۱۲۔

پھر مقام موعود میں بھی دس قربانی نذر کی بحث میں یہی مفہون ادا کیا کا قال
اقول وبالله التوفیق ان كتب المذهب طائفة بصحة النذر بالاضحية من الغنى
والفقير وقد منا ان الغنى اذا قصد بالنذر الاخبار عن الواجب عليه وكان في ايام
النحر لزمه واحدة والا فثنتان قال الزیلعی یلزمه اخرى الا اذا عني به الواجب عليه
فاذا نذر عشر اضحیات لم یحتمل الاخبار عن الواجب اصلاً كما قدمناه عن البدائع
من ان الغنى لو نذر قبل ايام النحر ان یضی شاة لزمه شاتان احدهما بالنذر
والاخرى بالغنى لعدم احتمال المیغة الاخبار عن الواجب اذ لا وجوب قبل الوقت وكذا
لو نذر وهو فقير ثم استغنى وهنا كذلك لعدم وجوب العشر فليزمه ام ملتقطاً۔

اب سوال یہ ہے کہ جب پہلے سے جانور کو بہ نیت قربانی خرید لینا۔ خرید کر پالنا۔ یا بکھڑا
جانور کے حق میں قربانی کی نیت کر لینا بہ سبب تعیین کے اس کو نذر کر دیتا ہے۔ ایام النحر سے پہلے
اجاب و متعلقین سے یہ کہنا کہ قربانی کر دینا۔ نذر ہو گیا۔ اور بر تقدیر مالدار پر دوسری قربانی
جو بایجاب شرع واجب ہوئی وہ بدستور واجب ہے۔ جب تک دوسری قربانی نہ کرے
سبکدوش نہیں ہو سکتا تو آخر جانور کے خریدنے پالنے اور نیت قربانی کے ظاہر کرنے میں
اب وہ کون سی صورت اختیار کرے کہ وہ جانور نذر نہ ٹھہرے نہ اس کا یہ قول کہ (قربانی کر دینا)
نذر ٹھہرے۔ ورنہ ہندوستان کے تقریباً تمام اطراف میں یہی حالت ہے جو دونوں سوالوں
میں عرض کی گئی، تو اب سوائے ان غریبوں کے جن کو ایام نحر میں بھی قدر اجاب پر دسترس
نہ ہوئی شاید و باید ہی کوئی شخص فریضہ اضحیہ سے سبکدوش ہوتا ہوگا۔ کیوں کہ عموماً جانور

پہلے ہی خرید کر معین کر دیتے ہیں۔ اور اگر معین نہ کریں یا ایام نحر سے پہلے نہ خریدیں جب بھی سخت مشکل ہے کہ آخر ذبح یا نحر سے پہلے ضرور ہے کہ جانور کو معین کر لیں گا کہ یہ جانور قربانی کر دینا اور اس کے متعلق علامہ شامی بھی فرما چکے کہ قد استفيد منه ان يجعل المذكور نذیر تو چاہے کتنی ہی قربانیاں کرے جب تک خاص اخبار عن الواجب کی نیت سے معین کر کا سبکدوش نہیں ہو سکتا اور ایام نحر سے پہلے خرید لینے کی صورت میں یا کسی سے ارادہ ہی ظاہر کرنے کی صورت میں تو نذر سے بچنے کا کوئی راستہ ہی نہیں سمجھ میں آتا چاہے جتنی قربانیوں کی نیت کرے جتنے جانور خریدے سب نذر ہو جاتے ہیں۔ بینوا وحقوا المقام توجروا بالاجور الخیر علیہ عند الملک المتعاقب

س ۲:۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام واولیاء عظام سابقین میں سے کسی کی طرف سے یا اپنے خاندان کے کسی مسلمان میت خواہ اور کسی مسلمان میت کی طرف سے اپنے مال سے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو خود اس میں سے کھا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

س ۳:۔ اکثر عوام بلکہ بعض مولوی صاحبوں سے بھی ایسا سنا جاتا ہے کہ حرم قربانی مسجد کی کسی ضرورت کیلئے مسجد میں دینا اور صرف کرنا ناجائز ہے کیا اس عدم جواز کی کوئی اصل بھی ہے بعض ان مولوی صاحبوں سے جو عدم جواز کے قائل ہیں اسکی اصل پوچھی لیکن نہ بتا سکے اور فقیر کے سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ لہذا جو حق ہو تحریر فرمایا جائے؟ بینوا توجروا

س ۴:۔ کیا بھیر چھ ماہ کی حسب القدر قربان ہو کہ ایک سال والوں سے ممتاز ہو کے قربانی کیلئے جائز نہیں ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ۲:۔ عبارت بدائع وعلامہ شامی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کی نذر درست ہے۔ لہذا اگر کسی نے قربانی کی منت مانی تو اس منت کی بنا پر اس پر قربانی واجب ہو جائے گی۔ پھر اگر یہ منت ایام نحر میں ہے اور وہ شخص فقیر ہے تو فقط یہی نذر والی قربانی واجب ہوگی۔ اور غنی ہے تو اسکے علاوہ ایک دوسری قربانی بھی جوا بجا شرع

سے واجب تھی واجب ہوگی۔ یعنی اس پر دو قربانیاں واجب ہوں گی اور اگر ایام نحر میں صیغہ نذر بولا اور نیت خبر ہے تو نذر نہیں اور نیت نذر ہے یا کچھ نیت نہ ہو تو نذر ہے اور اگر ایام نحر سے پہلے ایسا صیغہ بولا یا وقت تلفظ فقیر تھا پھر مالدار ہو گیا۔ تو نذر ہی ہے کہ ان صورتوں میں خبر کی نیت کرے بھی تو صحیح نہیں بدائع الصنائع کا یہ قول کہ جعلت هذه الشاة اضیعة صیغہ نذر ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اس کو اضحیہ کر دیا اور یہ کہ قربانی کر دیا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب بعد قربانی یہ الفاظ بولے جائیں اور جب قربانی سے پہلے تلفظ کیا تو خبر دینا صحیح نہ ہوا۔ اور اسکی تصحیح یوں نہیں ہو سکتی ہے کہ اس لفظ سے وجوب کی خبر دیتا ہے، اور خبر بالوجوب دو طرح سے ہو سکتی ہے۔ یا وہ وجوب ایجاب شرع سے ہوگا یا خود ایجاب عید سے مستفاد ہوگا اور ایجاب شرع صرف وہ وجوب ہے جو غنی پر ایام نحر میں ہوتا ہے۔ لہذا اگر یہ لفظ غنی پر ایام نحر میں کہے اور نیت اس واجب سے خبر دینے کی ہے جو جانب شرع سے ہے تو نیت صحیح ہے اور صیغہ نذر نہ رہے گا اور اگر ایام نحر سے قبل کہے یا فقیر نے یہ لفظ کہے تو ایجاب شرع موجود نہیں۔ لہذا ایجاب عید مراد ہوگا اور یہ لفظ اگرچہ حقیقتہ خبر ہے مگر خبر کیلئے محکم غنہ ہونا چاہیے اور یہاں ایجاب عید بھی نہیں جس سے اخبار صحیح ہو۔ لہذا اس لفظ کو خود انشاء ایجاب قرار دیا جائے گا اور ایجاب کا افادہ یہی لفظ کرے گا جیسا کہ تمام انشارات۔ انت حر۔ انت طالق۔ میں ہی صورت بعینہا اختیار کی گئی ہے۔ اسکے بعد میں نے بدائع کو دیکھا اسکی عبارت کا مفہوم بھی یہی ہے جو بیان کیا وہ یہ ہے۔

ولنا ان هذه الصیغة فی عرف الشرع جعلت انشاء کمیغة الطلاق
والعتاق لكنها متحمل الاخبار فیصدق فی حکم بینہ وبين ربه عز شانه ولو
قال ذلك قبل ایام النحر یلزمه التضحیة بشاتین بلا خلاف لان الصیغة
لا متحمل الاخبار عن الواجب اذ لا وجوب قبل الوقت والاخبار عن الواجب

ولا واجب يكون كذا بالتعين الانشاء مراد بها وكذلك لو قال ذلك وهو معسر ثم ايسر في
ايام النحر فعليه ان يضي بشاتين لانه لم يكن وقت النذر اضحية واجبة عليه فلا يعمل
الاخبار فيعمل على الحقيقة الشرعية وهو الانشاء فوجب عليه اضحية بنذرہ واخرى
بایجاب الشرع ابتداء لوجود شرط الوجوب وهو الغنى^{لہ}

ثم اقول یہ تقریر اس بنا پر ہے کہ تمام الفاظ کیلئے علامہ شامی وصاحب بدائع
ایک ہی حکم ہو کہ ایام نحر میں اخبار کی نیت صحیح ہے۔ اور غیر ایام نحر میں نذر کیلئے متعین ہیں
یعنی جعلت هذه الشاة اضحية بھی اسی حکم میں داخل ہو مگر اس فقیر کا خیال ہے کہ
جعلت هذه ان اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور دیگر الفاظ نذر مثلاً الله علی ان اضحی وغیرہ جو
ایجاب شرع سے اخبار کا احتمال رکھتے ہیں، ان کا یہ حکم ہے اور جعلت ان اخبار عن ایجاب
الشرع کا محتمل نہیں کہ اس جعل کو شکم اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔ پھر ایجاب شرع سے
یہ کیوں کہ اخبار ہو گا۔ اس مختصر تمہید کے بعد سوال کا جواب یہ ہے کہ ان الفاظ سے جو
سوال میں ہیں کہ قربانی کیلئے خریدا ہے یا رکھا ہے یا اسکی قربانی کرونگا۔ یا اس قسم کے دیگر
الفاظ سے جو اس موقع پر عام طور سے بولے جاتے ہیں نذر نہیں ہوگی۔ اور ان لوگوں پر دو مرتبہ
قربانی واجب نہ ہوگی کہ یہ الفاظ جعلت هذه الشاة اضحية کے معنی میں نہیں ان الفاظ
سے یہ خبر دیتا ہے کہ ایام نحر میں اسکی قربانی کرونگا اس ارادہ کا اظہار ہے یا خریدنے
کی غایت و مقصد کا بیان ہے۔ نہ یہ کہ اپنے ذمہ واجب کرنے سے اخبار یا انشاء ان
دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔ کروں گا اور کر دیا ان میں یہ فرق ہے کہ پہلا اضحیٰ کا
ترجمہ ہے جس میں جعل کا پتہ نہیں اور نذر کے اس صیغہ میں لفظ جعل ہے جس طرح
اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے ان کو طلاق دی تو طلاق ہو گئی کہ یہ انشاء طلاق ہے۔ اور اگر یہ
کہے کہ طلاق دوں گا تو طلاق واقع نہ ہوئی کہ یہ ارادہ طلاق سے اخبار ہے نہ کہ انشاء اسی طرح
میں نے اس کو اضحیٰ کر دیا انشاء ہے اور اس سے نذر ہو جائے گی اور قربانی کرونگا

ارادہ کی خبر ہے یہ نذر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۳ انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء عظام اور دیگر اموات مسلمین کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے، خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کی اور فرمایا۔ عن لم یضح من امتی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کی۔ ابو داؤد و ترمذی میں خنثس سے روایت ہے کہتے ہیں روایت علیا یضی بکبشین فقلت لہ ما ہذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او صاتی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ۔ بدائع الصنائع میں ہے ان الموت لا یمنع التقرب عن المیت بذلیل انہ یجوز ان یتصدق عنہ ویحج عنہ و قد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبشین احدهما عن نفسه والاخر عن لا یدبح من امتہ وان کان منہم من قد مات قبل ان یدبح فذل ان المیت یجوز ان یتقرب عنہ فاذا ذبح عنہ صار نصیبہ للقربۃ۔ اور اس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے دوسرے کو بھی کھلا سکتا ہے۔ ہدیہ میں ہے و یا کل من لحم الاضحیۃ و یطعم الاغنیاء و یدخر ثمنین الحقائق میں ہے و ہذا فی الاضحیۃ الواجبۃ و السنۃ سواء اذا لم تکن واجبۃ بالنذر و ان وجبت بالنذر فلیس لماحبہا ان یا کل منہا شیئا ولا ان یطعم غیرہ من الاغنیاء سواء کان الناذر غنیاً او فقیراً لان سبیلہا التصدق و لیس للمتصدق ان یا کل من صدقۃ ولا ان یطعم الاغنیاء شلیبہ میں ہے قال فی شرح الطحاوی

لہ ترجمہ۔۔۔ میت کی طرف سے حصول تقرب کو موت ختم نہیں کرتی اس پر دلیل یہ ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا اور میت کی طرف سے حج کرنا جائز ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو میٹر بھ کی قربانی کی ایک اپنی طرف سے دوسرا اپنی ان امتیوں کی طرف سے جو قربانی دینے کی استطاعت نہیں رکھتے، اگرچہ ان میں سے کچھ وہ حضرات بھی تھے جن کا انتقال ذبح سے پہلے ہو چکا تھا یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ میت کی طرف سے تقرب جائز ہے لہذا اگر میت کی طرف سے ذبح کیا جائے تو قربت ثواب میں اس کا بھی ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲۲ کتاب التضرع ترغبا، آل مصطفیٰ منبأ فی

ولايجوز الاكل من الدماء الا من اربعة من الاضحية ودم المتعة ودم القران
 ودم التطوع اذ بلغ محله وهو الحرم يعني لايجوز الاكل من دماء الكفاسات
 والنذور وهدى الاحصار وهدى التطوع اذ لم يبلغ محله - بلکہ خود حدیث بھی بتاتی
 ہے کہ اس کا کھانا جائز ہے حدیث یہ ہے - اذ اضحیٰ احدکم فلیا کل من اضحیۃ ویطعم غیرہ
 کہ جب اس نے ہی قربانی کی ہے تو بمقتضائے حدیث تو خود اس سے کھا بھی سکتا ہے نیز
 یہ حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو قربانیاں کی تھیں
 ایک اپنی طرف سے اور ایک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے، اور بدایع میں ہے
 سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی - انه قال لغلامۃ قبرحین ضعی بالکشین یا قنبر
 خذ من کل واحد منهما بضعة وتصدق بهما بجلودهما وبرؤسهما و
 باکارسهما - معلوم ہوا کہ ان مینڈھوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہا نے خود کھایا
 لہذا اگرچہ دوسرے کی طرف سے قربانی کرے خود کھا سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم
 ج ۲ - یہ غلط ہے کہ مسجد میں حرم قربانی کو صرف نہیں کیا جاسکتا، کہ حرم قربانی واجب التصدق
 نہیں کہ مساکین ہی کا حق ہو، بلکہ قربانی گرنیوالا خود بعینہ اس کھاں کو اپنے صرف میں لاسکتا ہے
 مثلاً مشک یا ڈول بنائے یا کتابوں کی جلد میں لگائے بلکہ عین باقی سے اس کا استبدال
 بھی کر سکتا ہے جبکہ تمام کتب فقہ میں مصرح ہے البتہ اگر دراہم و دنانیر کے بدلے میں نیچے
 تو اب ان کا تصدق واجب ہو جاتا ہے حدیث میں ہے کلووا وادخروا وابتعوا واکھاؤا واد
 ذخیرہ کرو اور نیک کام کرو مسجد کو دینا بھی نیک کام ہے لہذا جائز ہے - اور یہ حدیث اگرچہ
 گوشت کے بارے میں ہے - مگر پوست کا وہی حکم ہے جو گوشت کا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے
 واللحم بمنزلة الجلد فی المصیح البتہ قول غیر صحیح میں گوشت میں صرف کھانا یا

کھلانا ہے اور عین باقی کے ساتھ استبدال جائز نہیں تو تخصیص جانب لم سے ہے نہ جانب جلد میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ج ۵۔ چھ ماہ کی بھیڑ جو ایک سال والی سے مشابہ ہو اس کی قربانی جائز ہے تبین الحقائق میں ہے۔ وجازا للثنی من الکب والجزع من الضان لقوله عليه الصلاة والسلام لا تذبحوا الا سنة الا ان يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضان رواه البخاری ومسلم واحد وجماعة وقال عليه الصلاة والسلام يجوز الضعف من الضان اضعية رواه ابن ماجة وقالوا هذا اذا كان الجذع عظيما بحيث لو خلط بالثنيات يشبه على الناظر من بعد والجذع من الضان ما تمت له ستة اشهر عند الفقهاء، شلبیہ میں ہے، وروی اصحابنا فی کتبہم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال نعت الاضعية الجذع من الضان وروی محمد فی کتاب الآثار اخبرنا ابو خنیفة عن حماد عن ابراہیم فی الجذع من الضان یضعی بہ قال یجزی والثنی افضل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ شیخ عبد الحفیظ صاحب قادری رضوی از جاس محلہ شیخانہ ضلع رائے بریلی ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

کیا ارشاد ہے شریعت مطہرہ کا مسئلہ ذیل میں۔
قربانی کی کھال مدرسہ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں اور اگر دی جاسکتی ہے تو کس مدرسہ میں کیا مسجد میں یہ کھال صرف کی جاسکتی ہے ؟

الجواب :- چرم قربانی کو کاخیر میں صرف کرنا جائز ہے۔ دینی مدرسہ بھی اموخیر سے ہے اس میں بھی صرف کر سکتے ہیں حدیث میں فرمایا کلاوا وادخروا و استجروا وغیرہ میں ہے ویصدق بجلدها و یعمل منه معوذہ ربیال وجراب ویبدلہ بہما ینتفع بہ باقیہ۔ مسجد میں بھی صرف کرنا جائز ہے۔ مدرسہ میں اگر مدرس کی نحوہ نہیں ہے اور مدرس کو

چرم قربانی بطور اعانت دیا جائے تو بلاشبہ جائز ہے۔ اور اگر مدرس کی تنخواہ ہے تو کھال کو تنخواہ میں نہیں دے سکتے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مہتمم مدرسہ کو ان کھالوں کا مالک کر دیا جائے اور وہ اپنی طرف سے تنخواہ مدرسین میں صرف کرے کہ اس صورت میں جس نے قربانی کی اوس نے کسی معاوضہ میں نہیں دیا بلکہ اوس کا دینا بلا معاوضہ ہے اور جسے دی گئی وہ اب ہر طرح صرف کر سکتا ہے۔ متولی یا مہتمم مدرسہ اگر مالدار ہو جب بھی اوس کو دے سکتے ہیں کہ پوست قربانی میں یہ شرط نہیں کہ فقراء ہی کو دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مدرسہ مولانا عبدالعزیز صاحب مدرس سہ اشرفیہ مصباح العلوم قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ یوم پنجشنبہ ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہم محمد آباد گوہنہ کے رہنے والے ہیں۔ ایک گائے مویشی خانہ سے بازار میں نیلام ہونے کو آئی جو کہ ہم نے بولی بول کر خرید لیا تو اب وہ قربانی کے نام جائز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہو سکتی ہے تو کس طریقہ سے؟ بینواتوجروا **الجواب :-** قربانی کے جانور کا قربانی کرنے والے کی ملک ہونا ضروری۔ دوسرے کے جانور کی قربانی نہیں کر سکتا۔ مویشی خانہ کے نیلام کرنے سے اور بولی بول کر لینے سے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوتا۔ یہ جانور کسی کے مطالبہ میں نیلام نہیں کیا جاتا اور نیلام کر کے ثمن نہ مالک کو دیا جاتا ہے نہ کسی کجائز مطالبہ اس سے ادا کیا جاتا، لہذا ملک مالک سے خارج نہیں ہوتا ایسے جانور کو ذبح کرنے سے قربانی نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ عثمان غنی ولد عبدالرحمن محلہ چھسپاں بڑی مسجد کے قریب پالی ماڑ واڑ کسی صاحب نصاب کو اپنے احباب میں سے کوئی شخص بطور تحفہ ایک بکرا دیا۔ کیا یہ بکرا آخذ کیلئے بطور اضحیہ کافی وجائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جبکہ دینے والے نے وہ بکرا تحفہ اس کو دیا اور اس نے قبول کر لیا اور قبضہ بھی کر لیا تو مالک ہو گیا۔ اس کو اپنی طرف سے قربانی کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ آمدہ از پالی مار وار محلہ چھپیان علاقہ جو پورہ سرسلہ عثمان غنی ولد عبد الرحمن کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

قربانی کی کھال کا پیسہ اپنے بھائی اور اپنے والدین کو دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب۔ قربانی کی کھال اگر اپنے لئے بقصد تمول بیچی تو اس قیمت کا صدقہ کرنا مکین پر واجب ہے اور اس صورت میں اپنے والدین کو دینا جائز نہیں اور بھائی اگر مالک نصاب نہ ہو تو اس کو دے سکتے ہیں اور قربانی کی کھال ہی کو اگر اپنے بھائی یا والدین کو دیدے تو جائز ہے پھر وہ بیچ کر اپنے صرف میں بھی لاسکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ سرسلہ محمد خلیل صاحب قادری از جن پور مدرسہ عربیہ النوار العلوم ضلع اعظم گڑھ ۲۸ ذیقعدہ ۱۹۶۶ء

(۱) جانور دستیاب نہیں ہو رہا ہے میں بھی جانور کی تلاش میں ہوں مگر ابھی کوئی جانور نہیں ملا خزاچی صاحب کے یہاں ایک گائے ہے مگر گابھن ہے دو مہینہ میں بچہ دے گی۔ محلے میں بکریاں بہت ہیں۔ دریافت کرتے سے معلوم ہوا کہ قریب قریب سب گابھن ہیں۔ بعض جانور پندرہ بیس روز کے گابھن ہیں۔ بعض زیادہ کے۔ تو عرض یہ ہے کہ اگر باوجود کوشش کے وقت پر سوائے گابھن کے دوسرا جانور نہ ملے تو آیا اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں ؟ اور بصورت جواز واجب و نفل دونوں قربانیاں ہو سکتی ہیں یا صرف واجب ؟

(۲) جو لوگ گائیں قربانی کی نیت سے خرید چکے ہیں۔ بطور فرض اگر وہ گائے کی قربانی نہ کر سکے اور اسکے بجائے دوسری قربانی بکری وغیرہ کی کر ڈالی۔ تو آیا اس صورت میں بھی اس پر گائے کا صدقہ کرنا واجب ہے یا اپنے مصرف میں بھی لاسکتے ہیں ؟

الجواب (۱) گابھن جانور کی بھی قربانی ہو سکتی ہے۔ مگر گابھن ہونا معلوم ہے تو احتراز اولیٰ ہے اور اگر صرف پندرہ بیس روز کا گابھن ہے تو اس میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم (۲) جس شخص نے گائے خرید لی ہے اور قربانی نہیں کر سکا اگر وہ شخص فقیر یعنی غیر مالک نصاب

نصاب ہے تو اس پر اسی کی قربانی کرنی ضروری ہے۔ یا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور غنی ہے تو دوسرا جانور بھی قربانی کر سکتا ہے اور خریدے ہوئے کو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مسئلہ مولوی محمد صدیق صاحب خیر آبادی از مدرسہ عربیہ مالیکانہ و ضلع ناسک ۲۱ زوی الحجہ ۱۲۶۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے موقع پر جب کہ مسلمانوں کے جان و مال کا بے حد خطرہ ہے اور حکومت بھی ہندوؤں کی ہے۔ اور لیگی بڑے زور و شور سے اس طرف قربانی گاؤں کے لئے منع کر رہے ہیں جیسا کہ اخباروں سے ظاہر ہے۔ اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ ایک بار حج ملتوی کر دیئے تھے تاکہ مسلمانوں کی جان محفوظ رہے۔ تو اگر امسال اسی خوف سے گائے کی قربانی نہ کی جائے تو بہتر ہے؟

الجواب:۔ فقیر کے پاس یہ سوال اس وقت پیش ہوا جبکہ غید الاضحیٰ کو گزرے ہوئے ڈیڑھ ہفتہ ہو گیا ہے جن کو قربانی کرنی تھیں کر چکے، بہر صورت سوال کا جواب یہ ہے کہ گائے کی قربانیاں جہاں ہوتی چلی آئی ہیں اب بھی ہونی چاہئے جو لوگ قربانی گاؤں کو روکنا چاہتے ہیں اور ان کے متعلق طرح طرح کے حیلے تراشتے ہیں ان کی بات قابل سماعت نہیں، قربانی گاؤں شعائر اسلام میں سے ہے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ذالْبُدُنْ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فِيمَا خَيْرٌ اَوْنَطْ اور گاؤں ہم نے تمہارے لئے اللہ کے دین کے شعائر میں سے کیا ان میں تمہارے لئے خیر ہے۔ گائے کی قربانی کو حکومت ہند نے اب تک نہیں بند کیا نہ اسکے متعلق کوئی قانون بنایا مذہب سے ناواقف اور دین سے غدار ہندوؤں کی خوشامد میں مسلمانوں کا یہ شرعی و دینی حق جو انھیں صدیوں سے حاصل ہے اس سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ اگر اس سال نہ کریں تو سال آئندہ اون کیلئے کیا چیز ایسی ہاتھ آجائے گی جس کی بنا پر قربانی کرنے پر وہ تیار ہوئے بلکہ ہنود کے نزدیک وہ اپنے عمل سے ثابت کر دیں گے کہ قربانی گاؤں یہ ایک بالکل اختیاری فعل ہے مسلمان چاہیں اس کو کریں یا نہ کریں اور ہو سکتا ہے اس صورت میں مخالفت کا کوئی

قانون بن جائے جسکی وجہ سے وہ اس سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جائیں، ہندوستان میں عموماً جہاں گائے کی قربانیاں ہوتی ہیں قربانی کرنے میں یقینی طور پر جانی خطرہ نہیں، محض ہنود کے شور کر دینے کا نام خطرہ جان نہیں رکھا جاسکتا، اگر کسی جگہ پر واقعی اور صحیح طور پر ایسا خطرہ ہو تو وہاں کے لوگوں کو ترک کرنے کی اجازت ہے نہ کہ سبھی جگہ سے اس قربانی کو بند کر دیا جائے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج تو کبھی کفار کی وجہ سے ملتوی فرمایا نہیں، ہاں عمرہ حدیبیہ ضرور ملتوی فرمایا تھا مگر مطلقاً وہ بھی نہیں بلکہ اس موقع پر کفار سے مصالحت فرمائی جس میں یہ بات بھی طے پائی کہ سال آئندہ عمرہ فرمائیں گے یہاں قربانی گاؤں کے متعلق ان لوگوں نے ہنود سے کون سی ایسی مصالحت کر لی ہے کہ اس سال گائے کی قربانی نہیں کریں گے اور سال آئندہ یہ قربانی ہوگی جس میں ہنود کی جانب سے روک ٹوک نہیں ہوگی۔ کہاں حدیبیہ کی صلح اور کہاں ان لوگوں کا اپنی جانب سے قربانی کی روکاؤٹ۔ بینہما یون بعیدۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۔ مرسلہ مولوی محمد صدیق صاحب خیر آبادی از مالیک گاؤں مدرسہ عربیہ حنفیہ دار الحرم الحرم ۱۳۶۷ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نو ذی الحجہ کو شام کے وقت حکومت ہند کی جانب سے یہ اعلان ہوا کہ مسلمان جہاں جہاں اپنی قربانیاں کرتے تھے۔ وہاں نہ کریں بلکہ سلا کر باؤس (بذبح) میں اپنی گائیں لے جا کر قربانی کریں پھر دس ذی الحجہ کو سکھوں کی مسلح فوج آئی اور یہ کہا کہ اگر پندرہ منٹ کے اندر یہاں سے اپنے جانور سلا کر باؤس نہ لیگئے تو تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے گا اور ختم کر دیا جائے گا مجبوراً سب لوگ اپنے اپنے جانور یاں لیگئے اور تقریباً سات آٹھ سو تک گائیں ذبح ہو گئیں۔ اس کے بعد سکھ لوگ مع اسلحہ سلا کر باؤس پہنچے اور جو گائیں ذبح کرنے سے باقی رہ گئیں انھیں لوگوں سے چھین چھین کر رسیاں کاٹ کر بھگا دیں

لے تفصیل کے لئے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا رسالہ در انفس الفکر فی قربان البقر، کا مطالعہ کیا جائے۔ مصباحی

اور جو بوترہ اسے سخت مار مارنے اگر مسلمان کچھ بھی چوں و چرا کرتے تو مال گاؤں کے سب مسلمان ختم کیے جاتے اس صورت میں کفش بردار نے فتویٰ دیدیا کہ جن کے پاس گائے رہ گئی ہے وہ روک لیں بجائے گائے کے جن پر قربانی واجب ہے۔ ایک بکری یا بکرا قربانی کریں۔ اور اگر بکرا یا بکری اس کس پر ہی کی حالت میں نہ ملے یہاں تک کہ قربانی کے ایام گزر جائیں تو گائے کو زندہ صدقہ کر دیں مسلمانوں نے اسی پر عمل کیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ حضور یہ جو کچھ میں نے کہا شریعت غرہ کے موافق ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو کیا صورت اختیار کرنی چاہیے تھی جبکہ جان کے لالے پڑے تھے ؟

(۲) بعد گزرنے ایام نحر کے جتنی قیمت گائے کی تھی اسے فروخت نہ ہو سکی۔ میں پچیس تیس کم پر بعض لوگوں نے سچی تو کیا یہ جتنی کمی ہے اسے اپنی جانب سے صدقہ کرے تاوان دے کیا اس قدر کمی کے ساتھ جو گائے فروخت کی گئی اور جتنی قیمت ملی وہ صدقہ کر دی گئی تو ادائے وجوب کیلئے کافی ہوگی یا کیا صورت ہوگی ؟

(۳) زندہ ہی صدقہ کرے یا فروخت بھی کر سکتا ہے ردالمحتار و عالمگیری و ہدایہ میں ہے کہ زندہ صدقہ کر دے ہاں عالمگیری میں اتنا ضرور پتہ چلا کہ اگر بیچنے میں اتنی کم قیمت پر بھی کہ اندازہ کرنے والے بہت کم بتائیں تو اس صورت میں کمی پوری کرنی ہوگی صحیح کیا ہے۔ بینوا تو جبراً

الجواب (۱) :- جبکہ حکومت کی جانب سے مسلمانوں پر قربانی گاؤں کے متعلق ایسے سخت احکام جاری ہوئے اور مسلمان حکماً اور جبراً اس ادائے واجب سے روک دیئے گئے اور مسلمانوں کے قتل ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تو اس صورت میں گائے کی قربانی نہ کرنے میں وہ معذور ہیں تحفظ جان کیلئے جو آنحضرت نے فتویٰ دیا وہ صحیح تھا۔ پھر وہ اگر قربانی کا جانور معین ہے مثلاً یہ شخص فقیر (یعنی غیر مالک نصاب) ہے اور اس نے قربانی کیلئے جانور خریدا یا اس نے کسی معین جانور کے قربانی کرنے کی منت مانی ہے جب تو اس پر یہ لازم نہیں کہ دوسرے جانور کی قربانی کرے، بلکہ ایام نحر گزر جانے کے بعد بعینہ اس جانور کو صدقہ کر دے، اور اگر اس جانور کو ایام نحر گزر جانے کے بعد ذبح کر ڈالا تو گوشت کو صدقہ کر ڈالے اور اس صورت میں اگر گوشت پوست کی قیمت میں زندہ جانور

کی قیمت سے کچھ کمی ہو تو اس کمی کو بھی صدقہ کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں بجائے
زندہ جانور صدقہ کرنے کے اس کی قیمت صدقہ کرے درمختار میں ہے ولو ترک التفیجیة و
مضت ایامها تصدق بہا حیة نادر لمغنیة ولو فقیرا لود بحھا تصدق بالحمہا الو
نقصھا تصدق بقیمۃ النقصان ایضا ولا یاکل النادر منھا فان اکل تصدق بقیمۃ
ما اکل و فقیر شراھا لوجوبہا علیہ بذلک حتی یمتنع علیہ بیعہا۔ رواہ مختارین
قولہ تصدق بہا حیة لوقوع الیاس عن التقرب بالاراقۃ وان تصدق بقیعہا
اجزاء ایضاً لان الواجب ہنا التصدق بعینہا و ہذا مثله فیما ہو المقصود اذ ذخیرۃ
اور اگر وہ شخص غنی یعنی مالک نصاب ہے اور اس نے بجائے اس گائے کے بکری یا بکرے کی قربانی
کی تو اب اسے ایام نحر گذر جانے کے بعد اس جانور کا نہ تصدق کرنا واجب ہے نہ ایام نحر میں
اسکی قربانی ضروری، کہ جو قربانی اس کے ذمہ واجب تھی ادا کر چکا۔ یہی من حیث النظر ظاہر۔
چنانچہ کتب فقہ میں یہ مصرح ہے کہ اگر قربانی کا جانور گم ہو گیا یا جوری ہو گیا پھر اس قربانی کرنے
والے نے اگر دوسرا جانور خرید لیا ہے اس کے بعد وہ پہلا جانور مل گیا تو فقیر پر دونوں کی قربانی
ضروری ہے اور غنی پر صرف ایک کی واجب درمختار میں ہے ولو ضلت او سقت فشری
اخری فظہرت فعلى الغنی احداہما و علی الفقیر کلاہما۔ پھر اگر غنی نے پہلے جانور کی قربانی
کر لی تو اگرچہ اسکی قیمت دوسرے سے کم ہو وہ بالکل کافی ہو گئی اس قربانی کے سوا اس پر
کوئی چیز لازم نہیں اور اگر دوسرے کی قربانی کی ہے اور یہ دوسرا پہلے جانور سے قیمت میں
کم ہے تو جتنی کمی ہے اسکو صدقہ کرے ہاں اگر اس غنی نے پہلے کو بھی قربان کر دیا تو اب کسی چیز
کا تصدق اس پر لازم نہیں رواہ مختار میں ہے لوضعی بالاولی اجزاء ولا یلزمہ شئ و
لو قیمتہا اقل وان ضعی بالثانیۃ و قیمتہا اقل تصدق بالزائد قال فی البدائع
الا اذا ضعی بالاولی ایضا فتسقط الصدقة لانه ادى الاصل فی وقتہ فیسقط الخلف^{۱۲}

تو جس طرح کم ہو جانے یا چوری ہو جانے کی مجبوری سے غنی پر دونوں کی قربانی واجب نہ ہونی حالانکہ دوسرا جانور اسکی جگہ پر خرید چکا ہے صرف ایک ہی کی قربانی کافی ہے اسی طرح یہاں جبکہ حکومت کی طرف سے گاؤ کی قربانی ممنوع قرار پائی تو اس گاؤ کے ذبح کرنے میں کم ہونے اور چوری ہو جانے سے بڑھکر مجبوری اور معذوری ہے کہ یہاں جان کا خطرہ ہے لہذا اگر بکریوں کی قربانی گاؤ کی جگہ پر کر چکے ہیں تو واجب ادا ہو چکا اور اس گاؤ کا تصدق اغیار پر لازم نہیں ہاں اگر بغرض بکری کی قیمت گاؤ کے ساتویں حصے سے کم ہو تو اس کمی کو صدقہ کر دے جیسا کہ سرقہ وغیرہ کی صورت میں صدقہ کا حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ عید الاضحیٰ کے چند روز قبل سے جانوروں کی قیمتیں خریداری کی کثرت کی وجہ سے زیادہ ہو جایا کرتی ہیں۔ اور ایام نحر گزرنے کے بعد قیمتیں کم ہو جاتی ہیں پس صورت مسئلہ میں کرنا تو یہ چاہیئے تھا کہ زندہ جانور کو صدقہ کر دیتا اگر وہ فقیر ہے یا اس نے اس معین جانور کی قربانی اپنے ذمہ واجب کی ہے مگر اس کو اگر فروخت کر ڈالا ہے اور اتنے داموں میں فروخت کیا کہ اس وقت بازار کا یہی نرخ تھا۔ نرخ بازار سے کم میں نہیں فروخت کیا ہے تو انھیں داموں کا صدقہ کر دینا کافی ہے۔ اور اگر اس روز جو نرخ تھا اس کا کم پر بیچا ہے تو جتنی کمی ہے اسے بھی صدقہ کر دے۔ اگر وہ اتنی کمی ہے جو تحت تقویم مقوین داخل نہیں ہوتی اور اگر وہ شخص غنی ہے۔ اور اس نے بکرے یا بکری کی قربانی کر لی ہے۔ تو اس کا حکم جواب میں مذکور ہو چکا کہ اس پر نہ جانور کا تصدق کرنا واجب نہ اسکی قیمت کا کہ جو واجب تھا ادا کر چکا، ہدایہ میں ہے ولولم یضغ حتی مضت ایام النحر ان کان اوجب علی نفسه او کان فقیراً وقد اشترى الاضحية تصدق بها حیاتہ وان کان غنیاً تصدق بقيمة شاة اشترى اولم یشترا لانها واجبة علی الفقی وتجب علی الفقیر بالشراء بنية التضحية عندنا فاذا فات الوقت یجب علیه التصدق اخراجاً له عن العہدة

کالجمعة تقضى بعد فواتها ظہراً والصوم بعد العجز فدية ۱۴۴۶ھ - ۱۴۴۷ھ
کتاب الاضحية - مصباحی

عالمگیری میں ہے۔ لو اشتری شاة للاضحیۃ عن نفسه او عن ولده فام یفصح حتی مضت ايام النحر کان علیہ ان یتصدق بتلك الشاة حیة او بقیمتہا و قال الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ لا یلزمہ شئ ہکذا فی فتاویٰ قاضیخان وان کان اوجب شاة بعینہا او اشتری شاة لیضحیٰ بہا فام یفعل حتی مضت ايام النحر تصدق بہا حیة ولا یجوز الا کل منہا فان باعہا تصدق بشئہا فان ذبحہا و تصدق بلحمہا جاز فان کانت قیمتہا حیة اکثر تصدق بالفضل ولو اکل منہا شیئا غرم قیمتہا فان لم یفعل ذلك حتی جاء ايام النحر من العام القابل فضحیٰ بہا من العام الماضي لم یجز فان باعہا بعد ايام النحر یتصدق بشئہا فان باعہا بما یتغابن الناس فیہ اجزاء وان باعہا بما لا یتغابن الناس فیہ تصدق بالفضل کذا فی الظہیریۃ۔ و رد المحتار علیہم

(۲) اس کا جواب نمبر پائے سابقہ کے جوابوں سے ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- مرسلہ جناب قاضی غلام الثقلین صاحب ازبدر معراج العلوم اٹا وہ یوپی
 (۱) مخزن علوم سبحانی معدن فیوض یزدانی عالیجناب صدر الشریعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا مریوی
 حکیم محمد امجد علی صاحب اعظمی قادری قبلہ و کعبہ دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی یا عقیقہ
 کا چمڑا مسجد کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں یعنی مسجد کو دینا جائز ہے یا نہیں بہار شریعت حصہ
 پانزدہم ص ۱۵۱ کی تیسری سطر میں اور ص ۱۵۵ کی پندرہویں سطر میں اس طرح مذکور ہے کہ ہو سکتا
 ہے کہ کسی نیک کام کے لئے دیدے مثلاً مسجد یا دینی مدرسہ یا کسی فقیر کو دیدے، معترض یعنی
 مسجد کی دلیل چاہتا ہے۔ اس کا ماخذ درکار ہے تاکہ مخالف کو دکھایا جاسکے فقیر کے لئے جو
 بہار شریعت میں مذکور ہے وہ ہی کافی ہے ؟

(۲) کیا قربانی و عقیقہ کی پوست حصہ داروں کی ملک رہتی ہے یا نفس قربانی کے

ساتھ وہ بھی تصدق میں محسوب ہو جاتی ہے ؟

الجواب :- قربانی یا عقیقہ کا چمڑا مسجد کو دیا جاسکتا ہے اس کو صدقہ کرنا واجب نہیں بلکہ اس کو خود قربانی کرنے والا اپنے صرف میں بھی لاسکتا ہے مثلاً اسکی جانماز بنائے یا مشک ڈول بنا کر اپنے استعمال میں لائے، بلکہ ایسی چیز سے بدل بھی سکتا ہے جو باقی رہنے والی ہو، پس جبکہ وہ واجب التصدق نہیں تو اسکا حکم زکوٰۃ کا سا نہیں، اور جبکہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے تو مسجد میں یا کسی نیک کام میں دینا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا حدیث میں ارشاد فرمایا۔ کلو اودخر و اوداعجر و ا۔ کھاؤ اور جمع رکھو اور اس سے نیک کام کرو، یہ حکم اگرچہ گوشت کے متعلق بیان فرمایا ہے مگر چمڑے کیلئے بدرجہ اولیٰ یہی حکم ثابت ہوگا فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ویجوز الانتفاع بجلدها وهدی المتعة والقران والتطوع بان يتغدها فراشا اوخرا و اوجربا او غربا لا وله ان يشتري بهامتا ع البيت كالجواب و الغریبال والخف لا الخل والزیت واللحم درختار میں ہے ویتصدق بجلدها و یعمل معو غربال و جراب و قربة و سفرة و دلوا و یبدله لما ینفع به باقیہا کما مر۔ و اللہ تعالیٰ و اعلم

(۲) پوست قربانی و عقیقہ بلکہ گوشت بھی اس شخص کی ملک رہتا ہے۔ جس نے قربانی یا عقیقہ کیا اسی وجہ سے گوشت کو وہ کھاتا ہے اور اسکے چمڑے کو استعمال میں لاسکتا ہے اور ایسی چیز سے بدل بھی سکتا ہے جو باقی رہنے والی ہو جیسا کہ جواب سوال اول میں ذکر کیا گیا قربانی صرف جانور کو بہ نیت تقرب ذبح کر دینے کا نام ہے درختار میں ہے ہی راۃ الاضعیة شرعا ذبح حیوان مخصوص بنية القرية فی وقت مخصوص۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب العقیقہ

مسئلہ :- مسئلہ جناب سیدانی بی صاحبہ صاحبزادی حضرت سیدہ مجیبہ میاں فناء نوحہ بریلی کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چوبیس شب کے نو بجے پنجشنبہ کا دن گزار کر پیدا ہو جس کی صبح کو جمعہ ہوگا اسکا عقیقہ پنجشنبہ کو ہو یا چہار شنبہ کو ؟

الجواب :- عقیقہ پنجشنبہ کے دن ہونا چاہئے کہ ساتواں دن پنجشنبہ ہوگا۔ شریعت میں آفتاب دو بے پردن اور تاریخ بدل جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مردہ کی جانب سے عقیقہ جائز ہے یا نہیں ؟ جینوا تو جروا

الجواب :- مردہ کا عقیقہ نہیں ہو سکتا کہ عقیقہ دم شکر ہے اور یہ شکرانہ زندہ ہی کیلئے ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الرهن

مسئلہ: مسئلہ مولوی احسان علی طالب علم مدرسہ اہلسنت ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵
کاشت مہربونہ راہن آباد کرتا ہے۔ پیداوار نصف مرتہن بھی لیتا۔ اور روپیہ بھی پورا لیکھا
اس غلہ کا کچھ بھرا نہیں دے گا۔ اور مرتہن نصف مالگنداری دیتا ہے۔ بفرض ہو جانے جواز کے۔ اور اگر مرتہن
آباد کرے تو کل پیداوار خود لے۔ اور راہن کچھ نہیں۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ اور صورت
آخر میں کل مالگنداری مرتہن دیتا ہے؟

الجواب:۔ رہن میں شے مہربون پر مرتہن کا قبضہ شرط ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے فہن
مقبوضۃ جس کا حامل یہ ہے کہ بغیر قبضہ رہن صحیح نہ ہوگا۔ ورنہ غنایں ہے وصح فی المجتبئ انہ
شرط الجواز۔ طحاوی میں ہے ای الصلۃ اذ حللی وکذا اصحہ فی المحيط ونص محمد
فی کتاب الرهن لا یجوز الرهن الا مقبوضا فقد اشار الی ان القبض شرط جواز الرهن
اور جب مرتہن کا قبضہ اٹھ جائے گا۔ رہن باقی نہ رہے گا۔ طحاوی میں ہے واستدامة القبض
واجبة عندنا۔ جب یہ امر ثابت ہو چکا کہ رہن بغیر قبضہ کے نہیں اور قبضہ جانے سے رہن باقی
نہیں رہتا۔ تو اگر راہن نے کھیت کو بویا تو مرتہن کے قبضہ سے نکل گیا۔ لہذا رہن نہ رہا اور غلہ میں
مرتہن کا کوئی حق نہیں کہ یہ غلہ کس بنا پر اس سے لیتا ہے۔ غلہ کی تنصیف کس عقد کی رو سے ہے
ظاہر ہے کہ کوئی عقد شرعی نہیں پایا گیا جو اس تنصیف کو لازم کرے، بلکہ یہ قرض کی بنا پر ہے۔
اور حدیث میں ہے کل قرض جرم منفعۃ فہو ربا۔ لہذا یہ ناجائز و باطل نہ یہ نصف مالگنداری
دینا اسکو جائز کرے۔ اور صورت اخیرہ میں کہ مرتہن کاشت کرتا ہے اور مالگنداری دیتا ہے، یہ
اجارہ ہوا اس صورت میں بھی رہن باطل ہو گیا کہ اجارہ و رہن دونوں جمع نہیں ہوتے، ورنہ
میں ہے بخلاف الاجازۃ والبیع الهبۃ ومن المرتہن ومن اجنبی اذا باشرھا احدھما

باذن الاخر حیث یخرج من الرهن لا یعود الا یعقد مبتدأ لانها عقود لازمة طحاوی میں ہے
 قال الاتقانی نقلاً عن الاسبیجانی ما نمسه وكذا اللکوا ستاجرة المرتهن معت الاجارة وبطل
 الرهن اذا جدد القبض للاجارة ولو هلك في يده قبل انقضاء مدة الاجارة وبعد انقضاءها
 ولم يحسبه عن الراهن ملك امانة ولا يذهب بهلاكه شيء من الدين ولو حسبه
 عن الراهن بعد انقضاء مدة الاجارة صار غاصبا۔ وقال الولوالجی رحمہ اللہ تعالیٰ ولو
 أجر الراهن من المرتهن بطل الرهن لان الاجارة عقد لازم لا یعقد علی المرتهن الا
 بعد انتقاض الرهن۔ بلکہ بنظر واقعہ سرے سے رهن ہوا ہی نہیں کہ یہ سب امور عقد رهن
 کے وقت طے ہوتے ہیں اور رهن کی تمامیت قبضہ سے ہوتی ہے اور جب قبضہ سے قبل عقد
 اجاره منعقد ہو گیا تو رهن ہوا ہی نہیں پھر اگر اجاره کے ضروریات متحقق ہیں تو صحیح ہوگا ورنہ
 نہیں مثلاً ایک یہ کہ اسکی مدت معین ہو کہ یہ کھیت اتنی مدت کیلئے لیا جکی اجرت یہ ہے اور
 اس صورت میں اس مدت کے ختم ہونے پر اجاره بھی ختم ہو جائیگا، ہدایہ میں ہے ولا یصح حتی تکون
 المنافع معلومة والاجرة معلومة والمنافع تارة تصیر معلومة بالمدة کاستیجار الدور
 للسكنی والارضین للزراعة فیصح العقد علی مدة معلومة ای مدة كانت، ملتقطاً،
 اور ظاہر ہے کہ مدت پوری ہونے پر مالک کو کھیت نہ ملیگا۔ جب تک زر قرض ادا نہ کر لے اور غصب
 ہے، جیسا کہ طحاوی کی عبارت سے معلوم ہوا لہذا یہ اجاره بھی درست نہ رہا۔ نیز یہاں اجرت
 مثل نہیں دیجاتی۔ بلکہ صرف اتنا کہ زمیندار کو رنٹ کو دیا کرتا ہے جسکو مالگداری کہتے ہیں تو یہ نفع اسی قرض
 کی بنا پر ہے اگرچہ مذکور نہ ہو کہ المعروف کالمشروط لہذا ناجائز۔ وائتہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ مولوی رحیم الدین طالب علم جزاوی مدرس المہنت ۱۵ اجادی الاولیٰ ۱۳۸۷
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے دوسرے کے پاس اپنا مکان
 رهن رکھا۔ کچھ دنوں بعد مرتہن نے رهن کو وہ مکان کیرایہ پر دے دیا اب رهن کے ذمہ اس کا
 کرایہ لازم ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :- مرتہن کا راہن کو کرایہ پر دینا باطل محض ہے، اور کرایہ لینا بھی حرام، کہ یہ اجارہ باطل ہے۔ اجارہ دوسرے کی ملک سے بعض نفع حاصل کرنے کو کہتے ہیں، اور جب مکان ملک راہن ہے تو اس کے اجارہ میں کیونکر ہو سکتا ہے، اور جو کچھ کرایہ میں دیگا اگر جنس دین سے نہیں ہے تو واپس لیگا۔ اور جنس دین سے ہے تو وہ سب دین میں محسوب ہوگا، فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ استیجار الراہن من المرتہن باطل لانہ ملکہ واستیجار المالك ملکہ باطل والباطل لا اجرة له فیرجع بہا دفع ان لم یکن من جنس الدین وان کان من جنسہ تقع المقامۃ بہ۔ نیز اسی میں ہے لا تصح ولا تلزم الاجرة للراہن فقد مرح فی البزایۃ والظہیریۃ وغیرہما بان الاجارۃ من الراہن باطلۃ وعلو بانہ مالک فکیف یتاجر ملکہ، وقد افیبت مرارا لا تجسی فی الرجل یرتہن محدودا فی عجرۃ الراہن قبل قبضہ منہ بانہ لا یصح الرهن ولا الاجارۃ أما الراہن فلعدم القبض وأما الاجارۃ فلعدم جوازها للمالك والمسائلۃ کثیرۃ النقل لا تخفی علی من یراد فی عقلہ واللہ اعلم۔ واللہ تعالیٰ دعلم

مسئلہ :- مسئلہ محمد جمیل از محلہ خواجہ قطب بریلی۔ ۲۱ ذیقعدہ ۱۲۷۰ھ

علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید اپنی ملکیت رہن رکھنا چاہتا ہے، اور

شرعی الزام سے بچنا چاہتا ہے ؟

الجواب :- جتنے روپے قرض لینا چاہتا ہے بغیر شرط، قرض لے، اور قرض دینے والے کے پاس کوئی چیز چاہے تو وغیرہ رکھ دے، اور یہ کہہ دے کہ اسکی حفاظت کا میں اتنے ماہوار دوں گا اور وہ رقم تم کرایہ دکان یا مکان جس کو رہن رکھنا چاہتا ہے اس سے وصول کر لو، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مسلمان کی جائداد کسی دیگر مسلمان کے پاس رہن بالقبض کی جاوے۔ اور وہ مرتہن اس جائداد کا کرایہ بذریعہ حسرتی کرائے تامہ ماہ بہ ماہ لیا کرے تو وہ کرایہ جائز سمجھا جائے گا یا نہیں ؟

چونکہ ہندوستان دارالحرب قرار دیدیا گیا ہے اور اہل ہندو سے سخت تکلیفات مسلمانان کو خصوصاً جائداد کے متعلق پہنچی ہیں یہاں تک کہ کل جائداد غصب کر لی جاتی ہے۔ اگر اس حالت میں اگر کوئی مسلمان تھوڑے کرایہ پر مسلمان کی جائداد رہن کر کے کرایہ لیتا رہے تو اس حالت میں وہ جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- مرہن اگر مرہون کو کرایہ پر دے تو اسکی دو صورتیں ہیں خود رہن کو کرایہ پر دیا یا اجنبی کو۔ اگر رہن کو دیا تو اجارہ صحیح نہیں اور اگر دوسرے کو رہن کی اجازت سے کرایہ پر دیا تو رہن جاتا رہا۔ اور بغیر اذن دیا تو جو کرایہ حاصل ہوگا مال خبیث ہے حکم ہے کہ تصدق کرے عالمگیری میں ہے ولو ارتمن الرجل دابة وقبضها ثم اخرها من الراهن لا تصح الاجارة وان اجر المرتمن من اجنبی بامر الراهن مخرج من الرهن وتكون الاجرة للراهن وان كانت الاجارة بغیر اذن الراهن يكون الاجرة للمرتمن يتصدق به۔ نیز اسی میں ہے لیس للمرتمن ان یؤجر الراهن۔ اگر ہندو زیادہ سود لیتا ہے تو مسلمان کو یہ حکم نہیں دیا جاسکتا کہ ٹھوڑا سود لیکر مسلمانوں کو روپیہ قرض دیا کرے اگر ہمدی کرنا چاہے تو بغیر سود قرض دے قرض کے ذریعہ سے جو نفع حاصل ہووہ سود ہے حدیث میں فرمایا کل قرض جر منفعۃ فہو ربا۔ ہندوستان دارالحرب نہیں، اور دارالحرب بھی ہو تو مسلم کو مسلم سے سود لینا جائز نہ ہوگا بلکہ حرام ہوگا، ہاں مسلم و کافر حربی میں جو عقد بصورت ربا ہووہ ربا نہیں کتب فقہ میں ارشاد ہوا لا ربا بین المسلم والعربی فی دار العرب، اس میں حربی کی تخصیص و اللہ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ جناب مولو عبد العظیم صاحب از سکندر پور ضلع بلیا ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ مسئلہ ذیل میں کہ اگر زمین اس صورت میں رہن کی کہ اسکی مالگذاری خود ہی ادا کرے نہ صاحب زمین۔ تو اس صورت میں اس زمین سے نفع حاصل کر سکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اس کیلئے کوئی جیلہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینو اتوجروا

الجواب :- اگر وہ زمین کاشتکار سے لی ہے۔ اور کاشت کرتا ہے۔ اور مالگذاری زمیندار کو ادا کرتا ہے۔ تو اس میں کچھ قباحت نہیں ہے کہ یہ حقیقتاً رہن نہیں۔ بلکہ کاشتکار کا اجارہ فسخ ہو گیا۔ اور یہ مرہن مستاجر ہوا اور اس کے روپے کاشتکار پر قرض ہیں۔ اور اگر زمیندار یعنی مالک نہیں

سے رہن لیتا ہے، تو نفع حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر معاوضہ نہ دے تو سود ہے اور لگان ادا کرے تو اجارہ ہے۔ اور اجارہ و رہن مجتمع نہیں ہو سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ از بریلی شریف ڈاکخانہ انبریٹ نگر ساکن صالح نگر مرسلہ جناب حاجی کفایت حسین صاحب ۷ شعبان المعظم ۱۲۷۷ھ۔ (۱) رہن کی کیا تعریف ہے؟

مسئلہ (۲) زید کے پاس ایک کھیت ہے جس کا لگان زمیندار کو مثلاً روپیہ سال ادا کرتا ہے اب بکر نے زید کو عرصہ نقد دیئے اور کہا کہ زمیندار کو لگان عہ سال ہم ادا کرتے رہیں گے ہ پانچ سال تک بعد پانچ سال کے تم کھیت کے مستحق ہو جاؤ گے، اور ہمیں سال کا نفع ہو جائیگا لہذا ان عرصہ روپے کی کیا تعریف ہے؟

مسئلہ (۳) زید ایک کھیت جس کا لگان عہ سال ادا کرتا ہے اب بکر زید کو بسبب ضرورت کے عرصہ روپیہ نقد دیتا ہے اور یہ شرط کرتا ہے کہ پانچ برس تک لگان زمیندار کا ادا کرتا رہو لگان بعد پانچ برس کے میری عرصہ روپے تم کو ادا کرنے پڑیں گے ورنہ چارہ جوں کر نا پڑے گی اور کھیت کے تم مستحق بغیر روپیہ دیئے ہوئے نہیں ہو گے، لہذا اس روپیہ کی کیا تعریف ہے؟

الجواب (۱) جس شخص کو کچھ قرض دیا ہو اپنے قرض کی مضبوطی کیلئے اس کی کسی چیز پر اس نے قبضہ کرنا کہ اگر اس سے دین وصول نہ ہو گا تو بذریعہ اس چیز کے وصول کیا جائے گا اس کو دین کہتے ہیں اور اگر رہن صحیح ہو تو تمہیں اس چیز سے نفع حاصل نہیں کر سکتا کہ یہ سود و حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لہ تنویر الابصار و درختار میں ہے۔ جو جس شئی مالی بحق یکن استیفاءۃ منہ کال دین حقیقۃً أو حکارۃً منہ لکھ درختار میں ہے۔ لا الانتفاع به مطلقاً باستخدام ولا سکني ولا بیس ولا اجارۃ ولا امارۃ سواء کان من مرتہن أو راہن۔ رہن سے کسی طرح کا انتفاع نہ مرتہن کے لئے جائز ہے اور نہ ہی راہن کے لئے لہٰذا تو رہن سے خدمت لے سکتا ہے، نہ رہن میں سکونت اختیار کر سکتا ہے، نہ پین سکتا ہے، نہ ہی اجارہ یا عاریت میں رہن کو لیا دیا جاسکتا ہے۔

لکھ حدیث میں ہے۔ کل قرض جر منفعة فهو ربا۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مصباح

ج (۲) یہ صورت ناجائز نہیں ہے کہ پانچ سال کا پٹہ ہے اور پانچ سال میں ختم ہو جائے گا اور کھیت کھیت والے کو مل جائے گا اور یہ رہن نہیں - واللہ تعالیٰ اعلم

ج (۳) شرعاً کھیت کا مالک زمیندار ہے کاشتکار نہیں اور یہ زمین چونکہ کاشتکار نے رکھا ہے اور زمیندار کی اجازت سے نہیں ہے لہذا یہ رہن نہیں ہے، بجز کاروپہ کاشتکار اول پر ہے اور بجز اسکی جگہ کاشتکار ہے زمیندار کو لگان ادا کرتا ہے اور کھیت پر تصرف کرتا ہے یہ ناجائز نہیں واللہ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ سید ضمیر الدین احمد صنا ازالہ آباد محلہ دارالکج ۲ جمادی الآخرہ ۱۲۹۹ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان ایک مہاجن کے یہاں آٹھ سو روپیہ میں گروی رکھا اسکا سود بڑھ کر ایک ہزار ہو گیا بجز کہتا ہے کہ سود تمہارے اوپر بڑھتا جاتا ہے لہذا میں ایک ہزار دیکر مکان کو چھڑاؤں تاکہ تمہاری جائیداد بچ جائے مگر اسکا کرایہ مجھکو معاف کر دو یعنی جو کرایہ آتا ہے میں لیا کروں جب تم میرا روپیہ ادا کر دو گے تمہارا مکان واپس کر دو نگاتو ایسی صورت میں اگر زید کی یہ کہتا ہے کہ سود تو نہ ہو گا یا اگر کوئی صورت جس میں کہ بجز اس مکان سے فائدہ اٹھا سکے اور سود نہ ہو مطابق شرع ہو سکتی ہے ؟

الجواب :- رہن رکھ کر اس کا کرایہ وصول کرنا یا اس سے اور قسم کے منافع حاصل

کر ناجائز نہیں، حدیث میں ہے کل قرض جرم منفعۃ فہو ربہا - واللہ تعالیٰ اعلم ۱۳۵۵ھ

مسئلہ :- عبدالکریم ازبھرہ پٹن کلاب صدر خشی لین، محمد اسلام میا کی باڑی ۲۲ محرم الحرام کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ کاشتکاروں سے رہن لینا کیسا ہے یعنی ایسا کاشتکار جو زمیندار کو لگان دیتا ہو اور اسکو اس زمین کا ملک تمام حاصل ہو حتی کہ فروخت بھی کر سکتا ہو زمیندار اس سے کبھی زمین واپس نہیں لے سکتا ؟

الجواب :- کاشتکار زمین کا مالک نہیں ہے مالک زمیندار ہے اور کاشتکار اجیر ہے اور کاشتکاری کو شرعاً بیع نہیں کر سکتے کہ یہ مال نہیں ہے مگر اس زمین کو رہن لینا جائز ہے - واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ ازالہ آباد مدرسہ سبحانیہ مدرسہ مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن صاحب مدرس
زمیندار خود اسکو رہن رکھے اگرچہ وہ رہن باطل ہے مگر اس سے نفع حال کرنا زمیندار
کو جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب۔ اگرچہ سوال میں تصریح نہیں ہے کہ زمیندار رہن ہے یا نہ رہن، مگر
بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رہن ہے اور چونکہ زمیندار خود مالک زمین ہے لہذا یہ رہن صحیح
نہیں ہے، آتا ہوا کہ زمیندار کو زمین پر قبضہ کی قانونی ممانعت تھی اس رہن کے ذریعے سے
قابلض ہو سکے گا اور شرعاً چونکہ زمیندار مالک تھا اور بلاذن شرعی کاشتکار اس پر قابلض تھا
یہ قبضہ زمیندار کو رہن کے ذریعے سے حاصل ہوا اس میں نام اگرچہ رہن کا ہے مگر شرعاً اسکی
ملک اس کے قبضہ میں آگئی یہ قبضہ مالکانہ قبضہ قرار پائیگا اور اسی زمین سے وہ ہر طرح کے منافع حاصل
کرنے کا مجاز ہے۔ خود بھی کاشت کر سکتا ہے اجارہ پر بھی دے سکتا ہے۔ وہ تو تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ از مکو لپور بریلی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے
ایک دکان قیمتی الراس عمر کے پاس بعوض بمبلغ ۵ روپیہ کے دخلی رہن کی یہ شرط قرار پائی
کہ زید اس دکان کو اگر دو سال کے اندر روگاذاشت کرالیکا تو کرا سکتا ہے ورنہ وہ بعد انقضائے
میعاد بمنزلہ بیع مقصور ہوگی اور عمر بعد گزرنے کے روپیہ زر رہن کے رسامہ اور دیدیگا۔ مگر زید بعد
انقضائے میعاد تک اسے رہن نہیں کرایا، لہذا حسب شرط عمر پر بقیہ زر قیمت واجب ہوتا ہے
یا نہیں دو امور دریافت طلب ہیں (۱) دخلی رہن جبکہ مرہن اسکے کرایہ سے مفاد حاصل کرلے
جائز ہے یا نہیں یا وہ زر کرایہ سود مقصور ہوگا (۲) مذکورہ بالا صورت میں بیع نافذ ہوگی یا نہیں؟ بیاد اور
الجواب (۱) دخلی رہن ناجائز و حرام ہے اور مرہن جو کرایہ لیگا وہ سود ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم
(۲) اولاً تو وہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور وہ مرہن گزرنے پر اس رہن کو بیع بلکہ بمنزلہ بیع مقصور
ہونے کو کہتا ہے۔ جو کسی طرح عقد بیع نہیں ہو سکتا اور بیع ہونا لکھنا جب بھی صحیح نہیں، یہی کہ بیع کی

تعلیق ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ مولوی سید غلام جیلانی صاحب صدر مدرس ستر اسلامیت فتح آباد سید الاخر ۱۳۵۵ھ

کسی ہندو یا عیسائی کا مکان رہن رکھ کر زمین کو اس سے انتفاع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- جائز ہے جبکہ انہیں تک محدود رکھے اگر خدا نخواستہ اسکی عادت پڑ جائے کہ

مسلمانوں سے بھی اسی طرح کے معاملے کرنے لگے تو ناجائز و حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ مولوی عبدالغفار صاحب مدرس مدرسہ عربیہ علمیہ اندرون خانقاہ شریف

موضع سرکائی ڈاک خانہ سنگانہ ضلع مظفر پور

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین

مسئلہ ذیل میں (الف) زید ایک خطہ زمین کا مالک ہے جسکی سرکاری مالگذاری براہ راست دفتر گورنمنٹ میں جمع کرتا ہے۔ (ب) اور عمرو نے ایک خطہ زمین کو مالک زمین سے دو چار سو روپیئے نقدی دیکر اور شرح مالگذاری پانچ یا سات سو روپیئے سالانہ مقرر کر کر حبشتری کر لیا جس کو عرف عام میں کاشت کہتے ہیں۔ جس زمین کو عمرو ہر طرح کام میں لاسکتا ہے۔ اب مالک زمین کا تعلق اس زمین سے صرف شرح معینہ سالانہ سے رہتا ہے۔ زمین پر کسی طرح قابض نہیں ہو سکتا ہے۔ اب عمرو کو اختیار ہوتا ہے کہ اس کو بیچ کر دے یا اپنے پاس رکھے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان دونوں قسم کی زمین کو بکری بطور رہن کے دو چار سو روپیئے دیکر اس شرط پر حبشتری کرتا ہے کہ اس زمین کی جو شرح مالگذاری ہے اسکو میں ہی دونگا۔ اور جس وقت تم میرا روپیہ دیدو گے میں زمین چھوڑ دوں گا۔ تو اس قسم کی زمین یعنی جائز ہے یا نہیں۔ سلیم کہتا ہے اس قسم کی زمین یعنی جائز نہیں ہے اگرچہ بکری شرح مالگذاری دینے پر راضی ہے مگر بچہ بھی سود ہے؟ بینو اتوجروا

الجواب :- کاشتکار جس کے قبضہ میں زمین ہے۔ وہ نہ زمین کا مالک ہے نہ اس

زمین کو بیچ سکتا ہے۔ وہ حقیقتاً مستاجر اور کرایہ دار کی حیثیت رکھتا ہے کہ زمیندار کو اجرت یعنی لگان ادا کرے اور اس میں کاشت کر کے منفعت حاصل کرے۔ یہ حیثیت جو قانون انگریزی

میں اسکو دی گئی ہے کہ زمیندار اس زمین کو نہ نکال سکے۔ یہ شرع کی رو سے درست نہیں لہذا بغیر اجازت زمیندار اس زمین کو کاشتکار زمین نہیں رکھ سکتا۔ اگر اس نے کسی کے پاس بطور رہن یہ زمین رکھ دی۔ تو حقیقتاً رہن نہیں کہ مرہن کو اس سے انتفاع جائز نہ ہو اور سود ٹھہرے۔ البتہ مرہن کو مالک زمین یعنی زمیندار سے اجازت لینا چاہیئے، اور یہ کہ بدینا چاہیئے کہ فلاں زمین کی کاشت میں کروں گا۔ اور لگان ادا کرتا ہوں گا، اگر زمیندار نے اجازت دیدی اگرچہ یہ اجازت زبانی ہو تو اب مرہن شرعاً کاشتکار ہو گیا اور زمین کی پیداوار اور اس سے نفع حاصل کرنا اس کے لئے حلال ہو گیا، اور خود زمیندار نے کسی کے پاس زمین رہن رکھی تو یہ حقیقتاً اور شرعاً رہن ہے اس سے مرہن کو نفع اٹھانا درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ السَّرْقَةِ

مسئلہ :- مرسلہ مولوی قادر بخش صاحب از چوہدر کوٹ تحصیل بارکھان ملک بلوچستان غرہ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰
اگر کسی سرقہ کر دے بعد نام شدہ انہوں اگر سارق باللفظ صریح گوید کہ فلاں چیز من در دیدہ ام شہر مبارک و گرفتار شود۔ و خواہد کہ قیمت مسروقہ بمالک می دہم و اصل چیز از دست برفت۔ و لیکن چون قیمت بمالک می دہم و ایفاء کند ظاہری گوید کہ ایس قیمت در مقابلہ فلاں چیز بہت کہ شہر مبارک شود۔ و در یکسو جا قیمتش ادا نمی خواہد کرد۔ اگر بایں طریقہ قیمت مال مسروقہ ادا کند۔ آیا گردش بر ذریعہ قیامت برہاگردد۔ یا نہ یا لازم است کہ ظاہر گفتہ ادا کند تا از گناہ پاک شود۔ ہرچہ حکم شرع شریف باشد تحریر فرمایند؟

الجواب :- چون اصل شئی فوت شدہ قیمتش ادا کند۔ و ایں لازم نیست کہ ظاہر کند و گوید کہ ایں قیمت اس چیز است کہ در دیدہ ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لے محض از ادائیگی مال مسروقہ بمالک، سارق از گناہ سرقہ پاک نمی شود۔ زیرا کہ سرقہ گناہ کبیرہ است کہ بے توبہ صحیح از دے بری نمی شود۔ پس بر سارق لازم است کہ از فعل سرقہ توبہ کند۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مصباحی

کتاب الوصایا

مسئلہ :- مسئلہ بہادر وغیرہ محلہ اعظم نگر بریلی ۲۷ صفر ۱۳۲۲ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع امتین اس مسئلہ میں کہ ہم پنجان کے
 پاس سیف اللہ و غلام نبی و سلیمان اور علاوہ ان کے چند اشخاص آکر کے ہم نے الہی بخش کی والدہ
 کو چندہ کر کے دیا تھا، واسطے خرچ خانہ کعبہ کے، وہ راہ میں فوت ہو گئیں، اور وقت انتقال
 انھوں نے وصیت کی کہ میرا اسباب دروپیہ جو کچھ ہے وہ سب راہ خدا میں صرف کر دیا جائے
 تاکہ مجھ کو ثواب ملے، اور جن کے سامنے وصیت کی تھی ان کا نام بھی درج ہے، مسماۃ بخش و حبیبہ
 ان کے اوپر حلف رکھا گیا کہ تم سچ کہو کہ مسماۃ نے وقت مرنے کے کیا کہا تھا۔ انھوں نے حلفیہ
 کہا کہ ہمارے سامنے مسماۃ نے کہا تھا کہ میرا دروپیہ راہ خدا میں خرچ کر دینا جو کچھ روپیہ تھا اسکے
 پاس وہ وہاں راہ خدا میں صرف کر دیا اور ٹکے کا مبلغ سے الہی بخش کے پاس واپس آیا
 انہی بخش کہتا ہے کہ وہ میرا حق ہے اور اوپر جو نام تحریر کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ روپیہ راہ
 خدا میں خرچ کر دیا جاوے۔ آیا ہم کو اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ بینواتو جروا

الجواب :- اس معاملہ کے متعلق فقیر سے چند بار سوال ہوئے، اس سے قبل
 دوبار تحریری سوال آئے اور کئی مرتبہ زبانی، مگر صورتیں نئی نئی پیش ہوئیں، پہلی مرتبہ
 الہی بخش کے ماموں نے سوال کیا کہ مسماۃ کا ترکہ کس کو ملے گا جب انھیں یہ لکھ کر دیا گیا کہ صرف
 لڑکے وارث ہیں تو انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم مسجد میں دینا چاہتے ہیں، ان سے
 کہہ دیا گیا کہ تم کو کوئی حق نہیں، پھر الہی بخش سوال لایا کہ اہل برادری جبراً اس روپیہ کو مسجد
 میں دینا چاہتے ہیں نہ دینے پر اسے خارج از برادری کر دیا۔ اس کا بھی جواب دے دیا کہ

جبرائیلؑ جائز نہیں، اور اس بنا پر برادری سے بند کرنا بھی ناجائز اس وقت تک وصیت کوئی
 ذکر نہ تھا۔ اب یہ وصیت کی صورت پیدا ہوئی، اگر عورت نے وصیت کی تھی تو پیشتر اس کا
 اظہار کرنا تھا، مفتی صورت مستفسرہ کا جواب دینا اگر خلاف واقع سوال کر کے اپنے مطلب کے
 موافق جواب لیا جائے تو قیامت کے مواخذہ سے رہائی نہوگی بلکہ دو جرم ہیں، اہل برادری پر
 لازم ہے کہ جو سچی بات ہو اسکے موافق عمل کریں ایسا نہ ہو کہ مخالفت اور ضد میں اپنے ذمہ آخرت
 کا وبال مول لیں، اب اس صورت سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر عورت نے وصیت کی ہو تو جو کچھ
 مال چھوڑا یعنی نقد یا سامان ان سب کو تین حصہ کریں ایک حصہ خیرات کر دیا جائے اور دو حصہ
 دونوں لڑکوں کو دیئے جائیں۔ اب جو کچھ پیشتر خیرات کیا گیا اگر پوری تہائی ہے، فہا در نہ اگر
 کم ہے تو جو کچھ کی ہے اب خیرات کریں اور اگر تہائی سے زیادہ خیرات کیا تو جتنا زیادہ کیا، وہ خیرات
 کر نیوالا لڑکوں کو واپس دے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا۔ الثلث والثلث کثیر۔ یہ اس صورت
 میں ہے کہ وصیت کا ثبوت ہو اور ثبوت نہ ہو تو کچھ لازم نہیں اور ثبوت کیلئے دو مرد یا ایک مرد
 اور دو عورتیں چاہئے جو فاسق و فاجر نہ ہوں، اور یہاں ایک مرد اور ایک عورت ہے اور اس مرد
 کی نسبت سنا گیا کہ بے نمازی ہے اگر ایسا ہے تو اسکی گواہی قابل قبول نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ۔ مسئلہ قمر الدین ساکن کچھ ضلع نینی تال ۲۹، صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے وصیت کی کہ میرے بعد میری
 جائداد میری دونوں لڑکیوں کو نصف نصف دی جائے بھائیوں کو یا ان کی اولاد کو کچھ حصہ نہ دیا جائے
 یہ وصیت نامہ قابل سماعت ہے ؟

الجواب۔ یہ وصیت کہ زید نے اپنی دو لڑکیوں کیلئے کی بغیر اجازت دیگر ورثہ نافذ
 نہ ہوگی حدیث میں ہے ان الله اعطى كل ذي حق حقه الا وصية لوارث۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ مسئلہ حامد حسن معرفت جناب غریزا محمد ملوکپور۔ بریلی ۵ شعبان ۱۳۲۲ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی چار بیویاں

ان سے چھ بچے ہیں پہلی بیوی سے ایک لڑکا دوسری بیوی سے ایک لڑکا تیسری بیوی سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی چوتھی بیوی سے دو لڑکے تیسری اور چوتھی بیویاں حیات میں۔ زید نے ایک وصیت نامہ لکھا جس میں تحریر کیا کہ فلاں فلاں جائیداد فلاں فلاں لڑکے کو ملے اور لڑکی کے واسطے جو کہ نابالغ ہے اسکی شادی کیلئے کچھ روپیہ اور ایک مکان زید نے تحریر کیا۔ اسکے بعد زید نے انتقال کیا پھر لڑکی نے زید سے ایک سال بعد انتقال کیا لڑکی مرنے کے بعد وصیت نامہ پر اقرار نامہ ورنہ کی طرف سے لکھا گیا اس میں چند ورثہ نابالغ ہیں اور چند ورثہ بالغ ہیں نابالغوں کی طرف سے سوتیلے بھائی نے اقرار کیا۔ اقرار نامہ سے پیشتر نابالغ لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ پس ایسی صورت میں لڑکی کو کتنا حق پہنچے گا۔ اور یہ حصہ حقیقی بھائی اور والدہ کو پہنچے گا یا کل ورنہ پر تقسیم ہو گا جائیداد کل ؟

اجواب :- بیان سائل سے معلوم ہوا کہ زید نے اپنے کل مال کی وصیت کی اور جو وصیت تمہائی سے زیادہ کی ہو وہ اجازت ورنہ پر موقوف رہتی ہے جبکہ وہ بالغ ہوں نابالغ نہ خود اجازت دے سکتا ہے۔ نہ اسکی طرف سے دوسرا حدیث میں ہے۔ الثلث والثلث کثیر۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ولا تجوز بمانراد علی الثلث الا ان یجوز ہ الورثۃ بعد موتہ و ہم کبار ولا معتبر باجائز تمہم فی حال حیاتہ کذا فی الہندیہ۔ اور یہ وصیت کہ زید نے کی اگر کل مال کی نہوتی جب بھی اجازت ورنہ پر موقوف ہوتی کہ یہ وارث کیلئے وصیت ہے اور کسی وارث کیلئے وصیت بقیہ ورنہ کی اجازت پر موقوف رہتی ہے۔ جائز کر دینگے تو جائز ہے اور رد کر دینگے تو باطل، حدیث میں فرمایا۔ ان الله قد اعطى كل ذي حق حقه الا لامرئیت لوارث۔ اور ورنہ میں بعض بالغ نہیں بعض نابالغ تو صرف بالغین اپنے حصہ میں وصیت کو جائز کر سکتے ہیں نابالغ نہ خود جائز کر سکتے نہ سوتیلے بھائی جبکہ اس وصیت میں نابالغوں پر کچھ ضرر پڑتا ہو کہ وصیت کے مطابق کم ملتا ہے اور فرائض کے مطابق تقسیم ہو تو زیادہ ملے گا کہ اس صورت میں نابالغوں کا کھلا ہوا ضرر ہے اور ولایت کا منشاء نفع پہنچانا ہے نہ کہ ضرر۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

لا تجوز الوصیۃ للوارث عندنا الا ان یجیزها الوراثۃ۔ نیز اسی میں ہے ولو اجاز البعض و رد
البعض یعجز علی المجیز بقدر حصّته وبطل فی حق غیرہ کذا فی الکا فی و فی کل موضع
یحتاج الی الاجازۃ انما یعجز اذا کان المجیز من اهل الاجازۃ نحو ما اذا اجازہ وهو
بالغ عاقل صبیح کذا فی خزائنہ المفتین۔ لڑکی کو اٹھاسی سہام سے سات سہام ملینگے اور
لڑکی کے مرنے کے بعد یہ سہام اسکے حقیقی بھائی اور ماں کو ملین گے، سوتیلے بھائی کا ان میں
کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مسئلہ محمد خواجہ میاں صاحب انڈنس جنرل مرچنٹ و کمیشن ایجنٹ
بنگلور۔ ۱۰ اصفہر ۱۳۳۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی
حیات ہی میں اپنی لڑکی کو عروسے شادی کر کے دیا۔ وہ لڑکی دق کی بیمار تھی چند دن کے بعد زید
انتقال کر گیا بعد چند دن کے زید کی لڑکی کو جو شادی عروسے کے کر دیا تھا لڑکا تولد ہوا۔ بچہ تھوڑی دیر تک
یعنی دس گھنٹہ زندہ رہا مگر انتقال کر گیا۔ زید کی لڑکی اپنی حیات ہی میں اپنا مہر گواہوں کے رو برو
اپنے ہوش و حواس کیساتھ رہتے ہوئے عروسہ کو معاف کر دی ہے ثبوت کیساتھ اور وصیت بھی کی ہے
کہ مرنے کے چند دن آگے میں بیمار تھی سو معلوم رہ کر میرے والد و والدہ سب ملکر بیاہ کر کے دے
تم سب میرے واسطے تکلیف اٹھاتے ہیں اتنے دن سے روپیہ خرچ کر رہے ہیں مجھے امید نہیں ہے
اچھی ہونی کی اگر ویسا کچھ ہو گیا تو جو کچھ خرچہ ہوا ہے میری بیماری میں دوا کا وہ میرے مال میں سے لینا
بچت رہا تو میرے بعد میرے نام پر خرچہ کر دینا کر کے۔ ایک دمڑی بھی میرے ماں بھائیوں کو نہیں
دینا (ماں کے گھر جانے سے نفرت تھی) اور جو کچھ مال دہاں پر ہے وہ بھی منگوا لینا کر کے۔ مرحومہ
اپنے سسر سے دو چار آدمیوں کے رو برو میں کہہ گئی ہے۔ بعد چند دن کے زید کی لڑکی انتقال
کر گئی ہے۔ آیا اس صورت میں مطابق شریعت زید کی لڑکی جس کو زید اپنی حیاتی میں عروسے
بیاہ کر دیا تھا زید کی ملک میں منقولہ وغیرہ منقولہ میں حقدار ہو سکتی ہے یا نہیں۔ و نیز زید کی لڑکی

کو زید کی طرف سے دیا ہوا مال زیورات و کپڑے وغیرہ اور لڑکی کے سسرال کی جانب سے دیئے ہوئے زیورات و کپڑے وغیرہ میں زید کی لڑکی کے انتقال کے بعد اسکے ورثہ کو کون کون حقدار ہیں ورثہ یہ ہیں عمرو یعنی لڑکی کا شوہر۔

زید کی عورت یعنی لڑکی کی والدہ تین بھائی دو بہنیں ہیں لہذا بیماری کی صورت میں بیاہ کر دینا جائز ہے یا نہیں اور حصہ جس جس کو جو پہنچتا ہے تقسیم کیسا تھا از روئے شریعت بیان فرما کر اجرا دیں ؟

الجواب :- عورت کا مہر معاف کرنا اگر ایسی حالت میں ہو کہ اس وقت مرض کی زیادتی ظاہر ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اب تھوڑے دنوں میں مرجائے گی تو اس کیلئے یہ حالت مرض الموت قرار پائیگی کہ دق و سل امراض مزمنہ میں جب تک ایسی حالت پیدا نہ ہو مرض الموت نہیں قرار دیا جاتا جب کہ وہ مرض پورے ایک سال تک رہا۔ درر و غر میں ہے۔ المقعد والمفلوج والاشلل والملول ان طال مدته سنة کا یصح والا فکالمریض یعنی ان ہذا امراض مزمنہ فمن عرض له واحدا منها وتصرف بشئ من التبرعات ثم مات قبل تمام سنة مشتملة علی الفصول الاربعة کان المرض مرض الموت فتعتبر تصرفاته من الثلث وان مات بعد تمامها لم یکن مرض الموت لانه اذا فی الفصول التي کل منها مظنة الهلاک صار المرض بمنزلة طبع من طبائعه وخرج صاحبه من احکام المریض حتی لا یشتغل بالتداوی منها شرعاً لیه میں ہے۔ کذا فی فسر الطول بسنة فی الغایة وقید هذا فی الخلاصة بما اذا لم یتغیر حاله فقال اذا طال به المرض ویغاف علیه الموت کالفاج والشلل اذا کان نرمانا ومقعداً او یابس الشق فہذا لا یكون حکم المریض الا اذا تغیر حاله من ذالک ومات من ذالک التغیر فما فعل فی حالۃ التغیر یعبر من الثلث اھ۔ لہذا اگر ایسی حالت میں معاف کیا اور اسی تغیر سے وہ مر گئی تو مہر معاف نہ ہو کہ معنا فی کیلئے مرض الموت نہ ہونا شرط ہے۔ فتاویٰ علمگیری میں ہے۔ ولا بد فی معة حطہا من الرضا حتی لو کانت

مکروہتہ لم یصح ومن ان لا تكون مریضۃ مرض الموت فکذا فی البخاری رائق۔ شوہر نے علاج میں عورت پر جو کچھ خرچ کیا ہے اگر یہ بطور تبرع و احسان تھا تو اس کا معاوضہ نہیں پاسکتا اور اگر کہہ دیا تھا کہ علاج کے مصارف عورت سے لیگا تو جو کچھ خرچ ہوا ہے لے سکتا ہے کہ یہ معاوضہ شوہر کے ذمہ واجب نہیں علمگیری میں ہے۔ ولا یجب الداء للمرض۔ جہیز میں عورت کو جو کچھ زیور کپڑے وغیرہ باب کے یہاں سے ملادہ سب عورت کی ملک ہے رد المحتار میں ہے کل احد یعلم ان البہار ملک للمرأة۔ اور زیورات جو چہرہ پر لگائے ہیں شوہر کے یہاں سے گئے اس میں وہاں کا عرف اور چلن دیکھا جائیگا اگر وہاں کا عرف یہ ہے کہ عورت مالک ہوتی ہے جیسا کہ یہاں شرفا میں یہی رواج ہے تو ملک عورت ہے اور اگر شوہر کی ملک مانی جاتی ہو اور محض زینت کیلئے عورت کو دیتے ہوں تو ملک شوہر۔ اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ دیتے وقت کچھ نہ کہا ہو اور اگر کہہ دیا گیا کہ ملک عورت ہے یا ملک شوہر تو جو کہہ دیا وہ ہے زید کے مرنے کے بعد یہ لڑکی بھی زید کی وارث ہے اور زید کی جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ سے اسے ۲/۳ سہام سے سات سہام ملینگے اور یہ سات سہام اور جو کچھ اپنی ملک کے زیورات دیا چہ جات اور ہر قسم کے سامان جو اسکی ملک میں ہیں ان سب کو از تالیس سہام پر تقسیم کر کے چوبیس سہام شوہر کو ملیں گے اور آٹھ ماں کو اور چار چار بھائیوں اور دو دو بہنوں کو ملیں گے۔ اور بیماری کی حالت میں جو نکاح ہوا وہ نکاح صحیح ہے اور لڑکی نے جو وصیت کا رخیر میں صرف کرنیکی کی ہو وہ تہائی ماں باری ہوگی۔ واللہ اعلم

مسئلہ:۔ از ضلع راولپنڈی تحصیل گوجر خاں ڈاکخانہ سکھو موضع مرادی جنجیل فرسہ مولوی مردانعلی مار صفر ۱۲۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین دریں مسئلہ کہ منظر ایک مسکین مسلمان صاحب جائداد ہوں منجملہ کل جائداد کے ایک مکان سکونتی بمعہ ایک کوٹھری و برائڈ کے تخمیناً تیس گناں یا کچھ کم و بیش اراضی یہ جائداد پدری میں سے ہے علاوہ ایک مکان پوشی والا متصل مسجد نترخانہ جسکا خانہ شماری ۶۲ ہے وہ اور دیگر کل زمین میری خود پیدا کردہ جائداد ہے

یعنی زمین اپنی خرید کردہ اور مکان اپنا تعمیر کردہ ہے اور کچھ گھر کا سامان وغیرہ جو کچھ ہے۔ یہ سب میرا خرید کردہ ہے۔ اب میرے وارث حسب ذیل ہیں۔ بیٹا کوئی نہیں۔ دو بیٹیاں ہیں دو حقیقی اور ایک غلاتی یہ تین بھائی ہیں ایک بہن یہ چاروں اپنے اپنے جائیداد پر علحدہ قابض ہیں، باپ دادا نانانی سب عورت فوت ہو چکی ہیں۔ اور چونکہ رواج ملک کا قرآن کریم کے برخلاف ہے اور میرا ایمان قرآن کریم پر ہے۔ لہذا بموجب حکم الہی یہ ثبوت آیات مجید جتنا جتنا حصہ وارثان موجود کو پہنچتا ہے اور جتنا حصہ مجھ کو اپنے ماتم پر خرچ کرنے کی وصیت کرنا جائز ہے۔ تحریر فرماؤں تاکہ اپنی زندگی میں بموجب حکم الہی وصیت کر جاؤں کہ اس معاملہ میں بروقت مجھے باز پرس نہ ہو؟

الجواب:- ایک ثلث مال میں وصیت جاری ہوگی۔ اور اس سے زیادہ کی وصیت کی تو اجازت ورثہ پر موقوف ہوگی۔ اگر اجازت دیدیں تو جائز ہے ورنہ تہائی سے زیادہ باطل مرنے کے بعد مجبوز تکفین و دیون و وصیت کے بعد جو کچھ مال باقی رہے اس کے تین حصے اس صورت میں ہوں گے ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو اور ایک حصہ میں دونوں حقیقی بھائیوں کو ملے گا۔ اور غلاتی بھائی بہن محروم ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ یُؤْتِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْ اَوَّلِ دَکُمُ لِلَّذِکُمْ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثٰیْنَ فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَلَهُنَّ النِّصْفُ۔ اور لڑکیوں کو ترکہ سے محروم کر دینا اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے اور رسوم ہنود و کفار کی پابندی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ کفار کے طریقہ سے اجتناب کریں۔ اور اللہ و رسول کے حکم پر چلیں اور اگر معاذ اللہ لڑکیوں کے حصہ کو حق نہ جانا اور اس پر ایمان نہ ہو تو ایمان ہی ہیں کہ یہ کفر ہے۔ اور حق ماننا ہو مگر شامت نفس سے نہ دیتا ہو تو گناہ کبیرہ و استحقاق عذاب حق العبد میں گرفتار ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالِکُمْ بَيْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَدْلُوْا بِهَا اِلَى الْعٰکَمِ لِتَاْكُلُوْا اَقْرَبَیْقًا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اور اگر لڑکیاں یتیم ہیں تو یتیموں کا مال کھانا پیٹ میں آگ بھرنے اور اس کی جزا جہنم کی آگ ہے فرماتا ہے ان الذین یا کلون اموال الیتیمی ظلمنا انہا یا کلون فی بطونہم نامرا و سیصلون سعیرا۔

جو لوگ یتیموں کے اموال بطور ظلم کھاتے ہیں بیشک وہ اپنے بیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور
عقرب جہنم میں داخل ہونگے۔ یہ تقسیم حواد پر مذکور ہوئی اس وقت ہے کہ بعد انتقال یہی
ورثہ ہوں ان میں کمی بیشی نہ ہو اور اگر انکے علاوہ کچھ اور ورثہ ہوں یا انہیں سے بعض کم ہو جائیں
تو تقسیم کی صورت بدل جائے گی۔ اپنے فاتحہ یا ایصال وغیرہ کی وصیت کرنا چاہتا ہے تو تہائی مال
میں کر سکتا ہے۔ اسے اختیار ہے مگر بہتر یہ ہے کہ جو نیک کام کرنا ہو اپنی زندگی میں کر جائے
کہ زندگی میں جو عمل خیر کا ثواب ہے وہ مرنے کے بعد کا نہیں۔ حدیث میں ہے کسی نے عرض کی
یا رسول اللہ ای الصدقة اعظم اجرا کس صدقہ کا زیادہ ثواب ہے قال ان تصدق وانت صبیح
شعیر تخشی الفقر وتامل الغنی ولا تمهل حتی اذا بلغت العلقوم قلت لفلان کذا و لفلان
کذا قد کان لفلان۔ فرمایا وہ صدقہ افضل ہے کہ تو سندرست ہے اور مال کا حرص ہے۔
محتاجی کا اندیشہ ہو تو نگرانی کی خواہش ہو اور اتنی دیر نہ کرے کہ جب جان گلے کو آجائے اس
وقت تو کہے کہ اتنا فلاں کو دینا اتنا فلاں کو دینا اور اب تو یہ فلاں (وارث) کا ہو چکا رواہ البخاری
ومسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہوا ان یتصدق
المراء فی حیوۃ بدراہم خیر لہ من ان یتصدق بہائۃ عند موتہ۔ زندگی میں ایک درہم
صدقہ کرنا مرتے وقت کے سو درہم کے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ رواہ ابو داؤد عن ابی سعید
الخدیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نماز روزہ جو قضا ہو گئے ہوں ان کو ادا کرے ان کو زندگی میں
ادانہ کرنا اور یہ خیال کرنا کہ مرنے کے بعد اسکا کفارہ ادا کر دیا جائے گا سخت حماقت ہے ہاں جو
رہ گئے کہ ادا نہ ہو سکے، یا شامت اعمال سے ادا نہ کرے تو مرتے وقت ان کے کفارہ کی وصیت
کر جائے، اور تہائی مال سے وصیت کا پورا کرنا ورثہ پر لازم ہے۔ قناعتی عالمگیری میں ہے۔
اذا مات الرجل وعلیہ صلوات فائتہ فاوضی بان تعطی کفارۃ صلواتہ یعطی لکن صلوات نصف صاع من
بر وللوتر نصف صاع وللصوم یوم نصف صاع من ثلث ماله وان لم یتبرک ما لا یتقرض
ورثتہ نصف صاع ویدفع الی مسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض ورثتہ ثم یتصدق ثم وشم

حتیٰ یتم لكل مسلواة ما ذكرنا كذا في الخلاصة وفي فتاوى اللجنة وان لم يوصي لورثته وتبرع
بعض الورثة بمحض - جب کوئی ایسا شخص مرجائے جس کی نمازیں فوت ہو گئی ہیں اور اس
نے یہ وصیت کی کہ اسکی نمازوں کا کفارہ دیا جائے اس کے تہائی مال سے - تو ہر نماز کے لئے
آدھا صاع گہوں دیا جائے - اور نماز وتر کیلئے بھی نصف صاع اور ہر روزہ کے مقابلہ میں
نصف صاع دیا جائے - اور اگر اس نے کچھ مال نہیں چھوڑا تو اس کے ورثہ نصف صاع گہوں
قرض لیں اور وہ کسی مسکین کو دیدیں - پھر وہ مسکین میت کے بعض ورثہ کو دیدیں - پھر وہ
وارث فقیر کو صدقہ کرے اسی طرح کرتے رہیں یہاں تک کہ ہر نماز کیلئے نصف نصف صاع
دینا مکمل ہو جائے کہ ایسا ہی خلاصہ میں ہے اور فتاویٰ حجبہ میں ہے کہ اگر اس نے وصیت
نہیں کی اور بعض ورثہ نے بطور تبرع ایسا کیا تو یہ بھی جائز ہے ، واللہ تعالیٰ اعلم

باب الموالات

مسئلہ :- از بریلی مدرسہ اشاعت العلوم بریلی معرفت انور خان
کیا فرماتے ہیں علمائے دین مقتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سکھوں نے لاہور
کی مسجد شہید گنج کو شہید کر دیا ہے ، جس سے تمام دنیا کے مسلمانوں کے دل دکھ رہا ہے - ہر مسلمان
کو سکھوں کے ساتھ ترک موالات یا موالات کرنا چاہیئے ؟ اور جو مسلمان سکھوں کو مالی امداد پہنچاتے
ہیں یعنی سکھوں کے سینما نماشاں میں روپیہ پیسہ دیتے ہیں وہ کیسے ہیں ان کے ساتھ
مسلمانوں کو کیسا برتاؤ چاہیئے ؟

اجواب :- موالات ہر کافر سے ناجائز و حرام ہے قرآن مجید میں مطلقاً اسکی ممانعت
وارد ہے اور ترک معاملات میں اگر مسلمانوں کا فائدہ ہو یہ بھی اچھی چیز ہے ، سینما دیکھنا
ناجائز ہے اور اس میں پیسہ خرچ کرنا خرچ بیجا و حرام ہے ، سکھوں نے مسجد شہید کر کے

مسلمانان عالم کو گمراہ نہ ہونچائی ہے وہ ظاہر ہے ایسے وقت مسلمانوں کی غیرت ملی کا یہی تقاضہ ہونا چاہیے کہ اس قوم کو جس نے مسجد کی اتنی شدید بے حرمتی کی۔ مالی مدد نہ ہونچائیں اور اپنی جلال کمائی کا پیسہ حرام طور پر ادا نہ کر دیکر اعانت نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب الشہید

مسئلہ:- از شہر کہنہ بریلی محلہ رٹری ٹولہ مرسلہ احمد یار خان

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شریعت متین

(۱) اس مسئلہ میں کہ صوبہ بہار میں جو مسلمان مشرکین کے ہاتھ مارے گئے اور گڑھ کے میلے میں بھی مارے گئے تو ان کو کوئی درجہ شہادت ملے گا یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی مسلمان شرابی یا زانی یا جوازی ہو اور وہ کافروں کے مقابلہ پر مسلمانوں کے ساتھ مارا جائے تو وہ درجہ شہادت کا پائے گا یا نہیں؟

الجواب:- (۱) صوبہ بہار یا گڑھ میں جو مسلمان قتل کئے گئے وہ یقیناً مظلوم تھے۔ اور مشرکین کے ہاتھ سے مارے گئے اور جو شخص ظلماً قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ حدیث میں

ارشاد فرمایا۔ من قتل دون دمہ فہو شہید۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) شراب خواری اور قمار بازی اور زنا کاری اشد کبائر سے ہیں مگر ان کی وجہ سے مسلمان

کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ یہ گناہ ان کے ذاتی افعال تھے اور کفار نے جو انھیں قتل کیا محض

اس وجہ سے قتل کیا کہ وہ مسلمان تھے لہذا ان کا یہ قتل کیا جانا شہادت میں شمار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الفرائض

مسئلہ :- مرسلہ عبداللہ از موضع درو۔ ضلع نینی تال۔ ۱۳ صفر ۱۳۴۱ھ
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بعد انتقال زید کے پانچ وارث رہے
باپ، زوجہ، ایک پسر، ایک دختر، ایک بھائی، لیکن بھائی باپ سے ایک اور ماں سے دو ہیں
بعد ایک سال کے زید کی زوجہ نے نکاح کر لیا۔ زید کے باپ نے مہر شرعی ادا کر دیا، اور اس عرصہ میں
زید کا لڑکا بھی فوت ہو گیا۔ اب کل زید کے چار وارث رہے۔ ماں زید کے باپ کے پاس ہے
اور لڑکی نابالغ ہے۔ اسکا ترکہ ماں کو دیا جائے یا دادا کو اور زید کے لڑکے کا انتقال ہوا تو صرفہ
بھی اسی جائداد سے ہوا۔ اب جو حکم شرع شریف کا ہو اس پر عمل کیا جائے۔ اور مع مہر کے
جواب تحریر فرمایا جائے۔ نہایت آسان الفاظ ہو چاہیے تاکہ سمجھ سکیں۔ ۹

الجواب :- اگر زید کسی کو کہہ گیا ہے کہ میرے نابالغ بچوں کا مال تو اپنے پاس
رکھنا تو اسکے پاس لڑکی کا حصہ رہے گا۔ ورنہ دادا اپنے پاس رکھیگا اور لڑکے کے انتقال میں
جو کچھ تجہیز و تکفین میں موافق سنت کے خرچ ہوا ہے وہ اسکے حصہ میں سے دیا جائیگا۔ اور
باقی اس کی ماں اور بہن اور دادا کو ملیگا۔ اور تجہیز و تکفین کے علاوہ جو کچھ خرچ ہوا۔ وہ جس نے
خرچ کیا وہ دے۔ اور زید کی بی بی بھی زید کی وارث ہے علاوہ مہر کے اپنا آٹھواں حصہ
پائے گی۔ نکاح کرنے کی وجہ سے ترکہ سے محروم نہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۳۴۱ھ

مسئلہ :- مرسلہ سلطان علی خان دکاندار چوب عمارتی سبھان نگر لکھنؤ، ۲ ربیع الاول
کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔ زید نے اپنی
جائداد منقولہ و غیر منقولہ اور ایک زوجہ ہندہ اور دو بیٹے عمر و دیگر کو چھوڑ کر انتقال کیا۔ اور

ہندہ نے زید کے مرنے پر دفن سے قبل اعزاء و اقارب کے سامنے اپنا دین مہر برنار و رغبت مسافر
کر دیا تھا پس اس صورت میں زید کے ترکہ سے کس کو کس قدر ملیگا ؟

مسئلہ :- ہندہ نے جائیداد متروکہ زید سے مبلغ چھ سو روپے اپنے ایک بیٹے عمرو

کو اپنی طرف سے حج ادا کرنے کیلئے دیا۔ پس یہ روپیہ ہندہ کے حصہ میں محسوب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :- حسب شرائط فرائض ترکہ زید کا سولہ سہام پر منقسم ہوگا دو سہام ہندہ کو

اور سات سات سہام دونوں بیٹیوں کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب :- ہندہ نے جتنے روپے اپنے بیٹے عمر کو اپنے حج بدل کے لئے ترکہ زید سے

دیا وہ سب ہندہ کے حصہ میں محسوب ہوں گے۔ دوسرے ورثہ پر اسکا کچھ اثر نہ پڑیگا۔ واللہ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ قاضی رحیم بخش شاہ از چتوڑ گڑھ میوڑ محلہ لوہارن ۵ جمادی الآخرہ ۱۲۸۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ابراہیم شاہ کے کئی لڑکے تھے عبد شاہ

سن شاہ، تاجو شاہ، عبد شاہ کا پوتا حسین بخش شاہ اور سن شاہ کا پوتا رحیم بخش شاہ موجود ہیں اور

تاجو شاہ کا لڑکا نظام الدین شاہ فوت ہوا اس کے پیچھے نہ عورت ہے نہ لڑکا نہ لڑکی نہ حقیقی بھائی

نہ بہن۔ متوفی نظام الدین شاہ نے جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ چھوڑی۔ عبد شاہ کے پوتے حسین بخش

نے متوفی مذکورہ کی تمام جائیداد پر قبضہ کر لیا اور یہ کہتا ہے کہ متوفی نے مجھے اپنا وارث بنایا ہے اور

اسٹانپ لکھ دیا ہے مگر اس کے وارث بنانے یا اسٹانپ لکھنے سے نہ تو رشتہ دار واقف ہیں،

نہ ہمسایہ نہ اہل محلہ۔ حالانکہ جس طرح رشتہ میں حسین بخش شاہ متوفی نظام الدین شاہ کا

پوتا ہے ایسا ہی رحیم بخش شاہ کے بھی ادا کے بھائی کا لڑکا ہوتا۔ ایسی حالت میں از روئے شرع شریف

دونوں وارث ہونگے یا ایک اور حصہ برابر ہوگا یا کم زیادہ اور یہ اسٹانپ جس سے کوئی واقف نہیں

رہتا ہے یا غیر صحیح ؟

الجواب :- سوال مجمل ہے سائل نے یہ نہیں لکھا کہ نظام الدین شاہ نے حسین بخش شاہ

کو جائیداد ہب کی ہے یا وصیت کی ہے اگر ہب ہے تو قبضہ بھی دلایا ہے یا نہیں۔ اگر قبضہ دلا دیا

تو سبہ تمام ہے ورنہ نام تمام جمع الانہر میں ہے و تتم الہبۃ بالقبض الکامل۔ اور اگر وصیت کی ہے تو بغیر اجازت دیگر ورنہ نافذ نہ ہوگی۔ حدیث میں فرمایا ان الله تعالى اعطى كل ذي حق حقه الا وصیة الوارث نیز جمع الانہر میں ہے ولا تصح الوصیة لوارث الا باجازۃ الوارثۃ۔ یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ نظام الدین شاہ نے اسے اپنی جائداد دی ہو اور گواہوں سے ثابت ہو اور نہ مجرد تحریر اسٹانپ کچھ قابل اعتبار نہیں۔ جب تک گواہوں سے ثبوت نہ ہو۔ اور وارث بنانا جو سوال میں لکھا ہے یہ کوئی شے نہیں کہ وارث تو وہ ہے جسے اللہ و رسول نے وارث بنایا جو کسی کے بنانے یا نہ بنانے کو اس میں دخل نہیں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ محمد احمد خان قادری ہیڈ ماسٹر فاکلٹی رڈ مینو سپل اردو اسکول بمبئی ۱۲/۲۳ جمادی الآخرہ ۱۴۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہو گیا اور اس کے وارثوں میں سے کوئی بھی وارث کسی درجہ کا زندہ نہیں ہے اور متوفی نے کچھ وصیت بھی نہیں کی، کیوں کہ اس کی موت اچانک واقع ہوئی ہے کیوں کہ متوفی نے اپنی جائداد غیر منقولہ اپنی زندگی میں مرنے سے بہت پہلے کسی سدر اسلامیہ کے نام وقف کر دی ہے لیکن جائداد منقولہ مثل زر نقد کسی ایک امین کے پاس متوفی کی زندگی سے امانت رکھا ہوا ہے سوال یہ ہے کہ اس زر نقد کو کس طرح اور کس مصرف میں صرف کیا جائے کہ متوفی کی روح کو ثواب پہنچے جواب مدلل تحریر ہو۔۔ مینو اتوجروا۔

الجواب:۔ ایسا مال حق بیت المال ہے مگر چونکہ ہندوستان میں بیت المال نہیں لہذا مسلمان بطور خود اس مال کو منصرف بیت المال میں صرف کریں۔ یعنی ایسے فقراء پر صرف کریں جن کا کوئی ولی نہ ہو کہ ان کا نفقہ اسکے ذمہ واجب ہو ان فقراء کے کھانے پینے میں اور بیمار ہوں تو ان کی دواؤں میں اور مر جائیں تو ان کی تجہیز و تکفین میں صرف کیا جائے درختار میں ہے و بقی رابع و هو لقطۃ و ترکۃ بلا وارث و دینۃ مقتول بلا ولی

ومصرفها لقيط فقير وفقير بلا وى ردالمختار میں ہے۔ قال فى البحر يعطون منه نفقتهم وادويتهم ويكفن به موتاهم ويعقل به جنايتهم اه نیز ردالمختار باب العشرین ہے۔ واما الرابع فمصرفه المشهور وهو اللقيط الفقير والفقراء الذين لا اولياء لهم فيعطى منه نفقتهم وادويتهم وكفنهم وعقل جنايتهم كما فى الزيامى وغيره وحاصله ان مصرفه

العاجزون الفقراء۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- مسئلہ شمار احمد صاحب ساکن کچھا ضلع نینی تال ۳۱ شوال ۱۳۰۱ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سسلی عظیم کا انتقال ہوا اس نے ایک زوجہ ایک بیٹا دو بیٹی اور دو حقیقی چچا زاد بھائی مسنی قمر الدین و جلال الدین وارث چھوڑے اسکے بعد لڑکے کا انتقال ہو گیا اب عظیم کی بیوہ کیسا تھ جلال الدین نے نکاح کر لیا اور جلال الدین کی پہلی عورت سے دو لڑکے تھے ایک کو اپنے بیوی کے پاس رکھا اور ایک اپنی دادی کے پاس تھا۔ چند روز کے بعد جلال الدین کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے دو بیٹے ایک والدہ ایک بھائی ایک زوجہ چھوڑی۔ زوجہ نے وقت وفات اپنا مہر معاف کر دیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس بیوہ نے اپنا عقد پھر ایک غیر شخص کیسا تھ کر لیا اب یہ عورت اپنا مہر معاف شدہ اور ترکہ لینا چاہتی ہے۔ اور جلال الدین کا لڑکا جو اپنی سوتیلی ماں کے پاس تھا اپنے بھائی اور دادی کے پاس آنا چاہتا ہے، اس غیر شخص کے پاس رہنا نہیں چاہتا۔ اب عظیم نے جو دو نابالغ لڑکیاں چھوڑی ہیں ان کی ولایت نکاح از روئے شرع کس کو ہو سکتی ہے اور یہ مال جلال الدین کا کس کس وارث پر تقسیم ہوگا۔ ؟

الجواب :- جب کہ عورت نے اپنا مہر معاف کر دیا تو معاف ہو گیا اور شوہر کے ذمہ سے ساقط ہو گیا اب اس کو مطالبہ مہر کا کوئی حق نہ رہا۔ درمختار میں ہے وصح خطھا لکھ او بعضہ عنہ قبل اولاد یرتد بالرد كما فى البحر ہاں ترکہ اس کا حق ہے وہ لے سکتی ہے جلال الدین کا نابالغ لڑکا جو اپنی سوتیلی ماں کے پاس ہے یہ سوتیلی ماں اسے نہیں دے سکتی

اپنی دایہ کے پاس آنا چاہتا ہے چلا آئے یہ تو سوتیلی ہے اگر تحقیق ماں غیر حرم سے نکاح کر لے تو حق پرورش ساقط ہو جاتا ہے، در مختار میں ہے الا ان تلکون متزوجة بغير معرم المغیر عسیم کی دونوں لڑکیوں کی ولایت نکاح جلال الدین کے بائع لڑکے کو ہے اگر کوئی دوسرا عصبہ اس سے مقدم نہ ہو کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ جلال الدین کے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ در مختار میں ہے الوطی فی النکاح العصبۃ بنفسہ، ترکہ جلال الدین کا ۴۸ سہام پر تقسیم ہو کر ماں کو اور چھ زوجہ کو اور سترہ سترہ دونوں لڑکوں کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ عبد المجید از ہوٹہ ۱۱ ار ذی الحجہ ۱۲۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا خود زر خریدہ جائداد کم و بیش تیس ہزار کی ہے۔ اس جائداد میں اس کے ہمشیرہ کا کچھ حق ہے یا نہیں، حالانکہ زید کے لڑکے بائے وغیرہ موجود ہیں۔ عمر و کہتا ہے کہ زید کا خود زر خریدہ جائداد میں بھی ہمشیرہ کا حق ہوتا ہے۔ لہذا دریافت طلب ہے کہ عمر و کا کچھ صحیح یا نہیں اگر ہے تو سید کیا صاحب ہے؟

الجواب :- جب زید کے لڑکے موجود ہیں تو بہن کو کچھ نہ ملیگا۔ ہاں اگر لڑکا کوئی موجود نہ ہو تو صرف لڑکیاں ہوتیں تو بہن عصبہ ہوتی اور بعد اصحاب فرایض جو کچھ بچتا اس میں حقدار ہوتی

حدیث میں ہے اجعلوا للاخوات مع البنات عصبۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ الہی بخش شہر کہنہ قاضی ٹولہ بریلی ۹ صفر ۱۲۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے شوہر نے طلاق دیدی، اور دو بیٹے چھوڑ کر اپنے بھائیوں کے یہاں چلی آئی اس کے بھائیوں نے اس کا نکاح دوسرے آدمی کیساتھ کر دیا وہ بھی چھوڑے دنوں کے بعد فوت ہو گیا۔ اور اس کے دونوں لڑکے اپنے حقیقی باپ کے یہاں رہے، جب یہ جوان ہوئے تو انھوں نے اپنی ماں کو اپنی شادی میں شریک کیا اور وقتاً فوقتاً اپنے ماں کی خدمت اپنی حیثیت کے موافق کرتے رہے اس کے بعد وہ حج کو چلی گئی وہاں انتقال ہو گیا۔ کچھ اسباب اور روپیہ بچا تھا وہاں

لوگوں نے اس کو تجہیز و تکفین میں صرف کر دیا۔ اور کچھ خیرات کر دیا جس وقت بمبئی میں اس نے ٹکٹ خریدتا تھا اس کا روپیہ دیا تھا اس وقت اس سے وارث دریافت کئے گئے تو اس عورت نے اپنے دو بیٹے الہی بخش اور کریم بخش بتائے تھے۔ انتقال کے بعد وہ ٹکٹ کے پچاسی روپیہ ان دونوں لڑکوں کے پاس گئے۔ اس عورت کے دو بھائی حقیقی بھی ہیں وہ ان روپیوں میں سے حصہ مانگتے ہیں آیا ان کو حصہ پہنچتا ہے یا نہیں۔ ان لڑکوں نے اپنے ماں کی وفات کی خبر سن کر تیجہ وغیرہ کیا اور کچھ خیرات اور چالیسواں وغیرہ کیا۔ ان لڑکوں کے ماموں نے ان لڑکوں سے علیحدہ جو اپنے طور پر کچھ فاتحہ درود میں خرچ کیا تھا ان لڑکوں سے مبلغ ساڑھے سترہ روپیہ جبرائے لئے۔ ایسی حالت میں ان روپیوں میں سے ان کے ماموں حصہ پاسکتے ہیں یا نہیں اور یہ سترہ روپیہ اٹھانے ان کو واپس دینا چاہیے یا نہیں اور اگر ان روپیوں میں سے از روئے شرع شریف لڑکوں کو پہنچتا ہے اور پہنچ کہیں کہ ان روپیوں کو مسجد میں صرف کر دو تو ایسی حالت میں جبراً مسجد میں دینا جائز ہے یا نہیں اور وہ ان روپیہ میں سے مسجد میں دیدیں تو قبل اسکے کہ پنچایت سے علیحدہ کر دیئے جائیں اور تیج ان کو پنچایت سے علیحدہ کریں تو ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب :- یہ سوال پیشتر لڑکوں کے ماموں فقیر کے پاس لائے انھیں جواب دیا جا چکا تھا کہ ان کا اپنی ہمشیرہ کے ترکہ میں کچھ حق نہیں، عورت نے جو کچھ چھوڑا بعد تجہیز و تکفین موافق سنت وادائے دیون و دیگر امور مقدمہ علی المیراث کے سب کچھ دونوں لڑکوں کو ملیگا ماموں کا اسمین کوئی حق نہیں۔ اور عورت کے بھائیوں نے تیجہ وغیرہ میں جو کچھ خرچ کیا ہے وہ سب انھیں کے ذمہ ہے لڑکوں سے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتے اور ساڑھے سترہ روپے جو جبراً وصول کئے ہیں واپس دیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل نہ جبراً مسجد کیلئے وصول کیا جاسکتا ہے یہ حرام ہے، اور ایسے مال کو کہ جبراً وصول کیا گیا مسجد میں صرف کرنا ناجائز و حرام، اور الہی بخش اور کریم بخش کو محض اس بنا پر خارج از ہر درجہ کرنا ناجائز، پنچوں پر لازم ہے کہ حکم شرع کو مانیں اور جبر و ظلم و ستم سے باز آئیں اور عذاب آخرت و رشتہ داروں سے بچیں۔

مسئلہ :- مسئلہ مرزا محمد اسماعیل بیگ بیچنا تھ پاره راسپور ممالک متوسط ۸۰ صفر المنظر

عاق مانع ارث ہے یا کیا ؟

الجواب :- عقوق مانع ارث نہیں کہ مانع ارث چار ہیں ۔ انہیں عقوق نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ سید کار علی مراد آباد محلہ ٹھٹھرا کارخانہ شیخ نہال الدین ۴ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مسماۃ اصغری بیگم کا انتقال ہوا مرحومہ نے اپنے وارثان میں سے ایک شوہر مسمیٰ کار علی ایک پدراں ہی ایک ماں مسمیٰ نفیس بیگم چار برادر آل علی ، اولاد علی ، محمود علی ، محمد علی چھوڑے یہ بات معلوم کرنی ہے کہ ان وارثان کا بروئے فرائض کس قدر حصہ ہوتا ہے مرحومہ کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی ہے ؟

الجواب :- حسب شرائط فرائض ترکہ مسماۃ اصغری بیگم کا چھ سہام پر منقسم ہو کر تین شوہر

اور دو باب اور ایک سہم ماں کو ملے گا بھائی محروم ہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ امیر احمد موضع سرنیاں ضلع بریلی ۸ ربیع الآخرہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغہ لڑکی کا نکاح باذن والد کے ہوا نکاح ہونے کے بعد فوراً خاوند کے مکان پر گئی دوسرے دن واپس چلی آئی ، مدت تین ماہ والد کے یہاں رہی پھر انتقال کر گئی اس حالت میں از روئے شرع والد اس مہر کا حقدار ہے یا نہیں ؟ بینوا تو جردا

الجواب :- نصف مہر والد پائے گا اور نصف حق شوہر ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ جناب نواب شارا احمد خان صاحب بازار سندل خاں بریلی ۹ جمادی الاول ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص کی دو بی بیوں تھیں پہلی بی بی کو بعض دین مہر کے نقد روپیہ یا جائیداد تعین مہر سے بہت زیادہ دیدی پس جو روپیہ نقد یا جائیداد زیادہ دی گئی ہے وہ اس سے یا اس کے ورثاء سے واپس ہو کر باقی متروکہ میں شامل ہو کر موجودہ ورثاء کو تقسیم ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جو کچھ دین مہر کے عوض اپنی ایک بی بی کو دے چکا ہے اگرچہ تعین مہر سے بہت زیادہ ہو وہ سب دین مہر ہی میں شمار ہوگا اور اب شوہر یا ورثہ شوہر عورت یا اسکے ورثہ سے واپس نہیں لے سکتے درختار میں ہے۔ زید علی ما سہی فانہا تلزمہ بشرط قبولہا فی المجلس او قبول ولی الصغیرہ ومعرفۃ قدماہا وبقاء الزوجیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ منشی محمد حسین خان محلہ کلاب نگر بریلی ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۲ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا انتقال ہوا جس نے ورثہ میں شوہر دو لڑکیاں اور ایک ہمیشہ چھوڑی ان ورثہ کو کتنا کتنا جائیداد میں سے حق پہنچتا ہے ؟

الجواب :- حسب شرائط فرائض ترکہ اس عورت کا بارہ سہام پر منقسم ہو کر چار چار سہام دونوں لڑکیوں کو اور تین شوہر کو اور ایک ہمیشہ کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ محمد جمیل اختر موضع شہباز پورہ پورنیان ضلع مظفر پورہ جمادی الآخرہ ۱۲۲۲ھ کیا فرماتے ہیں حامی حمایت دین و مفتی شرع متین اس مسئلہ میں کہ امیر الدین کا

انتقال ہوا اور انکا پیشہ پیری مریدی کا تھا اس نے اپنے زوجہ منکوحہ بیوی جوشن بیگم اور ایک بھائی بشارت کریم کو چھوڑا ترکہ تقسیم نہونے پایا تھا کہ جوشن بیگم نے لوگوں کی رائے سے بشارت کریم کو اپنے شوہر کی جگہ گدی نشین بنایا اور بشارت کریم کا انتقال ہوا اس نے اپنی زوجہ منکوحہ

خاتون جنت اور ایک لڑکی بالون بیگم چھوڑا اب یہ دونوں مسلمات یعنی خاتون جنت و جوشن بیگم چاہتی ہیں بشارت کریم کے داماد محمد جمیل اختر کو انکی جگہ گدی نشین بنائے اور تمام میریدان کی یہی رائے ہے کہ جس کو مسماۃ چاہیں انکی جگہ قائم مقام بنائیں ہملوگ بیعت حاصل کریں گے

حالانکہ نہ امیر الدین نے کسی کو اجازت دی تھی اور نہ بشارت کریم نے کسی کو اجازت دی اور نہ محمد جمیل اختر ان دونوں صاحب سے کسی کے مرید ہیں، اب بشارت کریم کے سالے یہ چاہتے ہیں کہ میں اس گدی پر بیٹھوں حالانکہ نہ انکو اجازت اور نہ یہ مریدوں میں ہیں انکو روئے شریعت کسی کو اس گدی پر بیٹھایا جائے یا نہیں اور اگر بیٹھایا جائے تو کس کو اور کون منہج ہے

اور ان کے مال سے کس کو کتنا ملے گا ؟

الجواب :- سیری اور مشیخت کوئی مال و ترکہ نہیں جو مرنے کے بعد وارثوں پر تقسیم ہو نہ وہ شخص سجادہ مشیخت پر بیٹھ سکتا ہے جو مجاز و ماذون نہ ہو۔ محمد جمیل اختر اور بشارت کریم کے سائے دونوں اسکے حق دار نہیں۔ بلکہ بشارت کریم یا امیر الدین کے خلفاء میں جو سب سے زیادہ اس منصب کا اہل ہو اسے مقرر کریں، اگرچہ وہ نسباً اس خاندان سے نہ ہو۔ ورنہ کی پوری تفصیل معلوم ہونے سے مال کی تقسیم ہو سکتی ہے۔ سوال میں یہی تین عورتیں بتائی گئیں کوئی عصبہ بشارت کریم کا موجود ہے یا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از بنارس محلہ مدنی پورہ مرسلہ حافظ حکیم محمد شفیع ضامن غل زینع الآخر ۱۲۳۵ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید مقروض نے انتقال کیا صرف جائداد و اسباب خانگی چھوڑ کر جس کو کہ دو پسرو تین دختران، و یک زوجہ جملہ شرکاء مستحق ہیں بعد ہر دو برادران حقیقی بکر و عمرو نے بعد انتقال پدر خاص کے باہمی شریک حال رہے۔ بفضلہ تعالیٰ زید و جائداد پیدا کیا نیز بکر و لا ولد کا رکن انتقال کر گیا، جسکو عمرو موصوف و تین ہم شیرگان ہیں منکوحات و مادر حقیقی موجود ہیں پس تحقیق طلب امر ضروری ہے کہ بکر و عمرو کے حقوق نصف تقسیم ہو کر بقیہ بکر متوفی میں عصبہ کل شرکاء کے تقسیم ہونگے

یا کل میں از روئے شریعت محمدیہ و ملت حنفیہ بالتفصیل و السہام حکم فرمایا جاوے ؟

الجواب :- حسب شرائط فرائض ترکہ زید بعد ادائی دیوں آٹھ سهام پر تقسیم ہو کر ایک زوجہ اور ایک ایک تینوں لڑکیوں اور دو دو سهام دونوں لڑکوں کو ملیں گے اور بکر و عمرو اگر دونوں شرکت میں کام کرتے تھے تو دونوں آمدنی میں برابر کے شریک قرار پائیں گے اگرچہ کام برابر نہ کرتے ہوں اور بعد انتقال بکر اسکے حصہ کو شرکاء پر تقسیم کریں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۳ شعبان ۱۲۳۵ھ

مسئلہ :- از بریلی محلہ سودا گران مرسلہ سید قناعت علی ضامن جماعت رضا مصطفیٰ جو یہ کہتا ہے ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے مال میں سے لڑکیوں کو حصہ یعنی ترکہ نہ دیا جاوے

اس لئے کہ اسکا ہمارے یہاں رواج نہیں اور وہ رواج پر عمل کرتا ہے وہ اللہ و رسول کے نزدیک مسلمان ہے یا نہیں ؟

الجواب :- بیشک لڑکیوں کا حصہ نص قطعی قرآن مجید سے ثابت جو اس حکم سے انکار کرے یقیناً کافر ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ فِیْ اَوَّلَادِکُمْ لِلَّذِکْرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثٰی فان کن نساء فوق اُنثٰین فلهن مثل ما ترک وان کانت واحده فلها النصف اور اگر اس حکم کو حق مانتا ہے مگر شامت نفس سے اس پر عمل نہیں کرتا تو گنگار فاسق فاجر ہے فرض ہے کہ توبہ کرے اور اگر رسم و رواج کو حکم شرع پر مقدم رکھتا ہے اور رسم کو ترجیح دیتا ہے تو یہ بھی کفر ہے فتاویٰ عاکبری میں ہے اذا قال الرجل لغيره حکم الشیخ فی هذه الحادثة کذا فقال ذلک الغیر من برسم کار می کنم نہ بشرع یکفر عند بعض المشائخ - واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از نصیر آباد راجپوتانہ محلہ دودھیا مرسلہ ڈاکٹر شیخ عمرو ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۷۲ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں میں خواہ وہ کس فقیہ اور اعتقاد کا ہو لڑکا گود لینا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں اور وہ صلبی بیٹے کی طرح در ثبانی کا حق دار ہے یا نہیں ؟

الجواب :- تبنی کرنا یعنی لڑکا گود لینا شرعاً منع نہیں مگر وہ لڑکا اسکا لڑکا نہ ہوگا بلکہ اپنے باپ ہی کا کہلائیگا اور وہ اپنے باپ کا ترکہ پائیگا، گود لینے والے کا نہ یہ بیٹا ہے نہ اس حیثیت سے اسکا وارث ہاں اگر وارث ہونے کی بھی اوسمیں حیثیت موجود ہے مثلاً بھتیجہ کو گود لیا تو یہ وارث ہو سکتا ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو اللہ عزوجل فرماتا ہے وما جعل ادعیاءکم

ابناءکم ذلکم قولکم بافواہکم واللہ یقول الحق وھو یمدّی السبیل ادعوہم لاباءہم ھو اقط عند اللہ فان لم تعلموا اباءہم فایخوانکم فی الدین وھو الیکم تمہارے منہ بولے بیٹے تمہارے بیٹے نہیں یہ تمہارے منہ کی بات اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے ان کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ یہی اللہ کے نزدیک ٹھیک بات ہے

اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور مولیٰ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- ازاندور کچی مسجد رانی پورہ معرفت محمد عبداللہ پیش امام مسئلہ رحمت بی بی
 یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتیان شرع مبین مسائل ذیل میں۔
 زید متونی کے دو بیوی اور ایک بھائی عینی پسماندگان میں سے موجود ہیں اس وقت ہر ایک کو
 جائداد و مترکہ میں سے از روئے شرع شریف کتنا کتنا لگنا چاہیے۔ بینوا تو جرد
الجواب :- حسب شرائط فرائض اگر زید کے وارث صرف یہی ہیں تو دین وغیرہ امور
 متقدمہ کے بعد ترکہ زید کا آٹھ سہام پر منقسم ہو کر ایک ایک سہام دونوں عورتوں کو اور چھ سہام
 بھائی کو ملیں گے قال اللہ تعالیٰ ولهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ :- مسئلہ سید سرکار و علی مراد آباد محلہ اصالت پورہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ جعفری بیگم کا انتقال ہوا ایک
 شوہر ارشاد حسین اور ایک دختر صابرہ بالغ ایک پسر باسط حسین نابالغ وارث چھوڑے ترکہ میں
 ایک مکان بچختہ ایک دوکان جوار ارشاد حسین نے مبلغ بیسے کی فروخت کر دی، اور کچھ زیور و برتن
 لڑکی کو ارشاد حسین نے کچھ نہیں دیا۔ بیسے کا زیور بنا کر اور کچھ متونی کا زیور چڑھا کر مسماۃ اصغری بیگم
 سے شادی کر لی۔ مسماۃ اصغری کا بھی انتقال ہو گیا۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اب تیسری شادی
 مسماۃ قیونما سے کی۔ بروقت نکاح کوئی زیور ارشاد حسین نے نہیں چڑھایا بعد نکاح گھر لا کر وہی
 بیسے کا زیور اور باقی متونی جعفری بیگم کا زیور پہنا دیا۔ اب ارشاد حسین کا انتقال ہو گیا۔ لہذا ذیل
 کی باتیں دریافت طلب ہیں

۱۔ اس زیور کی مالک قیونما ہے۔ یا صابرہ و باسط حسین۔ ۲۔ مکان جو جعفری بیگم کو
 بذریعہ ترکہ پدری ملا تھا۔ اس میں سے مسماۃ قیونما لے سکتی ہے یا نہیں۔ یا جو حصہ ارشاد حسین
 کا بعد انتقال جعفری ہو گا اس میں سے یا اس کو اس طرح طے کیا جاوے۔ کہ جو سامان مسماۃ قیونما

اپنے جہیز میں لائی اس کو دلایا جاوے۔ جو سامان اور مکان جعفری بیگم کا ہے۔ اس میں سے حصہ تہائی ارشاد حسین نکال کر صابرہ اور باسط حسین کو دلایا جاوے۔ باقی حصہ ارشاد حسین بقدر حصہ سب وارثان کو تقسیم کر دیا جائے۔ اب ارشاد حسین کے یہ وارث ہیں۔ صابرہ دختر پسر باسط حسین پسر ساجد حسین نابالغ قاسم حسین نابالغ پسر قیوم ازوجہ ؟

الجواب :- جعفری بیگم کے کل متروکہ مکان و دوکان و زیور و غیرہ بعد تجہیز و تکفین و ادائے دیون و اجراء وصیت جو کچھ بچا اس کے چار حصے کئے جائیں ایک شوہر ارشاد حسین اور ایک حصہ صابرہ کو اور دو حصے باسط حسین کو دیئے جائیں صابرہ اور باسط حسین کا حصہ جو ارشاد حسین نے تلف کر دیا ارشاد حسین کے مال میں سے بقدر ان کے حصوں کے دلایا جائے اگر انکے حصے دینے کے بعد ارشاد حسین کا کچھ مال بچے۔ تو اسکے آٹھ حصے کئے جائیں ایک صابرہ کو اور ایک قیوم کو اور دو دو تینوں لڑکوں کو دیئے جاویں جہیز جو قیوم لائی ہے اسکی مالک وہی ہے اس میں ارشاد حسین یا اسکے ورثہ کا کوئی حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ السلام وعلیہم السلام

مسئلہ :- از غازیہ پور خٹہ نور الدین پور مرسلہ محمد مطلوب۔ حکم جمادی الاولیٰ ۱۲۶۶ھ

۱۔ محمد خالد۔ محمد اسحاق۔ محمد ذکی۔ فاطمہ بی بی کے دادا کے بھائی کے پوتے ہیں۔ پوتی ہیں اور بیٹی ہیں اور پر پوتی ہیں ۲۔ محمد ہاشم محمد قاسم فاطمہ بی بی کے خالہ زاد بھائی اور خالہ زاد بھوپھو کے پوتے ہیں۔ ۳۔ فاطمہ بی بی کے شوہر نے فاطمہ بی بی کی زندگی میں ایک اور عقد کر لیا تھا۔ اور یہ بی بی ہمیشہ فاطمہ بی بی کے ساتھ فاطمہ بی بی کے مکان میں رہیں۔ فاطمہ بی بی کے شوہر کے انتقال کو پندرہ سولہ برس ہوتے ہیں۔ اور جو بعد نکاح فاطمہ بی بی تا دم آخر فاطمہ بی بی کے مکان میں رہے۔ فاطمہ بی بی کے اولاد کا فاطمہ بی بی کے سامنے انتقال ہو گیا سو تیلی بیٹیاں موجود ہیں جن کو وہ اپنی بیٹیاں سمجھتی تھیں۔ اور تا زندگی انکی پرورش اور انکی تربیت میں مشغول رہیں۔ یہ یتیم لڑکیاں جو ابھی کمسن اور ناکندہ ہیں۔ اپنی ماں کے ساتھ ابتدائے پیدائش سے اس مکان میں رہیں۔ اور مسرت سے شریفانہ زندگی بسر کریں۔

۴ فاطمہ بی بی کا ترکہ وہی ایک مکان مسکونہ ہے جس کو لڑکیوں کے نام بارہا متعدد شخصوں کے سامنے ہبہ زبانی کر چکی ہیں، یہ مکان فاطمہ کو آبائی ترکہ میں نہیں ملا ہے بلکہ نانہالی ترکہ میں ملا ہے۔ یعنی یہ مکان غلام رسول خاں کا ہے۔

لہذا کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ بی بی نے انتقال کیا اور اپنے دادا کے بھائیوں اور خالہ زاد بھوپھرے بھتیجوں کو اور اپنے شوہر کی دوسری بی بی اور سوتیلی لڑکیوں کو چھوڑا۔ اور چونکہ ترکہ صرف ایک قطعہ مکان مسکونہ نانہالی فاطمہ بی بی ہے جس میں انکے شوہر کی دوسری بی بی عقد کے بعد سے اور سوتیلی لڑکیاں ابتدائے پیدائش سے اسی مکان میں رہتی چلی آتی ہیں۔ اور اب تک اس میں مقیم ہیں۔ اور فاطمہ بی بی تازندگی انکی تربیت اور پرورش میں مشغول رہیں۔ لیکن بعد وفات فاطمہ بی بی متذکرہ بالا شرکاران یتیم اور لاوارث لڑکیوں کو اور انکی بیوہ ماں کو اس مکان مسکونہ سے بے دخلی کرنا چاہتے ہیں۔ تو شرع شریف کی رو سے اس مسئلہ کی اچھی طرح توضیح کی جائے کہ مکان متنازعہ کی مالک بلحاظ امور متذکرہ بالا بی بی اور لڑکیاں ہیں یا نہیں؟ بر تقدیر شق ثانی کس وارث کو کتنا ملے گا؟ بنیوا تو جزوا۔

اجواب :- اگر وہ مکان شرعی طور پر ہبہ کر دیا ہو مثلاً ہبہ کرنے سے پہلے اس کے دو حصے کر کے ایک ایک حصہ ہر ایک لڑکی کو دے دیا ہو مثلاً مکان کا یہ قطعہ فلانی کو اور یہ قطعہ فلانی کو۔ اور قبضہ بھی دلادیا ہو۔ تو یہ ہبہ صحیح تام نافذ ہے، ان لڑکیوں کے علاوہ اس پر کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ اور اس ہبہ کو واپس بھی نہیں کیا جاسکتا کہ موت و اہبہ مانع رجوع ہے۔ یوں ہی اگر وہ مکان نہایت چھوٹا ہو کہ قابل قسمت نہ ہو جب تو تقسیم کی بھی حاجت نہیں کہ ایسی شئی میں شیوع مانع ہبہ نہیں اور اگر مکان قابل قسمت تھا اور بغیر تقسیم ہبہ کر دیا تو اگرچہ یہ ہبہ فاسد ہے مگر بعد قبضہ مفید ملک ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ہبۃ المشاع فیما لا یعتل القمۃ تجوز من الشریک ومن الاجنبی نیز اسی میں ہے ہبۃ المشاع فیما یعتل القمۃ

من رجلین او من جماعة صبیحة عندھا و فاسدة عند الامام ولیست بباطلة حتی
تفید الملک بالقبض کذا فی جواهر الاخلاطی اور اگر وہ لڑکیاں وقت ہبہ غنی نہ ہوں تو بہر حال
جائز ہے مشاع ہو یا منقسم عالمگیری میں ہے ولو ذهب من اثنين ان کا ناقصین یجوز
بالاجتماع اور ہبہ زبانی کافی ہے تحریر یا اسٹاپ کی کوئی ضرورت نہیں یوں ہی جس صورت میں
تقسیم کی حاجت ہو اس کیلئے بھی اسکی ضرورت نہیں کہ کچھری سے تقسیم کرائی جائے نہ اس کی
ضرورت کہ بیچ سے دیوار اوٹھائی جائے۔ فقط اتنا کافی ہے کہ یہاں سے یہاں تک اوسکا اور اتنا
اسکا۔ رہا قبضہ اگر وہ لڑکیاں وقت ہبہ نابالغہ تھیں اور وہ ہبہ کی پرورش میں تھیں تو قبضہ
کی بھی حاجت نہیں کہ وہ ہبہ کا قبضہ خود انھیں کا قبضہ ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ دہبہ الوالد
لطفله ثم بالعقد ولا فرق فی ذلک فی ما اذا کان فی یدہ او فی ید مودعه بخلاف ما اذا کان
فی ید الغائب او فی ید المرثین او فی ید المستاجر حیث لا تجوز الهبة لعدم قبضه وكذا
لو وهبته امه وهو فی یدها والاب میت ولیس له وصی وكذا كل من یقولہ كذا
فی التبيين وكذا فی الكافی۔ اور اگر ہبہ تمام نہ ہو تو یہ مکان فاطمہ بی بی کے دادا کے بھائی
کے پوتوں کا ہے کہ وہ عصبہ ہیں اور باقی سب ذوی الارحام، اور عصبہ کے ہوتے ہوئے
ذوی الارحام محروم ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۱۔ از گوالیار مرسلہ حافظ احسان اللہ خاں وکیل ہائی کورٹ محلہ ماہو گنج
شکر گوالیار یکم ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ

کوئی ایسا پدر جو ضعیف العمر ہو۔ عورت ثانی رکھتا ہو مکمل طور پر پابند شرع نہ ہو
اپنی ایسی اولاد کو جو کافی طور پر صوم و صلوٰۃ و احکام شریعہ کے پابند ہونیکے علاوہ حاجی ہونے
کا فخر رکھتی ہو۔ محض اس خیال کو بد نظر رکھکر کہ ہمارے بعد ہماری موجودہ بی بی کی اولاد کلاً
ترکہ کی مالک ہوتا کہ موجودہ بی بی خوش رہے عاق کر سکتا ہے اور ایسی عاق شرعاً جائز ہے۔

مسئلہ ۱۱۲۔ عاق کیلئے عمر کی کیا معیار ہے۔ کیا ۱۵ سال کی ایسی اولاد کو بھی عاق

کیا جاسکتا ہے جو خود صوفی صفت ہو اور اسکی اولاد کو مولوی ہونیکا اعزاز حاصل ہو؟

مسئلہ (۳۱)۔ کیا اس اولاد کو عاق کیا جاسکتا ہے جسکی پرورش اسکی اوائل عمری یعنی چار سال کی عمر سے اسکے نانانے کی ہو اور اس وقت سے موجودہ وقت تک اسکے پدر نے کوئی حق پدری ادا نہ کیا ہو۔ بلکہ کسی قسم کا تعلق نہ رکھا ہو و محض بخیال و دراندیشی و انتظام اپنی جدۃ اولاد کے الساعلم کرے؟

مسئلہ (۳۲)۔ عاق کئے جانیکے اصلی اسباب کیا ہیں؟

الجواب (۱)۔ عقوق والدین سخت گناہ ہے، یہ اون گناہوں میں ہے جنکو حدیث میں فرمایا کہ اجتنبوا سبع الموبقات اون سات گناہوں سے بچو جو ہلاک کنیوالے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا۔ الاشرک باللہ و قتل النفس و عقوق الوالدین الخ مگر عقوق کے یہ معنی نہیں کہ ماں باپ کہیں کہ تو عاق ہے تو عاق ہو گیا۔ ورنہ نہیں۔ بلکہ عقوق کے معنی ماں باپ کا نافرمانی کرنا ہے خواہ وہ عاق کریں یا نہ کریں یعنی اگر ماں باپ کی نافرمانی کرے تو عاق ہے۔ اگرچہ والدین نے عاق نہ کیا ہو اور نافرمانی نہ کرے تو عاق نہیں۔ اگرچہ اونھوں نے کہیدیا ہو کہ تو عاق ہے۔ لہذا جب یہ اولاد اپنے باپ کی مطیع و فرمانبردار ہے تو عاق نہیں عند اللہ و عند الناس ہرگز مجرم نہیں اور بہر حال اگر یہ نافرمانی بھی ہو باپ نے عاق کر بھی دیا ہو۔ جب بھی تو اولاد ترکہ سے محروم نہ ہوگی اگرچہ عقوق کا گناہ کبیرہ اس کے سر پر ہوگا۔ اور اسکی وجہ سے عذاب شدید کا مستحق ہوگا۔ موانع ارث چار ہیں۔ ان میں عقوق نہیں لہذا ایسی اولاد اپنے باپ کا ترکہ پائیگی، اور اگر باپ کا مقصد عاق کرنے سے صرف یہی ہے کہ اولاد کو ترکہ سے محروم کر دے تو اولاد یہ خیال خام ہے کہ ترکہ کی تقسیم کا حق والدین کو نہیں وہ اللہ عزوجل کا ایک حکم ہے جس کو نہ والدین بدل سکیں نہ کوئی دوسرا۔ ثانیاً اس میراث سے محروم کر نیکا دیال خود باپ پر ہوگا۔ اگرچہ محروم ہوگا بھی نہیں، حدیث میں ہے۔ من حرم میراث و امراتہ حرم اللہ میراثہ من الجنة جو وارث کو میراث سے محروم کرے۔ خدا اس کو جنت کی میراث سے محروم کرے گا۔ محروم کرنا

تو بڑی بات ہے اولاد میں عدل نہ کرنا، ایک کو سب سے بلادہ شرعی ندینا یہ ممنوع ہے
 نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے انھیں ایک غلام دیا تھا۔ اور دوسری اولاد کو نہ
 دیا تھا اسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا اور فرمایا لا تشہد فی علی جوہر
 ظلم و جور پر مجھے گواہ نہ کرو۔ والد کو چاہیے کہ تمام اولاد کیساتھ یکساں برتاؤ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
الجواب (۲)۔ عاق کیلئے نہ عمر کا کوئی معیار ہے، نہ حاجی و صوفی و مولوی ہونا اسکا مانع
 جب مکلف ہے اور والدین کی نافرمانی کرے عاق ہے۔ اگرچہ ۷۵ یا زیادہ کی عمر رکھتا ہو۔ واللہ اعلم
الجواب (۳)۔ والد کا حق اولاد پر ہر حالت میں ہے۔ اگرچہ اس کے یہاں پرورش نہ ہوئی ہو
 اس نے کوئی کفالت نہ کی ہو۔ کہ اسکا حق والد ہونے کی وجہ سے ہے اور اسکی نافرمانی بہر حال
 ناجائز ہے، اور اگر اس نے حقوق اولاد کی مراعات نہ کی، جب بھی اولاد کو یہ جائز نہیں کہ
 اسکی نافرمانی کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۴)۔ جواب سوال اول سے اسکا جواب ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ۔ از چوری پٹی دینا جو درم سہلہ جناب حاجی شیخ عظیم اللہ صاحب انصاری ص ۵۵ صفر المظفر

دادا کی زندگی میں باپ مر گیا تو کیا پوتے کا حصہ کچھ بھی اور کسی زمانہ میں نہیں ہوتا ؟

الجواب۔ دادا کی زندگی میں باپ مر گیا پھر دادا نے انتقال کیا اور کوئی بیٹا چھوڑا ہے
 تو پوتے کو کچھ نہیں ملے گا کہ جو کچھ ذوی الفردض سے بچے گا وہ بیٹا لے گا اور اگر دادا نے بیٹا
 نہیں چھوڑا ہے تو پوتہ وارث ہے اور عصبیات میں مقدم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ۔ از شہر بنارس محلہ پچی باغ مرسلہ جناب حاجی حشمت اللہ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ لال بی بی نے ایک مکان خام
 ماسہ روپیہ کا خریدا بعد اسکے مسماۃ نے اسی مکان کی پختہ تعمیر کرایا۔ مالی ۳۵۰۰ پھر انتقال
 کیا اور شوہر حاجی حمید اللہ اور تین پسران محمد اسحق و محمد ابراہیم و حاجی حشمت اللہ اور دو لڑکی
 مسماۃ ہاجرہ اور سائرہ کو چھوڑا، لہذا شرع شریف سے کتنا حصہ کس کو ملیگا ؟ نیز شوہر

مذکورہ وعدہ کرتا ہے کہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کا باپ ہوں میرے ہوتے ہوئے کسی کا کچھ حصہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ اسکا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ مینوا تو جروا

الجواب :- شوہر کا یہ کہنا غلط ہے بلکہ اس مکان میں یہ سب شریک ہیں شوہر صرف ایک چہارم کا حقدار ہے باقی لڑکے اور لڑکیوں کا ہے، یعنی مساجد کی جائداد سب شرائط فرائض ۳۲ سہام پر منقسم ہوگی۔ آٹھ سہام شوہر کو ملیں گے اور چھ سہام ہر لڑکے کو اور تین تین لڑکیوں کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لال بی بی

مسئلہ ۳۲

زوج حاجی حمید اللہ محمد اسحاق ابن محمد ابراہیم حشمت اللہ بنت باجرہ بنت سائرہ

مسئلہ :- از لکھنؤ محلہ تکیہ داتا شاہ برسلہ سید محمد یوسف صاحب نگینہ ساز کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمودہ نے انتقال کیا اور اسکے انتقال سے تقریباً ایک ماہ قبل اسکے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جو کچھ روز زندہ رہ کر گذر گئی، لہذا اب محمودہ کے اسباب جہیز اور مہر کے پانے کا مستحق کون ہوگا درآنحالیکہ محمودہ کے باپ، بھائی اور شوہر موجود ہیں، محمودہ کے شوہر کا یہ قول ہے کہ مجھ کو ہم سے ارادت بیعت تھی لہذا ہم اسکے مال کے مالک ہیں، حالانکہ مرحومہ نے اپنے شوہر سے بیعت نہیں کی جس کی مفصل کیفیت بزبانی محمودہ یہ ہے کہ اسکے شوہر نے اس سے خواہش ظاہر کی تم میری مرید ہو جاؤ اس وقت اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ پھر کبھی دیکھ اجائے گا اسکے بعد وہ بحالہ بیماری اپنے میکے چلی آئی یہاں جب اس سے سوال کیا گیا کہ تو مرید ہو گئیں تو جواب میں کہا ابھی نہیں پھر اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اب کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت و طریقت اس صورت میں کہ آیا مرحومہ کے ورثہ شرعی محض مرحومہ کی ارادت بیعت پر اپنا حق شرعی

پانے سے محروم ہو جائیں گے، اور ایک پیر ارادی محض ارادت پر تمام مال کا مالک ہو جائیگا اس کے متعلق جو حکم شرعی ہو تحریر فرمائیں؟ مینواتوجروا۔

الجواب :- جہیز جو عورت کو اس کے میکے سے ملتا ہے وہ عورت ہی کی ملک ہے۔ کذا فی رد المحتار یو ہیں چڑھاوے میں جو زیور سنرال سے آتے ہیں یا ڈال بری کے جوڑی یہ بھی عورت ہی کی ملک ہے، ہندوستان میں یہی رواج ہے کہ یہ چیزیں عاریت نہیں دیتے بلکہ عورت کو اس کا مالک کر دیتے ہیں۔ پس جبکہ محمودہ کے انتقال کے بعد اس کی کوئی اولاد نہ تھی تو اس کا کل متروکہ از کم جہیز زیور و لباس اور دین مہر بعد تقذیمات مقدم دو حصے پر منقسم ہو کر ایک حصہ اس کے شوہر کو ملیگا اور ایک اسکے والد کو، شوہر کا یہ کہنا کہ وہ ہم سے بیعت ہونا چاہتی تھی لہذا ہم کل مال کے مالک ہیں، عجیب انوکھی بات ہے یہ تو فقط ارادہ تھا اگر بیعت ہو بھی جاتی جب بھی مالک نہ ہوتا، شاید اس نے یہ سمجھا کہ بیعت بیع سے ہے اور جب وہ میرے ہاتھ تک گئی تو میں اس کا اور اس کے تمام اموال کا مالک ہو گیا مگر یہ نہ سمجھا کہ حرادر حرہ کی بیعت کب جائز ہے اور من اعتبد معہرا کی وعید سے واقف نہیں ہے کہ حر کو نوٹدی کا غلام بنانا کب جائز ہے حالانکہ یہ بیعت ایک معاہدہ ہے کہ پیر و مرید کے درمیان ہوتا ہے کہ پیر مرید کو خدا کا راستہ بتاتا ہے اور مرید پیر کے حکم پر چلتا ہے اور اس کی وجہ سے اگرچہ پیر کا بڑا مرتبہ ہوتا ہے مگر پیر شرعی مولیٰ نہیں ہوتا نہ ورثہ شرعیہ کو محروم کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ سید ضمیر الدین احمد رضا آلہ آباد محلہ دارالمنہج ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۵۹ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو ہزار روپیہ میں تین شریک ہیں

دو بھائی ابو بہن، تو بہن کا کتنا روپیہ نکلتا ہے۔ اور اس دو ہزار روپیہ کا ایک مکان زید نے بنوایا ہے جس کا کرایہ سولہ روپیہ ماہوار آتا ہے اس کرایہ میں بہن کا کتنا حصہ نکلتا ہے؟

الجواب :- چار سو روپے لڑکی کا حصہ ہے۔ اور آٹھ آٹھ سو دونوں لڑکوں کے اگر مکان تمام شریک کی اجازت سے بنا تو ہر ایک شریک اپنے حصہ کے مطابق کرایہ کا

مستحق ہے۔ یعنی لڑکے تین روپیہ ۳ ۲ پائے اور ہر ایک لڑکا ۶ روپیہ ۶ ۴ پائے

ماہوار گریہ کا مستحق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از نصیر آباد ضلع مشرقی فاندس احاطہ بمبئی سرسلہ جناب قاضی سید مظہر علی صاحب ۵ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ

ایک محروم الوراثت نے قرابت والوں کا دباؤ ڈال کر درشہ سے ترکہ میں حصہ لے لیا۔ کچھ زمانے کے بعد اگر درشہ کو اس حصہ کے واپس لینے کا موقع ملے تو واپس لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگر اس نے جبراً حصہ لے لیا ہے تو واپس لے سکتے ہیں شرعاً جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از ریاست بھاولپور دربار معلیٰ حضرت سجاد تین چاچران شریف سرسلہ مولانا مولوی سراج احمد صاحب ۱۳ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے مذہب خفیہ اس مسئلہ میں کہ سہلی جیا تو فوت ہو کر ایک زوجہ مسماۃ جانو ایک ارغ یعنی سنہی کھوتہ ایک اخت عینیہ مسماۃ سبھل اور دو ابنا الارغ مسیان خدا بخش و بخت علی وارث چھوڑے بعد

کھوتہ فوت ہو کر ایک زوجہ حاملہ مسماۃ شاہل ایک بیٹی مسماۃ بچی ایک اخت یعنی مسماۃ سبھل نکو دو ابنا الارغ خدا بخش و بخت علی وارث چھوڑے بعد مسماۃ جانو فوت ہو کر تین بیٹے بچو، شکر و، پلو، ایک بیٹی

مسماۃ شہلان وارث چھوڑے مگر کھوتہ و جانو باہمی فیصلہ کر کے بغیر تقسیم متروکہ جیا تو پر قابض رہ کر کھاتے رہے۔ سبھل کو کچھ ندیا۔ اب سبھل کے تنازعہ پر مولوی نور حسن متروکہ جیا تو کو چار

حصہ کر کے ایک حصہ جانو ایک حصہ سبھل دو کھوتہ کو دینا لکھتا ہے۔ مناسخہ کرنا ضروری نہیں جانتا کہ جب تک حل کی خبر نہ پڑے کھوتہ و جانو کی تقسیم بند رکھی جاوے گی۔ بعد تولد حل کھوتہ

کا علیحدہ مسئلہ اور جانو کا علیحدہ مسئلہ بنایا جاوے گا۔ مناسخہ کرنا بے سود ہے۔ اور مولوی سراج احمد صاحب فتویٰ دیتا ہے کہ مناسخہ کرنا ضروری ہے تاکہ جو وہ متروکہ جیا تو ہے۔ ایک کھوتہ و جانو

کو آتا ہے وہی حصہ انکے ورثہ پر تقسیم ہو ورنہ علیحدہ علیحدہ مسئلہ بنانے میں کھوتہ و جانو کا اپنا اپنا علیحدہ متروکہ سالم انکے ورثہ کی طرف منتقل ہوگا۔ انکے سہام از ترکہ جیا تو کا انتقال بغیر حل مناسخہ نہیں ہوگا

یہی وجہ عمل مناسبہ لانے کا ہے۔ نیز مسئلہ حمل ابھی یعنی قبل تولد بنا کر اسکا حصہ موقوفہ بمعہ تفصیل حصص اور وارث بشرائط مذکورہ نوشتہ مردہ تولد حمل لکھا جاوے صرف ایک ولد کا حصہ زائد اور باقی وارثوں کا حصہ اول موقوف رکھنے کا حکم مفتی بہ ہے۔ نہ یہ کہ سالم متروکہ موقوف رکھ کر نفع حمل کیلئے دوسرے وارثوں کو ضرور دیا جاوے۔ ہاں ابام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کہ جن وارثوں کا حصہ تعدد حمل سے متغیر نہ ہو۔ انکو دیگر باقی وارثوں کو نہ دیا جاوے تا انکشاف حل یہاں زوجہ کھوتہ شامل غیر متغیر الفرض ہے کس بنا پر تا انکشاف حل اسکو بھی اور اولاد جانو کو بھی محروم رکھا جاتا ہے۔ اس لئے دونوں فتوؤں کی نقل مرسل خدمت کر کے تکلیف دی جاتی ہے کہ جو فتویٰ صحیح ہو اس پر کثیر علماء حاضرین کی نہ صرف تصدیق بلکہ پوری تقریظ لکھی جاوے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ کون مفتی عالم بتحریر قابل استفتاء ہے، بینوا تو جو ردا نقل فتویٰ مولوی نور حسن۔ مسئلہ حیاتو

زوجہ	رخ عینی	اخت عینیہ	ابنار الاغ
جانو	کھوتہ	سبھل	خدا بخش، بخت علی
۱	۲	۱	محمد دوم

شرعاً اس صورت میں کل متروکہ متوفی بعد ادا اسے حقوق مترتبہ سابقہ تجہیز میت و دین علیہ و وصیت منہ بشرط عدم موانع ارث از قتل و رق و اختلاف دین و دار نیز بشرط حصہ ورثہ با شخاص مرقومہ الصدر اسی طریق پر منقسم ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس استخراج میں واضحاً عیاں ہے۔ انتہی

بعد تردید بعینہ یہی فتویٰ لکھ کر جواب دیا کہ تا انکشاف حل حصہ مال کھوتہ موقوف رکھا جاوے کہ مذکر پیدا ہوتا ہے یا مونث جو ہو پھر اسکے موجب اسکا مسئلہ بنایا جاوے گا علیہ ذہن انتہی ملخصاً بحذف الکلمات التوبیخیہ۔

نقل فتویٰ مولوی سراج احمد صاحب۔

اللہم ہدایۃ الحق والصواب :- چونکہ کتب فقہ و میراث میں طریق مناسبہ حل صریحاً

و مثلاً انہیں لکھا اور مسئلہ مسئلہ میں جانور زوجہ حیات کو کھوتہ کے بعد فوت ہوئی ہے۔ اس لئے محرر فتویٰ نے یہ سد سکندری دیکھ کر مسئلہ حل بنا کر مناسخہ کھوتہ کیا نہ مناسخہ حصہ جانور کیا بلکہ تا انکشاف حمل بجائے موقوف رکھنے حصہ زائد حمل و حصہ اقل باقی و ارثان کھوتہ کے جو مفتی بہ مذہب حنفیہ ہے سالم حصہ کھوتہ و جانور حیات کو تا انکشاف حمل موقوف کر کے اضرار و رثہ کی ایک غلطی اور بجائے منتقل کرنے حصہ کھوتہ و جانور از ترکہ حیات و بدریعہ مناسخہ کے ہر ایک کے سالم اپنے متر و مکہ کا انتقال انکے وارثوں کے طرف بدریعہ علیحدہ علیحدہ مسئلہ بنائیکے دوسری غلطی کی۔ اور مسئلہ حیات تو میں کھوتہ و جانور و ارثان مردہ تک مسئلہ ختم کر کے انکا حصہ انکے وارثان کو نہ دیا تیسری غلطی ہے پس اصل مسئلہ مسئلہ کا جواب صحیح یہ ہے کہ جب کسی وارث کا حصہ قبل از تقسیم میراث بنجاوے تو عمل مناسخہ کرنا ضروری ہے۔ اگر وارث مردہ کے علیحدہ علیحدہ مسئلہ بغیر عمل مناسخہ بنانے سے کام چل سکتا تو وضع قواعد مناسخہ لغو ہوتی۔ اسبطر ح وضع قواعد مسئلہ اہل سے بھی مقصود صرف توقیف حصہ زائد حمل و حصہ اقل بقیہ و رثانہ کے ذریعہ دفع انتقار و اضرار بقیہ و ارثان ہے۔ ورنہ حسب تحریر محرر کتب میراث میں فصل حمل لا نا ضروری نہ تھا صرف یہ لکھ دینا کافی تھا کہ تا انکشاف حمل کسی وارث کو کچھ نہ دیا جاوے نہ مسئلہ بنایا جاوے۔ ہاں یہ امام شافعی کا مذہب ہے مگر وہ یہ شرط کرتے ہیں کہ جس وارث کا حصہ تعدد حمل و عدم تعدد سے متغیر نہ ہو جسے مانحن فیہ میں شامل زوجہ کھوتہ ہے۔ تو اسکو ضرور حصہ دیکر باقی وارثوں کے تا انکشاف منتظر رکھا جائے۔ یہاں بوجہ نکر نے مناسخہ کے حمل کی وجہ سے شامل بجائے خود اولاد جانور بھی ظاہر انتظار میں ڈالی جا کر حقیقہ حصہ جانور از متر و مکہ حیات سے مطلقاً محروم کیے جاتے ہیں۔ افسوس محرر خود تو نہیں سمجھا مگر سمجھانے سے بھی نہیں سمجھا اٹا خاکسار کی توہین و تزیلیل کر رہا ہے

الحمد لله الذی عافانی ممّا ابتلاه به۔ آمین

شرفی فصل حمل میں ہے۔ وروای الخصاص عن ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہ یوقف نصیب ابن واحد و بنت واحد ایتمما اکثر هذا هو اصح و علیہ الفتویٰ و ذالک لان المعتاد الغالب

ان لا تلد المرأة فی بطن واحد الا ولدا واحداً فیتبني عليه الحكم ما لا يعلم خلافه وذكر فی فتاوی
اهل سمرقند ان الولادة ان كانت قريبة توقف القسمة لكان العزل او العجل لم یبطلت لربما لغت بظهور العزل
على خلاف ما قدس وان كانت بعيدة لم توقف اذ فيه اضرار لباقي الورثة ولم یعین للقرب مدخل
احیل على العادة وقيل ما دون اشهر وفي واقعات الناطقی انه تقسم التركة ولا یغرل نصیب العجل اذ
لا یعلم ان ما فی البطن حمل ام لا وان ولدت تستأنف القسمة وعند الشافعی انه لا یدفع الى احد
من الورثة شیء الا من كان له فرض لا یتغیر بتعدد الحمل وعدم تعدده فانه یدفع اليه
فرضه على تقدیر العول ان تصور عول ویترك الباقي الى ان تنكشف الحال اه ایضاً باب مناسخه
یس فی المناسخة هی مفاعلة من النسخ بمعنى النقل والتحويل والمرد بها ههنا ان یتقبل نصیب
بعض الورثة بنوثة قبل القسمة الى من یرث منه والیه اشار بقوله ولو صار بعض
الانصاء میراثاً قبل القسمة اه اگر محرر نے اس خیال پر جانو کا مناسخہ کر کے علیہ مسئلہ
بنانے پر کمر بستہ ہو کر وہ اپنا ربع کھوتے سے فیصلہ کر کے تقسیمائے چکی ہے جو سوال اور بیان
سائل سے باطل ہے۔ تو بغیر موجودگی درضا شہل کے انکی قسمت باہمی بغیر نکالے حصہ شہل
کے قسمت غیر شرعیہ باطلہ قابل نسخ ہے۔ پس جبکہ ایسی قسمت شرعاً لا قسمت ہو گئی تو
بغیر مناسخہ چارہ نہ را اور مختار با قسمت میں ہے۔ وصحت برضاء الشبکاء والا اذا کان فیہم
صغیرا ومجنون الانائب عنه او غائب لا وکیل عنه لعدم لزومها حیث یؤخذ الابا انہ القاضی
او الغائب والصبی اذا بلغ او ولیہ ہذا الورثة ولو شرکاء بطلت اھ ایضاً بعد السطرو فی
استحقاق بعض شائع فی الكل تفسخ اتفاقاً اھ یہاں شامی میں ہے۔ قوله ظہر دین فی
الترکة المقسومة تفسخ القسمة الا اذا قضوة ومثله لو ظہر موصی بالف مرسلۃ تفسخ
الا اذا قضوه لتعلق حق الدائن والموصی له مرسلۃ بالمالية بخلاف ما اذا ظہر وارث
آخر او موصی له بالتثلث او الربع فقال الورثة نقضی حقہ ولا تفسخ القسمة لتعلق حقہا
بعین التركة فلا یتقل الى مال آخر الا برضاها لکافی النہایہ اھ پس مناسخہ مانع فیہ

میں حسب ذیل کیا جاوے

مسئلہ ۲۳۷ ر ۳۲۶					مسئلہ ۲۳۷				
زوجه	اخت عینی	اخت عینیہ	انبار الاخ	زوجه	اخت عینی	اخت عینیہ	انبار الاخ	کھوتہ ۱/۲	کھوتہ ۱/۲
۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲
۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲
۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲
۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲

مسئلہ ۲۳۷					مسئلہ ۲۳۷				
زوجه	اخت عینی	اخت عینیہ	انبار الاخ	زوجه	اخت عینی	اخت عینیہ	انبار الاخ	کھوتہ ۱/۲	کھوتہ ۱/۲
۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲
۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲
۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲
۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲	سبھل	خدا بخش بخت علی	۱۲	۲

مسئلہ ۱۲					مسئلہ ۱۲				
ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن
۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴
۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴
۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴
۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴

یعنی بعد اخراج خرچ متوسطہ تجہیز و تکفین و ادائے وصیت الی الثلث و دیون بشرط صدق السائل فی التیین و عدم قتل الوارث للمورث و عدم ارتداد ہما بالتوہین و انکار ضروریات دین کل مترکہ جانو کو تین صد چھتیس سہام پر منقسم کر کے ہر ایک بچہ پنو شکرد کو چوبیس چوبیس سہم اور شہلان کو بارہ سہم شاہل کو اکیس سہم اور سبھل کو چوراسی سہم اور بچی کو بالفعل انچاس سہم اور حمل کیلئے اٹھانوے سہم امانت میں رکھے جاویں او کو یکھا جاوے اگر حمل مذکر زندہ پیدا ہو تو دس سہم موقوفہ اسکو سالم دیدیا جائے۔ اور اگر حمل زندہ مونث پیدا ہو تو اس سہم موقوفہ اٹھانوے سے چھپن سہم حل مونث کو اور سات سہم پھر بچی کو اور پتیس سہم پھر سبھل کو دیدیا جاوے جسکا مجموعہ اٹھانوے ہے اور کل حصہ بچی کا چھپن برابر حصہ حل مونث ہوگا اور کل حصہ سبھل کا انیس ہے اگر حمل مردہ جنایتہ پیدا ہو تو اس سہم موقوفہ حل (۹۸) سے پتیس سہم بچی کو اور تیر سٹھ سہم سبھل کو پھر دی جاوے

جسکا مجموعہ اٹھانوے ہے اب کل حصہ سابقہ ولاحقہ پچی چوراسی سہم اور سہل کار (۱۳۷) سہم ہوگا

هذا ما عندی من الجواب واللہ اعلم بالصواب فقط

الجواب :- یہ جواب کہ تا انکشاف حمل کھوتہ کا حصہ موقوف رکھا جائے صحیح نہیں بلکہ جواب بھی منکشف و ظاہر ہے انکشاف پر موقوف رکھنے کے کیا معنی۔ اور اگر منور حمل منکشف نہیں ہے شبہ ہے کہ حمل ہے یا نہیں جب بھی کھوتہ کا حصہ موقوف نہیں رکھا جائیگا۔ رد المحتار میں ہے ولو لم يعلم ان ما فی البطن حمل او لا لم یوقف فان ولدت تستأنف القسمة۔ غالباً انکشاف حمل کے معنی وضع حمل کے ہیں مگر جواب اب بھی صحیح نہیں کہ جس وارث کے حصہ میں حمل کی وجہ سے تغیر بھی نہیں ہوتا مثلاً صورت مسئلہ میں زوجہ کہ حل ذکر ہو یا انثیٰ زوجہ کو بہر حال من ہی ملے گا۔ وضع حمل تک اس کا حصہ کیوں موقوف رکھا جائیگا۔ بالجملہ جواب مولوی سراج احمد صاحب کا صحیح ہے کہ حل کو ذکر یا انثیٰ فرض کرنے میں جس کا حصہ زیادہ ہو وہ موقوف رکھا جائے۔ اور باقی ورثہ کو ان کے حصص دیدیئے جائیں پھر بعد ولادت دیکھا جائے کہ وہی پیدا ہوا ہے جس کا حصہ محفوظ ہے تو مال محفوظ دیدیا جائے اور اگر اس کا حصہ محفوظ سے کم ہے تو اس کو دیگر باقی مستحقین کو دیدیئے جائیں رد مختار میں ہے ووقف للحمل حظ ابن واحد و بنت واحدة ایہا کان اکثر وعلیہ الفتوی لانہ الغالب۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ

مسئلہ :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت لا ولد فوت ہو گئی۔ اور اس نے زرمہر جو بوقت نکاح مقرر ہوا تھا نہیں بخشا ہے۔ ایسی صورت میں جو زیورات و سامان چیز جو کہ اس کو والدین اور شوہر کی جانب سے پہنچا تھا اس کا کون وارث ہے آیا شوہر یا اس کے والدین۔ ؟

الجواب :- جہیز جو والدین کے یہاں سے عورت کو ملتا ہے اس کی مالک عورت ہی ہوتی ہے۔ یو میں جو زیورات چڑھاوے میں عورت کو دیے جاتے ہیں ان کے متعلق بھی

ہندوستان کا عرف عام یہی ہے کہ عورت کو مالک کر دیتے ہیں، محض پہننے کیلئے نہیں دیتے جاتے لہذا انکی مالک بھی وہی ہے اور جو زیور بعد میں شوہر دیتا ہے ان کے متعلق صراحتہ یا دلالتہ تملیک ہو تو عورت مالک ہے ورنہ یہ شوہر کی ملک قرار پائینگے۔ عورت کے مرنے کے بعد ہر درجہ میسر اور جو زیور اسکی ملک ہیں وہ حسب فرائض عورت کے وارثوں کو ملیں گے۔ شوہر بھی اسکا وارث ہے اگر عورت کی کوئی اولاد ہے تو شوہر چہارم کا وارث ہے ورنہ نصف کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از مالکینج کلکتہ بذریعہ محمد شکر اللہ خان قادری مرسلہ نجیب اللہ صاحب جمعہ دار ۶ جمادی الثانی ۱۲۸۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حسین خان مرحوم کی اولاد میں دو پوتے ہیں نجیب اللہ خان اور عبد الغفار خان اس وقت عبد الغفار خان کا ارادہ ہے کہ اپنی کل جائداد کو اپنی دختر کے لڑکے صفات اللہ خان کے نام لکھ دیں حالانکہ عبد الغفار کے مرنیکے بعد اسکی جائداد کا مالک نجیب اللہ خان ہونگے البتہ عبد الغفار خان کی لڑکی رابعہ بی بی مرحومہ کا حق دختری حصہ صفات اللہ خان کو ملنے و پانے کا حق ہے اگر عبد الغفار نے اپنی کل جائداد اپنے نواسہ کو لکھ دیا تو کیا کرنا چاہیے ؟

الجواب :- وارث کو میراث سے محروم کرنے کا ارادہ یا اسلئے کوئی فعل کرنا یعنی غیر وارث کو دیدینا بہت بُرا اور گناہ ہے حدیث میں ہے من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنة مگر اپنی زندگی و صحت میں اگر اوسنے ہبہ کر دیا اور قبضہ بھی دلادیا تو یہ ہبہ صحیح ہوگا ورنہ کو واپس لینے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ تقسیم فرائض مرنیکے بعد ہوتی ہے زندگی میں وہ خود مالک ہے اسکی جائداد میں دوسرے کا حق نہیں نہ تخصص شرعی پر تقسیم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو لڑکے ایک لڑکی چھوڑے اور جائداد منقولہ و غیر منقولہ یا صرف غیر منقولہ یا صرف منقولہ چھوڑے تو تقسیم اس کی کیونکر کی جائے۔ لڑکی کا ۵/۱۰ آنہ اور لڑکے کا ۱۰/۲۰ آنہ تو لڑکوں کو ۱۰/۲۰ آنہ دیا جائے گا یا ۵/۱۰ آنہ میں دونوں لڑکوں کو اور اگر لڑکی ایک سے زیادہ ہے تو اسی ۵/۱۰ آنہ میں ان لڑکیوں کو دیا جائے یا ہر لڑکی کو ۵/۱۰ آنہ

دیا جائے جو کچھ ہوا زوئے شرع شریف کے صاف صاف تحریر فرمایئے ؟

الجواب :- اگر وارث صرف یہی تین ہیں یعنی دو لڑکے اور ایک لڑکی تو کل متروکہ پانچ حصے پر تقسیم کر کے ہر لڑکے کو دو دو حصے دیئے جائیں اور لڑکی کو ایک حصہ دیو ہیں اگر لڑکے یا لڑکیاں زیادہ ہوں تو اس طرح تقسیم کریں کہ ہر لڑکے کو ہر لڑکی سے دو ناملے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از ہوڑہ بنیا پاڑہ سنترالین مآجی ٹرائن ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۸۵ھ
مرسلہ جناب حکیم ابو محمد عبدالرزاق صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو بیوی زوجہ اولیٰ سے تین لڑکے محمد حنیف مرحوم و محمد حسین و محمد یوسف اور زوجہ ثانیہ سے دو لڑکے محمد شکور و محمد عاشق مرحوم مگر زید کے انتقال سے پہلے محمد حنیف و محمد عاشق انتقال کر گئے اسکے بعد زید نے انتقال کیا اور حسب ذیل وارث چھوڑے۔

ابن محمد یوسف، ابن محمد حسین، ابن محمد شکور۔ زوجہ اولیٰ۔ زوجہ ثانیہ۔

ابن الابن محمد حنیف مرحوم ابن الابن محمد حنیف مرحوم۔ بنت الابن محمد حنیف مرحوم۔ زوجہ محمد حنیف مرحوم۔ زید کا متروکہ ۸۴ سہام پر منقسم ہو کر تین تین سہام دونوں زوجہ کو اور چودہ چودہ سہام تینوں لڑکوں کو ملینگے محمد حنیف کے بیٹے اور بیٹی اور زوجہ سب محرم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ فدویان امیر بخش و چند امیراتی شہر بریلی محلہ براہمپورہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماری پھوپھی مسماۃ نیازا عمر تقریباً ستر سال اور نابینا تھیں، جس کو بریلی سے گئے ہوئے عرصہ نو ماہ کا ہوا۔ نہیں معلوم کہاں گئیں۔ لہذا مسماۃ مذکور کا ایک مکان محلہ براہمپورہ میں ہے اور کچھ روپیہ اور نقد ایک معزز صاحب کے پاس امانتہ موجود ہے۔ میں اور میرا چچا زاد برادر دونوں اسکے وارث ہیں لہذا ہم دونوں پر ورثہ کس طرح تقسیم ہو گا یا نہیں ؟ اور مسماۃ کا انتظار کب تک کیا جاوے ؟

الجواب :- جو شخص ایسا غائب ہو کہ اس کا پتہ نہ چلے او سے مفقود کہتے ہیں اور اس کا حکم یہ ہے

کہ اوسکا مال اسوقت تک محفوظ رکھا جائے جب تک اوسکی موت معلوم نہ ہو، یا یہ کہ قاضی اوسکی موت کا حکم دیدے اور قاضی کب موت کا حکم دینگا اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں مگر امام ابن ہمام نے جس قول کو اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اسکی عمر ستر سال کی ہو جائے ردالمحتار میں فتح القدیر ہے

واختار ابن ہمام سبعین بقوله عليه الصلوة والسلام اعمار امتي ما بين الستين الى السبعين فكانت المنتهى غالبا۔ اور چونکہ مسماۃ مذکورہ کی عمر تقریباً ستر سال کی ہے۔ لہذا اگر ثابت ہو کہ ستر سال کی عمر ہو چکی ہے تو حکم موت دیا جاسکتا ہے مگر یہ کام قاضی کا ہے اور یہاں ہندوستان میں قاضی نہیں یہ کام شہر کا سب میں بڑا عالم کر سکتا ہے کہ وہ ایسی صورت میں قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے اسکے پاس معاملہ کو پیش کیا جائے اگر وہ موت کا حکم دیدے تو جو کچھ مسماۃ کا مال ہے وہ صورت مسئلہ میں دونوں وارثوں میں حسب شرائط فرائض برابر برابر تقسیم کر دیا جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- از الورد محلہ نواب پورہ مسجد دائرہ بر مکان حافظ اختر خان مرسلہ زوجہ جرنل داؤد خان مرحوم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتی صاحبان شہر بریلی یوپی۔ ان سوالات کے بارے میں

(۱) زید سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے لڑائی پر جانے لگا تو اس نے حسب ذیل مضمون کی ایک تحریر لکھ کر چند گواہی گواہوں کی کرا کر اس تحریر کو باقاعدہ رجسٹری کرا دی اسکا مضمون یہ کہ میری دو بیٹیاں ہیں پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے اور تین لڑکیاں ہیں اس لڑکے کو ایک مکان دیتا ہوں جس میں اسکی والدہ بھی حقدار ہے رہی تین لڑکیاں انکو حق نقد دیدیا گیا ہے دوسری بیوی کے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے ان چاروں کو دو سہر مکان دیتا ہوں جس میں انکی ماں حق دار ہے۔ یہ بیوی اور چار لڑکے اس پہلی اور اس کے مکان میں کوئی حق نہیں رکھتے اور نہ وہ بیوی اس کا لڑکا اس دوسری بیوی کے اور لڑکوں کے مکان سے کوئی تعلق رکھیں گے اگر دونوں بیویوں سے پھر اولاد ہو تو وہ اپنے اپنے ترکہ میں حصہ پاوے گی یہ تحریر لکھ کر جنگ کو چلا جاتا ہے کچھ عرصہ کے بعد زید واپس آتا ہے اور سترہ سال زندہ رہ کر انتقال کر جاتا ہے زید کی زندگی میں ہی اسکی پہلی بیوی کا

لڑکا ایک بیوی اور ایک لڑکی چھوڑ کر مر جاتا ہے اور دوسری بیوی کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں اور پیدا ہوتی ہیں گویا زید کے مرنے کے بعد دو بیویاں اور سات لڑکے اور چھ لڑکیاں زندہ موجود ہیں پہلی بیوی کی صرف تین لڑکیاں اور ایک اس کے مرحوم پسر کی بیوی اور ایک لڑکی موجود ہے دوسری بیوی کے سات لڑکے اور تین لڑکیاں زندہ موجود ہیں ؟

(۲) یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے کہ پہلی بیوی کا مہر پانچ صد روپیہ تھا دوسری بیوی کا ۳۲ روپیہ اس کو بد نظر رکھتے ہوئے بلا حفظ ہو بڑی بیوی کو جو مکان دیا وہ بارہ سو روپیہ کی لاگت کا تھا اور چھوٹی بیوی کو جو مکان دیا وہ سات ہزار کی لاگت کا ہے پس جبکہ شریعت کے مطابق شرعیہ حکم ہے کہ جب تم انصاف کر سکو تو ایک سے زائد چار تک نکاح کر سکتے ہو لیکن زید نے دونوں کے مابین انصاف نہیں کیا نہ تحریر میں لاگت جائداد تھی نہ تعین مہر اور لڑکیوں کے حق کی تفصیل کی پس ایسی تحریر زید کے جانب سے قابل التفات ہے یا نہیں حالانکہ چار لڑکیاں جنکو تحریر میں حق دینا لکھا ہے وہ قطعی انکاری ہیں ان لڑکیوں سے کسی نے وقت تصدیق تحریر مذکور دریافت نہیں کیا اور نہ اسکی تحریر میں کسی دیگر حقوق شرعی و جائداد منقولہ کا ذکر ہے تو کیا یہ تحریر وصیت نامہ کہی جائیگی یا ہبہ نامہ اور نیز شستر سال تک جو زید نے کمایا اور اس جائداد کے علاوہ دیگر جائداد غیر منقولہ و منقولہ پیدا کر لی اسکا یہی فیصلہ شرعی نہیں تو پس اب ایسی صورت میں کون کون کتنے کتنے حصہ کا شرعاً حقدار ہے ؟

الجواب ۱-۲ :- تحریر مذکور ہبہ نامہ ہے اس کو وصیت سے کوئی تعلق نہیں اور چونکہ یہ ہبہ مشاع ہے کہ ایک مکان زوجہ اولیٰ اور اسکے لڑکے کو دیا اور دوسرا زوجہ ثانیہ اور اسکے لڑکوں کو دیا یعنی ہر ایک ہبہ میں مویوب کہ متعدد ہیں لہذا یہ ہبہ صحیح نہیں۔ در مختار میں ہے۔ و شرائط صحتهما فی المویوب ان یكون مقبوضا غیر مشاع ممیزا غیر مشغول۔ نیز اسی میں ہے۔ لا تتم بالقبض نیما یقسم ولو وہبہ شریکہ اولاجنبی۔ لہذا صورت مستفسرہ میں زید کی کل جائداد منقولہ و غیر منقولہ سے اولا تجہیز و تکفین ہوگی اوسکے بعد دین ادا کئے جائیں اور دونوں بیویوں کے مہر دیئے جائیں اگر معاف نہ کئے ہوں۔ پھر جو کچھ بچے تین مویوب سہام پر تقسیم کر کے ہر ایک

زوجہ کو بیس بیس سہام ملینگے اور چودہ چودہ سہام ہر ایک لڑکی کو اور اٹھائیس اٹھائیس سہام ہر ایک لڑکے کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مسئلہ :- مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب سلمہ از میرٹھ
 زید کے والد نے انتقال کیا جس کو تقریباً دس سال ہوئے۔ ترکہ کی تقسیم شرعی نہیں ہوئی تھی۔ اسکی دو بہنوں نے اور ایک بہن مرحومہ کی اولاد نے اپنے حصص شرعی ایک غیر شخص کے نام میں جمع کر دیے۔ اور زید کو اطلاع بھی نہیں دی اس میں نامہ کو تقریباً ایک ماہ ہوا اور نہایت خفیہ طور پر یہ کارروائی کی گئی ہے۔ جو جائداد کہ ترکہ میں ورثہ کو ملی ہے۔ وہ مکانات ہیں ہر ایک مکانات میں چند اشخاص کا حصہ ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کو حق شفعہ کا دعویٰ کرنا چاہیے۔ یا اس پر دعویٰ کرے کہ یہ بیع بدون اجازت سرکار ہوئی ہے لہذا ناجائز اگر حق شفعہ کا دعویٰ کرے تو از روئے شرع اس کی کیا صورت ہے۔ یعنی کچھری میں کس طرح دعویٰ دائر کرنا چاہیے۔ حق شفعہ کیلئے کیا شرائط ہیں اور کتب شفعہ کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے اسکو عمل میں لانے کی کیا شکل ہے۔ ایک شفعہ کی نالش صرف اس بنیاد پر خارج ہو چکی ہے کہ جس وقت شفعہ کرنے والے کو بیع کا علم ہوا تھا وہ اسی وقت فوراً بیتاب ہو کر بائع نے پاس نہیں کیا بلکہ ۲۰ منٹ کے بعد گیا۔

اور اگر بیع کو ناجائز قرار دے تو اس کا دعویٰ کس طرح پیش کیا جائے مال مشترک میں ایک شریک بدون دوسرے کی اجازت کے بیع نہیں کر سکتا اگر شریک آخر کے نقصان کو مستلزم ہو اگر دیا تو یہ بیع ناجائز ہے یعنی باطل یا قاضی اسکو ساقط قرار دے سکتا ہے۔ بہر کیف زید کو کیا کرنا چاہیے اور ہر ایک صورت کو بالتفصیل بیان کیا جائے۔ برائے کرم جمعہ سے پیشتر جواب عنایت کر دیا جائے ورنہ جمعہ تک تو ضرور آنا چاہیے کتابوں کی عبارتیں بھی نقل کر دی جائیں ؟

الجواب :- کچھری کی کاروائیوں کو دیکھ کر سے دریافت کیا جائے وہ خوب جانتے ہیں۔ شرعی جواب یہ ہے مال مشترک کی بیع بلا مشیہ جائز ہے اگر اس بیع سے شریک کو ضرر پہنچے کا خیال ہو تو اسکے لئے حق شفعہ رکھا ہے اگر بیع بھی جائز نہ ہوتی تو اس صورت میں شفعہ کی کیا ضرورت ہوتی

ہدایہ میں ہے۔ الشفعة واجبة للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع کالشرب والطریق ثم للجار۔ حق شفعة ثابت ہونے کیلئے یہ ضرور ہے کہ جس وقت شفع کو خبر ملی فوراً بلا تاخیر اپنی زبان سے شفع ہونا ظاہر کرے اگر کچھ بھی توقف کرے گا شفعہ باطل ہوگا اسکو طلب مواثبت کہتے ہیں،

ہدایہ میں ہے اعلم ان الطلب علی ثلاثة اوجه طلب المواتبة وهو ان يطلبها كما علم حتى لو بلغ الشفع المبیع ولم يطلب شفعة بطلت الشفعة۔ اس کے بعد طلب تقریر و اشہاد کرے کہ مبیع اگر بائع کے قبضے میں ہے تو اس کے پاس جا کر یا مشتری کے پاس جا کر یا خود اس مبیع کے پاس جا کر گواہوں کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ تو نے یا فلاں نے اس مکان کو خریدا ہے میں اس کا شفع ہوں اسے حاضرین تم اسکے گواہ ہو جاؤ اس طلب میں اگر تاخیر ہو تو شفعہ ساقط نہوگا۔ سوم طلب خصوصیت ہے یعنی قاضی کے یہاں دعویٰ کرنا، تفصیلات کیلئے ہدایہ وغیرہ کی کتاب الشفعہ کا مطالعہ کیا جائے، واقعہ اعلیٰ مسئلہ:- مرسلہ سلیم الدین ابن شیخ محمد بخش مرحوم گھوڑیا باغ ضلع علی گڑھ

بتاریخ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو زوجہ چار لڑکے پہلی زوجہ سے اور دو لڑکے چار لڑکیاں دوسری زوجہ سے چھوڑا اور چار ہزار کی مالیت جس میں دو ہزار کی جائداد اور دو ہزار کا کاروبار تیار چھوڑا زوجہ اولیٰ اور زوجہ ثانیہ اور اسکی اولاد نے بالاتفاق باہمی تقسیم کر لی جائداد میں تین مکانوں میں بڑا مکان ایک ہزار کی مالیت کا زوجہ ثانیہ اور اسکی اولاد کے حصہ میں آیا اور دو مکان قیمتی ایک ہزار زوجہ اولیٰ اور اسکی اولاد کو ملا کارخانہ کی تقسیم میں زوجہ اولیٰ اور اسکی اولاد نے فریق ثانی کو مبلغ ایک ہزار روپیہ برضامندی فریق ثانی ادا کر دیا گویا زوجہ اولیٰ کی اولاد کو ترکہ ایک ہزار کی مالیت کے دو مکان اور ایک ہزار کی لاگت کا کاروبار پہنچا زوجہ اولیٰ کے بڑے لڑکے نے جو بالغ تھے اپنی والدہ اور صغیر السن بھائیوں کی کفالت کی اور کاروبار کو بھی اپنی محنت و مشقت سے بذریعہ تجارت اعلیٰ پیمانہ پر پہنچا دیا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زوجہ اولیٰ کی اولاد میں تقسیم حصص آیا مالیت متروکہ سے کیجا نیگی یا اس آمدنی سے

جواب اس مال متروکہ سے بدرجہا زائد ہے اور اس ترکہ کو تجارت میں لگانے سے پیدا ہوئی ہے ؟ بینوا تو جروا

الجواب :- یہاں دو صورتیں ہیں اگر بڑے لڑکے کے علاوہ دوسرے لڑکے بھی کاروبار میں شرکت کرتے تھے اگرچہ بڑا لڑکا زیادہ کام کرتا تھا اور زیادہ سمجھدار اور تجارت میں ماہر تھا۔ اگرچہ یہ شرکت مفادہ نہیں قرار پائے گی مگر یہ سب نفع میں برابر کے شریک ہیں۔ رد المحتار میں ہے یقع کثیراً فی الفلاحین ونحوہم ان احدہم یموت فتقوم اولادہ علی ترکتہ بلا قسمة ویعملون فیھا من حرث و زراعة و بیع و شراء واستدانة ونحو ذلک وتامرة یكون هو الذی یتولی مہماتہم ویعملون عنده بامره وکل ذلک علی وجہ الاطلاق والتفویض لکن یلا تصریح بلفظ المغاضاة ولا بیان جمیع مقتضیاتہا مع کون التركة اغلبہا او کلہا عروض لا تصح فیہا شركة العقد ولان هذه لیست شركة ومفاضة خلافا لہا فتی بہ فی زماننا من لاخیرۃ لہ بل ہی شركة ملک كما حررتہ فی تنقیح العامدیۃ ثم رأیت التصریح بہ بعینہ فی فتاویٰ العانوی فاذا کان سقیم واحد الم یتمیز ما حصلہ کل واحد منہم یعملہ یكون ما جمعا مشترکا بینہم بالسریۃ وان اختلفوا فی العمل والرای کثرة وصوابا لہا فتی بہ فی الخیریۃ۔ اور اگر چھوٹے بھائیوں نے کام نہیں کیا ہے خرید و فروخت بڑا بھائی کرتا تھا مگر وہ یہ سب کا تھا تو نفع کا مالک صرف بڑا بھائی ہے فتاویٰ مالگیریہ میں ہے۔ لو تصرف احد الورثة فی التركة المشتركة ورجع فالرجع للتصرف وحده کذا فی الفتاویٰ الغیاثیہ۔ لہذا اگر صورت واقعہ یہ ہو تو اصل ترکہ میں جتنا حصہ ہر بھائی کیلئے ہوتا ہے اسکو ملے گا اور تجارت کے منافع بڑے بھائی کیلئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مرسلہ مولوی غلام جیلانی صاحب محلہ اندر کوٹ میرٹھ ۲۵ محرم ۱۳۵۶ھ

بندہ ^{زوج} ^{بنیت} سوال یہ ہے کہ ایک سہم باقی ماندہ بتمامہ بنت پر رد کر دیا جائے یا ایک صورت ہوگی موجودہ زمانہ میں زوج و زوجہ پر رد کیا جائے یا نہیں ؟

الجواب :- اصل مذہب و روایت متون یہی ہے کہ زوجین پر رد نہ کی جائے مگر تاخرین

یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس لئے تھا کہ بیت المال صحیح حالت پر نہ سابق میں موجود تھا
 بعد فرض احد الزوجین مال بیت المال کا ہوتا ہے اور اس صحیح مصرف میں صرف ہوتا
 اور اس زمانہ میں بیت المال کی حالت خراب ہو چکی ہے۔ لہذا رو کیا جائے یہ وہاں کا حکم تھا کہ
 بیت المال تھا اگرچہ خراب حالت میں تھا یہاں ہندوستان میں اسکا وجود نہیں لہذا ناچار رو
 کرنا ہی ہے۔ متاخرین نے رد کرتے پر ہی فتویٰ دیا۔ رد المحتار میں ہے۔ وقال فی المستصفیٰ الفتویٰ
 الیوم بالرد علی الزوجین وهو قول المتأخرین من علمائنا وقال الحدادی الفتویٰ الیوم بالرد
 علی الزوجین وقال المحقق احمد بن یحییٰ بن سعد التفتازانی افتی کثیر من المشائخ بالرد
 علیہا اذ لم یکن من الاقارب سواہما لفساد الامام وظلم الحکام فی هذه الايام۔ متاخرین
 کا یہ فتویٰ اگرچہ بظاہر متون مذہب و ظاہر الروایت کے خلاف ہے مگر ان کی تعلیل و تصریحات کو
 دیکھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مخالفت حقیقتہ مخالفت نہیں بلکہ اسکی بنا اختلاف زمان ہے
 اور اسکی نظائر شرع میں کثیر ہیں کہ اختلاف زمان و عادات سے حکم مختلف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ
 شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں لا یغنی ان المتون موضوعة لنقل ما هو المذهب وهذه المسئلة
 مما افتی بہا المتأخرون علی خلاف اصل المذهب للعدة المذكورة كما افتوا بنظیر ذلك فی مسئلة
 الاستیجار علی تعلیم القرآن مغالین لاصل المذهب لغشیة ضیاع القرآن ولذلك نظائر ایضا
 وحيث ذکر الشرح الافتاء علی مسائلتنا فلیعمل بہ ولا سیمای مثل زماننا انہا یاخذہ من یسنى
 وکیل بیت المال ویصرفہ علی نفسه وخدمہ ولا یصل منه ائی بیت المال شیء والعاصل ان
 کلام المتون انہا ہو عند انتظام بیت المال وکلام الشروح عند عدم انتظامہ فلا معارضة
 بینہما فمن امکنہ الافتاء بذک فی زماننا فلیفت بہ لہذا احالات زمانہ کو دیکھتے ہوئے
 زوجین پر رد ہی حکم دینا چاہئے یہی بات کہ احد الزوجین پر رد ہر صورت میں ہے یعنی ان
 کے سوا دوسرا وارث ہو جب بھی یا صرف اسی صورت میں ہے کہ دوسرا وارث نہ ہو بظاہر کلمات
 متاخرین سے صورت اولیٰ ثابت ہوتی ہے کہ جب احد الزوجین پر رد کا حکم متاخرین نے دیدیا تو

تو چاہے من یرد علیہ ہو یا نہ ہو اس پر رد ہوگا مگر علماء نے جو علت بیان کی ہے وہ فساد بیت المال ہے لہذا جس صورت میں بیت المال میں دینے کا حکم تھا اسمیں ابدال الزوجین کو دیدیا جائے مگر جہاں من یرد علیہ موجود ہے اور بیت المال میں دیا ہی نہیں جائے گا۔ ایسی صورت میں ظاہر الروایت سے عدول کی کوئی وجہ نہیں لہذا اس صورت میں ابدال الزوجین پر رد نہ ہونا چاہیے ردالمحتار کی عبارت منقولہ بالا میں محقق احمد بن یحییٰ تفتازانی کی عبارت کا بھی مقتضی ہے وہ رد کی یہ شرط بتاتے ہیں اذالم یکن من الاقارب سواھما اور روایت فقہیہ میں مفہوم مخالف مقبر ہوتا ہے پس من یرد علیہ کہے ہوتے ہوئے ابدال الزوجین پر کیوں رد کیا جائے نیز ردالمحتار میں ایک دوسری عبارت بھی صاف اس پر دلالت کرتی ہے۔ وہی ہذہ فی المستمقی والفتویٰ الیوم علی الرد علی الزوجین عند عدم المستحق لعدم بیت المال اذ الظلمۃ لا یصرفونہ الی مصرانہ۔ پس صورت مسئلہ عنہا میں بنت کو تین سہام دے جائیں اور ایک سہم زوج کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :- مسئلہ مولوی مسعود الرحمن خان صاحب رئیس حبیب رنج ۲۱ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ ایک شخص ولی محمد خان مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ انھوں نے حسب ذیل قریبی رشتہ دار چھوڑے ہیں ان میں سے وارث کون کون ہوگا اور حصص وراثت کس طرح متعین ہونگے ؟

ولی محمد خان

بھتیجا حقیقی
چار

بھتیجا حقیقی
ایک

دوسرے یہ امر دریافت طلب ہے کہ متوفی مرحوم نے یہ وصیت کی ہے کہ ان کی قبر بختہ کر دی جائے آیا یہ وصیت شریعت کے احکام کے مطابق ہے ؟

الجواب :- ولی محمد خان کا وارث اس صورت مذکورہ میں صرف حقیقی بھتیجا ہے بھتیجاں محروم ہیں اور متوفی نے قبر بختہ کرنے کی جو وصیت کی ہے یہ مختلف فیہ ہے کیوں کہ قبروں کو بختہ کرنے میں علماء مختلف ہیں جو لوگ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں ان کے طور پر یہ وصیت باطل ہے اور جو جائز کہتے ہیں ان کے نزدیک وصیت بھی صحیح ہے صحیح مسلک اس بات میں یہ ہے

کہ علماء و مشائخ کی قبور کو اوپر سے بختہ کرنا جائز ہے عوام کیلئے مکروہ لہذا اس وصیت کو ویسا ہی سمجھنا چاہیے۔ در مختار میں ہے اوصی ان یطین قبره او یضرب علیہ قبة فہی باطلۃ کما فی الخانیۃ وغیرہا وقد مناه عن السراجیۃ وغیرہا لکن قد منایہا فی الکرایمیۃ انہ لا یکرہ تطین القبور فی المختار فینبغی ان یکون القول بطلان الوسیۃ بالتطین مبینا علی القول بالکرایمیۃ لانہا حینئذ وصیۃ بالمکروہ کذا قالہ المصنف فتاویٰ عالمگیری میں ہے واذا اوصی بان یطین قبره او یوضع علی قبر قبة فالوسیۃ باطلۃ الا ان یکون فی موضع یحتاج الی التطین لغرف سبع ونحوہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مرسلہ یاد علی صاحب وارثی از ہنداول ضلع بستی ۲۰ محرم الحرام ۱۲۷۵ھ زید اور زبیدہ عرصہ سے والدین اور بھائی بندوں سے علیحدہ رہتے تھے۔ دونوں زید وزبیدہ میاں بیوی تھے۔ کاروبار سب علیحدہ تھا اتفاقاً زید کا انتقال ہو گیا۔ اب زید کے والدین بھائی برادر زید کا جو کچھ روپیہ پیسہ تھا اس میں سے حصہ چاہتے ہیں از روئے شریعت زید کے ترکہ کا کون وارث ہوگا؟ بینوا تو جروا

الجواب: زید کے متروکہ سے ایک چوتھائی اسکی بیوی زبیدہ کو ملے گی اور چھٹا حصہ اسکی ماں کو باقی اس کے باپ کو۔ اس کو یوں سمجھئے کہ زید کا ترکہ بارہ سہام پر تقسیم کیا جائے گا تین حصہ اس کی زوجہ زبیدہ کو اور دو حصے اسکی ماں کو اور باقی سات سہام اس کے باپ کو ملیں گے۔ اس صورت میں اس کے بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا۔ یہ تقسیم ترکہ بعد اخراج اخراجات تجہیز و تکفین و بعد ادا مئے دین مہر و جملہ دیون کے ہوگی۔ اور اگر کوئی وصیت کی ہے تو وصیت بھی تقسیم ترکہ پر مقدم ہے جبکہ وہ اس کے مال کی تہائی تک ہو اس سے زیادہ نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم